www.KitaboSunnat.com

الامام شمس الدین محمد بن ابی بکر بن القیم الجوزیہ

۶۹۱ ـــــ ۷۵۱ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے

کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلام میں

عدل کے ضابطے

ترجمہ و حواشی:

جناب پروفیسر طیب شاہین لودھی

ترجمہ اُردو:

الطرق الحکمیۃ فی السیاسۃ الشرعیۃ

امام ابن قیم الجوزیہ رحمۃ اللہ علیہ ۶۹۱ھ-۷۵۱

ناشر:

فاروقی کتب خانہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نام کتاب ———— "اسلام میں عدل کے ضابطے"
ترجمہ کتاب ———— "الطرق الحکمیہ فی السیاسۃ الشرعیہ"
مؤلف ———— حافظ ابنِ قیمؒ رحمۃ اللہ علیہ
مترجم ———— پروفیسر طیّب شاہین لودھی
طابع ———— رُوحانی آرٹ پریس ۔ ملتان
کتابت ———— استاذ خلیل الرحمن چشتی
حافظ محمد عباس
یوسف جاوید ملتانی
ناشر ———— فاروقی کتب خانہ، بیرون بوہڑ گیٹ ملتان
سن طباعت ———— ۱۹۹۴ء
بار ———— اوّل
04927
تعداد ———— ۲۲۰۰، بائیس سو
قیمت ———— نیوز پیپر مجلد ۱۵۰/ روپے
مجلد اعلیٰ کاغذ ۲۴۰/ ؍؍

نوٹ: ————
اس ترجمہ کے حقوق برائے اشاعتِ دائمی
فاروقی کتب خانہ نے مترجم سے خرید لئے ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فہرست

اسلام میں عدل کے ضابطے

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
پیشِ لفظ	۱۳	عدالتی فیصلوں میں قرائن اور دلائل حال ومقال کی اہمیت۔	۳۹
عرضِ ناشر	۱۵	حضرت یوسفؑ کے شاہد کا قصہ	″
عرضِ مترجم	۱۷	ظاہری قرائن میں حضرت عمرؓ کا طرزِ عمل	۴۱
حالاتِ زندگی علامہ ابن قیمؒ	۱۹	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کی نظیر۔	۴۲
حصۂ اوّل	۲۳ تا ۲۶	مذکورہ نظیر سے استنباط	۴۳
خطبہ کتاب	۲۴	سیدنا علیؓ کے عمل کی نظیر	۴۴
شہادت قرائن اور دلائل حال مقال	۲۵	گری پڑی شے کی علامت بتا دینا ملکیت کے قائم مقام ہے۔	۴۵
مسئلہ اور اس کا جواب	″	عدالتی فیصلوں میں قیافہ کی اہمیت	″
جج کے لئے شواہد حال کے فہم کی اہمیت	۲۶	عورت کا لعان سے انکار کا قرینہ	۴۶
احکامِ کلیہ اور نفسیات انسانی کا فہم	۲۷	قیافہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کی نظیر۔	۴۷
اسلام اور سیاست عادلہ کا تعلق	″	بَیِّنہ کا اطلاق	″
سیاست کی قسمیں	″	بَیِّنہ کی سنت سے مثال	″
حضرت سلیمانؑ کی فراست	۲۸		
حدیثِ سلیمانؑ پر علماء حدیث کی تبویب۔	″		

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عنوان	صفحہ
قرائن وعلامات کا اعتبار	۴۸
فراست کی توضیح	//
سیاستِ شرعیہ	۴۹
سیاستِ شرعیہ اور افراط وتفریط	//
سیاستِ عادلہ شریعت کے مطابق	۵۱
سُنّت رسول اللہ صلی اللہ وسلم	//
صحابہ رضؓ کرام کے فیصلے	۵۲
حضرت عمر رضؓ اور طلاقِ ثلاثہ	۵۴
سیّدنا عمر رضؓ اور حلالہ کا سدِباب	۵۶
امہات الأولاد کی بیع کی ممانعت	//
سیّدنا عمر رضؓ کی تمتع سے ممانعت	۵۷
سنّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی اوّلیت۔	//
فروعی قوانین اور تغیّر زمان ومکان	//
فروعی قوانین کی مثالیں	۵۸
قرآئن کے مطابق عمل کی مثالیں	۵۹
علامات وقرآئن سے افادہ علم یقینی	//
عیب سلعہ شہادتِ حال کا قرینہ	۶۱
دلیل کے بغیر دعویٰ باطل ہے۔	//
مقدارِ قرض کے تعیّن پر مرتھن کے قول کا اعتبار۔	۶۲

عنوان	صفحہ
عرف اور عادت کا اعتبار	۶۲
شریعت کا مقصد اثباتِ حق ہے۔	۶۳
حصّہ دوم	۶۵ تا ۱۵۸
مسلمان ججوں کی بے نظیر فراست	۶۷
کعب بن سور رحؒ	۶۷
قاضی شُریح رحؒ	۶۸
قاضی ایاس رحؒ	۶۹
قاضی ابو خازم رحؒ	۷۰
امام أهل فراست سیّدنا عمر رضؓ	۷۴
سیّدنا عثمان بن عفان رضؓ	۷۷
حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ	//
سیّدنا حضرت علی رضؓ	//
قاضی ایاس بن معاویہ رضؓ	۷۸
سُنّت سے فراست کی مثالیں	۸۳
سیّدنا عمر رضؓ	۸۴
سیّدنا علی رضؓ	۸۵
سیّدنا عبداللہ بن رواحہ رضؓ	//
سیّدنا محمد بن مسلمہ رضؓ	//
ابن ابی لیلیٰ تابعی رضؓ	۸۶
سیّدنا خزیمہ بن ثابت رضؓ	//

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عنوان	صفحہ
سیدنا حذیفہ بن الیمان رضؓ	۸۶
سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضؓ	۸۷
سیدنا عمرو بن العاص رضؓ	۸۸
سیدنا حسن بن علی رضؓ	۸۹
سیدنا حسین بن علی رضؓ	″
سیدنا عباس رضؓ بن عبدالمطلب	۹۰
عبدالملک بن مروان عباسی	″
خلیفہ منصور عباسی	۹۱
خلیفہ مہدی عباسی	″
خلیفہ معتضد باللہ عباسی	۹۲
فراست کی ایک مثال	۹۴
تکلم میں مناسب الفاظ کا استعمال	″
احمد بن طولون کا واقعہ	۹۶
خلیفہ مکتفی باللہ	
حضرت علی رضؓ کے بنیظیر فیصلے	
سیدنا علی رضؓ دنیا کے ذہین ترین جج	
حالتِ اضطرار میں زناء پر حضرت علیؓ کا فیصلہ۔	
جبری فعل قومِ لوطؑ	
اسلامی قانون میں ایک گواہ اور مدعی کے حلف کی حیثیت	۱۲۷
مقدمات مالیہ میں شہادت کا نصاب	۱۳۰
ایک گواہ اور مدعی کے حلف مخالفین	۱۳۶
پہلی دلیل	″
دوسری دلیل	۱۳۹
اسلامی قانون میں ایک گواہ کی حیثیت۔	۱۴۱
رؤیتِ ہلال پر صرف ایک شخص کی گواہی۔	۱۴۳
اسلامی قانون میں عورت کی گواہی	۱۴۶
عورت کی گواہی کے بارہ میں امام احمد کا مسلک۔	″
ایک عورت کی گواہی پر حدیث سے استدلال۔	۱۴۸
امام ابو عبید رحؒ کا محاکمہ	۱۵۲
اسلامی قانون میں ماہرین کی گواہی۔	۱۵۱
مطالبہ حلف اور حلف کا انکار۔	۱۵۵

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عنوان	صفحہ
حصہ سوم	۱۵۹ تا ۱۹۲
دعاوی اور ان کی اقسام	۱۶۱
دعاوی میں اہلِ مدینہ کا مذہب	"
مرتبہ اوّل	"
مرتبہ ثانی	"
مرتبہ ثالث	"
دعاوی میں جیل بھیجنے اور تعذیب کا جواز۔	۱۶۸
شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کا فتویٰ	"
دعاوی کی اقسام	۱۶۹
علامات ونشانات کی شرعی حیثیت	۱۷۲
شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی رائے	۱۷۹
دعاویٔ تہمت	۱۸۱
دعاوی تہمت میں نیک نام مدعا علیہ	"
دعاوی تہمت میں مجہول الحال مدعا علیہ	۱۸۲
نظر بندی کا اختیار اور اسکی مدت	۱۸۴
دعاوی تہمت میں فاسق وفاجر مدعا علیہ	۱۸۵
عادی مجرم کے لئے تعذیبِ جسمانی اور قید۔	۱۸۷
اختیارات کا تعین	۱۸۸
مال برآمد کرانے کے لئے ملزم کو جسمانی عقوبت دینا	"
جرائم کی اقسام	۱۸۹
تعزیر کی مقدار کا تعین	"
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدینؓ کی سنت۔	۱۹۱
متہم شخص کو جسمانی سزا۔	"
حصہ چہارم	۱۹۳ تا ۴۷۰
فیصلوں کے ضابطے	۱۹۳
ضابطہ ۱ قبضہ مجرد	۱۹۵
ضابطہ ۲ مجردِ انکارِ دعویٰ	۱۹۶
عبادات اور حدود میں مطالبہ حلف	۱۹۸
حدود میں مطالبہ حلف سے مستثنیٰ صورت	"
جمہور فقہاء کا مذہب	۱۹۹
دعویٰ بلوغت میں حلف	۲۰۰
مطالبہ حلف کے فوائد	۲۰۱
ضابطہ ۳ قبضہ اور صاحب قبضہ کا حلف۔	۲۰۳
قبضہ کی اقسام	۲۰۵
۱۔ قبضہ باطل	"
۲۔ قبضہ ناحق	"
دعاوی میں عرفِ عام کی رعایت	۲۰۶
۳۔ قبضہ محتمل	۲۰۷

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
ضابطہ ۷ انکارِ حلف اور ردِّ حلف۔	۲۰۸	مراسلت اور جرح و تعدیل میں ایک گواہ کا اعتبار۔	۲۳۲
انکارِ حلف اور ردِ حلف کے بارہ میں فقہاء کی آراء۔		ضابطہ ۷ ایک گواہ اور مدعی کا حلف۔	۲۳۳
علامہ ابن حزمؒ کی رائے اور استدلال۔	۲۱۳	ضابطہ ۸ گواہ کے پھر جانے پر مدعی کا حلف۔	۲۴۴
امام مالکؒ پر ابن حزم کی تنقید محاکمہ	۲۱۴	ضابطہ ۹ دو گواہ اور مدعی کا حلف۔	۲۴۹
صحابہؓ کرام سب سے زیادہ تفقہ رکھتے تھے	۲۱۶	جنایاتِ مالیہ کے مقدمات	۲۵۰
علامہ ابن حزمؒ کی ایک اور دلیل	۲۱۸	ضابطہ ۱۰ گواہوں سے حلف	۲۵۲
انکارِ حلف کی حیثیت	۲۲۰	حلف کی اقسام	۲۵۳
امام شافعیؒ کا مذہب	″	مدعی سے حلف لینا اور اسکی اقسام	″
امام ابو حنیفہؒ اور صاحبین کا مذہب	۲۲۱	اوّل	″
بذل اور اقرار پر تبصرہ	۲۲۲	قسامہ خون	″
حلف کو مدعی کی طرف لوٹانے کی کیفیت	۲۲۳	قسامہ مال	″
ضابطہ ۵ صرف ایک گواہ کی شہادت پر فیصلہ۔		ثانی	۲۵۵
	۲۲۴	ثالث	″
رؤیت ہلال۔	″	رابع	″
طبیب وغیرہ کی گواہی۔		خامس	۲۵۶
مردوں سے پوشیدہ معاملات میں ایک عورت کی گواہی۔		مدعا علیہ سے حلف لینا	۲۵۷
		گواہ سے حلف لینا	″
ضابطہ ۶ ترجمانی تعارف	۲۳۲	ضابطہ ۱۱ ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی۔	۲۶۰

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عنوان	صفحہ
ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت کے مواقع۔	۲۶۲
عورتوں کی شہادت کی اقسام	۲۶۳
ضابطہ ۱۲ عورتوں کی شہادت مردوں کی معیت کے بغیر۔	۲۶۸
ضابطہ ۱۳ مدعی کا گواہ اور مدعا علیہ کا انکارِ حلف۔	۲۷۱
ضابطہ ۱۴ دو عورتوں کی شہادت اور مدعی کا حلف۔	۲۷۵
اعتراضات	″
جوابات	۲۷۶
ضابطہ ۱۵ دو عورتوں کی شہادت	۲۷۸
ضابطہ ۱۶ تین مردوں کی شہادت	۲۷۹
ضابطہ ۱۷ چار مردوں کی شہادت	۲۸۱
زنا اور عمل قوم لوط	″
بہائم کے ساتھ بدفعلی	۲۸۳
ضابطہ ۱۸ غلاموں کی شہادت	۲۸۴
ضابطہ ۱۹ ممیز بچوں کی شہادت	۲۹۱
بچوں کی شہادت کے معتبر ہونے کے شرائط	۲۹۳
ضابطہ ۲۰ اہلِ فسق کی شہادت	۲۹۴
اہلِ فسق کی اقسام	۲۹۶
فاسق کی شہادت کو رد کرنے کی وجہ	۲۹۸
حرفِ آخر	۲۹۸
ضابطہ ۲۱ کفار کی شہادت	۳۰۰
کفار کی شہادت کفار پر	″
کفار کی شہادت مسلمانوں پہ	۳۰۷
اہلِ علم کی آراء	۳۱۱
دیگر اعتراضات	۳۱۵
جواب	″
کفار کی شہادت اور نظریہ ضرورت	۳۲۰
کفار کے اہلِ کتاب ہونے کی شرط	۳۲۱
کافر عورتوں کی شہادت	۳۲۲
ضابطہ ۲۲ اقرارِ الزام	۳۲۳
صحابہ کرام کا تعامل	۳۲۵
تابعین کے فیصلوں کی نظیریں	۳۲۶
اہلِ ظاہر کے دلائل	″
ضابطہ ۲۳	
شہادتِ متواتر	۳۳۳
ضابطہ ۲۴	
شہادتِ مستفیض	۳۳۵
ضابطہ ۲۵	
خبر واحد	۳۳۷
ضابطہ نمبر ۲۶	
تجزیہ	۳۴۲

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عنوان	صفحہ
مویشیوں پر لگائے نشانات کی قانونی حیثیت ۔	٣٥٢
گھروں اور مساجد میں نصب کتبات کی حیثیت ۔	٣٥٤
کتابوں پر لگی ہوئی مہر کی حیثیت	٣٥٦
ضابطہ ٢٧	
ظاہری علامات ونشانات	
ضابطہ ٢٨	
قیافہ شناسی	٣٦٢
قیافہ شناسی پر اصولِ شریعت اور قیاس کی شہادت ۔	٣٦٧
قیافہ کے عدم اعتبار پر فقہاءِ حنفیہ کے دلائل ۔	٣٧٤
پہلی دلیل	״
دوسری دلیل	٣٧٥
تیسری دلیل	٣٧٥
چوتھی دلیل	٣٧٦
پانچویں دلیل	״
چھٹی دلیل	״
ساتویں دلیل	٣٧٧
آٹھویں دلیل	״

عنوان	صفحہ
فقہاء حدیث کا استدلال	٣٧٨
فقہاء حنفیہ کے دلائل کے جوابات ۔	٣٨٠
قیافہ شناس گواہ بھی ہے اور مُخبر بھی ۔	٣٨٦
متأخرین کی تخریجات کی ائمہ کی طرف نسبت ۔	٣٨٧
قیافہ کے بارہ میں امام احمدؒ سے مروی نصوص ۔	٣٨٨
زید بن ارقم کی حدیث پر تبصرہ ۔	٣٩٢
ضابطہ ٢٩	
قرعہ اندازی	٣٩٧
قرعہ اندازی کے جواز پر دلائل	״
قرعہ اندازی کی کیفیت	٤٠٨
قرعہ اندازی کہاں جائز ہے؟	٤٠٩
چھ غلاموں والی حدیث پر تنقید	٤١١
قرعہ اندازی کے اثبات وانکار اور مختلف مسائل واعتراضات کی روشنی میں مکمل بحث ص تا ص	٤١١ تا ٤٧٠

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
حصہ پنجم	۴۷۱ تا ۵۴۲	دستکاروں کے ناجائز گٹھ جوڑ کا سدِّ باب ۔	۵۰۴
احتساب	۴۷۲	کاریگروں کی اُجرت مقرر کرنا	۵۰۵
		عُمّال کا احتساب	۵۰۶
شعبۂ احتساب	〃	زراعت کی نگرانی	۵۰۷
احتساب کا مقصد	۴۷۵	مزارعتِ عادلہ	۵۰۸
مختلف محکموں کی ذمہ داری	۴۷۸	اراضی کی مستاجری	۵۱۳
محکمہ احتساب کے فرائض	۴۸۰	تسعیر اعمال	۵۱۵
منکرات اور بیوع محرّمہ کی روک تھام	۴۸۲	شہادت پر اُجرت لینا	۵۱۸
سُود خوروں کے حیلوں کی روک تھام	۴۸۴	بدکردار لوگوں کی نگرانی	۵۲۴
مال منڈی پہنچنے سے پہلے بھاؤ لگانے کی روک تھام ۔	۴۸۶	مَردوں اور عورتوں کی مخلوط مجالس کی روک تھام ۔	۵۲۵
دلالی کا سدِّ باب	۴۸۷		
ضروریات زندگی کی ذخیرہ اندوزی	۴۸۸	کبوتر وغیرہ پر پابندی	۵۲۸
تسعیر اور اسکی اقسام	۴۹۰	کبوتر بازی کے بارہ میں فقہاء کی آراء ۔	۵۲۹
تسعیر کے بارے میں فقہاء کی آراء	۴۹۲	متعدی امراض کے مریضوں پر پابندی	۵۳۱
تسعیر کے بارے میں ابن تیمیہ رح کا مسلک ۔	۴۹۹	گمراہ کن لٹریچر کا اتلاف	۵۳۵
چند فقہی قواعد کا استنباط	۵۰۰	**حصہ ششم**	۵۴۳ تا ۵۶۱
اشیاء ضرورت کی خرید و فروخت کے لئے مخصوص تاجروں کو ٹھیکہ ۔	۵۰۲	**عقوبات و تعزیرات**	۵۹۱

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
عقوبات شرعیہ ۔	۵۴۴	عقوبات مالیہ میں فقہاء کی آراء ۔	۵۴۹
تعزیرات شرعیہ ۔	〃	علامہ ابن القاسم کی رائے	۵۵۱
تعزیر کا تعیّن ۔	۵۴۵	ابنِ قیمؒ کا جواب ۔	
عقوباتِ مالیہ ۔	۵۴۷	عقوبات و تعزیرات میں علامہ ابنِ تیمیہؒ کے افادات ۔	۵۵۴
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں کی نظائر ۔	〃		

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انتساب

آزادی اور غلبۂ اسلام کیلئے جدوجہد کرنے
اور اس راستے میں شہید ہونے والے ان گمنام
مجاہدوں کے نام ---------- جنہوں نے
ظلم کی شبِ تیرہ و تار میں اپنے خونِ جگر سے حق کی
شمع کو روشن رکھا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

از

جناب جسٹس خضر حیات شیخ جج عدالتِ عالیہ لاہور

امام ابنِ قیمؒ الجوزیہؒ شیخ الاسلام امام ابنِ تیمیہؒ کے معروف تلامذہ میں سے تھے۔ دیگر علوم اسلامیہ کے علاوہ فقہ اسلامی میں خصوصی دسترس رکھتے تھے۔ آپ نے متقدمین کی فقہی مسائل پر مختلف نگارشات کا قرآن و سنت کی روشنی میں تنقیدی جائزہ لے کر فریقین کے درمیان عدالتی انصاف بہم پہنچانے کے لئے گرانقدر اُصول ہائے قانون (PRINCIPLES OF LAW) اور ضابطہ ہائے شہادت (PRINCIPLES OF EVIDENCE) مُرتب کر کے اپنی کتاب ——— "الطرق الحکمیہ فی السیاسۃ الشرعیہ" میں یکجا کر دیئے ہیں۔ امام موصوف نے قومی شہادت، چشم دید شہادت، قرآئن کی شہادت، قیافہ شناس کی شہادت اور قرعہ اندازی کے جواز اور عدم جواز کے بارہ میں مُفصّل اور مُدلّل بحث کر کے مقدمہ میں اس کا وزن اور حیثیت متعین کر دی ہے جس سے ایک مُصنّف کے لئے فقہِ اسلامی کے مطابق ٹھیک فیصلہ کرنا نہایت سہل بنا دیا ہے۔ امام موصوف نے حلف کے بارہ میں ایک طویل اور دلچسپ بحث

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی کی ہے کہ کن مخصوص حالات میں کس فریق پر حلف اُٹھانا لازم ہوگا اور کہ آیا، وہ حلف اقرارِ جرم یا اقرارِ دعویٰ کا قائم مقام سمجھا جائے گا یا کہ ایک گواہ کی شہادت کا قائم مقام ہوگا۔

میری رائے میں امام موصوف کی متذکرہ بالا کتاب کا مطالعہ پاکستان کے وکلاء اور جج صاحبان کے لئے انتہائی مفید ثابت ہوگا، خصوصاً اس مرحلہ پر جبکہ پاکستان میں رائج الوقت قوانین کو اسلام کے مطابق ڈھالنے کا ازروئے آئین آغاز ہو چکا ہے اور یہ اُمید کی جا رہی ہے کہ اسلامی نظامِ عدل کا نفاذ کچھ زیادہ دُور نہیں۔

ایسے وقت میں برادرِ محترم پروفیسر طیب شاہین لودھی صاحب نے امام موصوف کی مذکورہ کتاب کا اردو ترجمہ کرکے ایک گرانقدر خدمت سرانجام دی ہے۔

مَیں دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اُن کی اس کاوش کو قبول ومنظور فرمائے اور عوام الناس کے لئے باعثِ نفع بنائے۔ (آمین)

خاکسار،

[signature]

جج عدالتِ عالیہ - لاہور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چند لفظ ناشر کے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

قارئین کرام! السلام علیکم ورحمتہ اللہ

فاروقی کتب خانہ کی یہ پیشکش یقین کیجئے آپ کے ہاتھوں میں پہنچنے سے پہلے اتنے عجیب و غریب مراحل سے گزری ہے اور اتنی مشکلات عبور کر کے آپ تک پہنچی ہے کہ ان کا بیان مشکل اور ان پر یقین تقریباً ناممکن۔

بہرحال ان تمام مراحل کو پھلانگ کر تقریباً نو سال میں یہ کتاب آپ تک پہنچانے میں کامیاب ہوا ہوں۔

یہ کتاب جس شکل میں آپ تک پہنچانا چاہتا تھا پوری کوشش کے باوجود اس میں کامیابی ممکن نہیں ہوئی۔

بہرحال جناب پروفیسر طیّب شاہین لودھی صاحب کی اس عظیم علمی کوشش پر انہیں خسرو خراج تحسین پیش کیجئے کہ آپ نے پوری جانفشانی سے علامہ ابن قیم جوزیؒ کی اس عظیم کتاب کی اصل روح کو اپنے ترجمہ میں مجروح نہیں ہونے دیا بلکہ حواشی و حوالہ جات کے ذریعہ اس میں مزید نکھار پیدا کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اشاعت میں کوتاہیاں اور خامیاں نظر آئیں تو پبلشر کو اس کے لئے معاف فرما دیجئے کہ بتقاضائے بشریت [illegible] اور اگر کوئی خوبی نظر آئے تو تحسین کی بجائے اس کے لئے صرف دعا کیجئے۔

اُمید کرتا ہوں کہ یہ کتاب میرے پاکستان کی عدلیہ کے تمام شعبہ جات سے متعلق احباب کیلئے ایک گرانقدر علمی ذخیرہ ثابت ہوگی اور انصاف تک پہنچنے میں ممد و معاون۔

اس کتاب کے مطالعہ کے بعد کسی ایک وکیل یا جج کو کسی فریاد رس کیلئے انصاف مہیا کرنا آسان ہو گیا تو یقیناً مصنف و مترجم اور مستفید کے ساتھ ساتھ ناشر کے حصہ میں بھی ثواب کا کچھ حصہ ضرور آئے گا اور اسی اعتماد اور یقین کے ساتھ میں آپ کی خدمت میں یہ کتاب پیش کر رہا ہوں۔

اے ہر شخص کی محنت کو شرف قبولیت بخشنے والے اللہ میری یہ محنت بھی قبول فرما۔ آمین

محمد عبدالمنعم ۱۴ ۶/۱۹۹۳

مدیر فاروقی کتب خانہ ملتان

www.KitaboSunnat.com

عرض مترجم

امام ابن قیم رحمتہ اللہ کے فکر کی منہاج کتاب و سنت ہے اور دیگر فقہائے حدیث خصوصاً امام اہل سنت احمد بن حنبل رحمتہ اللہ کی طرح اس سے سرمو انحراف کرنے کو تیار نہیں اس کے بعد اجماع صحابہ اور اجماع مسلمین کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتے ہیں اور پھر فتاوی صحابہ کو فقہی استنباط میں مشعل راہ بناتے ہیں اور اس کے بعد نص کی عدم موجودگی میں قیاس سے کام لیتے ہیں۔

یہی وہ طریق استنباط ہے جو صحابہ کے تعامل سے ثابت ہوتا ہے اور قرنِ اول کے تمام فقہاء و مقننین نے اسے اصولی طور پر تسلیم کیا ہے اور کم و بیش انہی خطوط پر اسلامی فقہ کی تدوین ہوئی ہے۔

امام ابن قیم رحمتہ اللہ فقہائے حدیث کے طرز عمل کا نہایت سختی سے التزام کرتے ہیں وہ قرآن و سنت کی نصوص پر کسی ذوق و وجدان یا کشف اور قیاس کی تحکیم کو قبول نہیں کرتے اور قیاس کے مقابلے میں قرآن و سنت کی نصوص کی عظمتِ شان کو کم نہیں ہونے دیتے، قرآن و سنت اور اجماع صحابہ کے سامنے کسی بڑی سے بڑی شخصیت کے قول کو کوئی وقعت نہیں دیتے۔ بایں ہمہ وہ قیاس کو نہایت احسن طریقے سے استعمال کرتے ہیں، جسکی مثالیں ان کی وسیع تصنیفات میں پھیلی ہوئی ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"الطرق الحکمیہ فی السیاسۃ الشرعیہ" میں آپ کو ابن قیم رحمۃ اللہ کے فکر کی یہ منہاج منقح نظر آئے گی۔ اس کتاب میں ابن قیم رحمۃ اللہ کے فقہی نظریات عہد جدید کے تقاضوں سے ہم آہنگ دکھائی دیتے ہیں اور یہی وہ سبب ہے جسکی بناء پر ہم اس وقیع کتاب کو اردو میں منتقل کر کے اہل علم کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔

ہم نے حتی المقدور ماخذ و مصادر کی تخریج کی ہے تاہم وہ مکمل نہیں۔

ہمیں یقین ہے کہ یہ کتاب اسلامی شریعت کے نفاذ کیلئے جدوجہد کرنے والوں خصوصاً علماء اور قانون دان حضرات کیلئے بہت فائدہ مند اور فقہ اسلامی کے اردو ذخیرہ میں ایک گرانقدر اضافہ ثابت ہوگی۔ و باللہ التوفیق

طیب شاہین لودھی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

تعارف
امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ

از :- شاہین ازی

نام ونسب :

محمد بن ابی بکر بن ایوب بن سعد بن حریز الزرعی الدمشقی رحمۃ اللہ علیہ

کنیت ولقب :

ابو عبداللہ کنیت ہے اور لقب شمس الدین ہے اختصاراً "ابن قیم جوزی" کے نام سے مشہور ہوئے ہیں۔

ولادت :

۷ صفر ۶۹۱ھ کو دمشق کے قریب حوران کے ایک گاؤں "زرع" میں پیدا ہوئے۔ جرجی زیدان کی تحقیق کے مطابق واسط میں پیدا ہوئے جبکہ ایک اور قول کے مطابق دمشق میں ان کی پیدائش ہوئی۔

علم وتعلم :

آپ کا خاندان اور گھرانہ علم سے وابستہ تھا آپ کے والد اس وقت "المدرسۃ الجوزیۃ"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے سرپرست اعلیٰ نگران اور ناظم الامور تھے اس لئے ابتداء سے ہی علمی ماحول میسر آگیا کم سنی میں ہی نہ صرف ابتدائی تعلیم مکمل کی، بلکہ اسوقت مروج و متداول علوم و فنون میں کافی مہارت و دسترس حاصل کر لی تھی۔

اساتذہ کرام:

ویسے تو آپ نے اپنے دور کے اہم اساتذہ سے علوم و فنون کا اکتساب کیا ہے جن کی تعداد تقریباً ۸۰ ہے لیکن درج ذیل مشہور و معروف ممتاز و جید علماء محدثین اساتذہ کرام اور ائمہ عظام کے سامنے زانوئے تلمذ و ادب تہہ کئے ہیں۔

۱۔ ابو بکر بن عبدالدائم رحمہ اللہ — ۲۔ امام عیسیٰ بن معطم رحمہ اللہ
۳۔ امام ابن الشیرازی رحمہ اللہ — ۴۔ اسماعیل بن مکتوم رحمہ اللہ
۵۔ امام شہاب الدین النابلسی رحمہ اللہ — ۶۔ قاضی تقی الدین سلیمان رحمہ اللہ
۷۔ فاطمہ بنت جوہر — ۸۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ

امام ابن قیم رحمہ اللہ نے عربی زبان و لغت امام ابن ابی الفتح رحمہ اللہ اور امام مجدالدین تونسی رحمہ اللہ سے حاصل کی، فقہ امام مجدالدین الحرانی رحمہ اللہ اور شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے پڑھی۔ امام صاحب نے تمام اساتذہ سے حظ وافر کا اکتساب کیا ہے۔ لیکن اپنے اساتذہ کرام میں جس سب سے زیادہ متاثر ہوئے۔ وہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ہی ہیں کہ زندگی بھر انہیں مشعل راہ بنائے رکھا۔ ۷۱۲ھ میں جب امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ واپس دمشق لوٹے تو اسی وقت سے آپکی شاگردی میں آئے اور ۷۲۸ھ تک آپ سے اخذ و استفادہ کا سلسلہ جاری رکھا۔ (البدایہ والنہایہ)

امام ابن قیم رحمہ اللہ نے شیخ الاسلام رحمہ اللہ سے بہت سے افکار و نظریات حاصل کئے ہیں علمی مباحث میں آزادی فکر، مسائل میں عدم تقلید آپ سے ہی سیکھی۔ صوفیاء و فلاسفہ اور عقیدہ سلف سے بھٹکنے والوں کے خلاف اعلان جنگ کرنے میں اپنے استاذ محترم کی راہ پر گامزن رہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حیثیت و مرتبہ اور مختلف لوگوں کی امام صاحب کے بارہ میں آراء

ویسے تو شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رح کے تلامذہ اور مستفیدین کی تعداد بہت ہے۔ انکی دعوت وجہاد سے بھرپور مصروف زندگی اور انکی مؤثر وبلند شخصیت کا قدرتی اور بدیہی نتیجہ ہی ہے کہ وہ اپنے معاصرین پر عزت وعلمیت کے لحاظ سے حاوی رہے۔

ان کے ارد گرد تلامذہ اور معتقدین اور مستفیدین کا ایک بہت بڑا گروہ جمع رہتا۔ لیکن ان کے تلامذہ سے ان کے مایۂ ناز شاگرد رشید اور تلمیذ لبیب ان کے علوم ومعارف کے مرتب وناشر اور علمی وارث **امام حافظ ابن قیم جوزی رحمۃ اللہ علیہ** ہی قرار پائے۔

حافظ امام ابن قیم رح کو جو امتیاز وخصوصیت حاصل ہے۔ وہ کسی دوسرے کے حصے میں نہیں آئی۔ وہ زندگی بھر اپنے استاد کے شریک حال اور آخری لمحہ تک ان کے مشن میں علم و عمل کے میدان میں رفیق وہمراہ ہی رہے۔ بلکہ انکی وفات کے بعد بھی انہیں کے مسلک و مشرب پر قائم اور ان کی عقیدت ومحبت سے سرشار رہے۔ ان کی علمی خدمات ان کی جلالت اور قدر ومنزلت اور ان کے کمالات علمیہ اس کے مستحق ہیں کہ ان پر ایک مستقل کتاب لکھی جائے جس میں انکی تصنیفات اور علمی تحقیقات پر مفصل تبصرہ اور تجزیہ ہو۔

حافظ ابن رجب رح حنبلی لکھتے ہیں کہ "تمام علوم اسلامیہ میں امام ابن قیم رح کو خاص درک اور دخل تھا لیکن تفسیر قرآن مجید میں انکی نظیر نہیں ملتی۔ اصول دین اور عقائد میں وہ درجہ کمال کو پہنچے ہوئے تھے۔ علم حدیث، فقہ حدیث، فقہی دقائق کے استنباط میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ فقہ، اصول فقہ، عربیت وادب اور علم کلام میں کمال مہارت حاصل کی۔ اہل تصوف اور علم سلوک کے اشارات اور دقائق پر بڑی وسیع اور گہری نظر تھی۔ میں نے قرآن وسنت کے معانی اور حقائق کا ان سے بڑا کوئی عالم نہیں پایا۔ وہ معصوم تو نہ تھے لیکن میں نے ان خصوصیات میں ان جیسا کوئی دوسرا آدمی نہیں دیکھا۔" (طبقات حنابلہ)

امام ذہبی رح فرماتے ہیں: "ابن قیم رح کو متون حدیث، رجال حدیث کی طرف بڑی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

توجہ تھی۔ وہ فقہ کے مطالعہ میں مشغول رہتے تھے تو اس کے مسائل بڑی شرح وبسط سے لکھا کرتے تھے۔ نحو کی تدریس اور اصولِ حدیث میں بھی اچھی خاصی مہارت رکھتے تھے۔ (طبقاتِ حنابلہ)

قاضی بدر الدین زرعیؒ کہتے ہیں۔ اس آسمان کی نیلی چھت کے نیچے ان سے بڑا عالم کوئی نہیں۔ آپ "مدرسۂ صدریۃ" میں مدتوں تدریسی اور "مدرسہ جوزیۃ" میں امامت کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ اور اپنے ہاتھ سے لاتعداد کتب تصنیف فرمائی ہیں۔

استادِ محترم پروفیسر غلام احمد حریریؒ فرماتے ہیں: "یہ ٹھیک ہے کہ علم وفضل، زہد وعبادت، کثرتِ تصانیف، اور صاحب سیف وقلم ہونے میں شیخ الاسلام ابنِ تیمیہؒ کا جواب نہیں ہے اور امام ابن قیمؒ امام ابنِ تیمیہؒ کے ہم پلّہ نہیں ہیں تاہم یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ امام ابنِ تیمیہؒ کے افکار وآراء کی توضیح، ان کے علم وفضل کو خواص وعام تک پہنچانے کا سہرا امام ابنِ قیمؒ کے سر ہے۔ اگر امام ابن تیمیہؒ کثیر التصانیف اور صاحب اجتہاد ہیں تو امام ابنِ قیمؒ کا پایہ بھی کچھ کم نہیں ہے بلکہ بلا خوف وتردد یہ کہا جا سکتا ہے کہ بعض اُمور میں امام ابن قیمؒ اپنے استادِ محترم سے بھی سبقت لے گئے ہیں۔ جس طرح امام ابن تیمیہؒ اپنے فکر ومزاج میں شدت وحدت سے موصوف تھے اور اسکی جھلک ان کے رشحاتِ قلم میں نمایاں طور پر پائی جاتی ہے اس کے عین برعکس حافظ امام ابنِ قیمؒ اپنی تحمل مزاجی، بردباری، وقار ومتانت، اسلوبِ نگارش اور اندازِ بیان کی حلاوت وشیرینی اور طرزِ تحریر کی دلکشی اور دلربائی میں اپنی نظیر آپ ہیں۔ اسکی بہترین مثال آپ کی کتاب "زاد المعاد" اور "مدارج السالکین" ہے۔

اس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ حافظ امام ابن قیمؒ اپنے استادِ محترم کے افکار کے شارح اور ترجمان ہیں۔ جس طرح شیخ الاسلام ابنِ تیمیہؒ حق گوئی، صدق نوازی کے صلہ میں صعوبات قید وبند سے دوچار ہوئے اسی طرح حافظ ابن قیمؒ نے بھی استاد کی معیت ورفاقت وصحبت کا حق ادا کر دیا۔ اور حق گوئی کے پاداش میں آلام وحوادث اور قید وبند کی مشکلات کو بڑے صبر وتحمل کے ساتھ خندہ پیشانی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے قبول کرتے ہوئے سینہ سے لگا یا۔

شیخ عبد العظیم شرف الدین :

امام ابنِ قیمؒ کی ایک خصوصیت کو شیخ عبد العظیم بن عبد السلام شرف الدین نے یُوں بیان کیا ہے کہ : " وہ (امام ابن قیمؒ) اتباعِ کتاب وسُنّت کا دامن کبھی ہاتھ سے نہیں جانے دیتے ۔۔۔ نصوص کتاب وسنت کو ہر قیمت پر ہر چیز سے مستحق تقدیم و ترجیح قرار دیتے اور ان کے مقابلہ میں کسی کا قول کوئی وزن اور حیثیت نہیں رکھتا۔ بلکہ اتباعِ نصوص کی حد تو یہ ہے کہ شیخ الاسلام امام ابنِ تیمیہؒ کے انتہائی احترام کے باوجود ان کا کوئی قول نص کے مخالف ہو تو بلا محابا اس سے اختلاف کرتے ہیں اور اسے سوءِ ادب یا گستاخی نہیں تصوّر کرتے "۔

امام ابنِ قیمؒ کے جذبہ حریّتِ فکر و نظر تقلید جامد سے اِبا ر اور بُعد اور اتباعِ نصوص اور تمسک بالکتاب والسنۃ اور اعتصام بحبل اللہ المتین کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہوسکتی ہے کہ وہ اپنے اُستاذ محترم شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کے وہ اقوال تسلیم نہیں کرتے جو ظاہری طور پر جادۂ مستقیم سے ہٹے ہوئے ان کو نظر آئے ہیں۔ حالانکہ اُنہوں نے جو کچھ پایا ہے امام ابنِ تیمیہؒ سے ہی پایا ہے ۔ چنانچہ ان کے دست راست اور دوست رفیقِ درس ، اور ہم مکتب امام حافظ ابنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہ مصنف " البدایہ والنہایۃ " تحریر فرماتے ہیں :

" ۷۱۲ ھ میں جب امام ابن تیمیہؒ مصر سے دمشق اپنے وطن واپس لوٹے تو امام ابن قیمؒ ان سے انکی وفات تک وابستہ رہے۔ علمی ذوق تو پہلے تھا ہی ، لیکن اب امام ابنِ تیمیہؒ سے خوشہ چینی کرتے ہوئے بے پایاں علم حاصل کیا اور از حد مستفید و منتفع ہوئے۔ حتیٰ کہ دن رات حصولِ علم میں مشغول رہے چنانچہ مختلف علوم میں یکتائے روزگار بن گئے "۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام ابنِ قیمؒ دینی و شرعی معاملات میں حیلہ کے سرے سے قائل نہ تھے بلکہ حیلہ جات اور "کتاب الحیل" کے جواز کا فتویٰ دینا ان کے نزدیک دینِ اسلام میں ایک عظیم فتنہ کو دعوت دینا ہے۔ نہ صرف حیلہ جات کو وہ ممنوع سمجھتے تھے بلکہ کتاب و سنت کے دلائل سے اس کی حرمت ثابت کرتے تھے۔

اسی طرح عقائد و تصوف میں امام ابنِ قیمؒ کے افکار اور آراء پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ انہیں عقائدِ اسلام پر کس طرح دسترس حاصل تھی کہ اسلام کے نام استعمال کرکے اور لیبل چسپاں کیئے کتنے لوگ دین کی بنیادیں کس انداز پر کھوکھلی کر رہے ہیں چنانچہ مسئلہ صفاتِ الٰہی، رویت باری تعالیٰ۔ آیات متشابہات، افعال العباد وغیرہ عقائد اور عبادات و اعمال میں تصوفانہ افراط و تفریط اور راہبانہ بود و باش، حقیقت اور شریعت میں فرق بایزید بسطامی اور ابنِ عربی کے عقائد و نظریات بالخصوص عقیدہ وحدۃ الوجود کی مدلل تردید کی ہے۔

ابنِ تیمیہؒ اور ابنِ قیمؒ:

یہ بات مذکور ہو چکی ہے کہ شیخ الاسلام امام ابنِ تیمیہؒ سے امام ابنِ قیمؒ کو جو خصوصیت ممتاز و نمایاں کرتی ہے وہ یہ ہے کہ امام ابنِ قیمؒ کی تحریریں بحث و جدل، مناظرانہ انداز تحریر کی حامل نہیں بلکہ ان میں مقابلۃً نرمی اور سکون خاطر کی جھلک نمایاں طور پر موجود ہے۔ مگر اس کے باوصف فکر کی گہرائی، قوت استدلال اور جوش بیان پورے طور پر ظاہر ہو رہا ہوتا ہے۔

علاوہ ازیں ترتیب نظم افکار و عبارت کی سلاست اور روانی ادبی حلاوت اور اسکی چاشنی واضح طور پر محسوس کی جاسکتی ہے۔

اسکی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ امام ابنِ قیمؒ کو اپنے فاضل استاد شیخ الاسلام امام ابنِ تیمیہؒ کی نسبت زیادہ سازگار حالات اور پرسکون ماحول میسر آیا۔ جبکہ شیخ الاسلامؒ کے زمانہ میں فتنہ تاتار اور دیگر داخلی اور خارجی امور کی بناء پر عالم بڑے پر آشوب دور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے گزرا ہے۔ امام ابن قیمؒ کا اسلوب نگارش اور طرز تحریر بہت سادہ اور بڑا عام فہم مگر دلکش وجاذب ہے اور توجہ وانہماک کو نفسِ مضمون کی طرف مبذول کرانے والا ہے۔ کہیں کہیں صرفی، نحوی، ادبی، مباحث یا معانی، بیان بدیع وبلاغت کے دقیق مسائل نے عبارت کو نسبتاً زیادہ بلیغ بنا دیا ہے مگر اس میں ابہام واغلاق یا اطناف مخل پیدا نہیں ہوتا۔

ان دونوں اکابر کے افکار وآراء اور ان کی وقیع وقابلِ قدر تصانیف کی نشر واشاعت اور مطالعہ وتحقیق کا روشن ترین پہلو یہ ہے کہ ان کے مطالعہ سے اتباعِ سُنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبہ اُبھرتا ہے۔ اور دین کے اصل منابع (کتاب وسُنّت) سے استناد واستدلال اور احتجاج کا میلان پیدا ہوتا ہے۔ دورِ حاضر میں دہریت والحاد کا تہذیب مغرب کے دوش بدوش فتنہ انکار حدیث وترکِ سُنّت زوروں پر ہے۔ منکرین سنت ہر ممکن طریقہ سے اس عظیم فتنہ کو ہوا دے رہے ہیں اور اپنے منفی پروپیگنڈے کی وجہ سے جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے قلوب واذہان کو مسموم کرنے کی کوششیں کر رہے ہیں چونکہ شیخین کے دلائل وبراہین زیادہ تر سنتِ نبوی پر مبنی ہیں اور اپنی تصانیف میں حدیثِ نبوی سے بڑی کثرت سے استدلال واستشہاد کرتے ہیں اس لئے ضرورت ہے کہ اہمیت وضرورت حدیث عوام الناس کے دلوں میں اُتارنے کے لئے مثبت طریق اختیار کیا جائے۔ ان ہر دو حضرات شیخین کی کتب کے تراجم بڑی کثرت سے موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق شائع کئے جائیں اور انہیں جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں زیادہ سے زیادہ عام کرنے کی بھرپور کوشش کی جائے۔ جب لوگ ان کتب کو پڑھیں گے تو انشاء اللہ العزیز غیر شعوری طور پر حدیثِ نبوی کی اہمیت خود بخود ان کے دلوں میں اُترتی چلی جائے گی۔

شیخین کی تصانیف بدعات کے استیصال کے لئے بھی اکسیر کا کام دیتی ہے۔ کیونکہ یہ دونوں مخلص وخالص انداز میں سُنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حامی اور بدعات وخرافات کے سخت خلاف تھے۔ جو چیز سنتِ رسول اللہ سے ذرا بھی ہٹی ہوتی اسے جڑوں سمیت اُکھیڑ پھینکتے۔ اپنا سارا زور اور پوری قوت ومکمل توانائی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

احیاءِ سُنت اور بدعات کی بیخ کنی پر صرف کرتے رہے۔ اور ایسا کرنے میں کبھی کسی کا لحاظ اور رعایت نہ کیا کرتے تھے اور نہ ہی کسی مصلحت و رواداری کو خاطر میں لاتے ایک تو یہ ان کا دینی فریضہ اور ذمہ داری تھی اور دوسرا اس لئے کہ ان کے دل حُبِّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی جذبہ سے سرشار تھے لیکن حُبِّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس کی حدود سے متجاوز نہ ہونے دیتے اور ان کا جذبہ حُبِّ رسول کسی بھی انداز پر غلو یا افراط و تفریط کا شکار نہ ہوا، اور نہ ہی توحید سے متصادم ہوا۔ اور ان کی توحید اتنی نکھری ہوئی سخت بے لچک تھی کہ مخالفین نے اسی کی آڑ میں ان کو تختۂ مشقِ ستم بنایا۔ اُنہیں قید و بند کی صعوبتوں سے دوچار ہونا پڑا ملک سے جلا وطن کیے گئے، طرح طرح کی تکالیف اور ایذائیں دی گئیں لیکن ان کے عزم و استقلال میں ذرا بھر فرق نہ آیا اسکی وجہ یہ تھی کہ اُنھوں نے جو کیا اور کہا انکی اپنی طرف سے نہ تھا بلکہ کتاب و سنت کے دلائل کی روشنی میں تھا۔

زُہد و تقویٰ :

امام ابنِ قیم رحمہ صرف بحرِ ذخار عالمِ دین ہی نہیں تھے بلکہ ایک عابد شبِ بیدار بھی تھے سُنن و نوافل کا اہتمام والتزام آپ کی عادت تھی بہت ہی کثیر العبادۃ تھے تقویٰ اور خوفِ الہٰی انکی رگ رگ میں سمویا ہوا تھا اور تقویٰ کا حقیقی رنگ ان کے عمدہ اخلاق سے مترشح ہوتا تھا۔ تواضع و انکساری، محامد و صفاتِ حسنہ، اخلاقِ جمیلہ کا مجسمہ اور پیکر تھے۔

دَورِ ابتلاء و آزمائش :

امام ابن قیم رحمہ کو بھی شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ کی طرح بہت ایذائیں اور اذیتیں دی گئیں جس قدر بھی مصائب و آلام کے پہاڑ ٹوٹے صابر و شاکر بنے ہوئے حق کے لئے سینہ سپر ہو گئے۔ جسم پر روزانہ ان گنت دُرّے مارے جاتے تھے۔ ایک اُونٹ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پر مشکیں کس کر باندھنے کے بعد شہر بھر میں گھمایا گیا۔ پھر آخری بار جب امام ابن تیمیہؒ کو قلعہ میں قید کیا گیا تو انہیں بھی ان کے ساتھ اسی قلعہ میں لیکن علیحدہ جگہ محبوس کر دیا گیا۔

اس قدر بے ضرر بلکہ انسانیت و اسلام کے ان خدام عظام کا جرم کیا تھا؟ یہی کہ جابر و ظالم سلطان و بادشاہ کے سامنے کلمہ حق کہنا! بادشاہانِ وقت اور درباری اور بدعتی "علماء" کے بدعات پر مشتمل فتوؤں کو نہ ماننا اور ان پر تصدیقی اور تائیدی دستخط نہ کرنا بلکہ ان کے مقابلہ میں سُنت کے احیاء اور اس پر عمل کر کے دکھا دینا۔

جرم؟ ہاں جرم یہی تھا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی قبر کی طرف "شدرحل" باقاعدہ ثواب کی نیت سے سفر کا اہتمام کر کے جانے کے قائل نہ تھے۔ قاضیانِ وقت سے تصادم ہوا اور جیل ہی نہ قلعہ میں قید کر کے پابندِ سلاسل کر دیا گیا۔

امام ابنِ قیمؒ کو الگ کمرہ میں قید کیا گیا تھا۔ لیکن امام ابنِ تیمیہؒ کی وفات کے بعد انہیں آزاد کر دیا گیا۔

علم و عمل کا یہ پیکر ادب و فن کا یہ شمس منوّر زمانہ میں بھی اپنے علمی نور میں اضافہ اور اپنی اخروی نجات کے لئے بڑے غور و فکر کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت میں منہمک رہا۔ دورانِ قید ہی قرآن کے تدبّر اور فہم و تفسیر کا خصوصی ملکہ نصیب ہوا۔ شیخینؒ کے دورِ ابتلاء نے پھر امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ کی یاد تازہ کر دی۔

احباء اور اعداء:

کہتے ہیں کہ مُعاصرت ہی منافرت کی اساس ہے۔ ایک ذہین فطین بے پایاں علم کے مالک عالم دین جو زورِ بیان سے موصوف، رسم و رواج کا مخالف، بدعات و

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خرافات کا دشمن، حامی کتاب وسُنّت ہو اس کے لئے یہ کیسے ممکن ہے کہ اس کے چاہنے والے اور نہ چاہنے والے نہ ہوں؟

چنانچہ امام ابن قیم رح سے جہاں قاضیاں وقت علماء سوء عداوت رکھتے تھے وہاں امام ابن رجب حنبلی رح امام ابن عبدالہادی رح اور امام ابن کثیر رح جیسے ائمہ کی رفاقت بھی نصیب ہوئی، یہ تینوں بزرگ امام ابن قیم رح کے ہم مکتب، ہم درس، مونس وغمخوار ہمدرد دوست ہونے کے ساتھ ساتھ معتقدین ومستفیدین میں سے بھی شمار کئے گئے۔

شاگردانِ رشید:

امام ابن قیم رح سے علمی استفادہ اور ادبی اکتساب اور علم حاصل کرنے والے لوگوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ چند مشہور تلامذہ یہ ہیں۔

- حافظ زین الدین ابوالفرج عبدالرحمٰن ابن رجب مصنّف طبقات حنابلہ
- قاضی شمس الدین محمّد بن عبدالقادر النابلسی مصنف مختصر طبقات الحنابلہ

اور امام ابن قیم رح کے فرزند ارجمند عبداللہ بن محمد ابن قیم رح جو کہ امام صاحب کی ہوتے وفات کے بعد "مدرسہ صدریہ" کے مسند تدریس فائز و رونق افروز

- امام ابن کثیر رح مصنّف تفسیر ابن کثیر رح ● امام ابن عبدالہادی رح وغیرہ۔

امام ابنِ قیم رح کی علمی وراثت:

مصر وشام میں جو علمی تحریکیں رونما ہوئی تھیں آخر ان کے ثمرات ظاہر ہوکر رہے، مختلف علوم وفنون میں متعدد بیش قیمت کتب تصنیف ہوئیں۔ بڑے بڑے علماء اور فضلاء پیدا ہوئے۔ ایسے خوشگوار ماحول میں یہ کیسے ممکن تھا کہ امام ابن قیم رح جیسے علوم اسلامیہ کے ماہر اپنے قلم کو جنبش نہ دیتے! چنانچہ اُنھوں نے ایسی قیمتی کتب تصنیف کیں جو کہ زندہ جاوید ہیں نہ صرف اس وقت ان سے راہنمائی حاصل کی گئی بلکہ آج بھی باوجود ایک طویل عرصہ گزرنے کے ہمارے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ماحول اور جدید دور اور اس کے تقاضوں کے مطابق ہماری راہنمائی کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ امام ابنِ قیم رحؒ سے قبل شرعی، ادبی علوم اور علم الکلام و تصوف کی بنیادیں پڑ چکی تھیں، جو کتب میسر آتی گئیں ان کا مطالعہ کرتے گئے۔ کتابیں جمع کرنے کا شوق بہت زیادہ تھا، ذوقِ مطالعہ تصنیف و تالیف سے بے پناہ شغف تھا۔ اس لئے ان کی ایک بہت بڑی لائبریری، نادر علمی کتب و مخطوطات پر مشتمل تھی (الدرر الکامنہ)

تصانیف :

امام ابنِ قیم رحؒ کی تصانیف دیکھ کر انکی علمی وسعت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ انکی تصانیف کی تعداد کافی ہے۔ چند تصانیف درج ذیل ہیں۔

۱۔ "اعلام الموقعین عن رب العالمین"۔ تین اجزا پر مشتمل یہ کتاب فقہ، اصولِ فقہ، اجتہاد و تقلید کے تمام پہلوؤں کو شامل ہے۔

۲۔ "کتاب الصلوٰۃ"۔ اسمیں نمازِ نبوی کے احکام و مسائل اور فضائل ترک کی وعیدات کو بیان کیا گیا ہے۔

۳۔ "مدارج السالکین" یہ شیخ عبداللہ انصاری کی تصنیف "منازل السائرین" کی مبسوط و عظیم شرح ہے۔ جس میں کہ علم تصوّف اور صوفیا اور اہلِ سلوک پر بحث کی گئی ہے اسی طرح علم تصوّف پر درجِ ذیل تصانیف تحریر کیں۔

۴۔ "عدۃ الصابرین و ذخیرۃ الشاکرین"

۵۔ "الفوائد" ۶۔ "روضۃ المحبین و نزھۃ المشتاقین"

اور علم الکلام پر درجِ ذیل کتب تصنیف کیں۔

۷۔ "شفاء العلیل فی مسائل القضاء والقدر والحکمۃ والتعلیل"

۸۔ "الصواعق المرسلۃ علی الجھمیۃ والمعطلۃ"

اسی طرح تہذیب نفس امت کی اصلاح و تربیت اور جنرل عنادین و مضامین پر مشتمل درجِ ذیل کتب تصنیف کیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۹۔ "اجتماع الجیوش الاسلامیہ"

۱۰۔ "الکافیۃ الشافیۃ فی الانتصار للفرقۃ النّاجیۃ"
اس میں عقیدہ سلف کی وضاحت و عقائد اور فرق ضالہ اور باطلہ کی تردید اشعار میں بیان کی گئی ہے۔

۱۱۔ "حادی الأرواح اِلی بلاد الأفراح" اس میں آخرت اور جنت کے مناظر و حالات پیش کئے گئے ہیں۔ فقہ و سیرت کے موضوع پہ بہت ہی اہم قسم کی جو کتاب امام صاحب کی علمی شہرت کا سبب بنی ہے وہ ہے۔

۱۲۔ "زاد المعاد فی ھدی خیر العباد"
جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوانح اور غزوات و سیرت کے تذکرہ کے ساتھ ساتھ بیش قیمت فقہ و عقائد کی مباحث شامل ہیں۔

۱۳۔ "اخبار النساء" یہ علم تاریخ سے متعلق ہے لیکن اس میں معاشرہ کے ایک اہم گوشہ اور شعبہ کے مخفی تاریخی پہلوؤں پر امام صاحب نے سیر حاصل بحث کی ہے۔

۱۴۔ "تہذیب سنن ابی داؤد" ۱۵۔ "جلاء الأفہام فی الصلاۃ والسلام علی خیر الانام" ۱۶۔ "کتاب الداء والدواء" ۱۷۔ "بدائع الفوائد"

۱۸۔ "مفتاح دار السعادۃ" ۱۹۔ "الکلم الطیّب والعمل الصالح"

۲۰۔ "تحفۃ الودود بأحکام المولود"

۲۱۔ "نغمۃ الأرواح وتحفۃ الأفراح"

۲۲۔ الجواب الکافی لمن سأل عن الدواء الشافی"

۲۳۔ "إغاثۃ اللھفان فی مکائد الشیطان"

۲۴۔ "طریق الھجرتین وباب السعادتین"۔
شرعی سیاست، اسلامی نظام حکومت اور نظام عدل، اسلام کا عدالتی طریقہ کار، اسلامی ضابطہ ہائے عدل و انصاف، شرعی مناہج قضاء و حکم انوکھے اور بہترین انداز میں امام ابن قیمؒ نے جس مایہ ناز تصنیف میں بیان

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیلیے، وہ ہے۔

۲۵۔ الطرق الحکمیہ فی السیاستہ الشرعیہ"، یہی وہ عظیم کتاب ہے جس کا اُردو ترجمہ آپکے ہاتھوں میں ہے۔

صرف اسی کتاب کے انداز اور اسلوب کو مدِنظر رکھ کر امام ابنِ قیمؒ کی دیگر تصانیف اور خود انکی اپنی علمی قدوقامت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ درجِ بالا کتب کے علاوہ بھی کافی تحریرات ہیں جو مطلع غیب سے منصۂ شہود پر نہیں رونما ہوئیں۔

وفات:

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ تقریباً ساٹھ سال کی عمر اسلام علوم اسلامیہ اور معارف قرآن وسنت کی نشر واشاعت میں صرف کرکے ۱۳ رجب ۷۵۱ھ کو بوقت نمازِ عشاء راہیِ ملکِ بقاء ہوئے اور ۱۴ رجب کو بوقت نمازِ ظہر نمازِ جنازہ ادا کیا گیا اور دفن کر دیا گیا۔

باقی مفصّل حالات معلوم کرنے کے لئے درجِ ذیل کتب کی طرف مراجعہ اور انکا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ درجِ بالا سوانحی خاکہ درجِ ذیل کتب سے مستفاد ہے۔

۱۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج ۱ ص ۲۶۸

۲۔ البدایہ والنہایہ ابن کثیر ج ۱۴ ص ۲۳۴

۳۔ شذرات الذہب ابن حجر ص ۱۶۸، ۴۔ الدرر الکامنہ ابن حجر ج ۳ ص ۴۰۰

۵۔ طبقات الحنابلہ ابن رجب جلد ۳ ۶۔ مختصر طبقات الحنابلہ للشطی ص ۶۱

۷۔ جلاء العینین فی محاکمۃ الاحمدین ص ۲۰

۸۔ التوفیقات الالہامیہ ص ۳۲۶

۹۔ حیات امام ابن قیمؒ شرف الدین عبدالعظیم ترجمہ از پروفیسر غلام احمد جریریؒ

عبدالرحمٰن اثری (فاضل علوم اسلامیہ وعربیہ)
خطیب جامع مسجد ابوبکر اہلِ حدیث۔ صادق کالونی۔ ملتان

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ

فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ :

۱ — إِمَامٌ عَادِلٌ

وَشَابٌّ نَشَأَ فِي عِبَادَةِ اللّٰهِ تَعَالَى ،
وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ بِالْمَسَاجِدِ ، وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِي اللّٰهِ اجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ ، وَرَجُلٌ دَعَتْهُ امْرَأَةٌ ذَاتُ مَنْصِبٍ وَجَمَالٍ فَقَالَ : إِنِّي أَخَافُ اللّٰهَ ، وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَأَخْفَاهَا حَتّٰى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِينُهُ ، وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللّٰهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حصہ اول

شہادت قرآن
اور
دلائل حال و مقال

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبۂ کتاب

الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضلل فلا ھادی لہ و نشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہ و نشھد ان محمدا عبدہٗ و رسولہٗ ارسلہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہٗ علی الدین کلہ وکفیٰ باللہ شھیدا ارسلہ بین یدی الساعۃ بشیرا و نذیرا و داعیا الی اللہ باذنہ و سراجا منیرا فھدے بنورہ من الضلالۃ و بصربہ من العمی وارشد بہ من الغی وفتح بہ اعینا عمیا واذانا صما و قلوبا غلفا
صلی اللہ علیہ وعلی اٰلہ وصحبہ وسلم تسلیما

چونکہ تمام تعریفیں اللہ ہی کو سزاوار ہیں لہذا ہم اُسی کی تعریف کرتے ہیں، اُسی سے استعانت کرتے ہیں، اپنی لغزشوں پر اُسی سے معافی کے طلب گار ہیں اور اپنے نفس کی سرکشیوں اور بُرے اعمال کے بُرے نتائج سے بچنے کیلئے اُسی ذات کی پناہ میں آتے ہیں:-
اُس کی طرف سے ھدایت مل جائے تو پھر کوئی طاقت گمراہ نہیں کر سکتی۔ اور اگر اُس نے ہی گمراہی مقدر کردی ہے تو پھر ھدایت ملنا ناممکن۔
دل و زبان سے اقراری ہیں کہ اللہ رب العزت واحد لاشریک ہے اور بدل وجان گواہ ہیں کہ محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں، رب کائنات نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ صرف یہ کہ مکمل ھدایت اور دین حق دے کر بھیجا کہ آپ اُس دین حق کا بول بالا کر کے اُسے دنیا کے تمام ادیان پر غالب کر دکھائیں --- اور اس پر اللہ کی شہادت کافی ہے --- بلکہ آپ کو قیامت کے دن کیلئے روشن ستارے کی مانند بشیر و نذیر اور اپنے دین حق کا داعی بنا کر ارسال فرمایا۔ ۷۰ص
اللہ، اللہ! یہ کیسا روشن ستارہ تھا کہ اس کے ظاہر ہوتے ہی اندھی آنکھیں بینائی پکڑتی چلی گئیں، گمراہی کے اندھیرے چھٹنے لگے اور رشد و ھدایت کے راستے خود بخود واضح ہوتے چلے گئے بند آنکھیں کھلتی گئیں، بہرے کانوں کو سنائی دینے لگا اور دلوں پر سے پردے اترتے چلے گئے حتیٰ کہ ایک عالم گمراہی کے اندھیروں سے نکل کر حق و صداقت کے نور عالم تاب سے منور ہوتا چلا گیا۔
اللہ آپ پر آپ کے آل و اصحاب پر کروڑوں رحمتیں اور سلامتیاں نازل فرمائے۔

آمین یا رب العلمین۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شہادتِ قرائن اور دلائلِ حال و مقال

مسئلہ امّا بعد۔ میرے ایک دوست نے ایک ایسے جج اور منصف کے بارے میں پوچھا ہے جو صرف ظاہری گواہی اور واقعات، دلائل و احوال پر انحصار نہیں کرتا بلکہ فراست، قرائن اور علامات سے استدلال کرتے ہوئے فیصلہ کرتا ہے حتیٰ کہ جب اسے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ فریقین میں سے ایک فریق حق پر نہیں ہے تو وہ اسے دھمکانے اور اس کے ساتھ تہدید آمیز سلوک سے بھی گریز نہیں کرتا۔ اور اس فریق سے اس طرح پوچھ گچھ کرتا ہے جس سے حق کے واضح ہونے میں مدد ملتی ہے۔

کیا اس قسم کا فیصلہ شرعی اعتبار سے صحیح ہے؟

جواب یہ سوال بہت قدر و قیمت کا حامل ہے اور بڑا عظیم اور کثیر الفوائد بھی ہے۔ اگر جج یا حاکم ان قرائن و علامات سے صرف نظر کرے تو حقِ کثیر کو ضائع کر دے گا۔ اور باطل کی معاونت کا مرتکب ہوگا اگر توسّع کرتے ہوئے اپنا تمام تر انحصار قرائن و قیافہ اور قیاس و فراست پر رکھے اور انصاف کے شرعی اصولوں کو نظر انداز کر دے تو ظلم و فساد کی گمراھیوں میں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مبتلا ہو جائے گا ____

اس مسئلہ کے متعلق ابو الوفا ابن عقیلؒ[1] سے سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ اس قسم کے فیصلے پر فراست و قیافہ کا اطلاق نہیں ہوتا بلکہ یہ تو سراسر علامات کے ذریعہ فیصلوں کے زمرے میں آتا ہے۔ اگر آپ شرعی اصولوں پر غور کریں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اسلامی شریعت علامات و قرائن پر مبنی فیصلوں پر اعتماد کرتی ہے۔

مالکیہ کا رجحان اسطرف ہے کہ ملزم کے اقرار کی بنیاد پر جج فیصلہ کرسکتا ہے۔ ان کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت طیبہ ہے۔

وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ

اگر یوسف کا قمیض سامنے سے پھٹا ہے تو عورت سچی ہے اور یوسف جھوٹا ہے۔

(سورہ یوسف ۲۶ القرآن)

ان علامات کی بنا پر دیوار کی ملکیت کے جھگڑے میں دیواروں پر ڈالی گئی چھت کے گھاس پھونس کے بندھنوں اور شہتیروں وغیرہ کی مدد سے فیصلہ کریں گے کہ دعویداروں میں سے کون اسکا مالک ہے۔ جھونپڑی کے جھگڑے میں جھونپڑی میں استعمال کی گئی رسی کی گرھوں کی مدد سے اصلی حقدار کو پہچاننے کی کوشش کریں گے۔ مرد اور عورت کے دعاوی میں بھی ان کے خصوصی استعمال کی بنا پر اشیاء کی ملکیت کا فیصلہ کیا جائے گا۔ جب دباغ اور عطار چمڑے وغیرہ کے بارے میں جھگڑا کریں تو واضح ہے کہ کس کے حق میں فیصلہ کیا جائیگا۔ اسیطرح جب بڑھئی اور درزی تیشہ کے بارے میں، یا اورچی اور نانبائی ہنڈیا وغیرہ کے بارے میں جھگڑا کریں تو ان آثار و علامات پر اعتماد کیا جائیگا۔ اسیطرح مخنث کے بارے میں اسکی علامات پر غور و تامل کے بعد فیصلہ کیا جائیگا کہ اسے عورتوں کے ساتھ ملحق کیا جائے یا مردوں کے ساتھ۔ اور یہی حکم قبلہ کا رخ معلوم کرنے کیلئے علامات پر غور کرنے کا ہے۔

اسی طرح جب مقتول کے ورثاء قتل پر حلف اٹھانے سے انکار کردیں تو ان کا مقدمہ کمزور ہو جائیگا۔

جج کیلئے شواہدِ حال کے فہم کی اہمیت

اگر ایک جج علامات و قرائن اور دلائل حال و مقال کا اسطرح فہم حاصل نہ کرے۔

---

[1] ابو الوفا علی بن عقیل بغدادی ۴۳۲ھ میں پیدا ہوئے۔ بہت بلند پایہ حنبلی فقیہ تھے۔ فقہ حنبلی میں انکی تفریع و استنباط سے استناد کیا جاتا ہے۔ قاضی القضاۃ کے عہدہ پر فائز رہے ۵۱۳ھ میں وفات پائی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جس طرح وہ احکامات کے کلیات اصول و تفاصیل اور جزئیات کا فہم رکھتا ہے تو وہ حقداروں کے حقوق کو ضائع کریگا۔ اور اس قسم کے غلط فیصلے کریگا جن کی غلطی عوام تک پر ظاہر ہوگی۔

احکام کلیہ اور نفسیاتِ انسانی کا فہم[1]

حاکم اور جج کیلئے دو امور کا فہم حاصل کرنا بہت ضروری ہے۔ اوّل — زمانے کے حالات سے واقفیت۔ ثانی — لوگوں کی نفسیات انکے احوال اور نفس واقعہ کا فہم تاکہ وہ اس فہم کی مدد سے سچ اور جھوٹے، حق اور باطل میں امتیاز کر کے اس کے مطابق فیصلہ کر سکے۔ اور اصل واقع پر حکم نافذ کر سکے اور خلاف حقیقت فیصلہ دینے سے گریز کر سکے۔

اسلام اور سیاستِ عادلہ کا تعلق

جو شخص اسلامی نظام کا شعور رکھتا ہے جسے علم ہے کہ اسلامی نظام میں انسان کی معاش و معاد کے متعلق کیا کیا بھلائیاں اور کمالات مضمر ہیں جو یہ جانتا ہے کہ اسلام انتہائی عدل کے ساتھ دنیا میں آیا ہے۔ اور نوعِ انسانی کیلئے آزادی اور وسعت کا داعی ہے اور جسے یہ علم ہے کہ عدلِ اسلامی سے بڑھ کر کوئی عدل نہیں اور ان مصلحتوں سے اوپر کوئی مصلحت نہیں جن کا لحاظ اسلام نے رکھا ہے اس پر واضح ہو جائیگا کہ سیاستِ عادلہ اسلام کی ہیئت کے اجزائے ترکیبی میں سے ایک جزو اور اسکی شاخوں میں سے ایک شاخ ہے۔ جو اسلام کے مقاصد اور اس کے عناصر ترکیبی کی معرفت رکھتا ہو اور اس میں کامل تفقہ کا اہتمام کرتا ہے۔ وہ ہرگز غیر اسلامی سیاست کیطرف التفات نہیں کرے گا۔

سیاست کی قسمیں

سیاست کی دو قسمیں ہیں اوّل سیاستِ جور جس کو اسلام نے حرام قرار دیا ہے۔ ثانی سیاستِ عدل[2] جو ظالموں اور فاجروں سے ظلم کرنے کا مزعومہ حق چھین لیتی ہے۔ اور یہی اسلامی نظام ہے۔ لہٰذا جس نے اسلامی نظام اور شریعت کی معرفت حاصل کر لی اس نے سیاستِ عدل کو پہچان لیا اور جو اسلامی نظام سے جاہل رہا وہ سیاستِ عدل سے جاہل رہا۔

---

[1] احکام کلیہ سے مراد تشریع اسلامی سے متعلق وہ اصولی احکام ہیں جن کو سامنے رکھ کر مسلمان اپنے زمان و مکان کے مطابق تفصیلی استدلال کے ذریعے فروعی احکامات کا استنباط کرتے ہیں۔

[2] سیاستِ عدل سے مراد ملکی معاملات کی تدبیر اور انکا انتظام اسطرح کرنا کہ ملک کے ہر شہری کی معاشرتی اور معاشی حالت اچھی ہو۔ ہر شہری کی جان، مال، عقل، دین اور ناموس محفوظ ہو اور اس میں عدل کے ان معروف اصولوں کی پوری رعایت رکھی گئی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت سلیمان علیہ السلام کی فراست

اس مقام پر حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ان دو عورتوں کے درمیان فیصلہ نہ بھولنا چاہیئے جو دونوں ایک بچے پر اپنی ابنیت کا دعوےٰ کرتی تھیں۔ جناب داود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فیصلہ بڑی کے حق میں کر دیا مگر حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا "چھری لاؤ" میں اس بچے کو کاٹ کر تم دونوں میں تقسیم کر دوں۔ اس پر بڑی عورت نے تو رضامندی کا اظہار کر دیا۔ مگر چھوٹی بولی اللہ آپ پر رحم کرے ایسا نہ کیجئے یہ اس کا لڑکا ہے اور اسے دیدیجئے یہ سُن کر حضرت سلیمان علیہ السلام نے چھوٹی کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ اس ظاہری قرینے سے بڑھ کر کیا کوئی اور چیز ہو سکتی ہے ؟ آپ نے بڑی دعوے دار عورت کی رضامندی سے یہ معلوم کر لیا کہ وہ اپنا بچہ گم کر دینے کے بعد اپنے دل کو اس طرح جھوٹا اطمینان دینا چاہتی ہے کہ چھوٹی کا بچہ ضائع کروا کے اسے بھی اپنے مقام پر لے آئے۔ اور چھوٹی کی شفقت اور اس فیصلہ پر اس کی عدم رضامندی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ بچے کی حقیقی ماں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ماں کے دل میں جو فطری شفقت ودلیعت کی ہے اسکا تقاضا یہ تھا کہ وہ یعنی اصل ماں اپنے دعوے سے دستبردار ہو جائے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس واضح اور قوی قرینے سے حق کو پہچان لیا اور اس کے مطابق فیصلہ دیدیا۔ کیونکہ اگر اقرار کسی ایسی علت کی بنا پر ہے جسے جج جانتا ہے تو وہ اس اقرار کو قابل اعتنا نہیں سمجھے گا۔

بنابریں قریب مرگ مریض کے کسی وارث کیلئے تمام مال دینے کو ہم غیر قانونی ٹھہرائیں گے۔ کیونکہ اس میں بدنیتی کا شائبہ پایا جاتا ہے اور اس کا کسی وارث کو مخصوص کر لینے میں ہمارے لئے بدنیتی کا قرینہ حال موجود ہے۔

حدیث سلیمانؑ پر علمائے حدیث کی تبویب

مندرجہ بالا حدیث سے فقہائے سنت اور علمائے حدیث نے جو نتائج اخذ کئے ہیں ان میں سے امام نسائی رحمہ اللہ کے باب کا عنوان یوں ہے۔

التوسعة للحاكم فى ان يقول للشىء الذى لا يفعله افعل كذا ليستبين الحق

یعنی جج کیلئے اس بات کی گنجائش کہ انکشاف حقیقت کیلئے یہ کہے کہ میں یہ کرنے لگا ہوں حالانکہ ایسا کرنے کا اسکا کوئی ارادہ نہ ہو۔ اس سے بہتر اور مناسب عنوان یہ ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الحکم بخلاف ما یعترف بہ محکوم علیہ اذا تبین للحاکم من الحق غیر ما اعترف بہ یعنی جب جج یہ پہچان لے کہ محکوم علیہ نے جو اعتراف کیا ہے حقیقت اس کے برعکس ہے تو محکوم علیہ کے اعتراف کے خلاف فیصلہ دینا (الف) یہی کتاب وسنت کا فہم وتفقّہ ہے۔ اسی حدیث پر ایک اور باب اس انداز سے باندھا گیا ہے۔ نقض الحاکم ما حکم بہ غیرہ ممن ھو مثلہ او اجل منہ[1] ایک جج اپنے ہم مرتبہ یا اپنے سے اعلیٰ رتبہ کے جج کے ناصواب فیصلے کے خلاف فیصلہ دے سکتا ہے (ب) حدیث مذکورسے ان ابواب کی صورت میں تین قاعدے مستنبط کیے گئے ہیں چوتھا قاعدہ وہ ہے جو ہمارے زیر بحث ہے یعنی قرائن اور شواہد حال کے مطابق فیصلہ کرنا پانچواں قاعدہ یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بچہ ان دونوں عورتوں کو نہیں دیا۔ جیسا کہ امام ابو حنیفہ رح کا قول ہے

یہ وہ پانچ قواعد ہیں جو اس حدیث سے مستنبط ہوتے ہیں۔

عدالتی فیصلوں میں قرائن اور دلائل حال ومقال کی اہمیت

یوسف علیہ السلام کے شاہد کا قصہ

قرائن اور دلائل احوال کے ذریعے فیصلے پر حضرت یوسف علیہ السلام کے گواہ کے قصے سے استدلال کیا جاتا ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان الفاظ میں کیا ہے۔ اور اس پر نکیر نہیں فرمائی اور نہ اس کو معیوب قرار دیا ہے بلکہ اسکو تحسین کے طور پر بیان فرمایا ہے

وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيصَهُ مِن دُبُرٍ وَأَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَى الْبَابِ قَالَتْ مَا جَزَاءُ مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ سُوءًا إِلَّا أَن يُسْجَنَ أَوْ عَذَابٌ أَلِيمٌ قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِي عَن نَّفْسِي وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا إِن كَانَ قَمِيصُهُ

وہ دونوں دروازے کی طرف بھاگے اس عورت نے یوسف کا قمیص کھینچ کر پیچھے سے پھاڑ دیا دروازے پر ان دونوں نے اس کے شوہر کو موجود پایا وہ عورت بولی اس شخص کی کیا سزا ہے جو تیرے گھر والوں سے برائی کا ارادہ رکھتا ہو سوائے اس کے کہ اسے قید کیا جائے یا اسکو سخت تعذیب دی جائے۔ یوسف نے

[1] سنن نسائی جلد ۲ ص ۲۳۲

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ○ وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ○

(یوسف ۔ ۲۵ — ۲۸)

کہا یہ خود ہی مجھے پھانسنے کی کوشش کر رہی تھی ۔ اس عورت کے گھر والوں میں سے ایک شاہد نے قرینے کی شہادت پیش کرتے ہوئے کہا کہ اگر یوسف کا قمیص سامنے سے پھٹا ہوا ہے تو عورت سچی ہے اور یوسف جھوٹا ہے اور اگر اس کا قمیص پیچھے سے پھٹا ہوا ہے تو عورت جھوٹی ہے اور یوسف سچا جب اس نے دیکھا کہ یوسف کا قمیص پیچھے سے پھٹا ہے تو اس نے کہا کہ یہ سب تم عورتوں کے مکر ہیں اور تمہارے مکر بہت بڑے ہوتے ہیں ۔

غرض عزیز مصر نے قمیص کی دریدگی کے قرینۂ حال سے سچے اور جھوٹے میں تمیز کر لی ۔ کیونکہ یہ قرینہ فریقین میں سے ایک فریق کے موقف کو قوی کر دیتا ہے اور بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ ان میں سے حق پر کون ہے ۔

اللہ تعالیٰ نے سفر کے دوران وصیّت کے ضمن میں مسلمانوں پر اہل ذمہ کی شہادت کے قصے میں دعوائے مال میں ثبوت کی قوت کا ذکر کیا ہے اور پھر اسکے موجب کے مطابق فیصلہ کرنے کا حکم فرمایا ہے ۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم نے قسامہ[1] کے معاملے میں بھی موقف کی قوت کی بنا پر اس کے موجبات کے مطابق فیصلہ کر دیا ہے چنانچہ آپ نے مدعیوں سے مطالبہ کیا کہ وہ پچاس قسمیں اٹھائیں کہ وہ مقتول کے خون کے حقدار ہیں ۔ یہ قتل کے مقدمہ میں لوث[2] (قوتِ موقف) کی مثال ہے اور وہ واقعہ جس کا ذکر سورہ مائدہ میں ہے وہ اموال کے مقدمات میں قوتِ موقف

---

[1] قسامہ "اقسم" کا مصدر ہے ۔ اس سے مراد قسم ہے ۔ قسامہ قسم سے اسی طرح مشتق ہے جسطرح جمع سے جماعت ۔ امام الحرمینؒ اور قاضی ابو یعلیٰ کہتے ہیں کہ اہل فقہ کے ہاں قسامہ قسم کو کہا جاتا ہے اور اہل لغت قسم اٹھانے والی جماعت کو قسامہ کہتے ہیں ۔ قسامہ کی صورت یہ ہے کہ اگر کسی بستی یا علاقے میں کوئی مقتول پایا جائے اس علاقے میں مقتول کے دشمن ہوں یا کوئی اور قوی وجہ قتل موجود ہو ۔ مقتول کے ورثاء کسی معین شخص یا اشخاص پر قتل کے شبہ کا اظہار کریں اور ان کے پاس واضح شہادت بھی موجود نہ ہو تو مقتول کے ورثاء میں سے پچاس چیدہ اشخاص حلف اٹھائیں گے ۔ کہ مقتول کو فلاں شخص نے یا اشخاص نے قتل کیا ہے تب قاتل سے قصاص یا دیت لی جائے گی ۔ قسامہ میں دشمنی کی بناء پر قتل کے قوی شبہ کو "لوث" کہا جاتا ہے (یعنی قوت موقف) کہا جاتا ہے جاہلیت کے زمانہ میں بھی قسامہ کا وجود ملتا ہے ۔ اسلام نے آکر اسے جائز ٹھہرا دیا ۔ قسامہ کے بارے میں مزید تفصیلات اور فقہاء کی آرا کا مطالعہ کرنے کیلئے ملاحظہ ہو ۔
نیل الاوطار للشوکانی رحہ جلد ۷ باب ماجاء فی القسامۃ ۔ المغنی ابن قدامہ رحہ جلد ۸ باب القسامہ

[2] قسامہ میں جیسا کہ گزشتہ حواشی میں گزر چکا ہے کہ دشمنی کی بنا پر شبہ قتل یا کسی اور قوی شبہ کو اسلامی قانون میں "لوث" کہا جاتا ہے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی مثال ہے[1] ۔ اور جسکا ذکر واقعہ کا ذکر سورہ یوسف میں آیا ہے وہ عزت و ناموس کے سلسلے میں قوتِ موقف کی مثال ہے[2]

ظاہری قرائن میں حضرت عمرؓ کا طرزِ عمل

امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھ دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے ایک ایسی عورت کو سنگسار کر دینے کا فیصلہ دیا جس کو حمل تھا مگر اس کا خاوند تھا، نہ اسکا آقا[3] ظاہری قرینہ پر اعتماد کے بارے میں امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ بھی اسیطرف گئے ہیں[4] ان سے صحیح ترین یہی رائے منقول ہے۔ اسی اصول کے مطابق حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے منہ سے شراب کی بُو آنے یا شراب کی قے کرنے کے ظاہری قرینے پر اعتماد کرتے ہوئے حد جاری کی ہے[5] اس بارے میں صحابہؓ کی مخالفت معلوم نہیں۔

خلفائے راشدینؓ اور صحابہ کرامؓ کا طرز عمل

ملزم کے پاس اگر مال مسروقہ برآمد ہو جائے تو خلفائے راشدینؓ اور ائمہ کرامؒ نے حکم دیا ہے کہ اسکا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ یہ قرینہ کسی شہادت یا اعتراف سے زیادہ قوی ہے۔ کیونکہ گواہی اور اقرارِ جرم تو خبر ہے۔ اور خبر میں صدق و کذب دونوں کا احتمال ہوتا ہے۔ اور مال مسروقہ کی برآمدگی ایسا صریح ثبوت ہے جس میں شبہ کو دخل نہیں

اگر کوئی شخص دیکھے کہ ایک مقتول خون میں لت پت پڑا ہے اور دوسرا شخص اس کے سر پر خون آلود چھری لئے کھڑا ہے تو کیا وہ ثانی الذکر شخص کے قاتل ہونے میں شک کر سکتا ہے۔؟ خاص کر ایسی حالت میں کہ مقتول کے ساتھ اسکی عداوت کا بھی علم ہو۔ ایسی صورت میں جمہور علماء نے تجویز کیا ہے۔ کہ مقتول کے اولیاء پچاس قسمیں اٹھائیں کہ اس شخص نے مقتول کو قتل کیا ہے۔ امام مالکؒ اور امام احمدؒ کی رائے ہے کہ تب اس کو قصاص میں قتل کیا جائیگا۔ مگر امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ وہ خون بہا ادا کرے۔ اسی طرح اگر ہم کسی شخص کو اس کی عادت کے خلاف ننگے سر دیکھیں اور ایک دوسرا شخص اسکے آگے آگے ہاتھ میں پگڑی لئے بھاگا جا رہا ہو۔ اس کے سر پر پگڑی بندھی ہوئی ہو بھاگنے والا شخص جس کے ہاتھ میں پگڑی ہے ہم اسکا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیں گے۔ اور یہ نہیں کہیں گے کہ

---

[1] اشارہ ہے سورۃ المائدہ کی آیات ۱۰۶، ۱۰۷ اور ۱۰۸ کی طرف

[2] سورۂ یوسف آیت ۲۵، ۲۶ اور ۲۷

[3] المغنی جلد ۹ ص ۱۵۱ [4] المغنی جلد ۹ ص ۱۵۱

[5] نیل الاوطار جلد ۷ ص ۱۵۷، السنن الکبریٰ بیہقی جلد ۸ ص ۳۱۵

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پگڑی اس شخص کی ہے جسکے ہاتھ میں تھی۔ اس ظاہری قرینے سے جو متعدد گواہوں اور اقرار جرم سے زیادہ قوی ہے قطعی اور یقینی طور پر یہ ثابت ہے کہ وہ شخص ظالم اور غاصب ہے۔

مدعا علیہ کے انکارِ حلف کا قرینہ

سوال یہ ہے کہ آیا مدعا علیہ کے اپنی براءت کیلئے قسم اٹھانے سے انکار ایک قرینہ ظاہر اس طرف جھک جاتا ہے۔ کہ اگر مدعی سچا نہ ہوتا تو مدعا علیہ اس کے دعوے کو اپنی قسم سے رد کر دیتا۔ مدعا علیہ کا انکار اس بات کا ظاہری ثبوت ہے کہ مدعی اپنے دعوے میں سچا ہے۔ تاہم بے شمار قرائن اور علامات اس انکارِ قسم سے زیادہ قوی ہیں اور مشاہدہ اس بات پر گواہ ہے تو پھر ان قرائن کی شہادت کو کیوں کر نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کی نظیر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ حیی بن اخطب یہودی کے چچا کو تعذیب کے ذریعے اس مال کو ظاہر کرنے پر مجبور کریں جو اس نے کہیں چھپا رکھا ہے اور کہتا ہے کہ مال خرچ ہو گیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا مدت بہت تھوڑی ہے اور مال نسبتاً بہت زیادہ ہے ختم کیسے ہو گیا۔ یہ دو قرینے ہیں جن کے ذریعے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ مال ابھی خرچ نہیں ہوا۔ (اول کثرتِ مال دوم مدتِ قلیل کیونکہ اتنی قلیل مدت میں اتنے کثیر مال کا خرچ ہونا ناممکن ہے۔) واقعہ کی تفصیل یوں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو نضیر کو انکی سازشوں کی وجہ سے مدینے سے جلاوطن کر دیا۔ آپؐ نے حکم دیا کہ وہ اسلحہ اور زرہ کے سوا جو کچھ بھی اونٹ پر لاد سکتے ہیں وہ لیجائیں۔ ابن ابی حُقیق کے پاس بہت سا مال تھا بیل کی ایک کھال سونے چاندی اور زیورات سے بھری ہوئی تھی۔ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خیبر فتح کیا تو خیبر کے کچھ علاقے بزورِ شمشیر فتح کئے گئے اور کچھ صلح کے ذریعے فتح ہوئے۔ خیبر کا ایک طرف کا علاقہ صلح سے فتح ہوا اور دوسری طرف کے علاقے میں یہودی قلعہ بند ہو گئے۔ آپؐ نے چند چودہ روز تک انکا محاصرہ کئے رکھا۔ ابن ابی حقیق نے حاضر ہو کر صلح کی بات چیت کیلئے آپؐ کی خدمت میں پیغام بھیجا۔ آپؐ نے اجازت دیدی ابن ابی حقیق حاضر ہوا اور ان شرائط پر صلح ہوئی۔

۱۔ قلعے میں موجود تمام افراد کو امان جان دیجائے اور جنگ بند کیجائے اور ان کے بال بچوں سے تعرض نہ کیا جاوے
۲۔ تمام یہودی اپنی اراضی چھوڑ کر خیبر سے نکل جائیں گے۔
۳۔ یہودی اپنی عورتوں اور بچوں کو اپنے ساتھ لے جائیں گے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۴۔ وہ اپنے تن کے کپڑوں کے علاوہ کسی قسم کا مال (یعنی سونا چاندی اور مویشی وغیرہ) اسلحہ اور زرہیں وغیرہ اپنے ساتھ لیکر نہیں جائیں گے۔ ۵۔ مسلمان ان کا راستہ نہیں روکیں گے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اگر تم لوگوں نے مال وغیرہ میں سے کوئی چیز چھپائی۔ تو اللہ اور اس کے رسول ؐ کے اس معاہدے سے بری الذمہ ہونگے اور ان شرائط پر انہوں نے صلح کرلی۔

حماد بن سلمہ ؒ نے حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کیواسطے سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر پر حملہ کیا تو وہ ایک قلعہ میں محصور ہو گئے۔ آپ کا انکی اراضی کھیتوں اور نخلستانوں پر قبضہ ہوگیا۔ یہودیوں نے اس شرط پر صلح کرلی کہ وہ اپنی سواریوں پر جو کچھ لیجا سکتے ہیں لے جائیں گے۔ لیکن سونا اور چاندی مسلمانوں کے حوالے کردیں گے۔ اور یہ شرط قرار پائی کہ وہ آپ سے کچھ بھی چھپا کر نہ رکھیں گے ورنہ معاہدہ ٹوٹ جائیگا۔ حیی بن اخطب نے سونا چاندی اور زیورات سے بھری ہوئی بیل کی کھال چھپالی جسے وہ مدینہ سے بنی نضیر کی جلاوطنی کے وقت ساتھ لایا تھا۔ آپ نے حیی بن اخطب کے چچا سے پوچھا "حیی کا وہ مال کہاں ہے جو وہ جلاوطنی کے وقت مدینہ سے لایا تھا۔؟" یہودی نے جواب دیا۔ "وہ تو جنگ اور دوسرے نفقات پر خرچ ہوگیا" آپ نے فرمایا ہرگز نہیں۔ مدت بہت قلیل اور مال بہت کثیر ہے (یعنی اتنی قلیل مدت میں اتنا زیادہ مال خرچ نہیں ہوسکتا۔) آپ نے یہ معاملہ حضرت زبیر بن العوام ؓ کے حوالے کردیا۔ انہوں نے حیی بن اخطب پر دریافت حال کیلئے تشدّد کیا۔ گرفتاری سے پہلے وہ کسی ویران کھنڈر میں گیا تھا۔ حیی بن اخطب کے چچا نے بتایا کہ میں نے فلاں کھنڈرات میں حیی بن اخطب کو دیکھا تھا۔ جب مسلمان وہاں گئے اور ادھر اُدھر ڈھونڈا تو انہیں کھنڈرات میں وہ (سونے چاندی سے بھری ہوئی) بیل کی کھال مل گئی چنانچہ اس بدعہدی کیوجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوحقیق کے دونوں بیٹے قتل کروادیئے۔ ان میں سے ایک حضرت صفیہ ؓ ام المومنین کے خاوند تھا۔ [۵]

مذکورہ نظیر سے استنباط

اس سنت صحیحہ میں مندرجہ ذیل اشارات ملتے ہیں۔
۱۔ شواھد حال اور علامات واضحہ پر اعتماد۔
۲۔ ملزموں سے عقوبت و تشدد کے ذریعے اقرار جرم کروانا۔ ۳۔ کسی شرط پر دشمن سے صلح کرنا۔
۴۔ دشمن صلح کے بعد عہد شکنی کرے تو معاہدہ توڑ دینا۔

---

[۵] نیل الاوطار جلد ۸ صفحہ ۵۳ تا ۵۶ بحوالہ صحیح بخاری، زاد المعاد ابن القیم جلد ۲ صفحہ ۱۳۶

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس سارے واقعہ میں یہ حکمت پوشیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے ذریعے اپنے دشمنوں کو ذلیل وخوار کیا۔ ورنہ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر تھا کہ وہ اپنے رسُول کو وحی کے ذریعے مطلع کر دیتا۔ اور آپ یہودیوں سے وہ مال اصول کے مطابق جبراً لے لیتے لیکن اس طریقۂ اخذ میں بہت سے فوائد اور حکمتیں تھیں اور کافروں کی رسوائی بھی۔ واللہ اعلم۔ اسی واقعہ کے سلسلے میں بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ کنانہ کے چچازاد بھائی نے مال کا اقرار کر لیا تھا جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو حضرت زبیر رضؓ کے حوالے کیا اور اس پر تشدد کیا گیا۔ اس قصہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر ملزم عقوبت کے بعد مال مسروقہ کا اقرار کرلے تو اس کا اقرار صحیح سمجھا جائیگا۔ اور اگر مال مسروقہ برآمد ہو جائے تو اسکا ہاتھ کاٹا جائیگا۔ اور بلاشبہ ایسا کرنا درست ہے یہ بات واضح رہے کہ محض جبراً اقرار سے قطع ید کی حد جاری نہیں کی جائے گی۔ بلکہ اقرار جرم کے بعد مال کی برآمدگی حد جاری کرنے کیلئے ضروری ہے

سیّدنا علیؓ کے عمل کی نظیر

اسی طرح کی مثال حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ قول ہے جو مسافر عورت سے کہا تھا وہ حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کا خط لیکر مکہ جاری تھی آپ نے کہا تھا اے عورت تو وہ خط نکال کر ہمارے حوالے کردے۔ ورنہ ہم تجھے ننگا کرنے سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔ اس عورت نے جب حضرت علیؓ کا یہ عزم دیکھا تو خط اپنے جوڑے میں سے نکال کر آپؓ کے حوالے کر دیا۔ [1] اسی نظیر پر یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ اگر مدعا علیہ فریق اپنے دیوالیہ ہونے کا عذر پیش کرے۔ اور کہے کہ اسکے پاس کچھ بھی نہیں۔ اور مدعی کا دعویٰ ہو کہ اسکے پاس مال موجود ہے۔ اور قاضی سے تفتیش کا مطالبہ کرے۔ تو قاضی پر واجب ہے کہ وہ اس معاملے میں تفتیش کروائے تاکہ حقدار کو حق مل سکے۔ اسیطرح جب غزوہ بنو قریظہ میں (جب تمام بالغ مردوں کو قتل کر دینے کا فیصلہ ہو چکا تھا) انہیں سے بعض قیدی ایسے بھی تھے جو بلوغت کے قریب تھے چنانچہ صحابہ کرامؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق ان کے تہہ بند اتار کر ننگا کر دیتے تھے تاکہ معلوم ہو جائے کہ کون بالغ ہے [2] یہ بات اوپر آچکی ہے کہ اگر ایک شخص ایک عمامہ ہاتھ میں لئے بھاگا جا رہا ہے اس کا اپنا عمامہ اس کے سر پر ہے اور ایک دوسرا شخص ننگے سر اس کے پیچھے بھاگ رہا ہے تو اس سے لامحالہ معلوم ہو گیا کہ اسکا یہ عمامہ اس شخص کا ہے جو ننگے سر اس کے پیچھے بھاگ رہا ہے۔ واضح ہو کہ ثبوتِ حق کیلئے کسی شئے پر قبضہ ہونے کو اس بدیہی علم سے کسی لحاظ سے بھی کوئی نسبت نہیں۔ جو آپ کو قرائن اور شواہد حال سے حاصل

---

[1] نیل الاوطار جلد ۸، ص ۹۰۸ بخاری ج ۷، ص ۵۱۹، صحیح مسلم ج ۱۶ ص ۵۵

[2] جمع الفوائد محمد بن محمد بن سلیمان الفاسی المغربی بحوالہ ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، المحلّٰی لابن حزم ج ۱ ص ۸۹

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوا ہے تو پھر قبضہ کو علم یقینی پر کیسے مقدم رکھا جا سکتا ہے قبضہ تو اس علم ضروری اور یقینی کے عدم تعارض کے وقت صرف ظن کا فائدہ دیتا ہے اور اس قبضہ کے اصول کو شریعتِ اسلام کیطرف کیسے منسوب کیا جا سکتا ہے؟

گری پڑی ملی شئے کی علامات بتا دینا دلیل ملکیت کے قائم مقام ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گری پڑی چیز اٹھانے والے کو حکم دیا ہے کہ وہ اسے صرف اس شخص کو کے حوالے کرے جو اسکی نشانیاں بتا سکے اور حکم دیا کہ وہ اس کے ظرف ڈھکن اور بندش وغیرہ کی تشہیر کرے گویا آپ نے اس کی نشانیوں کو "بیّنہ" شہادت کے قائم مقام ٹھہرایا ہے بلکہ بعض اوقات تو نشانیاں بیان کرنا کسی دوسری دلیل سے زیادہ واضح ہوتا ہے۔ امام احمدؒ سے سوال کیا گیا کہ اگر مالک مکان اور کرایہ دار مکان کے ایک دفینے پر اپنا اپنا دعویٰ کریں تو وہ دفینہ کس کا ہوگا؟ امام احمدؒ نے فرمایا۔ جو اسکی نشانیاں بیان کر دے دفینہ اسی کا ہے۔ یہ حضرت امام احمدؒ کے فہم و تفقہ کا کمال ہے۔ ان سے سوال کیا گیا وہ شہر جو کفار کے قبضہ میں آگیا تھا پھر مسلمانوں نے اسے دوبارہ فتح کر لیا وہاں بعض گھروں کے دروازوں پر مسلمانوں کے رسم الخط میں لکھا ہوا پایا گیا ہے کہ "یہ وقف ہے" اس بارے میں کیا حکم ہے؟ حضرت امامؒ نے فرمایا ان علامات کی بنا پر اسے وقف قرار دیا جائے۔ اسی طرح اگر کسی بازیافت بچےّ کے دو دعویدار ہوں تو جمہور کی رائے کے مطابق اس کے حق میں فیصلہ دیا جائیگا جو اس کے جسم کی پوشیدہ علامات بتا سکے۔

عدالتی فیصلوں میں قیافہ[ا] کی اہمیّت

واضح ہو کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اور آپ کے بعد خلفائے راشدینؓ نے قیافہ کی بنیاد پر فیصلے کئے ہیں۔ اور وہاں قیافہ کو ثبوت نسب کیلئے دلیل بنایا ہے جہاں مجرّد نشانات و علامات کے علاوہ کوئی ثبوت نہیں تھا بعض فقہا کا قول ہے کہ قیافہ کی بناء پر الحاق نسب کا انکار کرنا بھی عجیب ہے

سلہ نقوش پا کی مدد سے کھوج لگانے یا کسی کے اعضاء اور جسمانی بناوٹ دیکھ کر الحاق نسب کو قیافہ کہتے ہیں۔ فن قیافہ کے ماہر کو قائف کہا جاتا ہے۔ اسطرح فن قیافہ کی دو قسمیں ہیں۔ اوّل آثار شناسی جس کی مدد سے نقش قدم کو پہچان کر مفرور کو تلاش کر لیا جاتا ہے۔ اس فن کو قدیم زمانے ہی سے بہت اہمیت حاصل ہے۔ زمانہ جدید میں تو یہ فن بہت ترقی کر گیا ہے اب تو انگلیوں کے نشانات وغیرہ کو دیکھ کر مجرموں کو پہچان لیا جاتا ہے۔ ثانی۔ انسانی اعضا کھال وغیرہ کی بناوٹ حلیہ اور ڈیل ڈول کو دیکھ کر نسب اور نسل کے متعلق بتایا جاتا ہے یہ فن بھی بہت قدیم ہے۔ عربوں میں اس فن کے بہت سے ماہرین پیدا ہوئے ہیں۔ مثلاً بنی مدلج اور بنی لہب کے قیافہ شناس بہت مشہور ہیں حتیٰ کہ انکا نام ہی "القافہ" پڑ گیا تھا۔ اور مدلجی سے مراد قیافہ شناس ہی ہوتا تھا۔ اس کے لئے دوسرے مترادف الفاظ یہ ہیں (۱) الجزذ (۲) الحازر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حالانکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رض نے اس پر عمل کیا ہے اور امیر المومنین حضرت عمر رض نے بھی قیافہ کی مدد سے فیصلے کئے ہیں اور اس کے برعکس ان منکرین قیافہ نے اس صورت میں نسب ثابت کیا ہے جبکہ کوئی شخص دور مغرب میں رہتا ہے اور مشرق میں رہائش پذیر کسی عورت سے نکاح کرلیتا ھے اور ان دونوں کے درمیان کئی برس کی مسافت ہے یا وہ نکاح کے بعد فوراً ہی طلاق دیدیتا ہے۔ پھر وہ عورت نکاح کے چھ ماہ بعد ایک بچے کو جنم دیتی ہے۔ تو وہ بچّہ خاوند کا ہوگا کیونکہ وہ اسکی بیوی ہے۔ اور اس سے بھی عجیب تر یہ ہے کہ مجرد نکاح سے تو وہ عورت اس کی بیوی تصور ہوگی لیکن اگر وہ داشتہ ہو اور وہ اس سے دن رات ہمبستری کرتا ہو تو اس بچے کیساتھ نسب کا الحاق نہ ہوگا کیونکہ وہ عورت اس شخص کی بیوی نہیں ہے۔ تاہم اگر وہ الحاق نسب کا دعوٰی کرے تو الحاق نسب ہوسکتا ہے۔ اور یہ الحاق نسب کا دعوی الحاق کی بناپر ہوگا نہ کہ بیوی ہونے کی بناپر

عدالتی فیصلوں میں قسامہ کی اہمیّت

لوث اور قسامہ کے سلسلے میں ابن عقیل رحہ کے استشہاد کا ذکر پہلے گزر چکا ہے اور وہ بھترین استشہاد ہے کیونکہ اسمیں ایسے شواھد سے کام لیا گیا ہے۔ جن سے مدعی کی صداقت کا ظن غالب ہوتا ہے۔ اور اسی بناپر اسے حلف اٹھانے کی اجازت ہے اور جج کیلئے جائز بلکہ واجب ہے کہ وہ مدعی کو قصاص یا دیت کا حقدار قرار دے اسکے باوجود کہ اسے معلوم ہے کہ مدعی نے مقتول کو نہ قتل ہوتے دیکھا نہ وہاں یہ موجود تھا پس جبکہ مقدمات قتل میں جنمیں حزم و احتیاط لازم ہے علامات و قرائن کا اعتبار ہے تو دوسرے معاملات میں انکا اعتبار کیوں نہ ہوگا۔

عورت کا لعان سے انکار کا قرینہ

لعان کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے اگر عورت لعان سے انکار کردے تو ہم اسکو موت یا قید کی سزا دینگے اور صحیح مسلک یہ ھے کہ اس پر زنا کی حد جاری کی جائے گی یہی رائے امام شافعی رحہ کی ہے اور اسی پر قرآن دلالت کرتا ہے وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ (یعنی عورت لعان کے بعد سزا سے بچ سکے گی۔ النور) یہاں عذاب سے مراد تعذیب حد ہے جسکا ذکر سورہ کے شروع میں ان الفاظ میں آتا ہے۔ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ (یعنی انہیں حد لگائے جانے کیوقت مسلمانوں کی ایک جماعت حاضر ہو۔ النور) پہلی آیت میں حد کا ذکر اضافت کے ساتھ آیا ہے (یعنی عَذَابَهُمَا) اور اگلی آیت میں لام تعریف کیساتھ ذکر کیا گیا ہے (یعنی اَلْعَذَاب) اور دونوں آیتوں میں ایک ہی عذاب مراد ہے یعنی حد۔ مقصد یہ ہے کہ عورت کا قسم اٹھانے سے انکار کرنا ظاہر کرتا ہے کہ خاوند

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس پر تہمت لگانے میں سچا ہے لہذا خاوند کی لعان کیلئے آمادگی اور عورت کا اس سے گریز کرنا خاوند کے حق میں شہادت کے قائم مقام ہے۔

قیافہ میں رسول اللہ صلعم کے فیصلے کی نظیر

اس قسم کی مثالوں میں ایک یہ ہے کہ جنگ بدر میں عفراء کے دونوں بیٹوں میں سے ہر ایک کا دعوے تھا کہ وہ ابوجہل کا قاتل ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم دونوں نے اپنی تلواروں سے خون صاف کر دیا ہے؟ انہوں نے عرض کی نہیں آپ نے فرمایا تم دونوں اپنی تلواریں دکھاؤ جب آپ نے تلواروں کا معائنہ کیا تو ان میں سے ایک تلوار کے متعلق فرمایا ہے اس نے قتل کیا ہے اور ابوجہل سے حاصل شدہ اشیاء کا فیصلہ اسی کے حق میں فرمایا[1] یہ بہترین اور قابل اتباع فیصلہ ہے۔ تلوار پر منجمد خون ایک بہترین دلیل ہے۔

بینہ کا اطلاق

بالجملہ بینہ کا اطلاق ہر اس چیز پر ہوگا جو حق پر دلالت کرے اور اس کو واضح کرے جس کسی نے اسکو دو گواہوں، چار گواہوں یا ایک گواہ سے مخصوص کر دیا اسکے مفہوم کا پورا حق ادا نہیں کیا۔ قرآن پاک میں ہرگز یہ نہیں آیا۔ کہ بیّنہ سے مراد دو گواہ ہیں بینہ کا لفظ قرآن میں واحد اور جمع ہر صورت میں حجت، دلیل اور برہان کے معنوں میں وارد ہوا ہے۔ اور اسیطرح رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وسلّم نے جو یہ ارشاد فرمایا ہے کہ البینة علی المدعی[2] تو اس سے مراد دلیل حجت برھان، گواہ اور ھر وہ امر ہے جس سے مدعی اپنا دعوے ثابت کر سکے اور یہ مدعی کے ذمہ ہے تاکہ اس کے حق میں فیصلہ کیا جاسکے دو گواہ بھی دراصل ثبوت دعوی کی ایک قسم ہے یہ بات شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ گواہوں کے علاوہ کوئی اور دلیل بھی بعض اوقات گواہوں کی شہادت سے زیادہ قوی ہو سکتی ہے مثلاً وہ حالات و قرائن جن سے مدعی کی صداقت ثابت ہو۔ کیونکہ یہ قرائن شاہد کے بیان سے زیادہ قوی ہو سکتے ہیں۔ غرض بینہ دلیل، حجت، برہان، نشانی، تبصرہ علامت اور نشانات یہ تمام الفاظ مفہوم کے لحاظ سے ایک دوسرے کے قریب قریب ہیں۔

بینہ کی سنت سے مثال

امام ابن ماجہ رح اور بعض دیگر محدثین رح حضرت جابر بن عبد اللہ[3] رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ انہوں

---

[1] نیل الاوطار جلد ۷ ص ۲۸۳، صحیح البخاری مع فتح الباری جلد ۶ ص ۲۴۶

[2] نیل الاوطار جلد ۷ ص ۲۰۴ بحوالہ سنن الدارقطنی — سنن الدار قطنی جلد ۴ ص ۱۵۴

[3] نیز ملاحظہ ہو سنن الدارقطنی جلد ۴ صہ ۱۵۴

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے سفر خیبر کا ارادہ کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر عرض کی کہ میں خیبر جانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا تم میرے وکیل کے پاس جا کر اس سے پندرہ وسق لے لینا اور اگر وہ کوئی نشانی طلب کرے تو اپنا ہاتھ اسکی ہنسلی کی ھڈی پر رکھ دینا۔ یہ نشانی طالب کو کوئی چیز حوالے کر دینے میں اعتماد کیلئے کافی ہے اور شاھد کے قائم مقام ہے۔

قرائن اور علامات کا اعتبار

اس سے ثابت ہوا کہ شارع علیہ السلام نے قرائن علامات اور دلائل احوال کو لغو قرار نہیں دیا ہے بلکہ جو شخص بھی نظام اسلام اور اس کے مصادر و موارد کا مطالعہ کریگا۔ اس کو معلوم ہو جائیگا کہ ان علامات اور قرائن پر اعتبار کی شہادت ملتی ہے اور ان کے مطابق فیصلے کئے جا سکتے ہیں۔

فراست کی توضیح

ابوالوفا ابن عقیل رحمہ کا کہنا ہے کہ لَيْسَ هٰذِهٖ فِرَاسَةً صَادِقَةً یعنی یہ صحیح معنوں میں فراست نہیں ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فراست اور اہل فراست کی قرآن کریم میں بہت سے مواقع پر مدح کی ہے۔ چنانچہ قرآن میں آتا ہے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَاتٍ لِلْمُتَوَسِّمِیْنَ یعنی اس میں اہل قرائن کیلئے نشانیاں ہیں۔

یہاں متوسمین کے معنی اہل فراست ہیں جو نشانیوں سے حقائق معلوم کر لیتے ہیں اہل عرب کہتے ہیں تَفَرَّسْتُ فِیْكَ كَیْتَ كَیْتَ وَتَوَسَّمْتُهٗ یعنی آپ کی کیسی کیسی باتوں کو میں نے فراست سے جانا۔ اور قرائن سے پہچانا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

وَلَوْ نَشَاءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ اگر ہم چاہیں تو آپ کو وہ لوگ دکھا دیں اور آپ انکو انکی نشانیوں سے پہچان لیں

نیز فرماتا ہے

یَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِیَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِیْمٰهُمْ (محمد ۳۰) انکو نادان لوگ انکے ہاتھ نہ پھیلانے کی وجہ سے مالدار خیال کرتے ہیں آپ انکی اس حالت کو قرائن سے پہچان لیں گے۔

سنن ترمذی میں ایک مرفوع حدیث یوں آتی ہے۔

اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ مومن کی فراست سے ڈرتے رہو کیوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ نور فراست سے دیکھتا ہے۔

پھر آپ نے یہ آیت پڑھی

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِلْمُتَوَسِّمِیْنَ اس میں اہل قرائن کے لئے نشانیاں ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سیاستِ شرعیہ

ابن عقیلؒ اپنی کتاب "الفنون" میں رقم طراز ہیں کہ۔ امور سلطنت کا جواز موقوف ہے نظام شریعت پر اور اسی حکمت عملی کو حزم کا نام بھی دیا گیا ہے۔ ائمہ کرامؒ میں سب کی رائے یہی ہے۔ چنانچہ امام شافعی رحؒ فرماتے ہیں۔ صرف وہی سیاست جائز ہے جو اسلامی شریعت سے موافقت رکھتی ہے اس پر ابن عقیلؒ کہتے ہیں کہ سیاست نام ہے ان امور کا جو عوام الناس کی بہبود سے قریب تر اور خرابی سے دور ہوں۔ اور جنہیں عوام کی حمایت حاصل ہو۔ اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو وضع نہ کیا ہو۔ اور نہ ہی اسکے بارے میں وحی نازل ہوئی ہو۔ اب اگر شریعت کے بارے میں مطابق ہونے سے امام شافعی رحؒ کا مطلب یہ ہے کہ احکام شریعت کے خلاف نہ ہو تب تو صحیح ہے اور اگر اس سے یہ مراد ہے کہ کوئی سیاسی حکم نافذ نہیں ہو سکتا جبتک کہ شریعت سے ثابت نہ ہو تو یہ غلط ہے۔ اور صحابہ کرام رضؓ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عمل کو غلط قرار دیتا ہے۔ کیونکہ خلفائے راشدینؓ نے مقدمات قتل وغیرہ کے باب میں ایسے فیصلے کئے ہیں کہ سُنّت خلفاء کا کوئی عالم انہیں جھٹلا نہیں سکتا اس کیلئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مصاحف قرآن کو جلوانے کی مثال کافی ہے۔ [۱] امت کی بہتری کیلئے انہوں نے اپنی رائے پر اعتماد کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ وکرم اللہ وجہہ کے زنادقہ کو آگ کے گڑھوں میں جلوا دینے کی مثالیں مشہور ہیں۔ چنانچہ آپؓ نے فرمایا۔

لَمَّا رَاَیْتُ الْاَمْرَ اَمْرًا مُنْکَرًا ۔۔۔ اَجَّجْتُ نَارِیْ وَدَعَوْتُ قَنْبَرًا

"میں نے جب دیکھا کہ معاملہ برائی کی حد کو پہنچ گیا ہے تو میں نے آگ بھڑکائی اور قنبر کو بلایا" [۲]

حضرت عمر رضؓ رضی اللہ عنہ کا نصر بن حجاج کو شہر بدر کرنا بھی اسی قسم کی ایک مثال ہے [۳]

سیاستِ شرعیہ اور افراط و تفریط

سیاست کی یہ قسم ایسی چیز ہے۔ جہاں اہل سیاست کے قدم پھسل سکتے ہیں۔ اور

---

[۱] صحیح البخاری مع فتح الباری جلد ۹ ص ۱۱ نیز ملاحظہ ہو الاتقان فی علوم القرآن للسیوطی جلد ۱ ص ۵۹، روح المعانی آلوسی ج ۱ ص ۲۳

[۲] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو نیل الاوطار جلد ۷ ص ۲۰۴ نیز نیل الاوطار میں حضرت علی رضؓ کیطرف منسوب یہ شعر یوں منقول ہے۔

انی اذا رایت امرا منکرا + اوقدت ناری ودعوت قنبرا

[۳] علامہ آلوسی رحؒ نے بھی اس اثر کا حوالہ دے کر اس کی صحت کی تصدیق کی ہے روح المعانی جز ۱۸ ص ۸۱ ۔ اور ملاحظہ ہو فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحؒ جلد ۳۲ ص ۲۵۱

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عقل گمراہ ہوسکتی ہے۔ یہ انتہائی نازک مقام اور مشکل کام ہے جسمیں ایک گروہ نے حد سے تجاوز کرکے حدود اللہ کو معطل کردیا اور حق تلفیاں کیں۔ اہل فسق وفجور کو شروفساد میں زیادہ دلیر کردیا اور شریعت بے دست وپا ہو کر رہ گئی اور وہ معاشرے کے مصالح کی نگہبانی کا کام سرانجام نہ دے سکی اسکو دوسرے نظامہائے زندگی کا محتاج بنا کے رکھدیا گیا۔ لوگوں پر معرفت حق اور اس کے نفاذ کی تمام راہیں مسدود اور معطل کردی گئیں۔ حالانکہ وہ اور دوسرے تمام لوگ جانتے ہیں کہ وہی نظام درست اور حالات کے تقاضوں سے عہدہ برآ ہوسکتا ہے۔ وہ اس گمان میں مبتلا ہیں کہ قواعد (فراست سے کام لینا) شریعت کے خلاف اور اس کے منافی ہے۔ مگر خدا کی قسم یہ اس شریعت کے خلاف ھرگز نہیں جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر اس دنیا میں تشریف لائے ہیں تاہم یہ اس رائے کے خلاف ضرور ہے جو انہوں نے اپنے اجتہاد واستنباط کی بنیاد پر اختیار کی ہے۔ اور وہ جو اپنی رائے پر ڈٹے ہوئے ہیں اس کا سبب یہ ہے کہ ایک حد تک معرفتِ حق شریعت اور معرفتِ حالات وواقعات کو انہوں نے ایک دوسرے میں گڈمڈ کردیا ہے پس جب ارباب حکومت نے دیکھا اور انہیں معلوم ہوا کہ شریعت کی جو تعبیر انہوں نے کی ہے اس سے لوگوں کے معاملات درست نہیں ہوتے تو ان لوگوں نے سیاست کے خود ساختہ قاعدے گھڑ لئے اور شروفساد برپا کردیا اور معاملات اسقدر بگڑ گئے کہ ان کا تدارک مشکل ہوگیا اور شریعت کی حقیقت سے واقف افراد کیلئے عوام الناس کو اس بگاڑ سے نجات دلانا اور تباہی کے گڑھوں سے بچانا محال ہوگیا۔

دوسرے گروہ نے بھی حد سے تجاوز کیا اور پہلے گروہ کے مقابلے میں ایسے امور کو بھی رائج کردیا جو اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے منافی تھے جن مقاصد کیلئے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول بھیجے اور کتابیں نازل فرمائیں دونوں گروہ اسکی معرفت سے قاصر رہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور کتابیں اس لئے بھیجی تھیں کہ لوگ عدل پر قائم رہیں اور عدل ایسی چیز ہے جس پر زمین وآسمان قائم ہیں۔ پس عدل کی علامات کا ظاہر ہونا اور حقیقت حال کا عیاں ہونا جسطرح بھی ممکن ہو در اصل وہی دین اور شریعت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا علم، فیصلہ اور عدل وانصاف اس سے بالاتر ہے کہ وہ عدل اور اسکی علامات اور نشانیوں کو ایک خاص حد تک مخصوص کردے اور ایسے قرائن جو اس سے زیادہ قوی اور نمایاں ہوں اسکو نظر انداز کردے اور ایسے فیصلے کو عدل قرار نہ دے اور ان دلائل کے موجود ہوتے ہوئے اُن کے مطابق فیصلہ نہ کرے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کیلئے حصول عدل کا جو طریق کار وضع کیا ہے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسکو بالکل واضح کردیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا منشا یہ ہے کہ اس کے بندوں میں عدل قائم ہو اور لوگ عدل پر قائم رہیں چنانچہ جس طریقے سے بھی عدل وانصاف حاصل ہو وہ دین ہے دین کی مخالفت ہرگز نہیں

سیاستِ عادلہ شریعت کے مطابق ہے

غرض یہ نہیں کہا جاسکتا کہ سیاست عادلہ شریعت کے فیصلوں کے خلاف ہے سیاستِ عادلہ تو شریعت اور دین کے عین مطابق ہے بلکہ دین کے اجزاء میں سے ایک جزو ہے ہم تو آپ کی اصطلاحات کے مطابق اسکو سیاست کا نام دیتے ہیں ورنہ علامات ونشانات سے جو کچھ ظاہر ہوتا ہے وہی تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا عدلِ کامل ہے۔ چنانچہ آپ نے الزام میں ملزم کو قید کیا اور جب ملزم کا مشتبہ ہونا ظاہر ہوا تو اسے سزا دینے سے بھی گریز نہیں کیا۔ اگر کسی حاکم نے تمام قرائن کو نظرانداز کرتے ہوئے ملزم ومتہم کو اس کے شر وفساد کی شہرت اور اس کے عادی چور مشہور رہونے کے باوجود محض اس بنا پر چھوڑ دیا کہ اسکو دو عادل گواہوں کی گواہی کے بغیر مجرم قرار نہیں دیا جاسکتا تو اسکا یہ قول سیاستِ شرعیہ کے منافی ہوگا۔

سنّتِ رسولؐ

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت میں خیانت کرنیوالے کو غنیمت کے حصے سے محروم کردیا تھا۔ ایسے خائن کے مال ومتاع کو آپؐ نے اور آپؐ کے خلفائے راشدینؓ نے جلادیا تھا[1]۔ جہاد میں کافر کے قاتل کو سلب[2] (مالِ مقتول) سے محض اس لئے محروم کردیا تھا کہ اسکی سفارش کرنیوالے نے دستے کے امیر کی حکم عدولی کی تھی۔ دراصل سفارش کرنیوالے کیلئے سزا کے طور پر قاتل کو مال مقتول سے محروم کردیا تھا۔ نیز آپؐ نے جمعہ اور جماعت کو جان بوجھ کر ترک کرنیوالوں کے گھروں کو جلوا دینے کی خواہش کا اظہار فرمایا تھا[3]۔ ایسی چوری میں جسمیں ہاتھ نہیں کاٹا جاسکتا آپؐ نے جرمانہ کی سزا دُگنی کردی تھی[4]۔ اور تادیب کیلئے کوڑوں کی سزا مشروع کی[5]۔ اسی طرح گمشدہ مویشی کو چھپانے والے پر بھی جرمانے کی سزا کو دوگنا کردیا تھا[6]۔

تارکِ زکوٰۃ کے متعلق آپؐ نے فرمایا۔ ہم اس سے زکوٰۃ بھی وصول کریں گے اور اس کے مال کا

---

[1] مسند الامام احمد بتحقیق احمد محمد شاکر حدیث رقم ۱۴۴ ، نیل الاوطار جلد ۷ ص ۳۱۸ بحوالہ ابوداؤد

[2] نیل الاوطار جلد ۷ ص ۲۸۱ بحوالہ مسند الامام احمد، مسلم اور ابوداؤد

[3] صحیح البخاری جلد ۲ ص ۱۲۵ ، موطا الامام مالک مع تنویر الحوالک جلد ۱ ص ۱۵

[4] سنن ابن ماجہ جلد ۲ ص ۸۶۵ ، مسند الامام احمد حدیث رقم ۶۶۸۳ ، ابوداؤد مع عون المعبود جلد ۲ ص ۶۶

[5] جامع الترمذی جلد ۲ ص ۲۶۱ ، سنن النسائی طبع ہند [6] حوالہ سابقہ [7] حوالہ سابقہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کچھ حصہ بھی ضبط کریں گے۔ یہ ہمارے رب کے فیصلوں میں سے ایک فیصلہ ہے [۱] آپؐ نے شراب کے مشکوں کو توڑ دینے کا حکم بھی دیا [۲] ایک دفعہ ان ہانڈیوں کو توڑنے کا حکم دیا جن میں حرام گوشت پکایا گیا تھا۔ بعد میں آپ نے توڑنے کا حکم منسوخ کر دیا تھا اور صرف دھو لینے کا حکم دیا [۳] آپ نے ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو حکم دیا کہ وہ زرد رنگ میں رنگے ہوئے دو کپڑوں کو جلا دیں جو انہوں نے پہن رکھے تھے۔ اس پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے یہ کپڑے تنور میں جھونک دیئے [۴] آپؐ نے ایک عورت کو اس اونٹنی کو چھوڑ دینے کا حکم دیا جس پر وہ لعنت کر رہی تھی۔ [۵] آپ نے حکم دیا کہ شراب نوشی کا عادی اگر تین بار سزا یافتگی کے بعد بھی شراب نوشی سے باز نہ آئے تو اسکو قتل کر دیا جائے [۶] پھر اس سزا کو منسوخ بھی نہیں کیا اور اسکو حد (یعنی سزائے واجب) بھی قرار نہیں دیا۔ بلکہ آپ نے حسب مصلحت امام کی رائے پر منحصر رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے شراب نوشی کی حد کو چالیس کوڑوں سے بڑھا دیا تھا اور اس پر شہر بدر کرنے کی سزا کا مزید اضافہ بھی کر دیا تھا [۷] آپ نے ایک ایسے شخص کو قتل کرنے کا حکم دیا جو آپ کی ام الولد لونڈی (ایسی لونڈی جس سے اولاد پیدا ہو جائے) سے متہم تھا لیکن جب واضح ہو گیا کہ وہ شخص نامرد ہے تو اسکو چھوڑ دیا گیا [۸] آپ نے ایک ایسے یہودی کو قید کر دیا تھا جس پر الزام تھا کہ اس نے اپنی لونڈی کا سر دو پتھروں کے درمیان کچل دیا تھا۔ اس نے جب اقرار کر لیا تو اس کا سر بھی کچل دیا گیا [۹]

ان واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر ارتکاب جرم کا ایسا قرینہ موجود تھا جس سے الزام ثابت ہو جائے تو ملزم پر گرفت کی جائے گی اب ظاہر ہے کہ اس جرم کی نہ شہادت تھی نہ اس نے قتل کا اقرار کیا بلکہ اس نے یہ اقرار جرم محض دھمکانے اور تعذیب و تشدد سے کیا۔

---

[۱] المغنی لابن قدامہ جلد ۲ ص ۲۷۷ بحوالہ ابوداؤدؒ نسائیؒ
[۲] نیل الاوطار جلد ۵ ص ۳۷۰ بحوالہ ترمذی دارقطنی
[۳] زاد المعاد جلد ۱ ص ۱۳۳ المحلی لابن حزم جلد ۱ ص ۱۰۸ ، مسلم جلد ۱۳ ص ۹۳
[۴] مسند الامام احمد حدیث رقم ۶۸۵۲ سنن ابی داؤد جلد ۴ ص ۹۱
[۵] جمع الفوائد حدیث رقم ۴۲ ۸۰ بحوالہ مسلم، ابوداؤد
[۶] سنن ابن ماجہ جلد ۲ ، نیل الاوطار جلد ۷ ص ۱۵۵ بحوالہ مسلم، احمد، ابوداود، ترمذی، ابن ماجہ
[۷] نیل الاوطار جلد ۷ ص ۱۴۶ بحوالہ مسند احمد، مسلم ابوداؤد ترمذی بروایت انس اور بحوالہ بخاری۔ مسند احمد بروایت سائب بن یزید رضؓ ، نیز ملاحظہ ہو المحلی جلد ۱۱ ص ۳۶۵
[۸] المحلی لابن حزم جلد ۱۱ ۔ص ۱۴۳ بحوالہ مسلم۔
[۹] صحیح بخاری جلد ۱۲ ۔ ص ۲۱۳

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صحابہ کرامؓ کے فیصلے

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرامؓ اور خلفائے راشدینؓ کا مسلک اہل تحقیق کو معلوم ہے۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے اہل سدوم کے فعل بد کا ارتکاب کرنے والوں کو جلوا دیا تھا۔ اور انکو دنیا ہی میں جہنم کا مزا چکھا دیا تھا ۱؎ ہماری بھی یہی رائے ہے کہ اگر امام اغلام (یعنی ہم جنسی) کے مرتکب کو جلوا دینا ضروری خیال کرے تو ایسا کر سکتا ہے ایک مرتبہ حضرت خالد بن ولید رضؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو لکھا کہ عرب کے بعض علاقوں میں مرد مرد سے عورت کی طرح بدکاری کرتے ہیں اس پر حضرت ابوبکر رضؓ نے مجلس شوریٰ طلب کی اور صحابہؓ کے سامنے مسئلہ پیش کیا۔ ان میں حضرت علی رضؓ بھی موجود تھے ان سب میں حضرت علی رضؓ کی رائے زیادہ سخت تھی۔ انہوں نے کہا کہ ہم جنسی ایک ایسا گناہ ہے کہ صرف ایک امت نے اس کا ارتکاب کیا تو اللہ تعالےٰ نے انکا جو حشر کیا وہ سب جانتے ہیں میری رائے ہے انکو جلا دیا جائے چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت علی رضؓ کی رائے سے اتفاق کیا۔ اور حضرت خالد بن ولید رضؓ کو حکم بھجوا دیا کہ اسطرح کے مجرموں کو جلا دیا جائے ۲؎ حضرت خالدؓ نے حضرت ابوبکر رضؓ کے حکم پر عمل کیا۔ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضؓ نے بھی اپنے ۳؎ زمانہ خلافت میں ایسے بدکاروں کو جلوا دیا تھا۔ اس کے بعد ہشام بن عبد الملک نے بھی سدومیت یعنی اغلام کے مجرموں کو جلا دینے کی سزا دی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے ایک شراب خانے کو اس کے پورے ساز و سامان سمیت جلا دینے کا حکم دیا جسمیں شراب کا کاروبار ہوتا تھا۔ آپؓ نے ایک دفعہ ایک ایسی بستی کو جلوا دیا تھا جس میں شراب کا کاروبار ہوتا تھا۔ حضرت عمر رضؓ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا گھر اسوجہ سے جلوا دیا تھا کہ وہاں عوام کو ان سے ملنے کی اجازت نہ تھی۔ چنانچہ امام احمد بن حنبل رحؒ کے فرزند صالحؒ کی تصنیف "مسائل صالح" میں امام احمد بن حنبل رحؒ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضؓ نے محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ کو بلوا کر حکم دیا کہ وہ کوفہ میں سعد بن ابی وقاص رضؓ کے پاس جائیں اور ان کا محل جلا دیں اسکے علاوہ وہ کچھ نہ کریں اور سیدھے میرے پاس چلے آئیں۔ حضرت محمد بن مسلمہ رضؓ کوفہ گئے۔ ایک نبطی سے لکڑیوں کا ایک گٹھا خریدا اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضؓ کے محل میں ڈال کر آگ لگا دی۔

۱؎ السنن الکبریٰ للبیہقی رحؒ جلد ۸ ص ۲۳۲

۲؎ السنن الکبریٰ جلد ۸ ص ۲۳۲ ، المغنی جلد ۹ ص ۳۱ ، المحلی لابن حزم جلد ۱۱ ص ۳۸۰

۳؎ امام بیہقی رحؒ نے یہ اثر نقل کیا ہے مگر اس میں منقول ہے کہ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضؓ نے مجرموں کو رجم کروایا اور کوڑے لگوائے تھے۔ السنن الکبریٰ جلد ۸ ص ۲۳۳

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت سعد بن ابی وقاص رضؓ باہر سے تشریف لائے اور دریافت کیا کہ یہ کیا ہے۔ حضرت محمد بن مسلمہ رضؓ نے کہا یہ امیر المومنین کا حکم ہے۔ پھر اس محل کو جلتا چھوڑ کر مدینہ لوٹ آئے۔ محل جل کر راکھ ہو گیا۔ واپسی پر حضرت سعد بن ابی وقاص رضؓ نے کچھ سفر خرچ کیلئے پیش کیا مگر محمد بن مسلمہ رضؓ نے لینے سے انکار کر دیا۔ اور تمام قصہ مدینہ میں آکر حضرت عمر رضؓ کو سنایا۔ آپ نے پوچھا تم نے سعد سے سفر خرچ کیوں قبول نہ کیا" ؟ محمد بن مسلمہ نے عرض کی۔ آپ نے فرمایا تھا کہ اور کچھ نہ کرنا سیدھے میرے پاس چلے آنا۔ سلہ حضرت عمر رضؓ نے نصر بن حجاج کا سر منڈوا کر مدینہ منورہ سے نکال دیا کیونکہ عورتیں اس سے تشبیب کیا کرتی ہیں سلہ حضرت عمر رضؓ نے صبیغ بن عسل تمیمی کی سرزنش فرمائی کیونکہ اس نے کوئی بیفائدہ سوال کیا تھا۔ سلہ حضرت عمر رضؓ نہایت سختی سے اپنے اہلکاروں کا محاسبہ فرماتے تھے۔ اور ان لوگوں نے اپنے عہدے اور رتبہ کی وجہ سے جو کچھ کمایا ہوتا وہ ان سے لیکر بیت المال میں شامل فرما کر اس مال کو ان کے اور مسلمانوں کے درمیان دو حصوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ سلہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضؓ کو اس امر کا پابند کر دیا تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو کم ہی بیان کیا کریں تاکہ لوگ اس میں مشغول ہو کر قرآن سے غافل نہ ہو جائیں۔ سلہ یہ ان کی دانائی اور دور اندیشی کی دلیل ہے یہی وہ سیاست ہے جس کے ذریعے انہوں نے امتہ مسلمہ کی قیادت کی تھی۔

حضرت عمرؓ اور طلاقِ ثلاثہ

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اپنی نظائر میں سے ایک نظیر یہ بھی ہے کہ

سلہ مسند امام احمد میں یہ واقعہ قدرے مختلف الفاظ میں منقول ہے۔ حدیث رقم ۳۹۰ نیز تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر رحؒ جلد ۷ ص ۴۷

سلہ کہتے ہیں حجاج بن یوسف کی ماں بھی تشبیب کیا کرتی تھی۔ خلیفہ عبدالملک بن مروان نے ایک روز اسے یا ابن المتمنیۃ (یعنی اے نصر بن حجاج کی تمنا کرنے والی کے بیٹے) کہہ کر پکارا تھا۔ علامہ آلوسی نے اس کی تشبیب کے دو شعر بھی نقل کر دیے ہیں۔

هل من سبيل الى خمر فاشربها　　　او هل سبيل الى نصر بن حجاج

الى فتى ماجد الاعراق مقتبل　　　سهل المحيا كريم غير ملجاج

(روح المعانی جزء ۱۸ ص ۸۱، نیز ملاحظہ ہو الاحکام السلطانیہ ابو یعلیٰ حنبلی رحؒ ص ۲۸۴)

سلہ سنن دارمی جلد ۱ ص ۵۱

سلہ تاریخ الخلفاء للسیوطی رحؒ ص ۱۱۰ بحوالہ ابن سعد

سلہ سنن ابن ماجہ جلد ۱ ص ۱۲

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت عمرؓ نے ایک ساتھ تین طلاق دینے والے پر تینوں کو ہی نافذ کر دیا تھا۔ حالانکہ وہ جانتے تھے کہ یہ ایک ہی طلاق ہے۔ لیکن جب لوگ کثرت سے تین طلاق ایک ہی موقع پر دینے لگ گئے تو آپ نے سزا کے طور پر تینوں طلاقوں کو نافذ کر دیا۔ اور صحابہ کرام نے بھی اس فیصلے کی موافقت کی تھی۔ حضرت عمرؓ نے خود اس بات کیطرف اشارہ بھی کر دیا کہ یہ نفاذ سزا کے طور پر ہے) چنانچہ انہوں نے فرمایا "لوگوں کیلئے جس چیز میں نرمی اور تاخیر مقصود تھی وہ اس میں جلدی مچانے لگے ہیں کیوں نہ ہم انہیں نافذ ہی کر دیں"۔ چنانچہ انہوں نے تین طلاق کو نافذ فرما دیا۔ تاکہ لوگ ایک ہی مجلس میں تین طلاق دینے سے رک جائیں کیونکہ جب لوگوں کو یہ معلوم ہو جائیگا کہ اگر کسی نے ایک ہی دفعہ تین طلاقیں دیدیں تو وہ تینوں نافذ ہو جائیں گی۔ اور پھر اسے اپنی بیوی کو زوجیت میں باقی رکھنے کا اختیار باقی نہیں رہیگا تو وہ رُک جائے گا۔ اس سے معلوم ہُوا ہے کہ انکا یہ نفاذ سزا اور مصلحت کی وجہ سے تھا۔ جیسے وہ سمجھتے تھے یہ نہیں ہو سکتا کہ ان پر یہ بات واضح نہ رہی ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کے زمانے میں اس قسم کی طلاق ایک ہی شمار ہوتی رہی ہے۔ پھر لوگ بکثرت طلاق دینے لگ گئے۔ یہ صورت حال اللہ تعالیٰ کی آیات کیساتھ تمسخر و استہزاء کے مترادف تھی۔
چنانچہ مسند امام احمد اور سنن نسائی وغیرہ میں محمود بن لبید سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دیدیں۔ حضورؐ کو اس بات کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا "کتاب اللہ کے ساتھ یہ مذاق! درآنحالیکہ میں ابھی تم میں موجود ہوں"؟
ایک شخص نے عرض کی۔ یا رسول اللہ! کیا میں اس شخص کی گردن مار دوں"؟

جب لوگ کثرت سے طلاق دینے لگ گئے تو حضرت عمرؓ نے اسے سزا کے طور پر نافذ کر دیا۔ حضرت عمرؓ کو اس نفاذ پر اپنی وفات سے پہلے ندامت بھی ہوئی جیسا کہ حافظ ابو بکر اسمٰعیلی نے مسند عمرؓ میں نقل کیا ہے۔[1]
میں (ابن قیمؒ) نے اپنے استاذ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کی۔ لوگوں پر طلاق ثلاثہ کو سزا کے طور پر نافذ کرنے میں آپ نے حضرت عمرؓ کے اس فعل کی پیروی کیوں نہ کی۔ آپکے نزدیک تو

---

[1] حافظ ابو بکر اسماعیلیؒ مسند عمرؓ میں نقل کرتے ہیں۔ اخبرنا ابو یعلی حدثنا صالح بن مالك حدثنا خالد بن يزيد بن ابي مالك عن ابيه قال قال عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه ما ندمت على شيء ندامتي على ثلث ان لا يكون حرمت الطلاق وعلى ان لا يكون انكحت الموالي وعلى ان لا اكون قتلت النمساء النوائح (بحوالہ اغاثۃ اللھفان جلد ۱ ص ۳۵۱) یعنی حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مجھے اتنی ندامت کسی چیز پر نہیں ہوئی جتنی مجھے ان تین چیزوں پر ہوئی ہے ۱۔ میں نے تین طلاق کو حرام قرار نہ دیا ہوتا ۲۔ میں نے موالی کا نکاح نہ کیا ہوتا۔ ۳۔ اور میں نے نوحہ کرنے والی عورتوں کو قتل نہ کیا ہوتا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک ہی دفعہ تین طلاق دینا حرام ہے"؟ انہوں نے جواب دیا "آج اکثر لوگ یہ نہیں جانتے کہ تین طلاق جمع کرنا حرام ہے۔ خاص طور پر جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ تک اسے جائز سمجھتے ہوں تب اس کی حرمت کا علم نہ رکھنے والے کو کیوں کر سزا دی جا سکتی ہے۔"؟

سیدنا عمرؓ اور حلالے کا سدّ باب

نیز علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا "حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تین طلاق نافذ کرنے کے ساتھ ساتھ حلالے کا دروازہ بھی بند کر دیا تھا مگر ان لوگوں کا یہ حال ہے کہ یہ اگر ایک طرف تین طلاق کے ایک دفعہ دینے پر اس کے نفاذ کا فتویٰ دیتے ہیں تو دوسری طرف انہیں سے اکثر حلالے کا دروازہ بھی کھول دیتے ہیں کیونکہ جب ایک آدمی کو اپنی بیوی حاصل کرنے کیلئے حلالے کے سوا کوئی چارہ نظر نہیں آتا تو وہ حلالے کیلئے جدوجہد کرتا ہے لیکن صحابہ کرام حلالے کو کیسے روا کر سکتے تھے؟ دراصل تین طلاق کو ایک ہی طلاق قرار دینے اور جمع کرنے سے روکنے اور حلالے کے جائز قرار دینے میں ہی امت کیلئے مصلحت اور بہتری ہے۔ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اگر یہ معلوم ہوتا کہ لوگ حلالہ کرنے لگ جائیں گے تو یقیناً ان کی رائے یہ ہوتی کہ جو طریق کار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور خود ان کے اپنے دورِ خلافت میں کچھ عرصہ تک جاری رہا وہی بہتر تھا۔ اس موضوع پر ہمارے استاد شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے طویل بحث کی ہے۔

اُمّہات الاولاد کی بیع کی ممانعت

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "انہی مثالوں میں امہات الاولاد (ایسی لونڈیاں جن سے اولاد پیدا ہو جائے) کی بیع کی ممانعت بھی شامل کی ہے۔ یہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی اپنی رائے تھی جو انہوں نے امّت کے معاملے میں اختیار کی ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اُمّہات الاولاد کی خرید و فروخت ہوتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی امّہات الاولاد کی بیع کی بابت سخت رائے رکھتے تھے چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ امّہات الاولاد کو فروخت نہ کرنے کے بارے میں میں اور عمر رضی اللہ عنہ متفق ہیں آپ رضی اللہ عنہ کے قاضی عبیدہ سلمانی رحمہ اللہ نے عرض کیا اے امیر المومنین حضرت عمر اور مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ آپ کی رائے آپ رضی اللہ عنہ کی تنہا رائے سے بہتر ہے اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم لوگ ویسے ہی فیصلے کرو جیسے پہلے کیا کرتے تھے مجھے بھی مخالفت ناپسند ہے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی نص ان کی بیع کے ممنوع ہونے کے بارے میں ہوتی تو آپ رضی اللہ عنہ اسے اپنی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کے ساتھ نہ ملاتے۔ اور یہ ہرگز نہ فرماتے کہ میری رائے ہے کہ ان امہاتِ اولاد کو نہ بیچا جائے۔[1]

---

[1] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو المغنی جلد ۱۰ ص ۵۹۱

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سیّدنا عمرؓ کی تمتّع سے ممانعت

اور اسیطرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کیلئے "حجِ اِفراد" یعنی عمرے کے بغیر صرف حج کرنے کو اختیار فرمایا تاکہ لوگ عمرہ حج کے مہینوں کے علاوہ دوسرے مہینوں میں کیا کریں تاکہ بیت اللہ سارا سال لوگوں کیلئے زیارت گاہ بنا رہے۔ اس سے بعض اصحاب نے یہ سمجھ لیا کہ شاید حضرت عمر رضؓ حج تمتع (یعنی عمرہ کیساتھ حج) کرنے سے منع کرتے ہیں اور حج افراد ہی کو واجب قرار دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں حضرت عبداللہ بن عبّاس رضؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضؓ نے آپؓ کیساتھ بحث بھی کی ہے[1]

سُنّتِ رسُولؐ کی اوّلیّت

صحابہ کرام رضؓ کی اکثریت اس مسئلہ (حج تمتع) میں حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ کی ہمخیال تھی حضرت عبداللہ بن عبّاس احادیث صحیحہ سے دلیل دیتے تھے جب لوگوں نے زیادہ قیل و قال شروع کردی تو حضرت عبداللہ بن عبّاس رضؓ نے فرمایا "قریب ہے کہ تم لوگوں پر آسمان سے پتھر برسیں میں تم سے کہتا ہوں کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا اور تم جواب دیتے ہو ابوبکرؓ نے یوں کہا ہے اور عُمرؓ نے یوں کہا ہے" اسیطرح جب لوگ حضرت عمرؓ کے صاحبزادے عبداللہ بن عمرؓ کو ان کے باپ کے قول سے دلیل دیتے تو فرمایا کرتے تھے "حضرت عمرؓ کا ارادہ وہ نہیں تھا جو تم نے سمجھ لیا ہے" جب لوگ زیادہ اصرار کرتے تو آپ ارشاد فرماتے "کیا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ اطاعت کا زیادہ حقدار ہے یا حضرت عمر رضؓ کا"؟

فروعی قوانین اور تغیرِ زمان و مکان[2]

اس تفصیل سے ہمارا مقصد یہ بتانا ہے کہ یہ اور اسی قسم کے دیگر فیصلے وقتی مصلحت کے مطابق ہوتے ہیں جو زمانی اختلاف احوال و واقعات کے مطابق تبدیل ہوتے رہتے ہیں اس سے لوگوں نے سمجھ لیا کہ یہ عام اور غیر متبدل قوانین کلی ہیں جنکا نفاذ قیامت تک کیلئے امتِ مسلمہ پر واجب ہے۔ بہرحال ہر شخص کیلئے عُذر اور اجر ہے۔ ایسا شخص جو محض اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول ؐ کی اطاعت کے لئے اجتہاد کرتا ہے۔ اس کیلئے دو اجر ہیں[3] (درآنحالیکہ اسکا فیصلہ درست ہے) اور ایک اجر ہے (اگر فیصلے میں

---

[1] تمتع کے بارے صحابہ کرام کی آراء اور مذاہب کے متعلق تفصیلات ملاحظہ ہوں المغنی لابن قدامہ جلد ۳ صفحہ ۲۴۹ تا ۲۵۴

[2] مصنف رحمتہ اللہ علیہ نے اس موضوع پر اپنی معرکۃ الآراء کتاب اعلام الموقعین میں بہت نفیس اور سیر حاصل بحث کی ہے۔ ملاحظہ ہو اعلام الموقعین جلد ۳ ص ۳ سے آگے تک

[3] حضرت عمرو بن عاص رضؓ روایت کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔
اذا حکم الحاکم فاجتھد فاصاب فلہ اجران واذا حکم فاجتھد فاخطاء فلہ اجر
جج جب فیصلہ کرتا ہے اور اجتہاد کرتا ہے اگر وہ اپنے اجتہاد میں صحیح ہوتا ہے تو اس کے لئے دو اجر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غلطی ہو جائے)۔ یہی ہے وہ سیاست جس کے ذریعے انہوں نے امت مسلمہ کی قیادت کی وہ سب قرآن وسنت سے ماخوذ ہے۔ مگر کیا اسکی حیثیت کلی قوانین کی سی ہے جو زمانے کے تغیر کے ساتھ نہیں بدلتے یا ایک جزوی سیاست ہے جو مصلحتوں کے تابع اور صرف زمان ومکان کی حدود میں مقید ہے

فروعی قوانین کی مثالیں

سات قراءتوں کی مثال بھی ایسی ہی ہے جنکی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی لیکن حضرت عثمان رضؓ نے لوگوں کو ان میں سے ایک قراءت پر جمع کر دیا کیونکہ مصلحت اسی میں تھی جب صحابہ کرام کو خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں امت قرآن کے مسئلے میں اختلاف کرنے نہ لگ جائے اس لئے انہوں نے تمام مسلمانوں کو ایک ہی قراءت پر جمع کرنا مناسب سمجھا تھا اور یہ چیز فتنوں سے محفوظ ہے اختلاف سے بعید ہے۔ اس لئے انہوں نے مسلمانوں کو ایک ہی قراءت پر جمع کر دیا دوسری قراءتوں کو پڑھنا ممنوع قرار دیدیا۔ اسکی مثال ایسی ہے گویا بیت اللہ کو جانے کے بہت سے راستے ہوں۔ لیکن ان مختلف راستوں کو اختیار کرنے کی وجہ سے لوگوں کے تشتت گروہ بندی اور تفرقہ میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ ہو نیز اس امر کا خدشہ ہو کہ دشمن انکو اختلاف پر اکسائے گا۔ ایسی صورت میں اگر امام نے لوگوں کو ایک ہی راستے کا پابند کر دیا اور باقی راستوں کو ممنوع قرار دیدیا تو یہ جائز ہے اسکا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ منزل مقصود تک پہنچانے والے دوسرے راستوں کا الطال ہے۔ تاہم یہ کہا جاسکتا ہے کہ امت مسلمہ کی مصلحت کی خاطر ان راستوں پر چلنا ممنوع قرار دیدیا گیا ہے حضرت علی رضؓ کا رافضی زندیقوں کو جلا دینا بھی اسی زمرے میں آتا ہے۔ اگرچہ حضرت علی رضؓ کافر کے قتل کے سلسلے میں سنتِ رسُولؐ کا علم رکھتے تھے مگر آپ نے معاملہ کی اہمیت کے پیش نظر اسکی سزا بہت بڑی رکھی تاکہ لوگوں کو اس زندقہ سے روکا جاسکے اسی لئے آپؓ فرمایا کرتے تھے ۔

لما رایت المنکر امرا منکرا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

اججت ناری ودعوت قنبرا ۔ قنبر آپکے غلام کا نام تھا۔

یہ وہ اصول ہیں جنکا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں فقہاؒ کی بھی یہی رائے ہے۔ اگرچہ وہ اسکی تفصیلات میں اختلاف رکھتے ہیں۔

(صفحہ گزشتہ سے پیوستہ)

ہیں اور اگر وہ فیصلہ کرتا ہے اور اپنے اجتہاد میں غلطی کرتا ہے تو اس کے لئے صرف ایک اجر ہے۔
(بخاری، مسلم، ابوداؤد)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرائن کے مطابق عمل کی مثالیں

تمام فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ شب عروسی کو جو ایک عورت دلہن کے طور پر دولہا کے کمرے میں لائی جائے تو وہ اس کے ساتھ ہم بستری کر سکتا ہے اگرچہ وہاں دو عادل گواہ نہ ہوں جو یہ گواہی دیں کہ یہ خاتون فلاں بنت فلاں ہے جس کے ساتھ اسکا نکاح ہوا ہے اور وہ بھی عورتوں سے نہ پوچھے کہ آیا یہ اسکی بیوی ہے بلکہ ظاہری قرینہ کی بنا پر اسے اپنی بیوی ہونے پر اعتماد ہو۔ فقہائے نے اس قوی قرینہ کو شہادت کے قائم مقام ٹھہرایا ہے۔ قدیم زمانے ہی سے لوگ ان بچوں کے قول پر اعتماد کرتے آئے ہیں جنہیں ھدیہ دیکر بھیجا گیا ہو کہ یہ ہدیہ فلاں شخص کیطرف سے بھیجا گیا ہے اور ھدیہ کے طور پر بھیجے گئے کھانے کو کھایا گیا ہے، بھیجے گئے کپڑے پہنے گئے ہیں اور اگر بطور ھدیہ لونڈی کسی کو ہبہ کی گئی تو اس کے ساتھ تمتع سے احتراز نہیں کیا گیا انہوں نے اس ھدیہ پر کوئی دلیل نہیں مانگی۔ اور محض ظاہری قرینہ پر اعتماد کیا ہے۔ اسی طرح مہمان کا میزبان کے گھر میں بغیر کسی لفظی اجازت کے کوزہ سے پانی پینا، اس کی گدیوں پر بیٹھنا اور بیت الخلاء کو رفع حاجت کے لئے استعمال کرنا بلا اجازت تصرف تصور نہیں کیا جاتا۔ اس عام قرینے پر اعتماد کرتے ہوئے اسکی اجازت کے بغیر دروازہ کھٹکھٹایا جاتا ہے۔ اسیطرح انسان کا بلا ارادہ گری پڑی معمولی چیزوں مثلاً کوڑا، عصا، پیسہ یا کھجور وغیرہ اٹھا لینا جائز ہے۔ زرعی زمین یا باغ وغیرہ کو اگر کسی کے ٹھیکیدار خالی کردیں اور اپنا سامان وغیرہ سمیٹ لیں اور اس کے باوجود کچھ بچ رہے تو اس کا اٹھا لینا بھی جائز ہے۔ اسی طرح کھیتی کاٹنے کے بعد گرے پڑے دانے چن لینا جائز ہے۔ اسکو "لقاط" (یعنی خوشہ چینی) کہا جاتا ہے۔ اسی طرح لوگ بخوشی خود جو کھانا یا پھٹے پرانے کپڑے اور ٹوٹی پھوٹی چیزیں وغیرہ پھینک دیں۔ انکو اٹھا لینا بھی جائز ہے۔

اھل مدینہ کا قول ہے کہ اگر عورت اپنے خاوند پر ماضی میں نان و نفقہ اور لباس فراہم نہ کرنے کا الزام لگائے اور اس عورت کے قرائن ظاہرہ اسکی تکذیب کرتے ہوں تو اس کے دعوے کو تسلیم نہیں کیا جائیگا۔ اسی مسلک کو ہم اختیار کرتے ہیں اور اس کے علاوہ کسی دوسرے قول پر اعتماد نہیں کرتے۔

علامات و قرائن سے افادۂ علم الیقینی

خاوند بیوی کو نان و نفقہ دینے کے متعلق ہمیں علامات ظاہری سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ اس گمان سے بدرجہا قوی تر ہے جو خاوند کیساتھ رہنے بسنے کے استصحاب اصل کی بنیاد پر حاصل ہوتا ہے ہم اس کمزور ظن و گمان کو ان معلومات پر کیسے ترجیح دے سکتے ہیں جو یقین کے قریب بلکہ یقین کی حد تک پہنچی ہوئی ہیں کیونکہ یہ تو ظاہر ہے کہ بیوی پر رزق آسمان سے تو نازل نہیں ہوتا تھا جیسا کہ حضرت مریم علیہا السلام پر نازل ہوتا تھا۔ اور نہ ہی کوئی ایسی گواہی ہو جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ وہ عورت گھر سے باہر جا کر کھانے پینے کی چیزیں لاتی تھی جبکہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کے برعکس ہمیشہ خاوند کو کھانے پینے کی چیزوں کیساتھ گھر میں داخل ہوتے دیکھا گیا ہو یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ عورت کے قول کا اعتبار کیا جائیگا۔ ایسی صورت میں اس علم یقینی پر ایک ظنی استصحاب حال پر کیونکر مقدم کیا جا سکتا ہے اسیطرح اگر میزبان کھانا لا کر مہمان کے سامنے رکھدے تو مہمان کیلئے اسمیں کوئی حرج نہیں کہ وہ لفظی اجازت کے بغیر دلالت حال کا اعتبار کرتے ہوئے جو قطعی طور پر اجازت ہی ہے، کھانا شروع کردے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے راہگیر کو اجازت دی ہے کہ اگر وہ کسی شخص کے پھلدار درختوں کے پاس سے گزرے تو اسے کھائے لیکن اٹھا کر ساتھ نہ لیجائے۔ درانحالیکہ ان درختوں کے گرد کوئی دیوار ہو اور نہ ہی کوئی نگہبان۔ یہ صورتِ حال کا قرینہ ہے جو راہگیر کیلئے غیر کا پھل کھا لینے کی اجازت کے قائم مقام ہے۔ اسی طرح کھیتی باڑی والی زمین اور راستوں پر واقع کھیتی میں رفع حاجت کی اجازت ہے بشرطیکہ (گندگی کیوجہ سے) راہ گزر بند نہ ہو۔ ان کھیتوں میں نماز پڑھنے کی بھی اجازت ہے اس پر غصب یا مداخلتِ بیجا کا اطلاق نہ ہوگا۔ اسی طرح راستوں پر بنے ہوئے حوضوں سے پانی پینا بھی جائز ہے۔ اگرچہ یہ معلوم نہ ہو کہ صاحب حوض نے پانی پینے کی اجازت دے رکھی ہے اسکا یہ فعل دلالتِ حال کے قرینے پر اعتماد کی بنا پر ہے۔ مگر وہ اس حوض سے وضو نہیں کر سکتا کیونکہ عرف کا تقاضا یہ نہیں اور نہ کوئی قرینہ اسپر دلالت کرتا ہے لیکن وہاں اگر کوئی قرینۂ حال یا کوئی علامت موجود ہو جس سے ظاہر ہو کہ وضو کرنے کی بھی اجازت ہے تو وضو کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ غسّال (دھوبی) نانبائی، باورچی، آٹا بیچنے والے اور صاحب حمام یا اسکے منتظم کے حق میں بھی انکی اُجرت کا فیصلہ تقاضائے حال اور قرائن کی بنا پر اسی طرح کیا جائیگا اگرچہ انکے کاموں کی اجرت کا تصفیہ نہ ہوا ہو۔ ان کیلئے حالات و قرائن کی شہادت کافی ہے۔ اگر کوئی شخص مندرجہ اشخاص سے کوئی کام لے اور انکی مزدوری ادا نہ کرے تو ایسا شخص ظالم غاصب اور فعل قبیح کا مرتکب ہے اسی طرح ہر شہر اور ہر زمانے میں صرف لین دین کی بنیاد پر آپس میں بیع منعقد ہوتی رہی ہے۔ انعقادِ بیع کیلئے قرائن و علامات آپس کی رضامندی پر دلالت کرتی ہیں اور صحتِ بیع کیلئے رضامندی شرط ہے۔ ایسا قتل جس میں قصاص واجب ہے اسکے گواہ کیلئے گواہی دیتے وقت یہ کہنا ضروری نہیں کہ قاتل نے مقتول کو عمداً قتل کیا ہے۔ کیونکہ صفت عمدیت کا تعلق دل کے ارادے کیساتھ ہے پس گواہ کیلئے جائز ہے کہ وہ شہادت دے اور اسکی شہادت کی بنا پر قصاص لیا جائے ظاھری قرینہ ہی (اسکی عمدیت کے ثبوت کیلئے) کافی ہے۔ اسی طرح کی مثالوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بیع میں فریقین کی رضامندی پر دلالت کرنیوالا قرینہ لفظی رضامندی کے زیادہ قوی ہے۔

فقہا کا قول ہے کہ وصی یتیم پر جو کچھ عام رواج کے مطابق خرچ کرتا ہے اسمیں وصی کی بات قبول کیجائیگی اور اگر وہ اس سے زیادہ کا دعویٰ کرے تو اسکی بات نہیں مانی جا سکتی۔ واضح ہو کہ جن امور کے بارے میں ہم نے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہاہے کہ "القول قولہ" (یعنی فلاں کی بات تسلیم کیجائے۔) ان سب کی مثال ایسی ہی ہے۔ مگر کوئی بات صرف اسوقت قبول کیجائے جب قرائنِ حال ان کی تکذیب نہ کرتے ہوں۔ اور اگر قرائن حال واضح طور پر اسکے خلاف جاتے ہوں تو اسکی بات ہرگز قبول نہیں کی جائے گی۔ بنابریں کوئی امانتدار یا کرایہ کی چیز لینے والا یہ کہے کہ امانت یا مانگے کی چیزیں مکان کے جلنے یا گرنے کیوجہ سے ضائع ہوگئی ہیں تو ان اسباب کے وقوع کی تحقیق کے بغیر انکی بات کا اعتبار نہیں کیا جائیگا۔ اب اگر یہ معلوم ہو کہ ایسی کوئی بات نہیں ہوئی تو ہم قطعی طور پر انکو جھوٹا کہینگے اور ان کے قول کو تسلیم نہیں کیا جائیگا۔ یہ اس بات پر قوی ترین دلیل ہے کہ ماضی میں نان ونفقہ اور لباس کے بارے میں ہم نے خاوند کے قول پر اعتبار کیا ہے اور بیوی کا قول غلط ثابت کیا ہے اکہ اسے نفقہ نہیں ملتا تھا) پس بیوی کے قول کو درست قرار دینا ایسا ہی ہے جیسے امانتدار کے قول کو (امانت کے ضائع ہونے میں جبکہ ظاہر حالات اسکی تکذیب کرتے ہوں) صحیح ماننا بشرطیکہ ظاہر حالات انکی تکذیب نہ کرتے ہوں۔

عیب سلعہ میں شہادت حال کا قرینہ

اسی طرح اگر بائع اور مشتری کسی فروخت شدہ چیز میں عیب پاکر ایک دوسرے پر تھوپنے کی کوشش کریں کہ عیب بائع کے پاس واقع ہوا ہے یا مشتری کے پاس جانے کے بعد ___؟ تو فقہاؒ کا قول ہے کہ فیصلہ اس شخص کے حق میں دیا جائے جس کے دعوے کی صداقت پر حالات کی شہادت موجود ہو۔ اگر قرائن دونوں کی سچائی پر مساوی دلالت کریں تو اسمیں فقہاء کی دو آراء ہیں۔ صحیح رائے یہ ہے کہ بائع کے قول کا اعتبار کیا جائیگا کیونکہ مشتری دراصل معاہدہ بیع ہوجانے کے بعد اس کے فسخ ہونیکا دعوی کرتا ہے جبکہ بائع اس سے انکار کرتا ہے۔

دلیل کے بغیر دعوی باطل ہے

امام مالکؒ اور ان کے اصحاب نے ایسے دعوی کی سماعت سے منع کیا ہے جسکی صداقت کیلئے بظاہر کوئی دلیل نہو۔ جب ظاہری قرائن اور علامات مدعا علیہ کیخلاف ہوں تو اس سے حلف لے کر انہوں نے اسکی بات کا اعتبار نہیں کیا۔ ہمارے اصحابؒ اور دیگر فقہاءؒ نے خاوند کو اس بات کی اجازت دی ہے کہ اگر وہ کسی ایسے شخص کو جو فسق و فجور میں شہرت رکھتا ہے اپنی بیوی کے پاس آتے جاتے دیکھے تو ان قرائن و علامات کے پیش نظر لعان کا مطالبہ کرسکتا ہے اور اسکے خلاف بدکاری کی شہادت دے سکتا ہے۔ اسیطرح اگر میاں بیوی گھر کے اثاثے پر اپنے اپنے حق کا دعوی کریں یا کاریگروں کے درمیان مصنوعات کے حق ملکیت پر نزاع ہو تو ایسی صورت میں جمہور فقہاء کی رائے یہ ہے کہ اس فریق کے قول کا اعتبار کیا جائیگا جس کی سچائی پر قرینۂ حال دلالت کرتا ہو۔ اس بارے میں صحیح موقف یہ ہے کہ قابض ہونے کا اعتبار نہو گا بلکہ قبضہ کے وجود اور عدم وجود کو یکساں تصور کیا جائیگا۔ اگر قبضہ حسی کا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اعتبار ہوتا تو اس شخص کا اعتبار کیا جاتا جو عمامہ اٹھا کر بھاگا جا رہا تھا اور اس کے سر پر عمامہ بھی تھا اور دوسرا شخص ننگے سر اسکا پیچھا کر رہا تھا تاہم اسکو قطعی طور پر اسکی دست درازی اور ظلم کہینگے لہٰذا اس قبضہ کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائیگا

مقدار قرض کے تعین پر مرتہن کے قول کا اعتبار

امام مالکؒ مقدار قرض کے تعین میں گروی لینے والے شخص کے قول کا اعتبار کرتے ہیں بشرطیکہ وہ اتنی زیادہ رقم نہ بتائے جو گروی رکھی ہوئی چیز کی قیمت سے بڑھ جائے اور اس کے قول کو ترجیح حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رہن کے معاملہ میں مال مرہون کو لکھت پڑھت اور شہادت کے قائم مقام رکھا ہے گویا مال رہن خود مقدار قرض پر ناطق ہے اگر گروی رکھنے والے کی بات کا اعتبار ہوتا تو مال مرہون کو بذات خود وثیقہ کی حیثیت نہ دیجاتی۔ اور نہ اسے لکھت پڑھت کا بدل قرار دیا جاتا پس قرینہ حال سے ثابت ہے کہ قرض کی مقدار مال مرہون کی قیمت کے برابر یا لگ بھگ ہے ایسی صورت میں اگر راہن کہے کہ میں نے اس مکان کو ایک درم یا ایسی ہی حقیر سی رقم میں گروی رکھا ہے تو اس کے دعوے کو تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ دفینے کے سلسلے میں فقہا کا قول ہے کہ اگر ایسی علامات ہوں جس سے ظاہر ہوتا ہو کہ وہ مسلمانوں کا ہے تو اس پر لقطہ کا اطلاق ہوگا۔ اور اگر کفار کی علامات ہوں تو وہ رکاز یعنی غیر مملوکہ دفینہ شمار ہوگا۔

عرف اور عادات کا اعتبار

اسی طرح اگر کوئی شخص سواری کرائے پر حاصل کرے اور وہ چلنے میں اڑیل ثابت ہو تو کرائے پر لینے والے کیلئے سواری کو چابک مارنا جائز ہے۔ اگرچہ اس نے سواری کے مالک سے اجازت حاصل نہ کی ہو نیز اگر اسکو کسی حاجت و ضرورت کے سلسلے میں کہیں باہر جانا ہے تو وہ اس سواری کو امانت کے طور پر سرائے میں کسی کے حوالے کر دے تو جائز ہے اگرچہ اس کے لئے مالک سے اجازت حاصل نہ کی ہو۔

مکان کرایہ پر حاصل کرنے والے کیلئے روا ہے کہ وہ اس مکان میں اپنے مہمانوں کو داخل ہونے اور رات بسر کرنے کی اجازت دے۔ اگرچہ کرائے پر مکان حاصل کرتے وقت شرائط میں یہ چیز شامل نہ کی گئی ہو۔

اسیطرح مدت معینہ تک کرایہ پر حاصل کئے جانے والے کپڑے کو گندا ہونے کی صورت میں مالک کی اجازت کے بغیر دھونا جائز ہے۔ اسیطرح اگر کوئی شخص غیر موجود کسی دوسرے شخص کو اپنے سامان کی فروخت پر وکیل مقرر کرے تو اس وکیل کو مالک کی لفظی اجازت کے بغیر بھی سامان کی قیمت حاصل کرنے کا اختیار ہے۔ اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کی بکری یا کوئی اور حلال جانور کو مرتے ہوئے دیکھ کر مالیت محفوظ کرنے کی غرض سے حیوان کو جلدی سے ذبح کر دیتا ہے تو ایسا شخص محسن ہے اور اس پر گرفت نہیں کیجائے گی۔ مخالفین کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے یعنی انہوں نے اس محسن پر تاوان جائز

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیا ہے۔ ایسی صورت میں اگر کوئی اس پر تاوان عائد کرتا ہے تو وہ دراصل دوسروں پر حفظِ مال کیلئے احسان کا دروازہ بند کرتا ہے۔ اسیطرح اگر کوئی شخص یہ دیکھے کہ اس کے کرایہ پر حاصل کردہ مکان کیطرف سیلاب بڑھتا جارہا ہے اور وہ سیلاب کو راہ دینے کیلئے کوئی دیوار منہدم کردے تاکہ باقی عمارت بچ جائے تو ایسا شخص محسن ہے۔ اور اس پر دیوار گرانے کا تاوان عائد نہیں کیا جاسکتا۔ اسیطرح اگر کرائے کے گھر کو آگ لگ جائے اور کرایہ دار آگ کے پھیلاؤ کو روکنے کے لئے اس گھر کو منہدم کردے تو اس پر ضمان عائد نہ ہوگا۔ اگر کوئی شخص یہ دیکھے کہ دشمن اسکی غیر موجودگی میں مال اڑانے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اور وہ شخص کچھ مال دے دلا کر اس دشمن سے باقی مال بچالے تو ایسا شخص بھی محسن ہے اور اس پر کسی قسم کا کوئی ضمان نہ ہوگا۔ ایسا مذبوحہ جانور (ہدی) جسکی علامات شعار سے ظاہر ہوتا ہو کہ ہدی یعنی قربانی کا جانور ہے۔ اور اسکے پاس بھی کوئی موجود نہ ہو تو اس قربانی میں سے گوشت کھالینا جائز ہے۔ ایک شخص ایک غلام اجرت پر حاصل کرتا ہے اور اس غلام کے کسی ہاتھ یا پاؤں کو خارش یا عضو کو سڑا دینے والی بیماری لگ جائے اور اسے خدشہ ہو کہ اگر اسکو کاٹا نہ گیا تو اس بیماری کے زہر کا اثر تمام جسم میں پھیل جائے گا۔ وہ شخص اگر اس عضو کو کٹوا دے تو اسے غلام کے مالک کو کوئی ضمان ادا نہ کرنا ہوگا۔ ایک شخص کسی دوسرے آدمی کے گھر میں رکھے ہوئے گیہوں کا ڈھیر یا لکڑی وغیرہ خریدتا ہے تو اس شخص کیلئے جائز ہے کہ وہ مالک کی اجازت کے بغیر بار برداری کیلئے جانور یا آدمی وغیرہ اس گھر میں لیجائے۔ غرض یہ اور ایسے ہی چند در چند مسائل ہیں جنکے فیصلے عرف عام اور عادت کیمطابق کئے جاتے ہیں یہ عرف عام اور عادت لفظ صریح کے قائم مقام ہوتی ہے جسمیں لفظی تصریح کی بجائے شہادتِ حال ہی کافی سمجھی جاتی ہے۔

شریعت کا مقصد اثباتِ حق ہے

اس تمام تفصیل کا اصل مقصد یہ ہے کہ شریعت نہ حق کو رد کرتی ہے اور نہ دلیل کو جھٹلاتی ہے اور نہ قرائن صحیحہ کو نظر انداز کرتی ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فاسق کی خبر کے بارے میں تحقیق و تفتیش کا حکم تو دیا ہے مگر اسے بالکل رد نہیں کیا۔ کیونکہ کبھی کبھار کافر و فاسق کی خبروں میں بھی سچائی کی دلیل پائی جاتی ہے۔ لہٰذا اس کی بات کو ماننا اور اس پر عملدرآمد کرنا واجب ہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر ہجرت میں ایک مشرک کو جو انہی قوم کے دین پر تھا راہبر بنایا تھا[1] اس

---

[1] اس راہ بتانے والے مشرک کا نام عبداللہ بن اریقط لیثی تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجرت پر اسے اجرت پر اپنا راہبر بنایا تھا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۱ ص ۲۲۹، زاد المعاد جلد ۱ ص ۵۲ بخاری جلد ۴ ص ۴۲)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پربھروسہ کیا اور اپنی سواری بھی اس کے حوالے کی پس کسی حاکم یا سربراہ کیلئے جائز ہے نہیں کہ وہ قرائن سے حقیقتِ امر کے ظاہر ہو جانے کے بعد کسی بھی شخص کے کہنے سے اس حقیقت کو نظر انداز کر دے۔

غرض شریعت اسلامیہ میں بیّنہ (ثبوت) اسکو کہیں گے جو حق کو واضح اور ظاہر کر دے یہ بیّنہ کبھی تو چار گواہ ہوتے ہیں کبھی تین جیساکہ مفلس یا دیوالیہ ہونیکا ثبوت تین گواہوں سے ہو جانے کی بابت تصریح آئی ہے۔ کبھی دو گواہوں کی گواہی کبھی ایک مرد کی گواہی اور کبھی صرف ایک عورت کی گواہی۔ نیز کبھی قسم سے انکار، کبھی قسم کھانا، کبھی پچاس قسمیں قسامہ میں اور کبھی چار قسمیں بھی ثبوتِ واقعہ اور بینہ کہلاتی ہیں۔ شہادتِ حال کا قرینہ ان صورتوں میں جو یہاں بیان کی گئیں یا دیگر ایسی صورتوں میں بینہ، دلیل اور ثبوت کا کام دیتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانِ مبارک البينة على المدعى (بارِ ثبوت مدعی کے ذمہ ہے) سے مراد یہ ہے کہ مدعی کی ذمہ داری ہے۔ کہ وہ ایسی دلیل فراہم کرے جو اس کے دعوے کی صحت کو ثابت کرتی ہو۔

پس جب مدعی کا بیان درست ثابت ہو جائے تو اس کے حق میں فیصلہ دیدیا جائے،

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حصہ دوم

مسلمان ججوں کی بے نظیر فراست

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسلمان ججوں کی بے نظیر فراست

واضح ہو کہ جج اور حاکم ہمیشہ حقوق کے فیصلے فراست اور علامات (قرائن) کی بناء پر کرتے چلے آئے ہیں۔ جب قرائن سے حقیقت واضح ہو جائے تو پھر اس کے خلاف کسی شہادت یا اقرار کو فوقیت نہیں دی جاتی۔

فقہائے نے تصریح کی ہے کہ جب جج کو گواہوں پر شک گزرے تو وہ ان سے علیحدگی میں سوال کر سکتا ہے کہ وہ گواہی کس بنا پر اور کیوں دے رہے ہیں۔ ایسا طریق کار اختیار کرنا جج پر واجب ہے۔ اگر وہ ایسا کرنے سے گریز کرتا ہے تو وہ گنہگار ہوگا۔ اور غیر منصفانہ فیصلے کا مرتکب ہوگا۔ اگر اسے مدعی کے دعویٰ میں شک گزرے تو وہ مدعی سے دریافت کر سکتا ہے کہ اس کا دعویٰ کس طرح درست اور کہاں تک مبنی بر حق ہے۔ بعد ازاں صورت حال پر غور کرے کہ آیا مدعی کا دعوےٰ قرائنِ حال کے پیش نظر صحیح بھی ہے؟ اگر اس طرح بیان دینے والا اور مدعی علیہ مشتبہ ہوں تو جج پر واجب ہے کہ وہ صورتِ حال کی پوری تحقیق کرے اور ان قرائن و علامات کا پتہ لگائے جو مقدمے کی تحقیق کا ذریعہ ہوں جس حاکم یا سربراہ نے اس طریق کار کو درخورِ اعتنا سمجھا اور اس میں ملکہ پیدا کر لیا گویا اس نے حق اور باطل کو پہچان لیا اور حقوق کو حقداروں کے حوالے کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

کعب بن سور[٢] حضرت عمر بن خطابؓ کے پاس ایک عورت حاضر ہو کر ان الفاظ میں اپنے خاوند کی تعریف کرنے لگی۔ "وہ (خاوند) تمام دنیا میں بہترین انسان ہے تمام رات طلوع فجر تک نوافل پڑھتا ہے اور دن کو روزہ رکھتا

---

[١] فراست ایک ایسا خداداد ملکہ ہے جس کی بنا پر صاحب فراست کسی شخص کی شکل و صورت ڈیل ڈول، ہیئت، شواہد حال و مقال اور دیگر قرائن کی مقدار مدد سے اس کے بارے میں اصل حقیقت تک پہنچنے کے لئے استدلال کرتا ہے۔ ججوں کے لئے یہ ایک بہت ضروری صفت ہے۔

[٢] کعب بن سور بن عبد بن ثعلبہ ازدی۔ بنو ازد سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے انکو انکی خداداد ذہانت اور فراست کی بناء پر بصرہ کا قاضی مقرر کیا تھا۔ جنگ جمل میں ام المومنین حضرت عائشہؓ نے ان کو اپنی فوج میں شامل کرنا چاہا مگر انہوں نے کسی کا بھی ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے"۔ پھر وہ حیا کیوجہ سے آگے کچھ نہ کہہ سکی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔" اللہ تعالیٰ تجھے جزائے خیر دے تو نے ہم سے بہت اچھی بات کہی ہے"۔ جب وہ عورت چلی گئی تو کعب بن سورؒ نے حضرت عمرؓ سے عرض کی۔" اے امیر المومنین! اس عورت نے آپ کے پاس نہایت بلیغ پیرائے میں اپنے خاوند کی شکایت کی ہے"۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا" اس نے کس کی شکایت کی ہے"۔ حضرت کعب نے عرض کی۔ اس نے اپنے خاوند کی شکایت کی ہے حضرت عمرؓ نے کہا۔" ان دونوں کو میرے پاس لاؤ" پھر آپ نے حضرت کعبؒ سے کہا کہ ان کا فیصلہ کرو۔ کعب بن سورؒ کہنے لگے" آپ کے ہوتے ہوئے میں فیصلہ کروں"؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا" تم نے وہ بات سمجھ لی جو میں نہ سمجھ سکا" حضرت کعبؒ نے اس شخص سے کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ — پس جو عورتیں تمہیں اچھی لگیں ان میں سے دو دو تین تین یا چار چار کے ساتھ نکاح کر لو۔ النساء ۳

اے شخص تم تین دن روزہ رکھو اور چوتھے دن اپنی بیوی کے ہاں افطار کرو۔ اسی طرح تین راتیں قیام کرو اور چوتھی رات اپنی بیوی کے پاس بسر کرو۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ پہلے طرزِ عمل سے زیادہ پسندیدہ اور بہتر ہے۔ پھر حضرت عمرؓ نے کعب کو قاضی بنا کر بصرہ بھیجدیا۔ جہاں انہوں نے عدالتی فیصلوں میں بے مثال فہم و فراست کا ثبوت دیا۔ [۱]

قاضی شریحؒ

[۲] یہی حال قاضی شریحؒ کی ذہانت اور فراست کا تھا۔ شعبیؒ روایت کرتے ہیں کہ میں شریحؒ کے پاس موجود تھا کہ ایک عورت آئی جسکا اپنے خاوند کے ساتھ جھگڑا رہتا تھا۔ اس عورت نے زار و قطار رونا شروع کر دیا۔ میں نے کہا اے ابو امیہ! میں تو اس بے چاری کو بہت مظلوم سمجھتا ہوں۔ شریحؒ کہنے لگے اے شعبیؒ! یوسف علیہ السلام کے بھائی بھی رات کو اپنے باپ کے پاس روتے ہوئے آئے تھے۔

---

[۱] طبقات ابن سعد جلد ۷ ص ۹۲، تاریخ الخلفاء للسیوطیؒ ص ۱۱۰ بحوالہ مصنف عبد الرزاق، اخبار القضاۃ جز ۱ ص ۲۷۶

[۲] ابو امیہ شریح بن حارث کندیؒ۔ انہوں نے جاہلیت کا زمانہ بھی پایا ہے۔ حضرت عمرؓ نے انکو کوفہ کا قاضی مقرر کیا تھا جہاں یہ ۷۵ سال تک قاضی رہے۔ انکا عدل اور فراست بہت مشہور ہے۔ ان کی تاریخ وفات میں اختلاف ہے۔ مگر ابن خلکان نے ۷۸ھ کو ترجیح دی ہے۔ (البدایۃ والنہایۃ لابن کثیرؒ جلد ۹ ص ۲۲)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قاضی ایاس بن معاویہ رحمہ اللہ [1]

ایاس بن معاویہ رحمہ اللہ کے پاس چار عورتیں آئیں۔ ایاس نے کہا "ان میں سے ایک حاملہ ہے ایک دودھ پلانے والی ہے۔ ایک ثیبہ (شادی شدہ) ہے اور ایک کنواری ہے لوگوں نے معلوم کیا تو اسی کے مطابق پایا۔ لوگوں نے قاضی ایاس رحمہ اللہ سے پوچھا آپ نے کیسے پہچان لیا۔ ؟ قاضی ایاس نے کہا حاملہ عورت جب مجھ سے باتیں کر رہی تھی۔ تو بار بار اپنے پیٹ پر سے کپڑا اٹھا رہی تھی پس میں نے پہچان لیا کہ یہ حاملہ ہے۔ دودھ پلانے والی عورت بار بار اپنی چھاتیوں کو ٹٹول رہی تھی۔ ثیبہ جب بات کر رہی تھی تو اسکی آنکھیں میری آنکھوں میں تھیں۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ ثیبہ ہے اور رہی کنواری تو جب وہ بات کر رہی تھی تو اس کی نظریں زمین پر گڑی ہوئی تھیں اس سے میں نے جان لیا کہ یہ کنواری ہے [2]

مدائنی [3] جناب روح رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کسی شخص کے پاس کچھ مال امانت رکھا جب وہ واپس آیا اور اس نے مال طلب کیا تو اس شخص نے مال کا انکار کر دیا۔ مال کے مالک نے قاضی ایاس کے پاس شکایت کی قاضی ایاس رحمہ اللہ نے کہا تم واپس جاؤ اور اس بات کو صرف اپنے تک محدود رکھنا اور اس شخص کو یہ نہ بتانا کہ تم میرے پاس آئے تھے اور دو دن بعد پھر میرے پاس آنا۔ قاضی ایاس رحمہ اللہ نے اس شخص کو بلایا جس کے پاس امانت رکھی گئی تھی اور اس شخص سے کہا میرے پاس بہت سا مال آیا ہے میرا ارادہ ہے کہ وہ مال میں تمہارے حوالے کر دوں کیا تمہارا گھر محفوظ ہے؟ اس شخص نے جواب دیا جی ہاں! ایاس نے کہا جاؤ اپنے گھر جا کر اس مال کے لئے جگہ بناؤ اور دو مزدور بھی تیار کرو۔ پھر وہی صاحب مال قاضی ایاس کے پاس آیا۔ قاضی صاحب نے اس سے کہا اپنے ساتھی کے پاس جاؤ اور اس سے اپنا مال طلب کرو۔ اگر وہ تجھے مال واپس کر دے تو خیر ورنہ اس سے کہنا کہ میں قاضی صاحب کے پاس جا کر تمہاری شکایت کرتا ہوں

---

[1] ابو واثلہ ایاس بن معاویہ بن مرۃ مزنی رحمہ اللہ بصرہ کے قاضی تھے۔ انہوں نے فہم اور فراست و ذکاوت میں شہرت پائی ہے ۱۲۲ھ میں فوت ہوئے ان کی فراست ضرب المثل بن گئی تھی۔ (البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر جلد ۹)

[2] اخبار القضاۃ جلد ۱ ص ۳۷۱

[3] ابو الحسن علی بن محمد المدائنی رحمہ اللہ مورخ اور صاحب تصانیف ہیں۔ البتہ حدیث میں ضعیف ہیں ۲۲۴ھ میں ۹۳ سال کی عمر میں وفات پائی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پاس کوئی مال امانت رکھا گیا تھا۔ قاضی ایاس نے مدعی سے سوال کیا تو نے اسے مال کہاں دیا تھا۔ اس نے جواب دیا صحرا میں ایک جگہ پر قاضی ایاس نے پوچھا اس کے آس پاس کیا چیز تھی صاحب مال نے جواب دیا وہاں ایک درخت تھا۔ قاضی ایاس نے کہا وہاں جاؤ شاید تم نے اسوقت اس درخت کے آس پاس کہیں دفن کردیا ہو اور پھر دفن کرکے بھول گئے ہو ممکن ہو درخت کو دیکھ کر تمہیں یاد آجائے۔ وہ شخص چلا گیا۔ قاضی ایاس رح نے دوسرے فریق سے کہا میرے پاس بیٹھو حتی کہ دوسرا شخص واپس لوٹ آئے۔ قاضی ایاس رح فیصلے کر رہے تھے اور ایک گھڑی اس کا انتظار کرتے رہے۔ پھر قاضی ایاس نے بیٹھے ہوئے شخص سے مخاطب ہو کر کہا اے شخص تمہارا کیا خیال ہے وہ شخص درخت والی جگہ پر پہنچ گیا ہوگا؟ اس نے جواب دیا ابھی نہیں پہنچا ہوگا۔ قاضی ایاس نے کہا" اسے دشمن خدا! تو خائن ہے۔ اس نے کہا مجھے معاف کر دیجئے۔ قاضی ایاس رح نے کہا اللہ تعالیٰ تجھے معاف نہ کرے قاضی ایاس نے اسکی نگہداری کا حکم دیا حتی کہ وہ شخص لوٹ آیا۔ قاضی ایاس رح نے اس سے کہا۔ اس شخص کے ساتھ جاؤ اور اس سے اپنا حق لے لو [1]

اسی طرح کا واقعہ کسی اور قاضی کی عدالت میں بھی پیش آیا۔ ایک شخص نے قاضی کے پاس آکر دعوی کیا کہ اس نے کچھ مال امانت کے طور پر اپنے غریم (قرضدار) کے حوالے کیا تھا مگر اس نے تسلیم کرنے سے انکار کردیا ہے۔ قاضی نے اس سے پوچھا۔ یہ مال تو نے اسکو کس جگہ دیا تھا۔ اس نے جواب دیا شہر سے کچھ دور ایک مسجد میں قاضی نے کہا جاؤ مسجد سے ایک قرآن مجید اٹھا لاؤ تاکہ اس سے اس قرآن پر حلف لے سکوں۔ وہ شخص قرآن لینے چلا گیا۔ اور قاضی نے مدعا علیہ کو روک لیا پھر کچھ دیر بعد اس سے پوچھا تمہارا کیا خیال ہے۔ اب وہ اس مسجد میں پہنچ گیا ہوگا۔ اس نے جواب دیا " نہیں" یہ سنکر قاضی نے اسکے خلاف فیصلہ دے دیا۔ [2]

قاضی ابوخازم رح [3]

قاضی ابوخازم رح کو بھی اس میں عجیب و غریب ملکہ حاصل تھا۔ ملزم انکے پاس آکر انکار کر دیتے تھے مگر قاضی صاحب ان سے

---

[1] اخبار القضاۃ ج ۱۔ ص ۳۴۲ [2] اخبار القضاۃ ج ۱ ص

[3] قاضی ابوخازم عبدالحمید بن عبدالعزیز رح کا اصلی وطن بصرہ تھا۔ لیکن انہوں نے بغداد میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ عباسی خلیفہ معتضد نے انکو قاضی مقرر کردیا۔ قاضی ابوخازم مختلف علوم کے ماہر تھے۔ بہت ذہین اور صاحب فراست تھے ۲۹۲ھ میں وفات پائی (تاریخ بغداد ابوبکر خطیب بغدادی جلد ۱۱ ص ۶۲)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صاحبِ مال اس شخص کے پاس آیا اور اس سے کہا میرا مال واپس کر دو ورنہ میں قاضی صاحب کے پاس دعویٰ کرتا ہوں اور اس معاملے سے اُسے آگاہ کرتا ہوں۔ اس پر اس نے مال واپس کر دیا صاحبِ مال نے قاضی کو آکر بتایا کہ اُسے مال واپس مل گیا ہے۔ امانت رکھنے والا شخص حسبِ وعدہ قاضی ایاسؒ کے پاس حاضر ہوا۔ قاضی ایاسؒ نے کہا چل خائن میرے پاس نہ آنا۔ اور زجر و توبیخ کے بعد وہاں سے اسے نکال دیا۔ ۱؎ یزید بن ہارون رحمۃ اللہ علیہ ۲؎ کہتے ہیں کہ ایک ثقہ شخص واسط کا قاضی مقرر ہوا۔ کسی آدمی نے قاضی کے مصاحبین میں سے ایک مصاحب کو مہر شدہ تھیلی امانت کے طور پر دی اور بتایا کہ اس میں ایک ہزار دینار ہیں۔ پھر وہ کافی عرصہ شہر سے غیر حاضر رہا۔ جس شخص کے پاس امانت رکھی گئی تھی اس شخص نے اس تھیلی کو نیچے سے کھولا اور اس میں سے دینار نکال کر اور دراہم رکھدیئے اور تھیلی کو پھر اسی طرح سی دیا جیسے کہ پہلے سلی ہوئی تھی۔ تھیلی والے شخص نے واپس آکر اپنی امانت طلب کی اس نے مہر شدہ تھیلی اس کے حوالے کر دی۔ اس کی مہر میں کوئی تبدیلی نہ تھی۔ اس نے تھیلی کو کھولا تو دیناروں کی جگہ درہم پائے وہ اس کے پاس آیا اور اس سے کہا۔ میں نے تمہارے پاس دینار امانت رکھے تھے لیکن تم نے مجھے درہم لوٹائے ہیں۔ اس نے جواب دیا یہ تمہاری اپنی مہر شدہ تھیلی ہے صاحب مال نے قاضی سے آکر شکایت کی۔ قاضی نے اس شخص کو بلوایا جس کے پاس تھیلی رکھی گئی تھی۔ جب دونوں حاضر ہوئے تو قاضی نے سوال کیا۔ اس نے تمہارے پاس یہ تھیلی کب رکھی تھی؟ اس نے جواب دیا۔ تقریبًا پندرہ برس پہلے۔ قاضی نے وہ درہم لے لئے ان پر تحریر پڑھی تو معلوم ہوا کہ وہ درہم تو صرف دو تین سال پہلے ڈھالے گئے ہیں قاضی نے حکم دیا کہ صاحب مال کو دینار لوٹاؤ پھر اسکو اپنی مصاحبت سے نکال دیا اور اسکی خیانت کی منادی کرادی۔ ۳؎ ایک شخص نے کسی کے پاس کچھ مال امانت اس نے مال واپس کرنے سے انکار کر دیا۔ صاحب مال مقدمہ قاضی ایاسؒ کے پاس لے گیا قاضی ایاسؒ نے اسکو بلا کر پوچھا تو اس نے اس بات کا سرے ہی سے انکار کر دیا کہ کبھی اس کے

۱؎ اخبار القضاۃ جلد ۱ ص ۳۷۱

۲؎ ابو خالد یزید بن ہارون بن زاذان السلمیؒ واسطی مشہور محدث ہیں۔ امام احمدؒ کے اساتذہ میں شمار ہوتے ہیں ۲۰۶ھ میں وفات پائی۔

۳؎ اخبار القضاۃ جلد ۱ ص ۳۴۲

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حقیقت اگلوا لیتے تھے۔ مکرم بن احمد کا بیان ہے۔ ایک بار قاضی ابوخازم رحہ کی عدالت میں موجود تھا کہ ایک بوڑھا آیا جس کے ساتھ ایک نوجوان تھا۔ بوڑھے نے اس نوجوان پر ایک ھزار دینار کا دعوی کیا۔ ابوخازم نے اس نوجوان سے پوچھا تم کیا کہتے ہو نوجوان نے اقرار کرلیا۔ قاضی نے بوڑھے سے پوچھا اب تم کیا چاہتے ہو اس نے جواب دیا میں چاہتا ہوں کہ اسے قید کیا جائے قاضی نے کہا ایسا نہیں ہوسکتا۔ بوڑھے نے کہا اگر آپ اس لڑکے کو جیل بھیجدیں تو مجھے اپنی رقم کے واپس ملنے کی امید ہے قاضی صاحب نے کچھ دیر غور کیا اور پھر اس نے کہا اسوقت جاؤ پھر کسی دوسری مجلس میں آنا تاکہ میں تمھارے معاملے میں غور کرلوں مکرم بن احمد کہتے ہیں کہ میں نے ابوخازم سے پوچھا آپ نے لڑکے کو جیل کیوں نہیں بھیجا؟ وہ کہنے لگے اکثر حالات میں مجھے باطل میں سے حق کا پتہ چل جاتا ہے مجھے اس معاملے میں درایت کا کچھ ایسا ملکہ حاصل ہے جو کبھی خطا نہیں جاتا اس لڑکے کا اتنا جلدی اقرار کرلینا اسکے جھوٹ پر دلالت کرتا ہے۔ شاید مجھے ان دونوں کے معاملے میں کچھ ایسی بات مل جائے جو اس وقت میری سمجھ میں نہیں آرہی ہے۔ ابھی تک جو میں نے غور کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ ان دونوں نے ایک دوسرے کی بات کا بہت کم انکار کیا ہے اور بہت قلیل اختلاف کا اظہار کیا ہے۔ اسقدر زیادہ مال کے دعوی کے باوجود دونوں غیر درجہ پرسکون تھے حالانکہ نوجوانوں کی عادات وخصائل میں اس فرط تورّع کی توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ کھلے دل اور اسقدر آسانی سے اور اتنی جلدی اقرار کرے گا۔ ابھی ہم یہ باتیں کرہی رہے تھے کہ دربان نے اطلاع دی کہ ایک شخص حاضر ہونے کی اجازت چاہتا ہے۔ اسکو اجازت دیدی گئی۔ اس شخص نے حاضر ہوکر عرض کی۔ اللہ تعالے قاضی کا بھلا کرے میں تو ایک نوجوان بیٹے کی وجہ سے سخت مصیبت میں گرفتار ہوں میرے مال میں سے جو روپیہ اس کے ہاتھ لگتا ہے۔ فلاں شخص کے ہاں گانے والیوں کے پاس ضائع کردیتا ہے جب بھی میں اسے منع کرتا ہوں تو وہ کوئی نہ کوئی چکر چلا کر مجھے اس شخص کے قرض میں پھنسا دیتا ہے آج ہی کی بات ہے کہ گانے والی لونڈیوں کے مالک نے مجھ سے ایک ھزار دینار کا مطالبہ کیا۔ مجھے اطلاع ملی ہے کہ وہ لڑکا آپ کے پاس آیا ہے اور قرض کا اقرار کرتا ہے جسکی بنا پر وہ قید کردیا جائیگا میں اسکی ماں کے ساتھ رہتا ہوں اس کے قید ہونے کی صورت میں ہماری زندگی تلخ ہوجائیگی۔ اس لئے میں اسکا قرض چکانے آیا ہوں۔ میں نے جب

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ تمام بات سُنی تو جلدی سے قاضی ابو خازمؒ کی طرف متوجہ ہوا تاکہ انکو معاملہ سمجھاؤں ۔ قاضی ابو خازمؒ مسکرائے اور مجھ سے کہا ۔ تمہاری کیا رائے ہے ؟ میں نے کہا ۔ یہ قاضی ابو خازمؒ پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہے ۔ قاضی ابو خازمؒ نے حکم دیا ۔ " لڑکے اور بوڑھے کو میرے پاس لاؤ " ۔ انہوں نے بوڑھے کو ڈرایا اور دھمکایا ۔ لڑکے کو نصیحت کی ، لڑکے نے حقیقتِ حال کا اعتراف کر لیا ۔ اور اسے اسکے باپ کے ساتھ جانے کی اجازت دے دی گئی ۔ [1]

ابو سائب کہتے ہیں کہ ہمارے شہر میں ایک مستور الحال شخص رہتا تھا ۔ قاضی شہر نے (کسی معاملے میں) اسکی گواہی قبول کرنی چاہی لہذا قاضی نے لوگوں سے اس کے متعلق پوچھا ۔ لوگوں نے درپردہ اور علانیہ اسکو اچھا آدمی بتایا ۔ قاضی نے کسی گواہی کے سلسلے میں اسکو عدالت میں بلا بھیجا ۔ جب وہ شخص عدالت میں حاضر ہو کر گواہی دینے لگا ۔ تو قاضی نے اس کی شہادت قبول کرنے سے انکار کر دیا ۔ قاضی سے اس کا سبب پوچھا گیا ۔ تو اس نے کہا مجھ پر اس شخص میں ریاکاری اور تصنع کا انکشاف ہوا ہے لہذا اسکی گواہی قبول کرتے ہوئے ھچکچاتا ہوں قاضی سے دریافت کیا گیا ۔ آپ کو اس کا علم کیسے ہوا ۔ اس نے جواب دیا یہ شخص ہر روز میرے پاس آتا ہے دروازے میں داخل ہونے سے لے کر یہاں آنے تک میں اس کے قدم گنا کرتا ہوں آج جب میرے بلانے پر میرے پاس آیا اور میں نے اس کے قدم گنے تو میری اس مجلس تک اس نے تین چار قدم زیادہ لئے ہیں اس سے مجھے معلوم ہوا کہ یہ شخص ریاکار ہے لہذا میں نے اس کی شہادت قبول نہیں کی ـــــــــ ابن قتیبہؒ [2] روایت کرتے ہیں کہ مشہور شاعر [3] فرزدق نے کسی قاضی کے سامنے شہادت دی قاضی صاحب نے کہا ۔ قد اجزنا شہادۃ ابی فراس وزیدنا (ہم نے ابو فراس کی گواہی قبول کر لی ہے اور بھی گواہ لاؤ) جب فرزدق گواہی دے کر باہر نکلا تو اس سے کہا گیا ۔ خدا کی قسم ! قاضیؒ نے تمہاری گواہی قبول نہیں کی ۔ [4]

---

[1] تاریخ بغداد ۔ ابوبکر خطیبؒ بغدادی جلد ۱۱ ص ۶۵

[2] ابو محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ دینوریؒ ۲۱۳ھ میں متولد ہوئے ۔ ۲۷۰ھ میں وفات پائی ۔ بہت سی بلند پایہ ادبی اور علمی کتابوں کے مصنف ہیں جن میں ادب الکاتب ، عیون الاخبار ، کتاب المعارف ، کتاب الشعر ، تاویل مختلف الحدیث ، بہت مشہور ہیں

[3] ابو فراس ہمام بن غالبؒ فرزدق تمیمی متوفی ۱۱۰ھ

[4] اخبار القضاۃ جلد ۲ ص [illegible]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام اہل فراست سیدنا عمرؓ

امام المفترسین اور شیخ المتوسمین سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فراست اور سوجھ بوجھ تو اللہ کی عطا ہے وہ ایسے شخص تھے جن کی فراست اور قیاس کبھی بھی غلط نہیں نکلتا تھا۔ وہ امت مسلمہ میں ایسی فراست سے فیصلے کرتے تھے جن کی تائید وحی الٰہی سے بھی ہوتی تھی۔

لیث بن سعدؒ[1] روایت کرتے ہیں کہ امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے پاس ایک بے ریش نوجوان کی لاش لائی گئی جس کو قتل کرنے کے بعد راستے میں پھینک دیا گیا تھا۔ حضرت عمرؓ اس واردات کی تفتیش کرتے رہے لیکن کچھ پتہ نہ چل سکا۔ آپ نے دعا کی "اے اللہ! مجھے اسکے قاتل پر قابو عطا کر" یہاں تک کہ ایک سال کے لگ بھگ عرصہ گزر گیا کہ اسی جگہ جہاں اس نوجوان کی لاش ملی تھی ایک نومولود بچہ پڑا ہوا ملا۔ اس بچے کو حضرت عمرؓ کے پاس لایا گیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اب مجھے قاتل کا پتہ چل گیا ہے (ان شاء اللہ) یہ کہکر حضرت عمرؓ نے بچے کو ایک عورت کے حوالے کیا۔ اور اسے حکم دیا کہ اسکی دیکھ بھال کر اور اس کے اخراجات ہم سے لیتی رہ۔ مگر اس بات کا خیال رکھنا کہ کون تجھ سے آکر یہ بچہ لیتا ہے۔ اگر کوئی عورت اس بچے سے پیار کرے اور اسے سینے سے چمٹائے تو ہمیں اس عورت کا پتہ بتانا جب لڑکا بڑا ہو گیا تو ایک لونڈی اس عورت کے پاس آئی اور کہا میری مالکہ نے مجھے آپکے پاس بھیجا ہے آپ اس بچے کو میرے ساتھ بھیج دیں۔ میری مالکہ اسکو دیکھ کر واپس بھیج دے گی۔ اس عورت نے کہا ٹھیک ہے اس بچے کو لیجاؤ۔ میں بھی تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔ وہ لونڈی اس بچے کو لے کر چلی وہ عورت بھی اسکے ساتھ گئی۔ جب لونڈی اپنی مالکہ کے پاس پہنچی اور اسکی مالکہ نے اس بچے کو دیکھا تو اسے بہت پیار کیا اور سینے سے چمٹا لیا۔ معلوم ہوا کہ یہ عورت انصاریہ ایک بوڑھے صحابی کی بیٹی ہے۔ عورت نے حضرت عمرؓ کو تمام حالات سے آگاہ کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے تلوار اٹھائی اور اس عورت کے گھر پہنچے وہاں اسکے باپ کو دروازے کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے پایا۔ حضرت عمرؓ نے اس سے کہا اے شخص پتہ ہے تیری فلاں لڑکی نے کیا کیا ہے؟ بوڑھے صحابی نے جواب دیا اے امیر المومنین اللہ تعالےٰ اس لڑکی کو جزائے خیر دے وہ تو سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ اور اپنے باپ کے حق کو پہچاننے والی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ صوم وصلوٰۃ کو

---

[1] ابو الحارث لیث بن سعدؒ بلند پایہ محدث اور دیارِ مصر کے فقیہہ اور مفتی تھے۔ امام مالکؒ کے ہم عصر تھے آپ علوم قرآن، لغتِ عرب، حدیث وشعر کے حافظ تھے۔ ۱۷۵ھ میں وفات پائی۔ (تذکرۃ الحفاظ ذہبیؒ)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بہترین طریقے سے ادا کرنیوالی ہے اور امور دین کی پابندی کرنے والی ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا میں اس لڑکی سے ملنا چاہتا ہوں تاکہ نیکیوں کیطرف اور رغبت دلاسکوں"۔ وہ بوڑھے صحابی حضرت عمرؓ کو ساتھ لیکر اپنی لڑکی کے پاس آئے۔ آپ نے بوڑھے صحابی سے کہا آپ یہاں سے چلے جائیے جب حضرت عمر اور لڑکی اکیلے رہ گئے تو حضرت عمرؓ نے تلوار کھینچی اور کہا سچ سچ بتا ورنہ تیری گردن اڑا دوں گا۔ حضرت عمرؓ کبھی جھوٹی دھمکی نہیں دیتے تھے۔ لڑکی نے کہا آپ خاطر جمع رکھیں میں تمام بات سچ سچ بتائے دیتی ہوں۔ ایک بوڑھی عورت میرے پاس آیا کرتی تھی میں نے اسکو ماں بنا رکھا تھا وہ بھی مجھ سے ماؤں جیسا ہی سلوک کیا کرتی تھی اور میں اسکی بیٹی کی جگہ تھی اسطرح ایک عرصہ گزر گیا۔ ایک مرتبہ اس نے کہا اے بیٹی مجھے ایک سفر درپیش ہے دراصل میری ایک بیٹی ہے وہ ایسے مقام پر ہے کہ مجھے اس کے معاملے میں خدشات نے گھیر رکھا ہے میں چاہتی ہوں کہ جب تک میں سفر سے واپس نہ لوٹوں اسے تمھارے پاس بھیج دوں۔ اس نے میرے پاس ایک نوجوان لڑکے کو بھیجدیا جسکی ابھی مسیں بھی نہیں بھیگی تھیں۔ اسکی شباہت بالکل لڑکیوں جیسی تھی جس کیوجہ سے مجھے اس میں قطعًا شبہ نہیں تھا کہ وہ ایک لڑکی ہے اور وہ بھی لڑکیوں کیطرح میرا ھمراز رہا۔ ایک دن اس نے مجھے سوتے میں غافل پایا اور میرے ساتھ زبردستی کرلی میں نے قریب پڑی ہوئی اس چھری سے اسکو قتل کردیا پھر اسکی لاش اس جگہ پھینکوا دی جہاں سے آپ نے اٹھوائی تھی۔ لیکن مجھے اس کا حمل ٹھہر گیا اور میں نے اس بچے کو جنم دیا۔ اس کے بعد میں نے نومولود بچے کو بھی وہیں پھینک دیا۔ جہاں اس کے باپ کی لاش پھینکی تھی۔ خدا کی قسم! یہی تھے تمام واقعات جو میں نے بلاکم وکاست آپکی خدمت میں بیان کردیئے ہیں حضرت عمرؓ نے فرمایا تو سچ کہتی ہے۔ پھر لڑکی کو نیکی کی تلقین کی اور اس کیلئے دعا کی اور باہر نکل آئے۔ اس کے باپ سے کہا کہ آپ کی بچی بہت اچھی ہے۔ اور پھر چلے گئے

نافع حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں ایک دفعہ حضرت عمرؓ تشریف فرما تھے کہ انہوں نے ایک شخص کو دیکھا۔ آپؓ نے فرمایا اگر یہ شخص کہانت (ستارہ شناسی) نہ جانتا ہو تو مجھے عقلمند نہ سمجھو اس آدمی کو بلایا گیا۔ آپؓ نے اس شخص سے پوچھا کیا تم کہانت جانتے ہو۔؟ اس نے جواب دیا۔ ہاں [۱]

امام مالکؒ حضرت یحییٰ بن سعیدؒ سے روایت کرتے

---

[۱] امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں سالم بن عبداللہ بن عمرؓ کے واسطے سے اس روایت کو قدرے مختلف الفاظ میں نقل کیا ہے۔ (صحیح بخاری ج ۷ ص ۱۷۷)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضؓ نے ایک شخص سے پوچھا تیرا نام کیا ہے؟ اس نے جواب دیا جمرہ آپؓ نے پوچھا کس کے بیٹے؟ اس نے کہا شہاب کا بیٹا۔ آپؓ نے پھر سوال کیا کونسے قبیلے سے تعلق رکھتے ہو اس نے جواب دیا حرقہ سے حضرت عمرؓ نے پھر پوچھا کہاں رہتے ہو اس نے کہا حرۂ نار میں حضرت عمرؓ نے پوچھا کون سی؟ اس نے جواب دیا ذات لظی والی (یعنی شعلوں والی) حضرت عمرؓ نے فرمایا جا۔ جا کے اپنے گھر والوں کو سنبھال وہ سب جل چکے ہیں اور ایسا ہی ہوا جیسے آپؓ نے کہا تھا۔ ؎۱ یہ ہے وہ فراست و ذہانت جس میں حضرت عمرؓ تمام امت میں انفرادی حیثیت رکھتے ہیں۔ ایک دفعہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی۔ یا رسول اللہ! کاش آپؐ مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنالیں اس پر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہ آیت نازل فرمائی۔ وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى (البقرۃ ۔ ۱۲۵) ؎۲ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے عرض کی۔ اے اللہ کے رسول! میری تمنا ہے کہ آپؐ اپنی بیویوں کو پردہ کرنے کا حکم دیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے پردے کی آیت نازل فرمادی ؎۳ ایک دفعہ تمام امہات المومنینؓ اکٹھی ہو کر آنحضرتؐ کے پاس آگئیں حضرت عمرؓ نے ان سے کہا۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ سب کو طلاق دیدیں تو ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ سے بہتر بیویاں عطا کرے اللہ تعالیٰ نے بالکل انہی الفاظ میں قرآن کریم میں ایک آیت نازل فرمادی ؎۴ بدر کے قیدیوں کے سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت عمرؓ سے مشورہ لیا تو آپؓ نے مشورہ دیا کہ ان سب کو قتل کر دیا جائے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس رائے کے مطابق ہی آیاتِ قرآن نازل ہوئیں۔ ؎۵ اللہ تعالیٰ نے اہل فراست کی تعریف فرمائی ہے اور فرمایا ہے کہ در اصل اللہ تعالیٰ کی نشانیوں سے صرف وہی لوگ نفع اٹھانے والے ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگوں میں سب سے زیادہ فراست والے صرف تین شخصیتیں ہیں اوّل فرعون کی بیوی جس نے حضرت

؎۱ موطا امام مالک مع شرح تنویر الحوالک جلد ۲ ص ۱۴۱

؎۲ صحیح بخاری جلد ۸ ص ۱۶۸ ؎۳ حوالہ سابقہ ؎۴ حوالہ سابقہ

؎۵ علامہ جلال الدین سیوطی رحہ لکھتے ہیں کہ بیس سے زیادہ مقامات ہیں جہاں حضرت عمرؓ کی رائے کے مطابق قرآن نازل ہوا۔ چنانچہ علامہ موصوف رحؒ نے مختلف روایات کے حوالے سے ان مقامات کا تتبع بھی کیا ہے تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو تاریخ الخلفاء ص ۹۶

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہا تھا قُرَّتُ عَيْنٍ لِّي وَلَكَ لَا تَقْتُلُوهُ عَسَىٰ أَن يَنفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا (القصص ۹) یعنی یہ میری اور تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اسے قتل نہ کرو۔ بہت ممکن ہے کہ اس سے ہمیں فائدہ ہو یا ہم اسے بیٹا بنالیں۔ ثانی حضرت یوسف علیہ السلام کا آقا جس نے اپنی بیوی سے یوں کہا تھا أَكْرِمِي مَثْوَاهُ عَسَىٰ أَن يَنفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا (یوسف ۲۱) یعنی اسے اچھی طرح رکھو بہت ممکن ہے کہ اس سے ہمیں کوئی فائدہ پہنچے یا اسے ہم بیٹا بنالیں۔ ثالث۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنہوں نے اپنے بعد حضرت عمرؓ کو خلافت کا مستحق ٹھہرایا۔

سیدنا حضرت عثمان بن عفانؓ

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک شخص حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا تم میں سے کوئی میرے پاس آتا ہے اور زنا اسکی آنکھوں میں جھلکتا دکھائی دیتا ہے۔ اس شخص نے عرض کی کیا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی وحی کا سلسلہ جاری ہے؟ آپ نے فرمایا۔ نہیں یہ تو فراست صادقہ ہے۔

یہ حضرت عثمان رضؓ کی فراست ہی تو ہے کہ جب آپ کو معلوم ہو گیا کہ آپ کو لازمی طور پر قتل کر دیا جائیگا تو آپ قتال اور ذاتی مدافعت سے رک گئے مبادا کہ مسلمانوں کے درمیان خانہ جنگی شروع ہو جائے اور جب آپ کو یقین ہو گیا کہ آخر کار آپ کو قتل ہو جانا ہے تو آپ نے مسلمانوں کی خانہ جنگی کے بغیر قتل ہو جانا پسند کیا

حضرت عبداللہ بن عمرؓ

ایسی ہی مثال حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی فراست کی ہے۔ کہ جب آپ حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کو عراق کی طرف روانگی کے وقت وداع کرنے لگے تو فرمایا میں قتل کے خوف سے آپؓ کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کرتا ہوں۔ اسوقت حضرت حسینؓ کے پاس اھل عراق کے وعدوں بھرے خطوط تھے مگر حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی فراست اہل عراق کے خطوط سے زیادہ ٹھیک نکلی

سیدنا حضرت علیؓ

قریش میں سے دو آدمیوں نے ایک عورت کے پاس سو دینار امانت رکھے اور اس سے کہا کہ ہم دونوں میں سے کسی کی موجودگی کے بغیر امانت نہ لوٹانا۔ ایک سال تک کوئی لینے نہ آیا۔ پھر ان میں سے ایک نے اس عورت کے پاس آکر کہا کہ میرا ساتھی مر گیا ہے دینار مجھے لوٹا دو۔ اس نے دینار دینے سے انکار کر دیا اور کہنے لگی کہ تم دونوں نے کہا تھا کہ جبتک ہم دونوں موجود نہ ہوں ہم میں سے کسی کو امانت واپس

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہ کرنا لہٰذا میں تو یہ امانت تمہارے دوسرے ساتھی کے بغیر ہرگز نہ دوں گی۔ تاہم اس عورت کے گھر والوں اور پڑوسیوں نے زور دیا تو اس نے اس شخص کو امانت واپس دے دی۔ اس کے ایک سال بعد اسکا دوسرا ساتھی آیا اور اس نے دیناروں کا مطالبہ کیا۔ اس عورت نے کہا تمہارا دوسرا ساتھی میرے پاس آیا تھا اس نے کہا کہ تم مر گئے ہو لہٰذا امانت میں نے اسکے حوالے کر دی۔ آخر کار دونوں جھگڑا لے کر حضرت عمرؓ کے پاس گئے۔ حضرت عمرؓ عورت کے خلاف فیصلہ کرنے والے ہی تھے کہ عورت بولی آپ ہمیں حضرت علیؓ بن ابی طالب کے پاس بھیجدیجیئے۔ حضرت علیؓ معاملے کی تہ تک پہنچ گئے کہ ان دونوں نے اس بے چاری عورت کے ساتھ دھوکا کیا ہے۔ حضرت علیؓ نے اس شخص سے کہا کیا تم نے یہ نہیں کہا تھا کہ ہم دونوں میں دوسرے ساتھی کے بغیر کسی کو دینار نہ دینا" شخص نے کہا ہاں کہا تو تھا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا تمہارا مال اس عورت کے پاس موجود ہے جاؤ اپنے دوسرے ساتھی کو لے آؤ تاکہ یہ تم دونوں کو مال حوالے کر دے

قاضی ایاس بن معاویہؒ کی فراست کی مثالیں

حماد بن سلمہ حمید طویل رحمہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایاس بن معاویہ کے پاس دو آدمی جھگڑا لے کر آئے جنمیں سے ایک نے دوسرے کے پاس امانت رکھی تھی صاحب امانت نے قاضی ایاس سے استدعا کی کہ وہ دوسرے فریق سے حلف لیں کہ اس کے پاس کوئی امانت نہیں۔ قاضی ایاس نے اس سے کہا۔ اس سے یوں حلف لو کہ اس کے پاس نہ تمہاری کوئی امانت ہے اور نہ امانت کے علاوہ کوئی اور شے ہے [1] یہ فراست کی بہترین مثال ہے کیونکہ مدعا علیہ کا یہ کہنا ("ماله عندی ودیعة") تو اس فقرے سے نفی کا احتمال بھی ہو سکتا ہے اور اقرار کا بھی۔ نفی کا احتمال تو واضح ہے اور اقرار کی صورت میں یوں مغالطہ دے سکتا ہے کہ مالہٗ میں مالؔ کو منصوب پڑھ کر فعل محذوف کا مفعول بنایا جائے یعنی دفع مالہ الی یعنی اس نے اپنا مال میرے حوالے کیا ہے۔ اقرار کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ ما کو ماء موصولہ تسلیم کر لیا جائے اور لہ عندی ودیعۃ میں ما کو اسم عندی کو جار مجرور اور ودیعۃ کو خبر تسلیم کیا جائے یعنی اس کا مال میرے پاس امانت ہے) اگر اس فقرے میں قاضی ایاس کی تلقین کے مطابق ولا غیرھا کا فقرہ شامل کر دیا جائے تو حتمی طور پر نفی کا تعین ہو گا۔ (یعنی اسکا کوئی مال وغیرہ میرے پاس امانت نہیں ہے۔

---

[1] اخبار القضاۃ جلد ۱ ص ۳۳۱

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حماد بن سلمہ رحہ کہتے ھیں کہ میں ایاس بن معاویہ رحہ کے پاس حاضر تھا۔ ایک شخص نے کوئی شئے رھن رکھی ہوئی تھی۔ مرتہن کا کہنا تھا کہ اس نے یہ دس دینار کے بدلے اپنے پاس رہن لے رکھی ہے اور راہن کا قول تھا کہ اس نے پانچ دینار کے بدلے اس کے پاس رہن رکھی ہوئی ہے قاضی ایاس نے کہا اگر راھن کے پاس کوئی ثبوت ہے کہ مرتہن کے پاس رہن کا مال ہے تب تو راہن کے قول کا اعتبار ہوگا۔ اور اگر اس کے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے (کہ مالِ رہن مرتہن کے پاس ہے) تو چونکہ مالِ رھن مرتہن کے پاس ہے لہذا اعتبار مرتہن کے قول کا ہوگا کیونکہ اگر وہ چاہے تو رہن کا ہی انکار کر دے۔ میں کہتا ہوں کہ اس مسئلہ میں یہ تیسرا قول ہے۔ اور یہ بہترین رائے ہے کیونکہ مرتہن کا اقرار کرنا کہ مال رہن اس کے قبضے میں ہے اور راہن کے پاس کوئی دلیل بھی نہیں تو یہ مرتہن کے صدق پر بین دلیل ہے۔ اگر وہ جھوٹا ہوتا تو رہن کا سرے سے ھی انکار کر دیتا۔

اس مسئلہ میں امام مالک رحہ اور ھمارے استاذ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحہ کی رائے یہ ہے کہ مرتہن کے قول کا اعتبار کیا جائیگا۔ امام شافعی رحہ امام ابو حنیفہ رحہ اور امام احمد رحہ مطلقاً راہن کے قول کا اعتبار کرتے ھیں۔ قاضی ایاس رحہ کی بھی یہ رائے ہے کہ جو کسی چیز کا اقرار کرتا ہے اور اس کے خلاف کوئی ثبوت نہیں تو اس کے قول کا اعتبار ہوگا۔ یہ بہترین فیصلہ ہے کیونکہ اس کا اقرار اسکی سچائی کی علامت ہے مثلاً کسی شخص نے دعوٰے کیا کہ اسے میرے ایک ھزار دینار دینے ھیں۔ لیکن اسکے پاس اپنے دعوٰے کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ مدعا علیہ نے اقرار کرلیا ہے اور ساتھ ہی کہا ہے کہ میں نے ادا کر دیئے ہیں تو مدعا علیہ کے قول کا اعتبار ہوگا۔ اسیطرح اگر وہ اقرار کرے کہ صاحب امانت سے واقعی امانت لی ہے اور صاحب امانت کے پاس کوئی ثبوت امانت رکھنے کا نہیں ہے اس صورت میں امانت دار کہتا ہے کہ اس نے وہ امانت واپس کر دی ہے تو اس کے قول کا اعتبار ہوگا۔

ابراہیم بن مرزوق بصری کہتے ھیں کہ قاضی ایاس بن معاویہ کے پاس دو شخص آئے جن کا دو گرم چادروں کے متعلق جھگڑا تھا۔ ان میں ایک سرخ تھی اور دوسری سبز۔ ان میں سے ایک آدمی کہنے لگا میں نہانے کیلئے حوض میں داخل ہوا اور چادر حوض کے پاس رکھدی پھر یہ شخص آیا اور اس نے اپنی چادر میرے چادر کے نیچے رکھدی۔ پھر حوض میں داخل ہوکر نہانے لگا۔ اور مجھ سے پہلے حوض سے نکل کر میری چادر اٹھا کر چلا آیا میں نے نکل کر اسکا پیچھا کیا۔ اس کا دعوٰے ہے کہ یہ چادر اسکی ہے۔
قاضی ایاس رحہ نے پوچھا۔ تمہارے پاس کوئی ثبوت ہے؟ اس نے جواب دیا نہیں قاضی ایاس رحہ نے ایک کنگھی منگوائی اور ان کے سر میں کنگھی کردوائی انمیں سے ایک شخص کے سر میں سے اون کے سرخ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

روئیں نکلے اور دوسرے کے سر سے سبز۔ قاضی ایاسؒ نے جسکے سر سے سرخ روئیں نکلے اسکو سرخ چادر دیدی اور جس کے سر سے سبز روئیں نکلے اسکو سبز چادر دیدی [1]

معتمر بن سلیمانؒ، ابو العلاء زیدؒ سے روایت کرتے ہیں کہ میں قاضی ایاس کے پاس حاضر تھا کہ انکے پاس دو آدمی ایک جھگڑا لے کر آئے۔ اُن میں سے ایک نے کہا اس شخص نے میرے پاس لونڈی فروخت کی ہے۔ جو حواس باختہ ہے۔ قاضی ایاسؒ نے پوچھا اسکی بدحواسی کی نوعیت کیا ہے؟ اس نے جواب دیا۔ جنون کا شبہ ہوتا ہے۔ قاضی ایاس لونڈی کیطرف متوجہ ہوئے اور پوچھا اے لڑکی کیا تو جانتی ہے کہ تو کب پیدا ہوئی تھی؟ لونڈی نے جواب دیا ہاں قاضی ایاسؒ نے پوچھا تیرا کونسا پاؤں زیادہ لمبا ہے لونڈی بولی: یہ قاضی ایاسؒ نے لونڈی خریدنے والے سے کہا اس لونڈی کو واپس کردو یہ واقعی پاگل ہے [2]

ابو الحسن مدائنی عبداللہ بن مصعبؒ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ معاویہ بن قرۃ نے اپنے بیٹے ایاس بن معاویہ کے پاس چار دیگر اشخاص کی معیت میں ایک شخص کے ذمے چار ھزار درھم واجب الادا ہونے کی گواہی دی۔ مشہود علیہ شخص نے کہا اے ابو وائل میرے معاملے میں ذرا حقیقت پسندی سے کام لیجیئے خدا کی قسم میں نے تو انکو صرف دو ھزار درھم پر گواہ بنایا تھا۔ قاضی ایاسؒ نے اپنے والد اور دوسرے گواہوں سے پوچھا کیا جس صفحے پر گواھی ثبت کی اسمیں کوئی جگہ خالی تھی؟ انہوں نے جواب دیا صفحے کے ابتدائی حصے پر تحریر تھی درمیان سے مُڑا ہوا تھا اور باقی حصہ خالی تھا۔ قاضی ایاسؒ نے پوچھا کیا قرض خواہ وقتاً فوقتاً آپ سے مل کر آپ کو چار ھزار کی گواہی کی یاد دہانی کرا دیا کرتا تھا۔؟ انہوں نے جوابدیا۔ ہاں وہ اکثر ہم سے ملتا رہتا اور کہتا کیا آپ کو فلاں شخص پر چار ہزار درہم کی گواہی یاد ہے؟ قاضی ایاسؒ نے گواہوں کو وہاں سے ہٹا دیا اور قرضخواہ کو بلوایا اور اس سے کہا اے خدا کے دشمن! تو نے سیدھے سادھے نیک لوگوں کو دھوکہ دیا ہے۔ تو نے ان سے ایسے صفحے پر گواھی ثبت کروائی جو درمیان سے تہہ کیا گیا تھا اور اس کے نیچے باقی حصہ خالی چھوڑا ہوا تھا جب انہوں نے گواہی ثبت کردی تو تم نے دو ھزار کی گواہی والا حصہ کاٹ کر علیحدہ کردیا۔ اور خالی جگہ پر چار ھزار درھم لکھ دیئے۔ پھر تم ان سے مل کر بار بار یاد دھانی کراتے رہے"۔ اُس نے حقیقت حال کا اقرار کرلیا۔ اور بات کو پردے میں رکھنے کی استدعا کی۔ قاضی ایاس نے اس کے حق میں صرف دو ھزار درھم کا فیصلہ دیا اور اس کے اقرار کو پردے میں رکھا۔ [3]

نُعیم بن حمادؒ، ابراہیم بن مرزوق بُصریؒ سے روایت کرتے ہیں کہ ایاس بن معاویہ کے قاضی بنائے

---

[1] اخبار القضاۃ صفحہ ۳۲۸ [2] اخبار القضاۃ جلد ا ص ۳۲۷ [3] اخبار القضاۃ جلد ا ص ۳۶۹

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جانے سے پہلے ہم ان کی فراست کی باتیں یوں لکھا کرتے تھے جیسے محدّث سے حدیث لکھا کرتے ہیں ایک شخص آیا اور مربد کے بازار میں ایک اونچی سی جگہ پر بیٹھ گیا۔ اور آتے جاتے لوگوں پر نگاہ رکھنے لگا کچھ دیر بعد یہ شخص دکان سے اترا اور ایک شخص کے چہرے کو دیکھنے کے بعد پھر اپنی جگہ پر جا کر بیٹھ گیا۔

قاضی ایاسؒ نے کہا اس شخص کے بارے میں تمھاری کیا رائے ہے؟ لوگوں نے کہا ہم کیا جواب دے سکتے ہیں ہو سکتا ہے کوئی ضرورت مند ہو" قاضی ایاسؒ نے کہا یہ شخص بچوں کا معلّم ہے اور اس کا ایک کانا غلام بھاگ گیا ہے۔ ہم میں سے ایک شخص اٹھا اور اس کے پاس گیا اور اس کے وہاں بیٹھنے کی وجہ پوچھی تو اس نے جواب دیا میرا ایک غلام بھاگ گیا ہے۔ ہم نے پوچھا اسکی کیا نشانیاں ہیں؟ اس نے نشانیاں بتائیں اور بتایا کہ وہ ایک آنکھ سے کانا ہے۔ ہم نے پوچھا تم کیا کرتے ہو؟ اس نے جواب دیا میں بچوں کو پڑھاتا ہوں۔ ہم نے قاضی ایاسؒ سے پوچھا آپ کو یہ سب کچھ کیسے معلوم ہو گیا؟ انہوں نے جواب دیا۔ جب یہ شخص آیا تو میں اسے دیکھتا رہا۔ بیٹھنے کے لئے ادھر اُدھر جگہ ڈھونڈھنے لگا۔ اس نے یہ سب سے بلند جگہ بیٹھنے کیلئے منتخب کی اور بیٹھ گیا میں نے اسکی حیثیت کا اندازہ لگایا تو یہ مجھے کوئی بڑا آدمی نہ لگا۔ میں نے غور کیا کہ بڑے بڑے آدمیوں کیطرح کون کون سے لوگ بیٹھتے ہیں مجھے معلوم ہوا کہ اس شان سے صرف معلّم ہی بیٹھا کرتے ہیں۔ لہذا میں نے اندازہ کر لیا کہ یہ معلّم ہے۔ ہم نے پوچھا۔ آخر آپ نے یہ کیسے اندازہ کر لیا کہ اسکا غلام بھاگا ہوا ہے؟ قاضی ایاس نے کہا۔ میں نے دیکھا کہ وہ ہر گزرنے والے شخص کے چہرے کو غور سے دیکھتا تھا۔ ہم نے سوال کیا آپ نے یہ کیسے جان لیا کہ اس کا غلام کانا ہے؟ قاضی ایاسؒ نے جواب دیا یہ بیٹھا ہوا تھا کہ ایک کانا شخص گزرا اسے اُسپر اپنے غلام کا شبہ ہوا یہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اسکے پاس آیا اور اس کے چہرے کو غور سے دیکھا اس سے میں نے جان لیا کہ اسے اپنے غلام کا اشتباہ ہوا ہے [1]

حارث بن مرّہ روایت کرتے ہیں کہ ایاس بن معاویہؒ نے ایک شخص کو بڑے غور سے دیکھا اور کہا یہ شخص غریب الوطن ہے۔ واسط کا رہنے والا ہے پیشے کے لحاظ سے معلّم ہے اور اپنے بھگوڑے غلام کو ڈھونڈ رہا ہے۔ لوگوں نے معاملے کو بالکل اسیطرح پایا۔ انہوں نے سوال کیا آپ کو کیسے معلوم ہو گیا۔ قاضی ایاس نے کہا۔ میں نے غور سے دیکھا کہ وہ چلتے ہوئے ادھر ادھر بہت دیکھتا تھا میں نے سمجھ لیا کہ وہ غریب الوطن ہے۔ پھر میں نے اس کے کپڑوں پر سرخ رنگ کی گرد کے آثار دیکھے اور سرخ مٹی واسط کی ہے تو میں نے سمجھ لیا کہ واسط کا رہنے والا ہے۔ جب بچوں کے قریب سے گزرتا تو انکو سلام کرتا تھا اور بڑوں کے پاس سے گزرتا تو انہیں سلام نہ کہتا جس سے میں نے اندازہ لگایا کہ یہ معلّم ہے

---

[1] اخبار القضاۃ جلد ۱ ص ۳۲۹

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پھر میں نے دیکھا کہ جب کسی اچھی ھیئت والے شخص کے قریب سے گزرتا تو اسکی طرف التفات نہ کرتا اور جب کسی بوسیدہ اور پرانے لباس والے شخص کے قریب سے گزرتا تو اسکو بڑے غور سے دیکھتا تو مجھے معلوم ہوگیا کہ یہ اپنے بھگوڑے غلام کو ڈھونڈ رہا ھے۔

بلال بن العلا رقی قاسم بن منصور سے اور وہ عمرو بن بکیر روایت کرتے ھیں کہ ایک دفعہ قاضی ایاس گزر رہے تھے کہ انھوں نے بالاخانے سے پڑھنے کی آواز سنی تو انھوں نے کہا یہ حاملہ عورت کی آواز ہے اور اس کے پیٹ میں لڑکا ہے۔ پوچھا گیا آپ نے کیسے پہچان لیا؟ انھوں نے کہا میں نے آواز سنی تو محسوس ہوا کہ اسکی آواز صاف نہیں تو اندازہ کرلیا کہ یہ حاملہ ہے پھر اس عورت کی آواز میں بھاری پن تھا تو میں نے سمجھ لیا کہ عورت کا حمل لڑکا ہے اسکے کچھ عرصہ بعد قاضی ایاس ایک مکتب کے قریب سے گذر رہے تھے کہ ایک لڑکے کو دیکھ کر کہنے لگے یہ اسی عورت کا لڑکا ہے۔

ایک شخص نے ایاس بن معاویہ سے کہا مجھے قضا (یعنی فیصلہ کرنا) سکھا دیجئے۔ قاضی ایاس نے کہا ہے قضا کا طریقہ سکھایا نہیں جاسکتا بلکہ یہ تو خداداد فہم ہے آپ یوں تو کہہ سکتے ہیں مجھے علم حاصل کرنا سکھائیے فیصلہ کا تعلق تو رازِ مخفی کے دریافت کرنے سے ہے چنانچہ اللہ تعالےٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔

وَدَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ إِذْ يَحْكُمَانِ فِي الْحَرْثِ إِذْ نَفَشَتْ فِيهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِينَ فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ وَكُلًّا آتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا

(الانبیاء ۷۸، ۷۹)

اور داؤد اور سلیمان کو بھی ہم نے اپنے فضل سے نوازا جبکہ وہ دونوں کھیتی کے مقدمہ میں فیصلہ کر رہے تھے جب ایک گروہ کی بکریاں رات کے وقت اس کھیت میں جا پڑیں۔ ہم انکے فیصلے کو دیکھ رہے تھے ہم نے اس مقدمے کا فیصلہ سلیمان کو سمجھا دیا۔ اور ہم نے ہر ایک کو علم و حکمت عطا کی تھی۔

اللہ تعالےٰ نے قضیئے کے فہم سے حضرت سلیمانؑ کو خاص طور پر نوازا تھا۔ اور علم حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما الصلوٰۃ والسلام دونوں کو عطا کیا تھا۔

اسیطرح امیر المومنین حضرت عمر رضؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضؓ کو اپنے مشہور خط میں لکھا تھا۔ [1] الفهم الفهم فيما ادلى اليك (جو مقدمہ تمھارے سامنے پیش ہو اسے اچھی طرح سمجھو)

---

[1] اس خط میں سیدنا عمرؓ نے عدالت کے راہ نما اصول بتائے ھیں۔ یہ خط آل ابی بردہ کے پاس عرصہ تک محفوظ رہا ہے مسلمان قانون دانوں نے اصولِ عدل اور قوانینِ شہادت وضع کرنے کیلئے اس خط سے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قاضی شریحؒ اور قاضی ایاسؒ کے معاصرین گو علم میں انکے شریک تھے مگر معاملہ فہمی اور قرائن وشواھد حال سے واقعہ کی تہہ تک پہنچ جانا انہیں کا حصّہ تھا جو خدائے بخشندہ کا عطیہ تھا یہ وہ صلاحیت ہے جس سے بالعموم جج محروم ہوتے ھیں اور بسا اوقات حق تلفی کے مرتکب ہوتے ہیں۔

سنت سے فراست کی مثالیں

فراست کی مختلف اقسام جن کیطرف سنت نبوی راہنمائی کرتی ہے کہ کسطرح کسی آسان طریقے سے یا کسی معمولی بات کے ذریعے ناگوار حالات سے بچا جا سکتا ہے۔ چنانچہ امام احمد بن حنبل رح اپنی مسند میں حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ھیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی میرا ھمسایہ مجھے بہت تکلیف دیتا ہے۔ آپ نے فرمایا جاؤ اپنے گھر کا سامان نکال کر راستے پر رکھدو۔ وہ گیا اور اس نے ایسا ہی کیا۔ لوگ جمع ہو گئے اور پوچھنے لگے کہ کیا معاملہ ہے اس شخص نے کہا میرا پڑوسی مجھے تکلیف دیتا ہے۔ لوگ کہنے لگے اے اللہ ایسے شخص پر لعنت کر اے اللہ اسے نکال دے۔ یہ بات جب اس پڑوسی کو پہنچی تو وہ آگیا ہے اور اپنے ہمسایے سے درخواست کی کہ وہ واپس اپنے گھر لوٹ چلے اور آئندہ اسے ایذا نہ دینے کی قسم کھائی۔

یہ اور اسی قسم کے بعض دوسرے حیلے بھی ہیں جنکو شریعت نے روا رکھا ہے فعل مباح کے ذریعے انسانی حیلے دوسروں کے ظلم وجور اور ایذا و مضرت رسانی سے نجات پانے کے ذریعے ھیں لیکن یہ ایسے حیلے غلط فہمی میں ڈالنے والی باتیں نہ ہوں جو اللہ تعالےٰ کے فرائض کو ساقط کرتے ہوں یا کسی فعل حرام کو حلال کرتے ہوں۔ مسند احمد اور سُنن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کسی شخص کا نماز کی حالت میں وضو ٹوٹ جائے تو وہ نماز سے ہٹ جائے اور اگر باجماعت نماز میں ہو تو اپنی ناک پر ہاتھ رکھ لے اور جماعت سے باھر آجائے [1] ایسی تعریضات کی بیشمار مثالیں ھیں لیکن وہ ایسی نہیں کہ حق کو باطل اور باطل کو حق قرار دیں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے ایک سائل نے پوچھا آپ لوگ کون ھیں؟ ارشاد فرمایا ہم پانی سے بنے ہیں۔ اسی طرح آپؐ نے مقتول کے ولی سے جو کہ قاتل کو (کہ دیت قتل کا مقروض تھا) قتل کرنے کیلئے لے جا رہا تھا۔ فرمایا۔ ان قتلہ فھو مثلہ۔ اگر اس نے اسکو قتل کر دیا۔ تو یہ بھی ویسا ہی متصوّر ہوگا یعنی مستوجب دیت [2] اسیطرح آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم

استفادہ کیا ہے۔ مصنّف موصوف نے اپنی لازوال کتاب "اعلام الموقعین" میں اس خط کی مفصّل شرح کی ہے۔ (ملاحظہ ہو جلد ۱ صفحہ ۸۵ سے آگے تک)

[1] جمع الفوائد جلد ۱ ص ۲۷ بحوالہ سنن ابی داود، سنن دارقطنی جلد ۱ ص ۱۵۷ [2] یہ ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جب کسی غزوہ کیلئے روانہ ہوتے تو اسکو چھپانے کیلئے یوں ظاہر فرماتے جیسے کچھ اور ارادہ ہے۔ سفر ہجرت میں حضرت ابوبکر صدیق رضؓ سے جب کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سوال کرتا کہ یہ کون ھیں؟ آپؓ جواب دیتے یہ ایک راہ نما ہیں جو مجھے راستہ دکھاتے ھیں سلہ اسیطرح کی مثالیں آپ کے بعد صحابہ کرامؓ کے عمل میں بھی ملتی ھیں۔

سیدنا عمرؓ زید بن اسلمؒ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ کے پاس یمنی حُلّے آئے ان میں ایک ردی سا حلہ نظر آیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا اس کو میں کیا کروں یہ تو کوئی بھی نہیں لیگا۔ آپ نے تہ کر کے اپنے نیچے رکھ لیا اور اس کا تھوڑا سا کونہ باھر نکال دیا۔ اور باقی حُلّے اپنے سامنے رکھ لئے اور لوگوں نے میں تقسیم کرنے لگے۔ حضرت عمرؓ اسی طرح بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت زبیرؓ آئے اور مسلسل اسی حلے کیطرف دیکھتے رہے پھر حضرت عمرؓ سے پوچھا یہ کیا ھے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ آپ اسے چھوڑیے۔ حضرت زبیرؓ کہنے لگے یہ مجھے عطا کر دیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ یہ آپؓ کو پسند نہیں آئیگا۔ حضرت زبیرؓ نے کہا یہ مجھے پسند ہے۔ حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ اب حضرت زبیرؓ حُلّہ لینے پر مُصر ھیں تو آپؓ نے یہ شرط لگا دی کہ آپؓ اس حُلّہ کو واپس نہیں کریں گے تب وہ حُلّہ انکی طرف پھینک دیا اور حضرت زبیرؓ نے دیکھا تو حُلّہ ردی نکلا حضرت زبیرؓ نے فرمایا مجھے اسکی ضرورت نہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ میں نے دے دیا اور اس سے فارغ ہو گیا ہوں آپؓ نے حُلّہ حضرت زبیرؓ کے حصّے میں دے دیا اور واپس قبول نہ کیا۔

(گذشتہ سے پیوستہ)

جو امام مسلمؒ اور امام نسائیؒ نے قسامہ اور امام ابوداؤدؒ نے دیات کے ابواب میں مختلف الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے حافظ ابن قیمؒ نے یہاں امام مسلمؒ کے الفاظ نقل کیئے ھیں بظاھر حدیث کے معنے واضح ھیں مگر اسمیں ایک نہایت لطیف تعریض پوشیدہ ہے جسے ابن قتیبہؒ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ وہ گناہ میں قاتل کے برابر ہے۔ آپ کی یہ مراد ہو بھی کیسے سکتی ہے جبکہ قصاص لینا مباح ہے۔ البتہ آپ یہ چاہتے تھے کہ یہ شخص اس قاتل کو معاف کر دے۔ لہٰذا آپ نے یہ الفاظ تعریض کے طور پر کہے تھے (اگر اس نے اسکو قتل کر دیا تو یہ بھی ویسے ہی متصور ہوگا یعنی مستوجب دیت ہوگا) تاکہ وہ قاتل کو معاف کر دے۔ آپ کے محولہ بالا ارشاد کا دراصل مطلب یہ ہے کہ اگر یہ اس کو قتل کرے تو یہ اسکا قصاص ہے

(صحیح بخاری جلد ۷ ص ۲۴۹، صحیح مسلم جلد ۱۱ ص ۱۷۲، نیل الاوطار جلد ۷ ص ۴۳)

سلہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے ذومعنے لفظ استعمال کیا تھا ہادی (راھبر) کا معنی ہے گمراہی اور ضلالت کے اندھیروں میں راہ دکھانے والا۔ اس کا اطلاق اس رھبر پر بھی ہو سکتا ہے۔ جو صحراؤں میں قافلوں کی راہ نمائی کرتا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سیدنا علی رض عبداللہ بن سلمہ کہتے ہیں میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سنا ہے آپ رض فرما رہے تھے جب تک میں بصرہ نہ آؤں اور اسے جلا نہ دوں اور اپنے ڈنڈے سے لوگوں کو ھانک کر مصر نہ لے جاؤں میں اپنا سر صابن سے نہ دھووں گا۔ چنانچہ میں ابومسعود رض بدری کے پاس حاضر ہوا اور ان سے اس بات کا ذکر کیا۔ انہوں نے فرمایا علی کچھ اس ڈھنگ سے بات کرتے ہیں جسے تم لوگ نہیں سمجھ سکتے۔ بات یہ ہے کہ علی نہ اپنا سر دھوئیں گے نہ وہ بصرہ آئینگے اور نہ لوگوں کو ھانک کر لے جائیں گے علی رض کے سر پر تو بال ہی نہیں ہیں۔ انکا سر طشت کی مانند ہے جہاں چند گنتی کے بال ہیں۔

سیدنا عبداللہ بن رواحہ رض اس قسم کی تعریض حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے۔ ایک دن انہوں نے اپنی لونڈی سے ہمبستری کی لیکن اپنی بیوی کی ناراضگی سے بچنے کیلئے کچھ ایسے لہجے میں اشعار پڑھنے شروع کئے جیسے قراءت کر رہے ہوں تاکہ بیوی اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جائے کہ وہ حالت جنابت میں نہیں ہیں [۱]

سیدنا محمد بن مسلمہ انصاری رض اسی قسم کی تعریض وہ ہے جو حضرت محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ یہ تعریض انہوں نے یہودی کعب بن اشرف سے کی تھی۔ (واقعہ گزشتہ صفحات میں تفصیل کیساتھ گزر چکا ہے) جب کعب بن اشرف نے محمد بن مسلمہ رض کو امین بنایا تو محمد بن مسلمہ رض نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کعب سے کہا۔

ان ھذا الرجل قد اخذنا بالصدقة وقد عنّانا

اس شخص نے ہم سے زکوٰۃ وصول کر کے ہمیں مشقّت میں مبتلا

---

[۱] علامہ ابن قدامہ نے یہ واقعہ سالم بن عبداللہ بن عمر رض کے حوالے سے المغنی میں نقل کیا ہے اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ ان کی بیوی نے ان سے قرآن پڑھنے کا مطالبہ کیا تھا۔ اس پر جناب عبداللہ بن رواحہ رض نے یہ اشعار اس انداز سے پڑھے جیسے قرآن پڑھا جاتا ہے۔

شهدت بان وعد الله حق — وان النار مثوى الكافرينا
وان العرش فوق الماء طاف — وفوق العرش رب العالمينا
وتحمله ملائكة شداد — ملائكة الاله مسومينا

(المغنی جلد ۱۰ صفحہ ۷۷۵) علامہ ابن حجر عسقلانی رح نے بھی صحیح بخاری کی شرح فتح الباری میں اس واقعہ کا تذکرہ کیا ہے جلد ۳ صفحہ ۴۲

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کردیا ہے۔ ف[1]

ابن ابی لیلیٰ تابعیؒ ف[2] اس تعریض (غلط فہمی میں ڈالنے) کے سلسلے کی ایک مثال حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰؒ تابعی کی ہے کہ ان کو مجبور کیا گیا کہ وہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر لعنت کریں۔ نماز جمعہ کے بعد آپ کو چبوترہ پر کھڑا کردیا تو آپ نے کہا إِنَّ الْأَمِيرَ أَمَرَنِي أَنْ أَلْعَنَ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ فَالْعَنُوهُ لَعَنَهُ اللهُ ف[3] یعنی امیر نے حکم مجھے حکم دیا ہے کہ میں علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ پر لعنت کروں تم اس پر (یعنی امیرؓ پر) لعنت بھیجو اور اللہ اس پر لعنت کرے۔ (اس کا معنی یہ بھی لیا جاسکتا ہے کہ امیرؒ نے مجھے علیؓ بن ابی طالب پر لعنت کرنے کا حکم دیا ہے تم سب علیؓ پر لعنت بھیجو اللہ اس پر لعنت کرے (معاذ اللہ)

سیدنا خزیمہ بن ثابت رضؓ فراست صادقہ کی مثالوں میں سے ایک مثال یہ ہے کہ حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ایک اعرابی کے درمیان باہمی بیع کے معاہدے کی شہادت دی۔ درآں حالیکہ خزیمہ بن ثابت رضؓ وہاں موجود نہ تھے محض اس تصدیق پر کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جو بھی خبر دی ہے وہ سچی ہے ف[4]

سیدنا حذیفہ بن الیمان رضؓ جب حضرت حذیفہ بن الیمان رضؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (غزوہ احزاب میں رات کے وقت) جاسوس بنا کر بھیجا۔ حضرت حذیفہ رضؓ مشرکین مکہ کے درمیان بیٹھے تھے ابوسفیان بولا تم میں سے ہر شخص اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے ساتھی کو دیکھے (حضرت حذیفہؓ نے شبہ ہونے کا خطرے کو بھانپ لیا اور پیشدستی کرتے ہوئے) اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے شخص سے پوچھا تم کون ہو؟ اس نے جواب دیا۔ فلاں بن فلاں۔ ف[5] اور اس طرح

ف[1] جمع الفوائد جلد ۲ ص ۲۷ بحوالہ مسلم اور ابوداؤد۔ صحیح البخاری مع شرحہ فتح الباری جلد ۷ ص ۲۳۷ صحیح البخاری جلد ۶ ص ۱۵۹

ف[2] عبدالرحمٰن ابن ابی لیلیٰؒ کا شمار جلیل القدر تابعین میں ہوتا ہے۔ نہایت ثقہ راوی ہیں۔

ف[3] علامہ سیوطیؒ نے یہ واقعہ عبدالرزاقؒ کے حوالے سے ابن ابی لیلیٰ کی بجائے حجر المدریؒ کی طرف منسوب کیا ہے۔ لعنت کا حکم دینے والا الحجاج بن یوسفؒ کا بھائی محمد بن یوسف تھا۔ تاریخ الخلفاء ص ۱۳۷

ف[4] جمع الفوائد جلد ۱ ص ۴۵۲ بحوالہ ابوداؤد، نسائیؒ۔ نیز حدیث میں مذکور ہے کہ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب خزیمہؓ کی شہادت کو دو مردوں کی شہادت کے مساوی قرار دیدیا تھا۔

ف[5] صحیح مسلم جلد ۱۲ ص ۱۴۵ پر یہ حدیث دی گئی مگر یہ الفاظ نہیں ہیں۔ اس حدیث کو بیہقیؒ نے الدلائل میں اور حاکمؒ نے بھی نقل کیا ہے بحوالہ فتح الباری جلد ۷ ص ۴۰۰۔ نیز تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ لابن کثیرؒ جلد ۴ ص ۱۱۳

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آپ نے اسے سوال کرنے کا موقع ہی نہیں دیا

سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضؓ

اسی طرح حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی فراست دیکھیئے گا۔ کہ حضرت عمر رضؓ نے انہیں بحرین کا گورنر بنا کر بھیجا۔ وھاں کے لوگوں نے حضرت مغیرہ رضؓ کو پسند نہ کیا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے انکو واپس بلا بھیجا لیکن اھل بحرین کو خدشہ تھا کہ کہیں مغیرہؓ کو دوبارہ ان پر گورنر نہ بنا دیا جائے۔ ان کے سردار نے ان سے کہا کہ اگر وہ اسکی تجویز پر عمل کریں تو مغیرہؓ واپس نہیں آئیں گے۔ لوگ رضا مند ہوگئے۔ سردار نے حکم دیا کہ وہ ایک لاکھ درہم جمع کرکے اسے دیں۔ وہ یہ رقم لے کر امیر المومنین رضؓ کے پاس جائیگا۔ اور ان کی خدمت میں عرض کریگا کہ درہم مغیرہؓ نے خیانت کرکے بچائے تھے اور اس کے پاس رکھ دیئے تھے۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ حضرت عمرؓ نے مغیرہؓ کو بلوایا اور پوچھا یہ شخص کیا کہہ رھا ہے ؟ حضرت مغیرہؓ نے جواب دیا۔ یہ شخص جھوٹ کہتا ہے۔ خدا آپ کا بھلا کرے یہ تو دو لاکھ درہم تھے حضرت عمرؓ نے ان سے پوچھا۔ کیا بات تھی جس نے تجھے خیانت پر مجبور کر دیا۔ اس پر حضرت مغیرہؓ بولے۔ عیالداری اور حاجت مندی۔ حضرت عمرؓ نے اس سردار سے پوچھا تو بتا تو کیا کہتا ہے؟ وہ بولا۔ خدا کی قسم! میں سچ سچ بتاتا ہوں انہوں نے تھوڑا یا زیادہ کچھ بھی میرے پاس نہیں رکھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم انکو پسند نہیں کرتے تھے اور یہ ڈر تھا کہ کہیں انکو دوبارہ گورنر نہ بنا دیا جائے اس لئے یہ ناٹک رچایا تھا۔ حضرت عمرؓ نے مغیرہ بن شعبہؓ سے پوچھا آخر تم نے اعتراف کیوں کرلیا؟ انہوں نے جواب دیا۔ اس خبیث نے مجھ پر جھوٹ باندھا میں نے بھی چاہا کہ اس کو رسوا کروں [1] ایک دفعہ حضرت مغیرہؓ اور ایک عرب نوجوان نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام بھیجا۔ وہ نوجوان بہت خوبصورت تھا۔ اس عورت نے دونوں کو کہلا بھیجا اور کہا "یہ ضروری ہے کہ میں آپ دونوں کو دیکھ لوں اور آپ سے چند باتیں کرلوں۔ لھذا اگر آپ پسند کریں تو صبح تشریف لے آئیں چنانچہ اگلی صبح دونوں اس کے گھر پہنچ گئے۔ اس نے ان دونوں کو ایک ایسی جگہ بٹھایا جہاں سے وہ اسے دیکھ سکے۔ حضرت مغیرہؓ نے جب یہ محسوس کیا کہ وہ نوجوان کو اس پر ترجیح دے گی تو وہ اس نوجوان کیطرف متوجہ ہوئے۔ اور کہا تجھ میں حسن وجمال اور قوتِ بیان ہے کیا اس کے علاوہ بھی تیرے اندر کوئی خوبی ہے۔ ؟ اس نوجوان نے اپنے محاسن گنوانے شروع کردیے اور پھر خاموش ہوگیا۔ مغیرہ رضؓ نے پوچھا تم حساب

---

[1] الاصابہ۔ علامہ ابن حجر العسقلانی رحؒ جلد ۳ ص ۴۳۲ بحوالہ لبغوی رحؒ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کتاب اور جانچ پڑتال میں کیسے ہو؟ وہ بولا میں حساب کتاب میں کبھی نہیں چوکتا یہاں تک کہ مجھے رائی کے دانے تک کا حساب یاد رہتا ہے۔ اس پر حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کہنے لگے۔ میں تو گھر کے کونے میں درہموں سے بھری ہوئی ایک تھیلی رکھدیتا ہوں میرے گھر والے حسب منشاء اس میں سے خرچ کرتے رہتے ہیں۔ اور مجھے ان کے ختم ہونے کا علم اسوقت ہوتا ہے جب گھر والے مجھ سے اور رقم مانگتے ہیں۔ عورت کہنے لگی خدا کی قسم یہ بوڑھا جو مجھ سے حساب نہ مانگے اس حسابی نوجوان سے زیادہ پسند ہے جو مجھ پر رائی کے دانے کا حساب بھی نہ چھوڑیگا۔ چنانچہ اس عورت نے حضرت مغیرہؓ سے نکاح کر لیا۔

سیدنا عمرو بن العاصؓ

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فراست ملاحظہ کیجئے کہ انہوں نے جب غزہ کا محاصرہ کیا تو غزہ کے سردار نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو پیغام بھیجا کہ وہ اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو ایلچی بنا کر بھیجدیں جس کے ساتھ بات چیت کی جائے۔ حضرت عمرؓ نے سوچا اور کہا۔ اس شخص کے پاس میں خود جاؤنگا۔ چنانچہ حضرت عمرو بن العاصؓ خود اس کے دربار میں پہنچے اور سردار سے باتیں کیں۔ اس نے کبھی ایسی باتیں نہ سنی تھیں۔ سردار نے پوچھا کیا تمھارے ساتھیوں میں اور بھی کوئی تم جیسا ہے۔ حضرت عمروؓ نے فرمایا۔ مت پوچھ میں انکے نزدیک اسقدر حقیر ہوں کہ انہوں نے مجھے تمھارے پاس بھیجدیا کہ جو کچھ گزرنی ہے مجھ پر گذر جائے۔ دراصل انہیں معلوم نہ تھا کہ میرے ساتھ کیا معاملہ کیا جائیگا۔ سردار نے حکم دیا کہ حضرت عمرو بن العاصؓ کو ایک لونڈی اور ایک کپڑوں کا جوڑا دیا جائے اور دربان سے کہلا بھیجا کہ جب ایلچی اسکے پاس سے گزرے تو اسکی گردن ماردی جائے اور جو کچھ اس کے پاس ہے وہ خود اس سے لے لے۔ حضرت عمرو بن العاصؓ غسان کے ایک نصرانی کے پاس سے گذرے جو انہیں جانتا تھا اس نے کہا اے عمرو تم خیریت سے آتو گئے ہو اب خیریت ہی سے واپس جاؤ۔ تو بات ہے (عمرو اس تعریض کو سمجھ گئے اور چوکنے ہوگئے) اور واپس لوٹ کر سردار کے پاس آگئے سردار نے پوچھا آپ کیوں واپس آگئے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا میں دیکھتا ہوں کہ آپ نے جو عطیہ مجھے عطا کیا ہے وہ میرے دس ساتھیوں کیلئے کافی ہے لہذا واپس جانا چاہتا ہوں تاکہ میں اپنے ان دس ساتھیوں کو لے آؤں اور آپ ان سب کو یہ عطیہ دیں کیونکہ آپ کے عطیہ کا دس اشخاص کے کام آنا فرد واحد کے فائدہ اٹھانے سے زیادہ بہتر ہے۔ سردار نے کہا ٹھیک ہے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اب جلدی سے اپنے ساتھیوں کو لے آؤ اور دربان کو کہلا بھیجا کہ وہ ایلچی کو گزرنے دے۔ عمرو بن العاص رضی ادھر ادھر دیکھتے ہوئے احتیاط سے دربار سے باہر نکل آئے جب بچ کر آ گئے تو فرمایا میں تو اسی قسم کے حالات سے دوچار ہونے کیلئے تیار کیا گیا ہوں۔ اس کے بعد جب ایک موقعہ پر اس سردار نے آپ کو دیکھا تو اس نے پوچھا کیا آپ وہی ہیں۔ عمرو بن العاص رضی نے جواب دیا۔ جی ہاں آپکے دھوکے کے باوجود[۹۱]

سیدنا حسن بن علی رضی

حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالےٰ عنہما کی فراست کی ایک مثال یہ ہے کہ جب ابن ملجم خارجی نے حضرت حسن رضی سے کہا میرے نزدیک آیئے میں آپ کے کان میں ایک بات کہنا چاہتا ہوں حضرت حسن رضی نے انکار کر دیا اور فرمایا کیا تو میرا کان کاٹنا چاہتا ہے۔؟ ابن ملجم نے کہا اگر تم اپنا کان میرے نزدیک کر دیتے تو میں اسکو جڑ سے چبا لیتا۔

ابوالوفا ابن عقیل رحہ حضرت حسن رضی کی فراست کی داد دیتے ہوئے کہتے ہیں۔ اس سید کے حسنِ رائے کو دیکھئے اتنی بڑی مصیبت نازل ہوگئی ہے یعنی شہادت علی رضی جو ہوش و حواس کو زائل کر دینے والی ہے مگر انکی فطانت و ذھانت کی یہ حد ہے کہ اس مصیبت کے باوجود قائم ہے اور اس لعین کو دیکھو کہ اپنی گرفتاری پر بھی مزید جرم کرنے سے باز نہیں آیا۔

سیدنا حسین بن علی رضی

ان کے بھائی حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ کی فراست کا ایک واقعہ ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص نے ان پر کچھ مال کا دعویٰ کیا۔ حضرت حسین رضی نے فرمایا ٹھیک ہے۔ مدعی حلف اٹھالے تو مجھ سے مال لے لے مدعی قسم اٹھانے پر تیار ہو گیا اور کہنے لگا وَاللّٰہُ الَّذِیْ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا ھُوَ اس خدا کی قسم! جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ حضرت حسین رضی نے فرمایا ایسے نہیں بلکہ یوں کہو خدا کی قسم! خدا کی قسم! خدا کی قسم! اس سے میں نے اسقدر قرض لینا ہے۔ اس شخص نے ایسا ہی کیا لیکن جب وہ کھڑا ہوا تو اسکی ٹانگیں لڑکھڑانے لگیں اور وہیں پر گر کر مر گیا۔

حضرت حسین رضی سے پوچھا گیا کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا کہ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا ھُوَ کو بدل کر وَاللّٰہِ وَاللّٰہِ کہنے کیلئے فرمایا۔ حضرت حسین رضی نے فرمایا۔ میں نے یہ نہ چاہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرتا اور اللہ تعالےٰ اس ثنا کیوجہ سے اس کیساتھ حلم سے پیش آتا۔

---

۹۱ البدایۃ والنہایۃ علامہ ابن کثیر رحہ جلد ۷ صفحہ ... ابن کثیر رحہ کی تفصیلات قدرے مختلف ہیں۔ نیز انہوں نے اس سردار کا نام ارطبون لکھا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سیدنا عباس بن عبد المطلب رضؓ

یہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فراست کا وہ واقعہ ہے جو مجاہد رحؒ حضرت ابن عباس رضؓ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجلس میں تشریف فرما تھے کہ آپؐ کو بدبُو محسوس ہوئی۔ آپؐ نے فرمایا۔ جس شخص کی ہوا خارج ہوئی ہے اسے اُٹھ کر وضو کر لینا چاہیئے۔ وہ شخص شرم کے مارے باھر نہ آیا۔ آپ نے پھر فرمایا ایسے شخص کو وضو کر لینا چاہیئے اللہ تعالیٰ حق بیان کرنے سے نہیں شرماتا۔ حضرت عباس رضؓ نے اُٹھ کر عرض کی ہم سب ہی اٹھ کر کیوں نہ وضو کر لیں۔

اسیطرح کا ایک واقعہ امیر المومنین سیدنا عمر رضؓ کی مجلس میں بھی پیش آیا۔ حضرت شعبی رحؒ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضؓ ایک مجلس میں موجود تھے انکے پاس جریر بن عبد اللہ البجلی رضؓ بھی حاضر تھے حضرت عمرؓ کو بدبو محسوس ہوئی آپؓ نے فرمایا۔ میں چاہتا ہوں کہ جس شخص سے یہ ہوا خارج ہوئی ہے۔ وہ اٹھ کر وضو کر لے۔ حضرت جریر بولے یا امیر المومنین کیا یہ مناسب نہیں کہ ہم سب لوگ ہی وضو کر لیں۔ حضرت عمر رضؓ نے فرمایا اللہ آپؓ پر رحم کرے۔ آپؓ جاہلیت میں بھی ایک اچھے سردار تھے۔ اور اسلام میں بھی ایک اچھے سردار ہیں۔

عبد الملک بن مروان رحؒ

اہلِ فراست میں سے اول درجہ کی فراست جناب عبد الملک بن مروان رحؒ کی ہے۔ چنانچہ ایک دفعہ عبد الملک بن مروان نے حضرت شعبی رحؒ کو شاہِ رُوم کے پاس بھیجا۔ شاہ رُوم نے مسلمانوں کو شعبیؒ پر حسد دلانا چاہا۔ چنانچہ اس نے عبد الملک بن مروانؒ کو ایک لطیف رقعہ لکھا۔ جب عبد الملک نے یہ رقعہ پڑھا تو اس نے شعبیؒ سے کہا۔ آپ کو پتہ ہے اس نے رُقعہ میں کیا لکھا ہے۔ امام شعبیؒ نے فرمایا نہیں۔ عبد الملک بن مروانؒ نے کہا۔ اس نے لکھا ہے کہ میں حیران ہوں کہ آپ نے عربوں پر ایک غیر عرب کو کیوں کر سردار بنا دیا۔ جانتے ہو اس سے اسکی مراد کیا ہے؟ امام شعبیؒ نے فرمایا۔ میں نہیں جانتا۔ عبد الملکؒ نے کہا۔ وہ مجھے آپ پر حسد دلانا چاہتا تھا۔ تاکہ میں آپ کو قتل کر دوں۔ امام شعبیؒ نے فرمایا اے امیر المومنین اگر شاہ روم آپ کو دیکھ لیتا تو مجھے ہرگز وقعت نہ دیتا۔ جب یہ بات شاہ روم تک پہنچی تو اس نے کہا عبد الملک نے ٹھیک ٹھیک میرے دل کی بات بُوجھ لی۔

یہ بہترین فطانت و فراست ہے کہ آپ اپنے افسر اعلیٰ کی غلطی کو بھری مجلس میں ظاہر نہ کریں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

0 1927

ورنہ وہ اپنے وقار کیخاطر اس غلطی پر اصرار کریگا۔ اور یہ اسکی دوسری غلطی ہوگی۔ آپ کو اسے اسکی غلطی پر ایسے لطیف اشارے سے آگاہ کرنا چاہئے جسے اس کے سوا کوئی اور نہ سمجھ سکے۔

منصور عباسی رحمہ — ایک دفعہ خلیفہ منصور عباسی کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے شکایت کی کہ اس نے تجارت کے ذریعے مال کمایا تھا اور اسے اپنی بیوی کے پاس رکھا تھا لیکن اب وہ کہتی ہے کہ وہ مال گھر سے چوری ہو گیا ہے لیکن اسے کوئی نقب یا ایسی نشانی نہیں ملی ہے جو یہ ثابت کرے کہ مال واقعی چوری ہو گیا ہے۔ منصور نے پوچھا تو نے شادی کب کی تھی؟ اس نے جواب دیا ایک سال پیشتر منصور نے سوال کیا وہ کنواری تھی یا ثیبہ؟ اس شخص نے جواب دیا ثیبہ۔ منصور نے پوچھا کیا اس کا کوئی بیٹا ہے جو تمھارے علاوہ دوسرے شوہر کا ہو؟ اس نے جواب دیا نہیں۔ منصور نے اس کو عطر کی ایک شیشی منگوا کر دی جسکی خوشبو اپنی قسم کی بڑی عجیب اور منفرد خوشبو تھی اور اس سے کہا کہ وہ اس خوشبو کو استعمال کرے اس کی پریشانی اور غم دور ہو جائیں گے جب وہ شخص چلا گیا تو منصور نے چار قابل اعتماد آدمیوں کو متعین کیا کہ وہ چاروں دروازوں پر بیٹھ جائیں اور جس شخص سے اس عطر کی خوشبو آئے اسے پکڑ کرلے آئیں۔ منصور نے جس شخص کو خوشبو والی شیشی دی تھی اس نے گھر جاکر شیشی اپنی بیوی کو دیدی۔ بیوی نے جب وہ خوشبو سونگھی تو وہ شیشی اپنے آشنا کو بھجوا دی جس کو اس نے مال دیا تھا۔ اس آشنا نے اس میں سے خوشبو اپنے لباس پر لگائی اور شہر کے دروازے میں سے گزرنے لگا تو منصور کے مقرر کردہ آدمی نے خوشبو پہچان کر اسے پکڑ لیا اور منصور کے پاس لے آیا۔ منصور نے اس سے پوچھا تم نے یہ خوشبو کہاں سے لی ہے؟ وہ بوکھلا گیا اور ہکلانے لگا۔ منصور نے اسے پولیس افسر کے پاس بھجوا دیا اور حکم دیا کہ اگر وہ مال حاضر کردے تو اسے چھوڑ دیا جائے ورنہ اس کی پیٹھ پر ایک ہزار کوڑے لگائے جائیں اور جب اسکو کوڑے مارنے کیلئے ننگا کیا گیا تو اس نے فوراً اعتراف کرلیا۔ اور مال اسی حالت میں لاکر دے دیا۔ منصور نے مال کے مالک کو بلایا اور کہا اگر تو چاہے تو میں تجھے تیرا مال واپس کروا دیتا ہوں مگر مجھے تمہاری بیوی کے بارے میں فیصلہ کرنے دے۔ اس شخص نے جواب دیا مجھے منظور ہے۔ منصور نے کہا لے یہ ہے تیرا مال اور تیری بیوی کو طلاق ہے۔

خلیفہ مہدی عباسی رحمہ — ایک دفعہ شریک رحمہ خلیفہ مہدی کے پاس گئے۔ مہدی نے خادم سے کہا کہ وہ قاضی شریک کیلئے عود لے آئے۔ عود سے اس کی مراد خوشبو

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کھیلنے جلانے والا برادہ تھا۔ خادم بجانے والا عود (سارنگی) اٹھا لایا اور اس کو قاضی شریک کی گود میں رکھدیا۔ قاضی شریک نے بڑی حیرت سے پوچھا یہ کیا ہے۔؟ خلیفہ مہدی نے خادم کی اس غلطی کو بات بنا کر چھپا دیا اور جلدی سے کہا یہ سارنگی (عود) چوکیداروں کے افسر نے رات پکڑی تھی میں نے چاہا کہ آپ اسے توڑ دیں۔ قاضی شریک نے مہدی کیلئے دعا کی اور سارنگی توڑ دی

خلیفہ معتضد باللہ عباسیؒ

ایک دفعہ معتضد باللہ عباسی کاریگروں کا معائنہ کر رہا تھا اس نے ان کاریگروں میں سے ایک نہایت بدصورت کالا کلوٹا کاریگر دیکھا جو دل لگی باز تھا لیکن باقی تمام مزدوروں سے دگنا کام کر رہا تھا اور سیڑھی کے دو ڈنڈے ایک ہی بار چڑھ جاتا تھا۔ معتضد باللہ کو اسکی حرکات ناگوار سی معلوم ہوئیں۔ اس کو اپنے بلایا اور اس سے پوچھ گچھ کی تو وہ کچھ بوکھلا سا گیا اور ہکلانے لگا۔ معتضد باللہ نے مصاحبین سے پوچھا اس شخص کے بارے میں کیا رائے ہے؟ انہوں نے عرض کی یہ کوئی ایسا شخص تو ہے نہیں، جو آپ کی توجہ کے قابل ہو شاید اس شخص کا کوئی بال بچہ نہیں ہے محض بے فکرا ہے۔ معتضد نے کہا لیکن میں نے اس کے متعلق جو اندازہ لگایا ہے میرا خیال ہے وہ غلط نہیں ہوگا اس شخص کے پاس یا تو بہت سے دینار ہیں جو اسے کہیں سے ہاتھ لگ گئے ہیں یا یہ کوئی چور اچکا ہے اور اس کاریگری کے پیشے سے اپنے آپ کو چھپائے ہوئے ہے۔ اسے بلا لیا گیا اور ساتھ ہی جلاد کو بھی بلا لیا گیا۔ اس کو کوڑے مارے گئے اور قسم دلادی گئی کہ یا تو اصل بات ظاہر کردے ورنہ اس کی گردن ماردی جائے گی اس کاریگر نے عرض کی اگر مجھے امان دی جائے تو وہ سب کچھ سچ سچ کہدونگا۔ معتضد نے کہا تجھے امان ہے الا یہ کہ از روئے قانون شرع تجھ پر کچھ لازم ہو۔ کاریگر سمجھا کہ اسے امان مل گئی ہے۔ وہ کہنے لگا میں اینٹیں بنایا کرتا تھا وہاں سے ایک مسافر کا گذر ہوا جس کے پاس ایک بٹوا تھا جو اس نے کمر کے ساتھ باندھ رکھا تھا ایک جگہ بیٹھ کر اس نے پیٹی کھولی اور دینار نکال کر گننے لگا میں اسے ایسی جگہ سے دیکھ رہا تھا جہاں اسکی نظر مجھ پر نہ پڑسکتی تھی میں نے دیکھا کہ اس کے پاس بہت سے دینار ہیں میں نے حملہ کر کے اس کے ہاتھ جکڑ دیئے اور اس کا منہ باندھ دیا اور اس کے دینار چھین لئے اور اس کو کندھے پر اٹھا کر لے گیا اور بھٹی میں جھونک دیا۔ اور گارے سے اس کا منہ بند کر دیا جب جل کر راکھ ہو گیا تو اس کی ہڈیاں اٹھا کر دریائے دجلہ میں پھینک دیں۔

معتضد نے کسی آدمی کو بھیجا جو اس سیاہ فام شخص کے گھر سے دینار اٹھا لایا اس پٹی پر اس کے مالک کا نام لکھا ہوا تھا۔ جب شہر میں اس نام کی منادی کروائی گئی تو ایک عورت آئی اس نے کہا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ اس نام کا شخص تو میرا خاوند ہے اور یہ اسکا بیٹا ہے فلاں دن وہ اپنے گھر سے نکلا تھا۔ اس کے پاس ایک ہزار دینار تھے وہ ابھی تک لوٹ کر نہیں آیا۔ معتضد نے دینار اس عورت کے حوالے کر دیے اور اسے کہا کہ وہ اپنی عدت پوری کرے۔ اور حکم دیا کہ اس حبشی کو قتل کر کے اس کی لاش اسی بھٹی میں ڈال دی جائے۔

خلیفہ معتضد باللہ کی فراست کے متعلق عجیب وغریب باتیں منقول ہیں۔

ایک رات معتضد کی آنکھ کھلی تو اس نے کیا دیکھا کہ ایک غلام دوسرے غلام سے بدفعلی کر رہا ہے جو معتضد کو جاگتے دیکھ کر بھاگ کر دوسرے غلاموں میں چھپ گیا۔ معتضدؒ اسکو پہچان نہ سکا۔ معتضد غلاموں کے پاس آیا اور یکے بعد دیگرے ہر ایک کے سینے پر ہاتھ رکھ کر دیکھا سب کے دل پر سکون تھے اور اصل مجرم کا دل بڑے زور شور سے دھڑک رہا تھا۔ معتضد نے اس کو اپنے پاؤں سے ٹھوکر ماری۔ اور اس سے پوچھ گچھ کی۔ اس غلام نے اپنے جرم کا اقرار کر لیا۔ چنانچہ معتضدؒ نے اس کو قتل کرا دیا۔

اسیطرح ایک دفعہ معتضدؒ کے ساتھ ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ ایک ماہی گیر نے دریائے دجلہ میں اپنا جال پھینکا تو اسمیں ایک تھیلی پھنس گئی جس میں مہندی لگا نسوانی ہاتھ بند تھا۔ جب اسے معتضد کے سامنے پیش کیا گیا تو وہ دہل گیا۔ اس نے ماہی گیر کو حکم دیا کہ وہ اپنا جال ایک بار پھر اسی جگہ ڈالے اس نے پھر جال پھینکا تو اس میں دوسری تھیلی نکلی جس میں سے نسوانی پاؤں برآمد ہوا۔ معتضدؒ غم سے نڈھال ہو کر بولا۔ میرے ہوتے اس شہر میں ایسا شخص موجود ہے جو یہ سب کچھ کرتا ہے اور مجھے اسکا علم بھی نہیں؟ پھر معتضدؒ نے ایک معتمد مصاحب کو بلا کر اس کو وہ تھیلی دی اور کہا کہ وہ معلوم کرے کہ بغداد میں ایسی تھیلیاں بنانے والے کون ہیں پھر وہ اس تھیلی کو انکے پاس لے جائے اور ان میں اگر کوئی کاریگر اسکو پہچان لے تو اس سے یہ معلوم کرے کہ یہ تھیلی کون لے کر گیا تھا اور اس شخص کے متعلق تحقیقات کرے۔ وہ شخص تین روز تک غائب رہا اور پوچھ گچھ کرتا رہا جب وہ لوٹا تو اس نے معتضدؒ کو بتایا کہ اسکی تحقیقات کے نتیجہ میں یہ معلوم ہوا ہے کہ یہ تھیلی ایک ہاشمی لے کر گیا تھا اور اس نے ایسی دس تھیلیاں خریدی تھیں۔ کاریگر نے اس کے شر وفساد کی بھی شکایت کی تھی اُس نے مزید یہ بھی بتایا کہ یہ ہاشمی فلاں گلوکارہ کے عشق میں مبتلا ہے اور اس نے اسکو اغوا کر کے غائب کر دیا ہے۔ اس کے متعلق کسی کو کوئی خبر نہیں۔ یہ ہاشمی دعویٰ کرتا ہے کہ وہ بھاگ گئی ہے لیکن گلوکارہ کے پڑوسیوں کا خیال ہے کہ اس کو قتل کیا گیا ہے۔

اس ہاشمی کو اچانک چھاپہ مار کر گرفتار کر لیا گیا اور معتضدؒ کے سامنے پیش کیا گیا۔ کٹا ہوا ہاتھ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور پاؤں اسکے سامنے لایا گیا تو انہیں دیکھکر اسکا رنگ فق ہو گیا اس نے قتل کے جرم کا اقرار کر لیا معتضد نے اسکو حکم دیا کہ وہ گلوکارہ لونڈی کے مالک کو اسکی قیمت ادا کرے اور اس کو قید خانے میں بھجوا دیا جہاں سے وہ مر کر ہی نکلا۔

فراست کی ایک مثال

فراست و فطانت کی ایک مثال یہ ہے کہ ایک دفعہ خلیفہ ہارون الرشیدؒ نے خیزران کی لکڑی کا گٹھا پڑا ہوا دیکھا تو اپنے وزیر فضل بن ربیع سے پوچھا یہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا۔ امیر المومنین! یہ نیزوں کی لکڑی ہے۔ اور ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے خیزراں نہیں کہا کیونکہ ہارون الرشید کی ماں کا نام بھی خیزران تھا۔

اسی طرح ایک دفعہ کسی خلیفہ کے ہاتھ میں مسواک تھی۔ اس نے اپنے بیٹے سے پوچھا اس کی یعنی مسواک کی جمع کیا ہے؟ لڑکے نے مسواک کی جمع مساویک[1] کہنے کی بجائے کہا یا امیر المومنین مسواک کی جمع آپ کے محاسن کی ضد ہے۔

تکلم میں مناسب الفاظ کا استعمال

فراست کی یہ قسم وسیع اور کثیر الفوائد ہے۔ اکابر علماءؒ نے اسکی خاص توجیہ کی ہے۔ سنت میں اسکی بہت سی مثالیں ہیں اور یہی عقل و ذہانت کا بھی تقاضا ہے چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ رات کے وقت گشت کر رہے تھے کہ انہوں نے ایک خیمے میں آگ جلتی ہوئی دیکھی۔ آپ نے خیمے کے قریب رک کر پکارا یَا اَہْلَ الضَّوْءِ (اے روشنی والو) کہا۔ اور آپ نے یا اہل النار کہنا پسند نہ کیا۔ (کیونکہ اہل النار، اہل جہنم کیلئے استعمال ہوتا ہے)

نیز حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے کسی شخص سے پوچھا۔ کیا یہ کام ہو گیا ہے؟ اس نے جواب دیا۔ لَا، اَطَالَ اللّٰہُ بَقَاءَكَ یعنی نہیں ہوا اللہ آپ کی عمر دراز کرے لیکن اسطرح جواب دینے میں خرابی یہ تھی کہ اگر لا کو اَطَالَ اللّٰہُ کے ساتھ ملا کر پڑھیں تو مفہوم الٹ ہو جائیگا اور اسطرح اسکا معنیٰ ہوگا اللہ تعالےٰ آپ کی عمر دراز نہ کرے ـــ اس پر حضرت عمرؓ نے اس شخص کو ٹوکا اور کہا آپ لوگوں نے کچھ سیکھا تو ہے مگر پھر بھی کچھ نہیں سیکھا تم نے یوں کیوں نہ

---

[1] محاسنک کی ضد مساویك ہے۔ اور مساویک مسواک کی جمع بھی ہے۔ محاسنک کا معنی ہے، تیری خوبیاں اور مساویک کا معنی ہے تیری برائیاں۔ یہ مثال اس فراست کی ہے جسکا تعلق حسن الفاظ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہا لَا وَاَطَالَ اللّٰہُ بَقَاءَكَ (یعنی وٗ کے حرف کے ساتھ لَا اور اَطَالَ اللّٰہُ کے درمیان وقفہ کیوں نہیں دیا تاکہ غلط مضمون کا احتمال نہ ہوتا۔)

اسی طرح حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے پوچھا گیا۔ کہ آپ بڑے ہیں یا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟ انہوں نے جواب دیا بزرگی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو حاصل ہے البتہ میں ان سے پہلے پیدا ہوا ہوں — یعنی — هُوَ اَكْبَرُ مِنِّي وَاَنَا وُلِدْتُّ قَبْلَهٗ۔

ایسا ہی سوال قباث بن اشیم رضی اللہ عنہ سے بھی کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا۔ "رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مجھ سے بڑے ہیں مگر میری عمر اُن سے زیادہ ہے۔"

کسی قاضی کے ایک مصاحب نابینا تھے جب کبھی ان مصاحب کو کہیں جانا ہوتا تو قاضی صاحب اپنے غلام کو پکار کر کہتے اے غلام! ذرا ابو محمد کے ساتھ جانا اور یوں نہ کہتے ان کا ہاتھ پکڑ کر لے جاؤ — خدا کی قسم! قاضی صاحب نے اپنی اس شائستگی میں کبھی ایک بار بھی کوتاہی نہیں کی۔

اس سلسلہ کی لطیف ترین بات یہ ہے کہ کسی خلیفہ نے ایک شخص سے اسکا نام پوچھا۔ اس نے جواب دیا سعد یا امیر المومنین (یعنی خوش قسمت) خلیفہ نے پوچھا اَيُّ السُّعُوْدِ اَنْتَ تم میں کونسی سعادت ہے؟ اس نے جواب میں کہا۔ سَعْدُ السُّعُوْدِ لَكَ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَسَعْدُ الذَّابِحِ لِاَعْدَائِكَ وَسَعْدُ بَلَعَ عَلٰى سِمَاطِكَ وَسَعْدُ الْاَخْبِيَةِ لِسِرِّكَ ("یعنی اے امیر المومنین! میں آپ کیلئے نیک بختی کا ستارہ، آپ کے دشمنوں کیلئے سعد ذابح (منحوس ستارہ) مجھے آپ کے دسترخوان پر پلنے کی سعادت اور آپ کا راز دار ہونے کی سعادت حاصل ہے۔") اس جواب سے خلیفہ حیران رہ گیا۔

معن بن زائدہ رحمہ[1] کا قصہ بھی اسی طرح کا ہے۔ معن بن زائدہ ایک دفعہ خلیفہ منصور کے دربار میں حاضر ہوا۔ وہ ہولے ہولے قدم اٹھا رہا تھا منصور نے اس سے کہا۔ اے معن تم بوڑھے ہوگئے ہو۔" معن نے جواب دیا ھاں امیر المومنین! آپ کی اطاعت میں۔

---

[1] معن بن زائدہ کا شمار اہل جود و سخا میں ہوتا ہے بہت دانا شخص تھا۔ بنی امیہ کا زبردست حامی تھا۔ بنی امیہ کے زوال کے بعد خلیفہ منصور عباسی نے اسکو امان دیدی اور اسے خراسان کا گورنر بنا دیا ۱۶۹ھ میں خوارج نے اسے قتل کر دیا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

منصور نے کہا مگر ابھی تک قوی ہو۔ معن برجستہ بولا جی ہاں! آپ کے دشمنوں کے مقابلے میں منصور نے کہا اب بھی تم میں خوش مذاقی باقی ہے۔ معن نے جواب دیا یہ سب کچھ آپ کیلئے ہے

دراصل تکلم میں مناسب الفاظ کے استعمال کی بنیاد اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔ وَقُل لِّعِبَادِي يَقُولُوا الَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَنزَغُ بَيْنَهُمْ اور میرے بندوں سے کہہ دیجئے کہ وہ خوش کلامی سے کام لیں کیونکہ شیطان لوگوں کے درمیان عداوت ڈالنا چاہتا ہے ۔ بسا اوقات بدکلامی سے جنگ کی آگ بھڑک اٹھتی ہے۔ اور لاشیں اور کھوپڑیاں اسکا ایندھن بن جاتی ہیں۔ بدکلامی ہی ایسی جنگوں کا باعث بنتی ہے۔

بخاری و مسلم میں حضرت سہل بن حنیف رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ تم میں سے کوئی شخص ہرگز یوں نہ کہے خَبُثَتْ نَفْسِي یعنی میرے نفس نے مجھے برائی میں ڈالا) بلکہ یوں کہے لَقِسَتْ نَفْسِي یعنی میرے نفس نے مجھے اس پر مائل کر ڈالا) واضح ہو کہ الفاظ کا مقصد ایک ہی ہے۔ (نفس کا برائی میں ڈالنا' یا مائل کرنا یا اصرار کرنا سب کا مقصد ایک ہے:) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ خبثت کو اسکی بشاعت قباحت (ناگوار ہونے) کے باعث پسند نہ فرمایا۔ اور اس سے بہتر لفظ استعمال کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ اگرچہ مقصد سب کا ایک ہی ہے تاکہ بات چیت میں ادب ملحوظ رہے۔ آپ نے صحابہ کرام رض کو جہاں حسن خلق و عمل کی ہدایت فرمائی ہے وہاں پر دوران کلام اچھے الفاظ استعمال کرنے اور برے الفاظ سے اجتناب کرنے کیلئے بھی ارشاد فرمایا ہے[1]

احمد بن طولونؒ کا واقعہ ابن طولونؒ کی فراست و ذہانت کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ وہ تفریحاً ایک مجلس میں بیٹھا ہوا تھا کہ نہایت بوسیدہ کپڑوں میں ایک سائل آگیا۔ ابن طولونؒ نے ایک روٹی پر بھنا ہوا چوزہ اور حلوا رکھوا کر اپنے غلام کے ذریعے اسے بھجوایا۔ مرغ اور حلوا اس کے ہاتھ پر رکھا گیا تو اس نے ذرہ برابر رغبت کا اظہار نہ کیا۔ احمد بن طولونؒ نے غلام کو حکم دیا کہ سائل کو اس کے سامنے لایا جائے۔ جب وہ فقیر' احمد کے سامنے پیش ہوا تو اس نے اس کی باتوں کا نہایت خوش اسلوبی سے جواب دیا اور ذرہ برابر بھی نہ تو مرعوب ہوا اور نہ ہی گھبرایا۔ احمدؒ نے کہا تیرے پاس جو تحریر ہے وہ پیش کر' اور

---

[1] صحیح بخاری مع شرحہ جلد ۱ ص ۵۶۲ [2] احمد بن طولونؒ، دولتِ طولونیہ کا مؤسس ہے۔ خلیفہ متعین کی طرف سے مصر کا والی رہا ہے ۲۷۰ھ میں وفات پائی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سچ کہہ کہ تجھے کس نے بھیجا ہے ؟ مجھے معلوم ہے تو جاسوس ہے۔ اور ساتھ ہی احمد بن طولونؒ نے جلاد کو طلب کر لیا۔ جلاد کو دیکھ کر اُس نے اپنے جاسوس ہونے کا اعتراف کر لیا۔ احمد بن طولونؒ کے مصاحبوں میں سے کسی نے کہا خدا کی قسم ! یہ تو جادو ہے۔ ابن طولونؒ نے جواب دیا نہیں یہ جادو نہیں بلکہ سچے معنوں میں سوجھ بوجھ ہے۔ میں نے اسکو نہایت بُرے حال میں دیکھا اور اس کو کھانا بھجوا دیا اور کھانا بھی ایسا کہ ایک پیٹ بھرا آدمی بھی اس پر ٹوٹ پڑے لیکن اس آدمی نے کھانے کی طرف دیکھا تک نہیں اور نہ ہی اس کیطرف ہاتھ بڑھایا۔ میں نے جب اس کا یہ بُرا حال اور ساتھ ہی جرأت دیکھی تو اندازہ کر لیا کہ یہ کوئی جاسوس ہے اور وہ واقعی جاسوس نکلا۔

احمد بن طولونؒ نے ایک روز ایک مزدور کو دیکھا جو ایک ٹوکرا اٹھائے لڑکھڑا رہا تھا۔ ابن طولونؒ نے کہا اگر یہ لڑکھڑاہٹ بوجھ کے سبب سے ہوتی تو اسکی گردن ڈھلتی ہوئی ہوتی لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ اسکی گردن تنی ہوئی ہے۔ میرا خیال ہے کہ لڑکھڑاہٹ کی یہ کیفیت تو کسی خوف ہی کی وجہ سے ہو سکتی ہے۔ احمد بن طولونؒ کے حکم سے اس مزدور کے بلوا کر ٹوکرا اتروا کر دیکھا گیا تو اس کے اندر ایک لڑکی کی لاش ملی جس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے تھے احمد بن طولونؒ نے اس مزدور سے کہا مجھے سچ سچ بتا کیا معاملہ ہے ؟ اس نے جواب دیا فلاں گھر کے چار آدمیوں نے یہ دینار دیئے ہیں تاکہ میں یہ لاش اٹھا کر لے جاؤں۔ احمد بن طولونؒ نے اس مزدور کو کوڑے لگوائے اور ان چاروں آدمیوں کو بلا کر قتل کروا دیا۔

احمد بن طولونؒ کی عادت تھی کہ وہ بھیس بدل کر شہر میں گھوما کرتا تھا۔ اور مساجد کے ائمہ کی قراءت سُنتا تھا۔ ایک دن اس نے اپنے معتمد خاص کو بلا کر کہا۔ دیناروں کی یہ تھیلی فلاں امام مسجد کو دے آؤ کیونکہ وہ حاجتمند اور ذہنی طور پر پریشان ہے۔ وہ شخص دینار لے کر گیا اور امام مسجد کے ساتھ بیٹھ کر بے تکلفی سے باتیں کیں تو معلوم ہوا کہ واقعی اس شخص کی بیوی دردِ زہ میں مبتلا ہے اور امام مسجد کا ہاتھ خالی ہے۔ اس معتمد کا کہنا ہے کہ احمد بن طولونؒ نے امام مسجد کی قراءت میں کثرتِ اغلاط سے امام مسجد کی ذہنی پریشانی کو بھانپ لیا تھا۔

خلیفہ مکتفی باللہ

اسیطرح خلیفہ مکتفی باللہؒ کے زمانے میں چوروں نے ایک بڑی واردات کی۔ مکتفی باللہؒ نے پولیس افسر کو حکم دیا کہ وہ چوری ہر صورت میں برآمد کرے۔ ورنہ چوری کا تمام تاوان اسی پر ڈال دیا جائیگا۔ چنانچہ پولیس افسر اکیلا چوروں کی ٹوہ میں اِدھر اُدھر گھومتا رہتا۔ ایک روز وہ شہر کے کسی حصے میں ایک غیر آباد گلی میں سے گزر رہا تھا۔ ایک گھر کے سامنے ایک بڑی مچھلی کے بہت سے کانٹے اور ہڈیاں دیکھیں اس نے ایک

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شخص سے دریافت کیا یہ مچھلی جس کے کانٹے اور ھڈیاں پڑی ہوئی ہیں اس کی کیا قیمت ہوگی؟ اس شخص نے جواب دیا اس مچھلی کی قیمت ایک دینار ہوگی۔ پولیس افسر نے کہا اس گلی کے رہنے والے جن کی غربت اور محتاجی عیاں ہے۔ اور یہ گلی ہے بھی بستی سے الگ تھلگ صحرا کی جانب واقع۔ یعنی بستی دریا کے قریب نہیں ہے) یہ لوگ اتنی بڑی مچھلی خریدنے کے متحمل نہیں ہوسکتے اور یہاں وہ شخص نہیں رہ سکتا جس کے پاس کوئی قیمتی چیز یا بہت سا مال ہو جس سے وہ اسقدر خرچ کرسکے۔ یہ تو کوئی راز ہے۔ اور اس کو حل کرنا بہت ضروری ہے اس شخص نے کہا یہ تو بہت مشکل ہے اور اسکا پتہ لگانا بہت دشوار ہے۔ پولیس افسر نے کہا بہر حال مجھے اس ڈیوڑھی سے کسی عورت کو بلوادو۔ اس پولیس افسر نے جس دروازے کے سامنے ھڈیاں پڑی ہوئی تھیں اسے چھوڑ کر دوسرے دروازے پر دستک دی اور پانی مانگا۔ ایک بڑھیا باھر نکلی وہ پانی پیتا۔ اور پھر مانگ لیتا۔ اس نے کئی بار ایسا ہی کیا اور اس دوران وہ اس حویلی اور اس کے مکینوں کے بارے میں سوال کرتا رہا اور بڑھیا انجام سے بے خبر اس کی تمام باتوں کا جواب دیتی رہی۔ آخر پولیس افسر نے اس دروازے کی طرف جس کے سامنے مچھلی کی ھڈیاں پڑی ہوئی تھیں اشارہ کرکے پوچھا اس گھر میں کون رھتا ہے؟ تب بڑھیا نے بتایا۔ اس گھر میں پانچ نوخیز جوان رہتے ہیں جو بظاہر تو تاجر معلوم ہوتے ہیں تقریباً ایک ماہ سے یہاں رہائش پذیر ہیں۔ اس عرصے میں ہم نے انکو شاذونادر ہی دن کے وقت باھر نکلتے دیکھا ہے۔ البتہ دن میں انکا ایک آدمی حوائج ضروریہ کیلئے باھر نکلتا ہے پھر جلدی واپس آجاتا ہے۔ تمام دن اکٹھے کھاتے پیتے اور شطرنج یا چوپڑ کھیلتے رہتے ہیں۔ خدمت کیلئے انہوں نے ایک لڑکا نوکر رکھا ہوا ہے۔ جو کام کاج کرتا رھتا ہے۔ جب رات ہوتی ہے تو یہ کرخ میں واقع اپنے گھر میں چلے جاتے ہیں۔ اور اس لڑکے کو اس گھر کی دیکھ بھال اور حفاظت کیلئے چھوڑ جاتے ہیں۔ رات کے پچھلے پہر ہمارے سونے کے دوران ہی واپس لوٹتے ہیں جن کی ہمیں خبر نہیں ہوتی۔ پولیس افسر نے اس سے پوچھا کیا یہ تمام نشانیاں چوروں کی نہیں ہیں؟ اس نے جواب دیا۔ ھاں پولیس افسر نے فوراً پولیس کے دس سپاہیوں کو بلایا اور ان کو ارد گرد پڑوسیوں کی چھتوں پر چھپا دیا اور اس نے خود دروازے پر دستک دی۔ لڑکے نے آکر دروازہ کھولا اور پولیس فوراً اس کے ساتھ اندر داخل ہوگئی۔ پورا گروہ گرفتار کرلیا۔

تحقیقات پر معلوم ہوا۔ کہ اصل واردات کرنے والے یہی لوگ تھے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسی طرح ایک اور حاکم نے سردیوں کی سخت سرد رات میں ایک مکان سے ٹھنڈا پانی مانگنے کی آواز سُنی۔ اس نے اس گھر کی تلاشی کا حکم دیا۔ اس گھر سے ایک عورت اور ایک مرد برآمد ہوئے۔ (ان کے درمیان آشنائی تھی) جب اس حاکم سے پوچھا گیا کہ اسے اس بات کا کیسے علم ہو گیا۔ تو اس نے جواب دیا۔ سردیوں میں ٹھنڈا پانی نہیں پیا جاتا۔ بلکہ یہ لفظ ان دونوں کی ملاقات کرنے کا اشارہ تھا۔

ایک حاکم کے سامنے دو شخص پیش کئے گئے۔ جن پر چوری کا الزام تھا۔ حاکم نے پانی کا کوزہ منگوایا اور اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اور پھر دوران گفتگو اچانک اور دانستہ اسے گرا دیا۔ کوزہ دھماکے سے ٹوٹ گیا۔ ان دونوں ملزموں میں سے ایک اس اچانک آواز سے ڈر سا گیا۔ اور دوسرے شخص پر کوئی اثر نہ ہوا۔ حاکم نے پہلے شخص کو چھوڑ دیا۔ اور دوسرے سے چوری برآمد کروا دی۔

حاکم سے سوال کیا گیا کہ اس کو حقیقتِ حال کا کیسے علم ہوا۔؟ تو اس نے جواب دیا۔ کہ چور مضبوط دل کا مالک ہوتا ہے۔ یوں ہی نہیں ڈر جاتا۔ اور شریف آدمی جس نے کبھی چوری نہیں کی۔ گھر میں اچانک چوہا بھی نکل آئے تو ڈر جاتا ہے۔ وہ چوری کیوں کر کر سکتا ہے؟

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت علیؓ کے بےنظیر فیصلے

سیدنا علیؓ دنیا کے ذہین ترین جج

فراست و علامات کی مدد سے فیصلہ کرنے کی یہ ایک بہترین مثال ہے

محمد بن عبیداللہ بن ابی رافع، اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔ کہ ایک انصاری نوجوان نے امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر شکایت کی کہ اس کی ماں نے اس کو بیٹا تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے نوجوان سے اس دعویٰ کے ثبوت میں دلیل طلب کی تو وہ کوئی دلیل پیش نہ کر سکا۔ مدعا علیہ عورت اپنی شہادت کیلئے ایک پوری جماعت لے آئی۔ ان لوگوں نے آکر شہادت دی کہ اس عورت نے شادی ہی نہیں کی۔ لڑکا جھوٹ بولتا ہے۔ اور یہ اس عورت پر بہتان ہے۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا۔ کہ اس لڑکے کو کوڑے لگائے جائیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عمرؓ سے ملے اور اس مقدمے کے متعلق استفسار کیا۔ حضرت عمرؓ نے مقدمہ انکے سامنے رکھ دیا۔ حضرت علیؓ نے فریقین کو طلب کر لیا۔ اور مسجد نبوی میں بیٹھ گئے۔ عورت سے پوچھا تو اس نے اسے بیٹا تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ لڑکے نے کہا اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی! یہ میری ماں ہے۔ میں کیسے انکار کر سکتا ہوں؟ حضرت علیؓ نے کہا تم انکار کر دو۔ میں تمہارا باپ ہوں۔ حسنؓ اور حسینؓ تمہارے بھائی ہیں۔ نوجوان نے کہا میں اسکو ماں تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہوں۔ حضرت علی رضؓ نے عورت کے اولیاء کیطرف متوجہ ہو کر کہا کیا میں اس عورت کے بارے میں جو فیصلہ کروں وہ منظور ہے؟ انہوں نے جواب دیا۔ جی ہاں بالکل ٹھیک ہے۔ اس کے اور ہمارے حق میں بھی ٹھیک ہے۔ حضرت علی رضؓ نے کہا میں تمام حاضرین مجلس کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں اس عورت کا اس لڑکے سے نکاح کرتا ہوں اے قنبر جاؤ ذرا درہموں والی پوٹلی تو لے آؤ۔ قنبر تھیلی لے آیا۔ آپؓ نے چار سو اسی ۴۸۰ درہم گن کر عورت کو مہر کے طور پر دیدیے اور لڑکے سے کہا۔ اپنی بیوی کا ہاتھ پکڑو اور ہمارے پاس اسوقت تک نہ آنا جب تک تم پر شادی شدہ ہونے کے آثار نہ ہوں۔ جب نوجوان چلا گیا تو اس عورت نے کہا۔ اللہ! اللہ! اے ابوالحسن یہ تو آگ ہے۔ یہ میرا بیٹا ہے۔ حضرت علیؓ نے پوچھا وہ کیسے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس عورت نے جواب دیا ۔ اس لڑکے کا باپ ایک حبشی تھا ۔ میرے بھائیوں نے اس سے میرا نکاح کر دیا تھا ۔ اور جب مجھے اسکا حمل ٹھہر گیا ۔ میرا خاوند جہاد پر گیا ۔ اور وہیں شہادت پائی میں نے اس لڑکے کی پیدائش پر اسکو فلاں قبیلے میں پرورش کے لئے بھیج دیا ۔ اس نے وہیں پرورش پائی ۔ اس کو بیٹا تسلیم کرتے ہوئے عار محسوس ہوتی ہے ۔ حضرت علیؓ نے فرمایا ۔ میں بھی ابوالحسن ہوں ۔ انہوں نے لڑکے کو اس کی ماں کے ساتھ کر دیا ۔ اور اسکا نسب نامہ ثابت کر دیا ۔

اسی طرح حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ ایک شخص سے پوچھا کیا حال ہے؟ اس نے جواب دیا میں تو ایسے لوگوں میں سے ہوں جو فتنہ پسند کرتے ہیں بغیر دیکھے شہادت دیتے ہیں ۔ اور حق کو ناپسند کرتے ہیں ۔ حضرت عمرؓ نے اس کو قید کرنے کا حکم دیدیا ۔ حضرت علیؓ نے کہا کہ اس کو واپس لاؤ اور فرمایا ۔ وہ تو کلمۂ حق کہہ رہا ہے ۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا ۔ آپ کیونکر اس کی تصدیق کرتے ہیں حضرت علیؓ نے جواب دیا ۔ یہ شخص اپنی اولاد اور مال سے محبت کرتا ہے ۔ اور اولاد اور مال کے متعلق اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ یعنی تمھارے مال اور تمھاری اولاد فتنہ ہیں یہ موت کو ناپسند کرتا ہے حالانکہ موت برحق ہے ۔ اور اسکا آنا یقینی ہے ۔ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے کی گواہی دیتا ہے درانحالیکہ اس نے آپکو نہیں دیکھا ۔ یہ سنکر سیدنا عمرؓ نے اسکو چھوڑ دینے کا حکم صادر کیا اور فرمایا اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ یعنی اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کس پر وہ بار رسالت ڈالتا ہے

اسی طرح اصبغ بن نباتہؒ [1] روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص حضرت علیؓ کی مجلس میں حاضر ہوا ۔ حضرت علیؓ کے ارد گرد لوگ بیٹھے ہوئے تھے ۔ وہ حضرت علیؓ کے سامنے آکر بیٹھ گیا پھر لوگوں کیطرف متوجہ ہو کر بولا ۔ اے لوگو آنیوالا حیران اور سوال کرنیوالا خائف ہے اور اس خوف وھراس کا سبب ناواقفیت اور غفلت ہے پس اگر اس کا سبب غفلت ہے تو یہ ایک قدرتی امر ہے ۔ اور اس سے عہدہ برآ ہونے میں میری مدد کیجئے ۔ اور مجھے ان بدترین چوپایوں میں شمار نہ کیجئے جو عقل سے کام نہیں لیتے ۔ حضرت علیؓ نے تبسم فرمایا ۔ اور آپ

---

[1] اصبغ بن نباتہ حنظلی تمام طور پر حضرت علیؓ اور حضرت عمارؓ سے روایت کرتے ہیں مگر یحییٰ بن معینؒ کہتے ہیں کہ وہ غیر ثقہ ہے ۔ امام نسائیؒ اور ابن حبانؒ کے مطابق متروک ہے ۔ اسیطرح دوسرے محدثینؒ بھی اسکو کذاب ضعیف اور غیر ثقہ قرار دیتے ہیں ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو اسکی یہ بات بہت اچھی لگی۔ پھر وہ شخص حضرت علیؓ سے عرض کرنے لگا۔ اے امیرالمومنین! مجھے جنگل میں ایک غیر آباد جگہ سے ڈیڑھ ھزار درہم پڑے ہوئے ملے ھیں ان کا کیا کروں کیا یہ میرا مال ہے؟ سیدنا علیؓ نے فرمایا اگر تجھے یہ درہم کسی ایسی غیر آباد جگہ سے ملے ھیں جس کا خراج اس کے ساتھ والی قریبی بستی دیتی ہے تو ان درہموں پر ان بستی والوں کا حق ہے۔ اور اگر تجھے کسی ایسی غیر آباد جگہ سے دستیاب ہوئے ہیں جس کا کوئی خراج ادا نہیں کرتا تو اسکے پانچ حصے کرو۔ اور خمس (پانچواں حصہ) ہمیں ادا کرو۔ اس نے عرض کی مجھے یہ ایسی جگہ سے ملے ہیں جس کے آس پاس کوئی انسانی آبادی نہیں ہے۔ لیجئے اس کا پانچواں حصہ وصول کیجئے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا میں یہ بھی تجھے عطا کرتا ہوں۔ [1]

حضرت عمرؓ کے سامنے ایک سیاہ فام مرد کو پیش کیا گیا۔ اس کے ساتھ ایک سیاہ فام عورت تھی جو اسکی بیوی تھی۔ اس سیاہ فام شخص نے عرض کی۔ اے امیرالمومنین! میں سیاہ بیج بوتا ہوں۔ یہ میری بیوی بھی سیاہ فام ہے جیسا کہ آپ دیکھ رہے ھیں لیکن اس نے سرخ رنگ کا بچہ جنا ہے۔ عورت بولی اے امیرالمومنین! خدا کی قسم! میں نے اس کے ساتھ ذرہ بھر بھی خیانت نہیں کی۔ یہ اسی کا بیٹا ہے۔ حضرت عمرؓ حیران رہ گئے کہ وہ کیا فیصلہ دیں۔ چنانچہ آپ نے حضرت علیؓ سے پوچھا۔ انہوں نے کہا بچہ اسی آدمی کا ہے۔ پھر حضرت علیؓ اس شخص کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اگر میں تجھسے کچھ پوچھوں تو کیا تو سچ سچ بتائیگا؟ اس نے جواب دیا خدا کی قسم! میں ٹھیک ٹھیک جواب دونگا۔ حضرت علیؓ نے پوچھا۔ کیا تو نے ایام حیض میں اپنی بیوی سے ہمبستری کی تھی؟ اس نے جواب دیا ہاں آپ نے ٹھیک فرمایا ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ اللہ اکبر! نطفہ جب خون کیساتھ مل جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس سے بچہ پیدا فرماتا ہے۔ تو اسکا رنگ سرخ ہوتا ہے۔ تو اس بچے کو اپنا بیٹا تسلیم کرنے سے انکار نہ کر۔ تو نے اپنے آپ پر خود زیادتی کی ہے۔

حضرت جعفر بن محمدؒ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے پاس ایک ایسی عورت لائی گئی جو ایک انصاری نوجوان کے عشق میں مبتلا تھی۔ جب اس نوجوان نے اسکی محبت کا جواب نہ دیا۔ تو اس عورت نے انتقام لینے کی ٹھانی۔ چنانچہ اس نے ایک انڈا لے کر اسکی زردی گرادی اور انڈے کی سفیدی اپنے کپڑوں اور رانوں کے درمیان مل لی پھر واویلا مچاتی

---

[1] کتاب الاموال۔ ابو عبید قاسم بن سلامؒ۔ اردو ترجمہ۔ ادارہ تحقیقات اسلامی جلد ۱ ص ۵۲۵ بروایت امام شعبیؒ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوئی حضرت عمرؓ کے پاس آئی اور کہا اس شخص نے میرے ساتھ زیادتی کی ہے۔ اور مجھے اور میرے خاندان کو رسوا کردیا ہے۔ اور یہ اسکی کارستانیوں کا اثر ہے۔ حضرت عمرؓ نے عورتوں سے تفتیش کروائی۔ انہوں نے گواہی دی کہ عورت کے کپڑوں اور رانوں پر مادہ تولید کے نشانات ہیں۔ اسپر حضرت عمرؓ نے اس نوجوان کو سزا دینے کا فیصلہ کیا۔ اس نوجوان نے کہا۔ "اے امیر المومنین! میرے معاملے کی تحقیق فرمائیے۔ خدا کی قسم! میں اس بدکاری کا مرتکب نہیں ہوا ہوں اور نہ میں نے کبھی ایسا ارادہ کیا ہے۔ بلکہ اس کے برعکس اس عورت نے مجھ پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کی تھی مگر میں نے خود کو اس سے بچائے رکھا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ سے پوچھا اے ابوالحسنؓ! ان دونوں کے معاملے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ حضرت علیؓ نے ان آلودہ کپڑوں کا معائنہ کیا پھر آپؓ نے ابلتا ہوا پانی منگوایا اور اسکو آلودہ کپڑے پر ڈال دیا تو سفیدی فوراً جم گئی۔ پھر آپؓ نے اس سفیدی کو اتروا کر سونگھا اور چکھا۔ تو واضح ہو گیا کہ یہ انڈے کی سفیدی ہے۔ آپؓ نے اس عورت کو دھمکایا تو اس نے اعتراف کرلیا۔

علامہ خرقی رحؒ امام احمد بن حنبل رحؒ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک عورت اگر اپنے خاوند کے نامرد ہونے کا دعوٰے کرے اور خاوند اس کے دعوے کا انکار کرے۔ اور وہ عورت ثیبّہ ہو، تو دونوں کو ایک مکان میں تخلیہ کا موقع فراہم کیا جائے اور خاوند سے کہا جائے کہ وہ کسی شئے پر اپنا مادہ تولید گرادے۔ اب بھی اگر بیوی اس کے مادۂ تولید ہونے سے انکار کردے تو اس کو آگ پر گرم کیا جائے۔ اگر وہ پگھل جائے تو سمجھ لیا جائے کہ وہ مادہ تولید ہے۔ اور عورت کا دعوٰی باطل ہے۔ یہی مسلک عطاء ابن رباح رحؒ کا ہے۔ [1]

یہ امارات اور علامات کے ذریعے فیصلے کی مثال ہے۔ کیونکہ مادّہ منویہ کو اگر گرم کیا جائے تو پگھل کر مضمحل ہو جاتا ہے۔ اور انڈے کی سفیدی جم جاتی اور خشک ہو جاتی ہے۔ اگر خاوند کہے کہ میں اپنا مادہ تولید خارج نہیں کرسکتا تو عورت کی بات کا اعتبار کرنا ہوگا۔ [2]

اسی قسم کا ایک اور واقعہ ہے۔ ایک قاضیؒ کے پاس میاں بیوی ایک عجیب جھگڑا لیکر گئے۔ ان دونوں کو ایک دوسرے سے یہ شکایت تھی کہ مباشرت کیوقت پاخانہ خارج ہو جاتا ہے۔ قاضیؒ نے حکم دیا کہ ایک کو شلجم کھلائے جائیں اور دوسرے کو لکڑی۔ اس طریقے سے قاضیؒ نے صاحب عیب کو پکڑ لیا۔

---

[1] المغنی۔ ابن قدامہ جلد ۷ ص ۱۳۲ [2] المغنی جلد ۷ ص ۱۳۳

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اصبغ بن نباتہ روایت کرتے ہیں کہ ایک نوجوان نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس چند آدمیوں کے خلاف شکایت کی کہ ان لوگوں کے ساتھ میرا باپ ایک سفر پر روانہ ہوا تھا۔ یہ تو واپس آ گئے ہیں مگر میرا باپ نہیں لوٹا میں نے ان سے اپنے باپ کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا کہ وہ مر گیا ہے۔ میں نے جب اپنے باپ کے مال و متاع کے متعلق استفسار کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ اس نے کچھ نہیں چھوڑا۔ حالانکہ میرے باپ کے پاس بہت سا مال تھا ہم نے مقدمہ قاضی شریحؒ کی عدالت میں پیش کیا تو انہوں نے ان حضرات سے قسم لے کر ان کو چھوڑ دیا۔ حضرت علیؓ نے ان تمام اشخاص پر پولیس کے دو دو آدمی متعین کر دیئے۔ اور یہ حکم دیا کہ نہ تو انہیں آپس میں ملنے دیا جائے اور نہ بات کرنے دی جائے پھر آپ نے ان میں سے ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ طلب کیا اور پوچھا مجھے اس نوجوان کے باپ کے متعلق بتاؤ کہ وہ کہاں ہے اور کس روز وہ تمہارے ساتھ سفر پر روانہ ہوا تھا؟ کون کون سی جگہ تم ٹھہرے تھے؟ کس ذریعے سے تم نے سفر کیا تھا؟ نوجوان کا باپ کس بیماری سے مرا تھا؟ اس کا مال کہاں گیا؟ کس نے نماز جنازہ پڑھائی؟ اور اسے کہاں دفن کیا گیا؟ وغیرہ۔ ساتھ ہی ساتھ حضرت علی رضؓ کا منشی ان کا بیان قلمبند کرتا جا رہا تھا۔ حضرت علیؓ اور حاضرین اللہ اکبر پکار رہے تھے۔ دوسری طرف ملزمان کا یہ حال تھا کہ وہ ایک دوسرے کے بیان سے بالکل بے خبر تھے۔ اور یہی سمجھ رہے تھے کہ ان کے دوسرے ساتھیوں نے اقرار جرم کر لیا ہے جب یکے بعد دیگرے سب آدمیوں کے بیانات قلمبند ہو گئے تو معلوم ہوا کہ وہ ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں پھر آپؓ نے پہلے شخص سے بلا کر پوچھا اے خدا کے دشمن! مجھے تیرے کذب و افتراء کا علم ہو گیا ہے جیسا کہ خود تیرے ساتھیوں نے مجھے سب کچھ بتا دیا ہے۔ اب سچ سچ بتا دینا ہی تجھے سزا سے بچا سکتا ہے۔ پھر آپؓ نے اسے جیل بھجوا دیا۔ جب تمام ملزموں نے یہ صورت حال دیکھی تو انکو اپنے ساتھی کے اقرار جرم میں کوئی شک نہ رہا حضرت علی رضؓ نے جب دوسرے ملزم کو بلا کر یہی دھمکی دی۔ تو اس نے تمام راز اگل دیا۔ اور کہنے لگا اے امیر المومنین! ان کا فعل میرے لئے ناپسندیدہ تھا۔ لیکن اس میں میری مرضی کو قطعی کوئی دخل نہ تھا۔ اس طرح فرداً فرداً سب نے اقرار جرم کر لیا۔ حضرت علیؓ نے انپر مال کا تاوان ڈال دیا۔ اور مقتول کا ان سے قصاص لیا گیا۔

ایک جج کے پاس ایک آدمی کو لایا گیا جس نے ایک دوسرے آدمی کے سر پر ضرب لگائی تھی۔ مضروب کا دعوٰی تھا کہ اس ضرب کی وجہ سے اس کی بینائی اور قوت شامہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زائل ہوگئی ہے۔ جج نے حکم دیا کہ اس کی بینائی اور قوت شامہ کا امتحان لیا جائے۔ اور وہ اس طرح کہ یہ شخص سورج کی طرف دیکھے اگر اس کی آنکھیں صحیح اور بینائی درست ہے تو وہ سورج پر نظر نہیں جما سکیگا۔ اور اسکی آنکھوں سے پانی بہہ نکلے گا۔ اور قوت شامہ کے امتحان کیلئے ایک پُرانے چیتھڑے کو سُلگا کر اسکا دھواں اسکی ناک کے قریب لے جایا جائے اگر اس کی قوت شامہ صحیح ہوگی تو جوں ہی دھواں اور گیس اسکی ناک میں داخل ہوں گے۔ اس کی آنکھوں میں پانی آجائے گا۔

اسی طرح میں نے (علامہ ابن قیم رحمہ) ایک اور مقدمے میں سیدنا علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے فیصلے کی نظیر دیکھی ہے۔ کہ ایک دفعہ ایک مضروب نے دعویٰ کیا کہ ضرب کی شدت سے وہ گونگا ہوگیا ہے۔ حضرت علیؓ نے حکم دیا کہ وہ اپنی زبان باہر نکالے اور اس پر سُوئی چبھوئی جائے اگر خُون کا رنگ سرخ ہو تو وہ صحیح اللسان ہے۔ اور اگر سیاہی مائل ہو۔ تو واقعی گُونگا ہے۔

اصبغ بن نباتہؒ بیان کرتے ہیں۔ کہ مسلمان جنگی قیدیوں کے فدیہ دینے کے سلسلے میں حضرت علیؓ نے یہ قاعدہ بنایا تھا کہ جس شخص کے جسم پر سامنے کے حصہ میں زخم ہو اسکا فدیہ ادا کیا جائے۔ اور جس کی پیٹھ پر زخم ہو اسکا فدیہ ادا نہ کیا جائے۔ کیونکہ وہ بھگوڑا ہے۔

ان ہی سے روایت ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کو وصیت کی کہ وہ ان ایکہزار دیناروں میں سے جو اس نے اسے دیئے ہیں جسقدر چاہے اسکی طرف سے صدقہ کردے۔ اس شخص نے دسواں حصہ تو صدقہ کر دیئے۔ اور باقی نوسو دینار اپنے پاس رکھ لئے۔ لوگوں نے یہ مقدمہ حضرت علیؓ کے سامنے پیش کیا۔ اور عرض کی کہ وہ نصف دینار ہمیں دے اور نصف اپنے پاس رکھے۔ حضرت علیؓ نے مطلب سن کر اس شخص سے فرمایا۔ اس شخص نے انصاف کی بات کی ہے اس نے جواب دیا۔ اے امیر المومنین! وصیت کرنیوالے نے تو یہ وصیت کی ہے کہ میں جسقدر چاہوں صدقہ کردوں حضرت علیؓ نے فرمایا پھر تو تجھے چاہئے کہ تو نوسو دینار صدقہ کرے اور ایک سو دینار اپنے پاس رکھے۔ اس نے پوچھا وہ کیسے؟ آپنے فرمایا وہ اسطرح کہ وصیت کرنے والے نے یہ کہا تھا کہ تو اتنے دینار صدقہ کرنا جتنے تو چاہتا ہو۔ اور تو نوسو دینار چاہتا ہے تو نوسو دینار صدقہ کر۔

حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے دو ایسے اشخاص کے ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ صادر فرمایا۔ جنکا طریق کار یہ تھا کہ ایک دوسرے کو اپنا غلام بنا کر فروخت کر دیتا۔ پھر دونوں دوسرے شہر فرار ہوجاتے۔ گویا یہ دونوں اپنی جانوں کے اور لوگوں کے اموال کے چور تھے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہماری رائے میں یہ فیصلہ بہترین اور قرین حق ہے۔ کیونکہ یہ دونوں عام چوروں سے زیادہ مستوجب سزا ہیں۔ یہی وجہ ہے کفن چور کیلئے ہاتھ کاٹنے کی سزا رکھی گئی ہے۔ اسی طرح سنتِ نبوی کے مطابق عاریتاً لی گئی اشیاء کا انکار کرنیوالے پر بھی یہی حد لاگو ہوتی ہے۔

ایک عورت نے شادی کی پہلی رات اپنے آشنا کو حجلہ عروسی میں چھپا لیا۔ جب اسکا خاوند رات کے وقت اس کے پاس آیا۔ تو اس کے آشنا نے اس پر حملہ کر دیا۔ خاوند نے اسکو قتل کر دیا اور عورت نے اپنے خاوند کو قتل کر دیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عورت کے خلاف آشنا کی دیت کا فیصلہ دیا۔ اور خاوند کے قتل کے بدلے اسے قتل کروا دیا۔

اس کا سبب اس عورت کا دوھرا جرم ہے کہ وہ اپنے آشنا کو حجلہ عروسی میں بلا کر اس کے قتل کا سبب بنی۔ لہٰذا دیت کی ادائیگی میں خاوند سے زیادہ بیوی ذمہ دار ہے۔ اسکا خاوند تو اپنی عزت و ناموس کے دفاع میں لڑنے پر مجبور تھا۔ غرض حضرت علی رض کا یہ فیصلہ ایک بےنظیر فیصلہ ہے۔ بہت سے فقہاؒ اور قانون دان اس فیصلہ کی باریکی کو سمجھنے سے قاصر ہیں حالانکہ یہی فیصلہ درست تھا۔

اسی طرح ایک اور مقدمے کی مثال ہمارے پاس موجود ہے۔ کہ ایک شخص دوسرے سے جو اسے قتل کرنا چاہتا تھا جان بچا کر بھاگا۔ ایک تیسرے شخص نے اسے پکڑ رکھا یہاں تک کہ ثانی الذکر نے اسے آکر قتل کر دیا۔ اس کے قریب ہی ایک اور شخص اسی واقعہ کو کھڑا دیکھ رہا تھا حالانکہ وہ اسے بچا سکتا تھا۔ اس نے بھی اسے بچانے کی کوشش نہ کی۔ مقدمہ حضرت علیؓ کے سامنے پیش ہوا تو آپ نے حکم صادر فرمایا کہ قاتل کو مقتول کے قصاص میں قتل کیا جائے اور روکنے والے کو عمر قید کی سزا دی جائے۔ اور اس تماشائی کی آنکھیں نکال دی جائیں کہ اس کے سامنے ظلم ہوتا رہا اور اس نے باز نہ رکھا

علماءؒ میں سے امام احمد بن حنبلؒ نے آنکھ پھوڑنے کے سوا باقی فیصلے کو نظیر قرار دیا ہے کیونکہ امام صاحبؒ کی رائے میں حضرت علیؓ کا یہ فیصلہ تعزیری نوعیت کا تھا۔ سنتِ صحیحہ میں صراحتاً اسکی گنجایش موجود ہے چنانچہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے گھر میں جھری یا روشندان سے جھانکے تو اسکی آنکھ پھوڑی جا سکتی ہے۔ صاحب خانہ پر کوئی حد لاگو نہیں ہوگی۔ اس سنت صریحہ کے خلاف یا اس سے روکنے والا کوئی حکم نہیں کیونکہ جھانکنے والا اس فعل کا مرتکب ہوا ہے جو اس کیلئے حرام تھا۔ اور اپنے اس جرم کیوجہ سے وہ صاحب خانہ کا مجرم ٹھہرا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کی آنکھ کو پھوڑ دینا روا قرار دیا ہے۔ اور یہ مسلک امام شافعیؒ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور امام احمدؒ کا ہے۔ ؎۱ صحیح حدیث میں حضرت ابوھریرہ رضؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کوئی شخص اگر دوسرے کے گھر میں ان کی اجازت کے بغیر جھانکے اور صاحب خانہ اسکی آنکھ پھوڑ دے تو اس پر کوئی قصاص اور دیت نہیں۔ ؎۲

بخاری اور مسلم میں امام زھریؒ حضرت سہلؓ کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرے میں جھانکا۔ آپؐ کے پاس ایک لوہے کی پھل تھی جس کے ساتھ آپؐ اپنے سر کو کھجلا رہے تھے۔ آپؐ نے فرمایا۔ میں اگر جان لیتا کہ تم جھانک رہے ہو تو میں یہ تمہاری آنکھ میں بھونک دیتا۔ واضح ہو کہ اجازت طلبی کا حکم صرف جھانکنے سے بچانے کیلئے ہے۔ ؎۳ صحیح مسلم میں حضرت سہلؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے کمرے میں پردہ ہٹا کر جھانکا۔ آپؐ کے ہاتھ میں ایک نوکدار سینگ تھا آپؐ نے فرمایا۔ اگر مجھے معلوم ہو جاتا کہ یہ شخص جھانک رہا ہے اور میرے پہنچنے تک جھانکتا رہتا تو میں یہ سینگ اُس کی آنکھ میں گھونپ دیتا۔ آخر (اندر آنے کیلئے) اجازت طلب کرنے کا مقصد تانک جھانک سے باز رہنے کے سوا اور کیا ہے؟

(مطلب یہ ہے کہ اگر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پہنچنے تک جھانکتا رہتا۔ تو اس کی آنکھ پھوڑ دی جاتی۔)

امام بخاریؒ اور مسلمؒ حضرت انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کے حجرے میں جھانکا۔ آپؐ کے پاس تیر تھا۔ آپؐ تیر لے کر اس شخص کیطرف بڑھے۔ تاکہ اسکی آنکھ میں گھونپ دیں۔ اور گویا وہ دبے پاؤں بڑھتے ہوئے مجھے ابھی تک نظر آرہے ہیں۔ ؎۴ بیھقیؒ نے حضرت انسؓ سے نقل کیا ہے کہ ایک اعرابی رسول اللہؐ کے دروازے پر آیا۔ اور دروازے کی جھری میں سے جھانکنے لگا۔ آپؐ کی نگاہ جب اس پر پڑی تو آپؐ نے ایک نوکدار لکڑی اٹھائی اور اس کی طرف دے ماری اور فرمایا۔ اگر وہ اسیطرح دیکھتا رہتا تو میں اسکی آنکھ پھوڑ دیتا۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابوھریرہ رضؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر کوئی شخص تیری اجازت کے بغیر تیرے گھر میں جھانکے اور تو اس کو پتھر مار دے جس سے اسکی آنکھ پھوٹ جائے تو تجھ پر کوئی جرم عائد نہ ہوگا۔

؎۱ المغنی جلد ۸ ص ۳۴۸ ؎۲ صحیح بخاری جلد ۱۲ ص ۲۴۳ صحیح مسلم جلد ۱۴ ص ۱۳۸ ؎۳ صحیح بخاری جلد ۱۲ ص ۲۴۳ صحیح مسلم جلد ۱۴ ص ۱۳۶

؎۴ صحیح بخاری جلد ۱۲ ص ۲۴۳ - صحیح مسلم جلد ۱۴ ص ۱۳۷

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بخاری اور مسلم میں ایک روایت حضرت ابو ہریرہ رضؓ سے ان معنوں میں مروی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کوئی شخص جو لوگوں کے گھروں میں انکی اجازت کے بغیر جھانکے تو ان کیلئے جائز ہے کہ وہ اسکی آنکھ پھوڑ دیں۔ ۹۱ سنن بیہقی ۹۲ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کے گھر میں جھانکے اور وہ اسکی آنکھ پھوڑ دے تو اسپر کوئی گناہ نہیں۔ ۹۳ پس حق یہی ہے کہ سنت صریحہ وصحیحہ کے موجبات کو اختیار کیا جائے۔ چنانچہ (حضرت علیؓ کے مذکورہ فیصلے کی نظیر) وہ شخص جو کسی کو قتل ہوتے ہوئے دیکھ رہا ہو۔ اور اس بات پر قدرت بھی رکھتا ہو کہ قاتل کو باز رکھے لیکن اس نے کوئی ایسا اقدام نہیں کیا۔ لہذا اسکا جرم تانک جھانک سے بھی شدید تر ہے۔ اور اس لائق ہے کہ اس کی آنکھ پھوڑ دی جائے۔

ایک شخص نے اپنی بیوی کی شرمگاہ کاٹ ڈالی حضرت علیؓ نے فیصلہ دیا کہ مجرم شرمگاہ کی دیت ادا کرے۔ اور مجرم کو مجبور کیا جائے کہ تمام عمر اس عورت کو اپنے پاس رکھے بصورت دیگر اگر وہ اسے طلاق دیتا ہے تو عورت کو اسکا نان نفقہ ادا کرتا رہے ۔ اس قدر بہترین اور قرین حق و انصاف فیصلہ اللہ تعالیٰ کی دین ہے۔

جہانتک شرمگاہ کی کامل دیت کا تعلق ہے تو اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ طلاق کی صورت میں نان و نفقہ کی ذمہ داری اس لئے ہے کہ اس نے عورت کی شرمگاہ کو دوسرے خاوند کیلئے عیب دار کر دیا تھا۔ جو اس کے نان و نفقہ کا ذمہ دار بنتا۔ اب رہا جبراً خاوند کو عورت سے منسلک رکھنے کا جواز تو وہ اس لئے ہے کہ خاوند نے ایک حرام کام اور ظلم کا ارتکاب اس عورت سے گلو خلاصی کیلئے کیا۔ حالانکہ وہ اس مقصد کو طلاق اور خلع سے بھی حاصل کر سکتا تھا لیکن اس نے جائز راستہ اختیار کرنے کی بجائے ایسا راستہ اختیار کیا جو سراسر ظلم اور زیادتی پر مبنی تھا اسلئے اسکی یہ سزا انصاف کے تقاضے کے مطابق ہے کہ وہ عورت تمام عمر اسکی بیوی رہے۔

ایک نومولود بچہ جس کے دو سر دو سینے ' ایک ہی دھڑ پر جڑے ہوئے تھے اس کے متعلق حضرت علیؓ سے پوچھا گیا کہ تقسیم وراثت کے سلسلے میں انکو ایک فرد مانا جائے یا

---

۹۱ صحیح مسلم جلد ۱۴ ص ۱۳۸ ۹۲ سنن بیہقی جلد ۸ ص ۳۳۹

۹۳ ابوبکر احمد بن حسین بیہقی رحؒ کبار محدثین میں شمار ہوتے ہیں اپنے زمانے کے مشہور اساتذہ سے اکتساب علم کیا۔ فقہ میں امام شافعی رحؒ کے طریقہ کی پیروی کرتے تھے۔ بہت سی بلند کتابوں کے مصنف ہیں جنمیں السنن الکبریٰ۔ السنن الصغریٰ۔ کتاب الاسماء والصفات اور کتاب المعرفۃ بہت مشہور ہیں ۴۵۸ھ میں وفات پائی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دو ؟ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ بچے کو سُلا دیا جائے پھر اس کے قریب چیخ ماری جائے اگر بیک وقت بیدار ہوں تو ایک مانا جائے۔ اور اگر علیحدہ علیحدہ (یعنی وقفے سے) بیدار ہوں تو وراثت میں انکے الگ الگ حصے ہوں گے ــــ اب رہا یہ کہ اس کیفیت میں پیدا ہونیوالے نکاح کیسے کریں؟ (اندریں باب علامہ ابن قیم رحؒ کہتے ہیں۔) یہ مسئلہ کتب فقہ میں میری نظر سے نہیں گزرا ــــ البتہ ابو جبلہ روایت کرتے ہیں۔ کہ فارس میں ایک عورت دیکھی جس کے دو سر، دو سینے ایک ہی دھڑ پر تھے۔ اور وہ شادی شدہ تھی۔ دونوں ایک دوسری سے غیرت کھاتی تھیں۔ قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے۔ کہ اس عورت کا نکاح معروف طریقے سے ہوا ہوگا۔ اس کا خاوند دونوں چہروں، دونوں شرمگاہوں سے متمتع ہوتا ہوگا۔ کیونکہ دوسرا چہرہ اور دوسری شرمگاہ زائد تخلیق کے زمرے میں آتی ہے۔

یہ تو وہ صورت ہے جبکہ دو سینے اور دو سر ایک دھڑ اور دو ٹانگوں پر ہوں۔ اگر دو دھڑ چار ٹانگوں پر ہوں تب کیا فیصلہ ہوگا؟ حضرت عمرؓ کے پاس ایک ایسا ہی انسان لایا گیا جس کے تمام جسمانی اعضا دو گنے تھے یعنی دو سر، دو منہ، چار آنکھیں، چار ہاتھ چار پاؤں اور بول و براز کے دو دو مقامات۔ سوال اس کی وراثت کا تھا۔ حضرت عمرؓ نے مقدمہ حضرت علی رضؓ کے سپرد کر دیا۔ حضرت علیؓ نے فیصلے کی دو صورتیں رکھیں۔

اوّل۔ دونوں کو سُلا دیا جائے۔ اگر دونوں کے خراٹے ایک ہوں تو انکو فردِ واحد تصوّر کیا جائے۔ اور اگر علیحدہ علیحدہ ہوں تو دو افراد تصور ہوں گے۔

دوم۔ ان کو کھلایا پلایا جائے۔ اگر دونوں بیک وقت بول و براز کریں۔ تو انہیں ایک فرد شمار کیا جائے بصورتِ دیگر وہ دو علیحدہ علیحدہ فرد ہیں۔

حضرت علی رضؓ سے سوال کیا گیا کہ اگر وہ نکاح کا مطالبہ کریں؟ اسکے جواب میں حضرت علیؓ نے فرمایا۔ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا کہ ایک شرمگاہ دوسری میں داخل ہو اور ایک غیر آنکھ اس کو دیکھ رہی ہو۔ یقیناً جب وہ بالغ ہوجائیں تو انکی موت حتمی ہے۔ کچھ ہی عرصہ گزرا تھا کہ وہ دونوں مر گئے۔ اور دونوں کے درمیان گھڑی دو گھڑی کا وقفہ تھا۔

حالتِ اضطرار میں زنا پر حضرت علیؓ کا فیصلہ

ایک دفعہ حضرت عمر رضؓ کے پاس ایک زانیہ کو لایا گیا جس نے زنا کا اعتراف کر لیا تھا۔ حضرت عمر رضؓ نے اسے رجم کرنے کا حکم دیدیا۔ اس پر حضرت علیؓ نے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فرمایا۔ اس کو رجم کروانے میں جلدی نہ کیجئے ممکن ہے اس کے پاس کوئی عذر ہو۔ پھر حضرت علی نے اس عورت سے سوال کیا۔ تو نے اس قبیح فعل کا ارتکاب کیوں کیا عورت نے جواب دیا۔ ایک شخص میرا جان پہچان کا ہے۔ اس کے ریوڑ میں پانی اور دودھ موجود رہتا تھا جبکہ میرے پاس نہیں ہے۔ ایک دفعہ مجھے سخت پیاس لگی میں نے اس سے پانی مانگا اس نے یہ شرط عائد کی کہ میں خود کو اس کے حوالے کردوں میں انکار کرتی رہی یہاں تک کہ پیاس میری قوت برداشت سے باہر ہو گئی اور میں مرنے کے قریب پہنچ گئی۔ اس پر میں نے اسکی خواہش پوری کردی تب اس نے مجھے پانی پلایا۔ حضرت علی نے فرمایا اللہ اکبر! فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ یعنی اگر کوئی فی الواقع مجبور ہو جائے، دین سے باغی اور سرکش نہ ہو تو حرام کھا لینے میں اس پر کوئی گناہ نہ ہوگا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ معاف کرنے اور رحم فرمانیوالا ہے ــــ (عورت سے حد اس لئے ساقط کردی گئی کہ وہ مجبور تھی۔ اور زنا بالجبر میں مجبور پر حد نہیں)

۱؎ سنن بیہقی میں ابو عبدالرحمن السلمی رح سے روایت ہے کہ حضرت عمر رض کے پاس ایک عورت لائی گئی جس نے پیاس کی شدت سے مجبور ہو کر ایک چرواہے سے پانی مانگا۔ اس نے صرف اس صورت میں پانی پلانے کا وعدہ کیا کہ اس کے عوض وہ عورت خود کو اس کے حوالے کردے۔ ناچار اسے ایسا کرنا پڑا۔ حضرت عمر رض نے اس عورت کی سنگساری کے بارے میں مشورہ کیا۔ حضرت علی رض نے کہا کہ وہ عورت مجبور تھی میری رائے میں اسے چھوڑ دیا جائے چنانچہ اسے بری کردیا گیا۔ (علامہ ابن قیم رح فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ حضرت علی رض کی اس رائے کی بنا پر یہ قانون بنایا گیا ہے کہ اگر کوئی عورت کسی شخص سے کھانا پانی طلب کرنے پر مجبور ہو جائے۔ اور وہ شخص صرف اس شرط پر اسکی ضرورت پوری کرنے پر تیار ہو کہ وہ خود کو اس کے حوالے کردے۔ اور عورت کو بھوک پیاس سے جان کا خوف ہو۔ اور وہ ناچار خود کو اس کے حوالے کردے تو اس پر حد نافذ نہ ہوگی۔

اب سوال یہ ہے کہ آیا اس مجبوری کی حالت میں عورت کا گناہ کیلئے تیار ہو جانا صرف جائز ہے یا اس پر واجب ہے کہ اپنی عصمت و عفت کی حفاظت کیلئے پوری ثابت قدمی اور استقامت سے ڈٹی رہے خواہ اسکی جان چلی جائے؟ (علامہ ابن قیم رح فرماتے ہیں) یہ حکم صرف اس عورت کے بارے میں ہے جسے زنا کیلئے مجبور کیا گیا ہو اور اسے یہ کہا گیا ہو کہ وہ زنا کا

۱؎ السنن الکبریٰ بیہقی جلد ۸ ص ۲۳۶

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ارتکاب کرے نہیں تو قتل کر دی جائے گی۔ ایسی حالت میں اس مجبور عورت پر حد نہ ہوگی۔ اگر وہ قتل ہونے سے بچنے کیلئے اپنے آپ کو مرد کے حوالے کر دے۔ اگر وہ ثابت قدم رہے اور اپنی عفت و عصمت کو مقدم سمجھے تو یہ عزیمت کا بلند ترین مقام ہے معلوم ہوا ہے کہ مجبوری کی حالت میں ایسا کرنا (یعنی مجبور ہو کر خود کو زنا کیلئے مرد کے حوالے کر کے اپنی جان بچانا) فرض ہے جیسا کہ اسطرح کے حالات میں کلمہ کفر کہنے سے انکار کر دینا عظمت و استقامت کی دلیل تو ہے لیکن فرض نہیں۔ لہٰذا اس شخص پر کوئی گناہ نہیں جس نے کلمہ کفر کہنے کی بجائے موت سے ہمکنار ہونا گوارا کر لیا۔ ایسی صورت میں زنا پر مجبور کی گئی عورت اس جواز اور عزیمت کی زیادہ حقدار ہے۔

جبری فعل قوم لوطؑ

قبل ازیں ہم اضطراری حالت میں عورت کے گناہ میں ملوث ہونے اور پھر اس پر حد نافذ نہ ہونے کے سلسلے پر تفصیل سے روشنی ڈال چکے ہیں۔ واضح ہو کہ اگر ایسی صورت حال سے کوئی مرد دوچار ہو کہ اسے یہ دھمکی دی جائے کہ اگر وہ بدفعلی کرانے کیلئے تیار نہ ہوگا تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔ کیا ایسی صورت میں جبکہ اس کیلئے جان کا خطرہ ہو تو اس کیلئے خود کو بدفعلی کرانے کیلئے پیش کر دینا جائز ہے۔؟ کہا جاتا ہے کہ ھرگز نہیں بلکہ اسے موت گوارا کر لینی چاہیئے۔ کیونکہ اس مرد اور ایک عورت میں یہ فرق ہے۔ کہ اس فعل بد کے بعد مفعول مرد کو جو ذلت لاحق ہو جاتی ہے۔ اسکا ازالہ کسی صورت ممکن نہیں۔ لہٰذا اس برائی کو قبول کر لینا قتل ہو جانے یا بھوکا پیاسا مر جانے سے زیادہ برا ہے۔ اس فعل قبیح کو گوارا کر لینا فسادِ قلب اور فسادِ عقل کا باعث بنتا ہے۔ اور بدفعلی کرنے والے کے نطفے کا زہر قلب و روح میں سرایت کر کے ایک ایسے فساد کا موجب بنتا ہے جسکی اصلاح کی توقع نہیں رہتی جسم کا جان سے جدا ہو جانا، یا قتل ہو جانا اتنا برا نہیں ہے جتنا برا یہ فعل ہے لہٰذا ایسے شخص کو جو اسکو اس فعل بد کرانے پر مجبور کر رہا ہے۔ بلا خوف و خطر قتل کر دینا روا ہے۔

اگر کوئی آقا اپنے غلام کیساتھ یہ فعل بد کرتا ہے۔ تو اس آقا کو مجبور کیا جائیگا کہ وہ اس غلام کو فروخت کر دے۔ اور ایسا نہ ہونے دے کہ وہ شخص بدستور اسکا مالک رہے۔ بلکہ سلف رحمہم اللہ میں سے بعض تو یہاں تک کہتے ہیں کہ وہ غلام آزاد ہو جائے گا۔ اس رائے کی بنیاد اس مسئلے پر ہے اگر کوئی مالک اپنے غلام کا مُثلہ کر دے (یعنی اس کے ناک اور کان وغیرہ کاٹ کر اسے تعذیب دے) تو یہ غلام لازمی طور پر آزاد ہو جائیگا۔ پس جب جبراً بدفعلی پر مجبور کرنے کو مُثلہ کرنے پر قیاس کیا گیا ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا گیا کہ ایک شخص پر اپنے غلام سے بدفعلی کی تہمت ہے اور جب لوگوں نے ارادہ کر لیا کہ معاملہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عدالت میں لے جائیں تو اس نے اپنے غلام کو مدبّر بنا دیا ہے[1]۔ امام صاحبؒ نے جواب دیا اگر آقا عنیلا فسق وفجور کا ارتکاب کرنیوالا ہے۔ تو ان دونوں کو اسی وقت سے علیحدہ کر دیا جائیگا اگر کہا جائے کہ کیا ایسے غلام کیلئے فرار ہونا جائز ہے؟ اندریں باب کہا گیا ہے کہ ایسے غلام کیلئے فرار ہو جانا جائز اور مباح ہے۔ ابو عمرو طرطوسی رہ نے تحریم سدومیت (عمل قوم لوط) کا ذکر فرماتے ہوئے ایک باب باندھا ہے جس میں اُس غلام کا ذکر ہے جو اس بلا میں ملوث کیا جانے لگے اور وہ بھاگ جائے تو یہ جائز ہے۔ وہ صحیح سند سے عبداللہ بن مبارکؒ سے روایت کرتے ہیں کہ امام سفیان ثوری رہ[2] کے پاس ایک غلام حاضر ہوا۔ اور عرض کی کہ وہ ایسے لوگوں کا غلام ہے جو اسے بدفعلی کرانے کا حکم دیتے ہیں۔ امام ثوری رہ نے اسے بھاگ جانے کی اجازت دیدی قاسم بن ربانؒ سے مروی ہے کہ عبداللہ بن مبارکؒ سے ایسے غلام کے بارے میں دریافت کیا گیا۔ تو انہوں نے جواب دیا۔ اس کو اجازت ہے کہ وہ اس فعل سے باز رہے اور خود کو بچائے رکھے سائل نے پوچھا ایسی صورت میں اگر لڑائی اور قتال کے سوا کوئی اور چارہ کار نہ ہو؟ تو آپ نے فرمایا۔ اس کیلئے جائز ہے کہ وہ لڑ کر بھی اپنی عزت وعصمت کی حفاظت کرے۔

علامہ ابن قیم رح فرماتے ہیں میں کہتا ہوں کہ اگر ایسا شخص قتل کر دے تو مجاہد کہلائے گا اور قتل ہو جائے تو شہید کا رتبہ پائے گا۔ کوئی شخص اپنے مال کی حفاظت کرتا ہوا مارا جائے تو اللہ کے رسولؐ کے فرمان کے مطابق شہید ہے۔ تو پھر ایسا شخص کیوں نہ شہید قرار دیا جائے جو اس سے زیادہ قیمتی چیز کی حفاظت کرتے ہوئے مارا گیا ہو۔

ایک عورت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لائی گئی جس نے زنا کا ارتکاب کیا تھا۔ اور آپ کے پوچھنے پر اپنے اقرار کا بار بار اعادہ کیا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ یہ تو یوں برسر عام اقرار کر رہی ہے گویا جانتی ہی نہ ہو کہ زنا جرم ہے چنانچہ اس پر حد جاری نہ کی گئی یہ حضرت علی رض کی نکتہ رس فراست کی بہترین مثال ہے۔

ایک شخص ایک کھنڈر میں اس حالت میں پکڑا گیا کہ اس کے ہاتھ میں خون آلود

---

[1] یعنی ایسا غلام جو اپنے آقا کی موت کے بعد آزاد تصور کیا جائے۔

[2] ابو عبدالرحمٰن عبداللہ بن مبارکؒ بیک وقت ایک محدث ایک فقیہ اور بہت بڑے زاہد اور عبادت گذار تھے۔ عاصم احول حمید طویل اور ہشام بن عروہؒ امام مالکؒ اساتذہ سے علم حاصل کیا۔ ۱۸۱ھ میں وفات پائی۔

[3] ابو عبداللہ سفیان بن سعید (القول بعض سفیان بن سعد) ثوری کوفی رہ۔ کوفہ میں متولد ہوئے۔ محدثینؒ اور ائمہ مجتہدینؒ میں شمار ہوتے ہیں۔ امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ کے ہم عصر ہیں۔ ۱۶۱ھ میں وفات پائی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چھری تھی۔ اور اس کے سامنے ایک انسانی لاش خون میں لت پت پڑی تھی۔ اسے حضرت علی رضہ کے سامنے لایا گیا۔ آپ کے استفسار پر اس نے اقرار جرم کر لیا۔ حضرت علیؓ نے اسے مقتول کے بدلے قتل کرنے کا حکم صادر فرما دیا۔ جب اسے قتل کرنے کیلئے لایا گیا تو ایک شخص بھاگتا ہوا آیا اور پکار پکار کر کہنے لگا۔ لوگو! اس شخص کو قتل کرنے میں جلدی نہ کرو اسے واپس حضرت علیؓ کے پاس لے چلو۔ حضرت علیؓ کے پاس حاضر ہو کر اس شخص نے عرض کی اصل قاتل یہ نہیں میں ہوں۔ حضرت علیؓ نے پہلے شخص سے پوچھا۔ کیا وجہ تھی کہ تو نے اس کے قتل کا اقرار کر لیا تھا جبکہ تو قاتل نہ تھا۔ اس نے جواب دیا اے امیر المومنین! میں موقعہ واردات سے اس حالت میں گرفتار ہوا ہوں کہ میرے قاتل ہونے میں رتی بھر بھی شبہ باقی نہ رہا تھا۔ کوتوال خون میں لت پت لاش کے پاس تھا۔ میں خون آلود خنجر لئے کھڑا تھا۔ ایسی صورت میں میری قسم بھی میری براءت کیلئے ناکافی ہوتی۔ اس لئے میں نے ناکردہ جرم کا اقرار کر لیا۔ اور اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا۔ حضرت علی رضہ نے فرمایا۔ تو نے بہت برا کیا۔ اب بتا اصل قصہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا۔ میں ایک قصاب ہوں منہ اندھیرے اٹھا اور ایک گائے ذبح کی۔ میں اسکی کھال اتارنے میں مصروف تھا۔ کہ مجھے رفع حاجت کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اور اس قریبی کھنڈر میں چلا گیا۔ جبکہ چھری اسیطرح میرے ہاتھ میں تھی۔ رفع حاجت کے بعد واپس لوٹتے ہوئے میری نظر مقتول کی خون سے لت پت لاش پر پڑی۔ مجھے خوف نے مبہوت کر دیا۔ چھری میرے ہاتھ میں تھی۔ اور میں اسوقت ہوش میں آیا جب لوگ مجھے پکڑ چکے تھے۔ اور مجھے قاتل سمجھ رہے تھے۔ اب مجھے یقین ہو گیا کہ شہادت حال اتنی قوی ہے کہ میری بات پر اعتبار ہی نہیں کیا جائے گا۔ لہٰذا میں نے اس ناکردہ جرم کا اقرار کر لیا۔ حضرت علیؓ نے دوسرے شخص سے پوچھا۔ بتا تیری کیا روداد ہے؟ اس نے جواب دیا۔ مجھے شیطان نے بہکا دیا۔ اور دولت کے لالچ میں آ کر میں نے اس شخص کو قتل کر دیا۔ اسی اثنا میں نے چوکیدار کی آہٹ سنی تو موقع واردات سے راہ فرار اختیار کی۔ اور ایک جگہ سے چھپ کر صورت حال کا جائزہ لیتا رہا۔ چوکیدار اس قصاب کو پکڑ کر آپکے پاس لے آئے۔ اور آپؓ نے اس کے قتل کا حکم صادر فرما دیا۔ میرے ضمیر نے سوچنے پر مجبور کر دیا کہ قیامت کے دن مجھے اس خون کا بدلہ دینا ہو گا۔ چنانچہ میں نے اعتراف جرم کر لیا۔ حضرت علیؓ نے حضرت حسنؓ سے فیصلے کے بارے میں رائے لی۔ حضرت حسنؓ نے عرض کی۔ اگر اس نے ایک شخص کو قتل

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیا ہے تو ایک کی جان بھی تو بچائی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَا اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا (المائدہ۔۳۲) یعنی اگر کسی نے کسی کی جان بچائی تو گویا اس نے تمام انسانوں کو بچا لیا) حضرت علیؓ نے اسے چھوڑ دیا۔ اور مقتول کا خون بہا بیت المال سے ادا کر دیا۔

یہاں یہ امر وضاحت طلب ہے کہ یہ کارروائی اگر مقتول کے ورثا کی رضامندی سے اور مصالحت کی بنا پر تھی تب تو اسمیں کوئی امر قابل اعتراض نہیں بصورت دیگر فقہاء اور مقننین کا قول ہے کہ ایسی صورت میں جبکہ قاتل خود اقرار جرم کرلے اور کوئی ایسی دلیل نہیں جو جرم کو ساقط کر دے تو قصاص ساقط نہیں ہو سکتا بلکہ اس کا پورا ہونا ضروری ہے۔ فقہاء کی اس تصریح کے بعد اس بات کا ذکر ضروری ہے کہ امیر المومنین کے مندرجہ بالا فیصلے کی تائید میں ایک قوی دلیل موجود ہے۔ اور ایسے ہی ایک واقعے کی نظیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی ملتی ہے۔ گو وہ مقدمہ قتل کا نہ تھا۔

امام نسائیؒ حضرت وائل بن حجرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت منہ اندھیرے صبح کی نماز پڑھنے مسجد کیطرف جا رہی تھی۔ راستے میں ایک شخص نے اس کیساتھ زنا بالجبر کیا۔ اس عورت نے قریب سے گزرنے والے ایک شخص کو مدد کیلئے پکارا جس پر وہ بدمعاش بھاگ نکلا۔ اسی اثنا میں کچھ اور اصحاب بھی اسطرف آنکلے۔ عورت نے انہیں بھی مدد کیلئے بلا لیا۔ ان حضرات نے اس شخص کو پکڑ لیا جو عورت کی پکار پر مدد کو آیا تھا جسے دیکھکر یہ بدمعاش بھاگ گیا تھا۔ اس غریب نے بہت داد فریاد کی کہ میں نے تو اسکی فریاد رسی کی تھی اصل مجرم میں نہیں لیکن اسکی ایک نہ سُنی گئی۔ اور لوگ اسے پکڑ کر دربار نبوی میں لے گئے۔ عورت نے بھی اسی شخص کو مجرم ٹھہرایا۔ اس شخص نے بہتیرا کہا کہ میں تو اس کی پکار پر اس کی مدد کو گیا تھا۔ اصل مجرم کوئی اور ہے۔ عورت بولی جھوٹ کہتا ہے۔ اسی نے میرے ساتھ برا کام کیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس کو لے جاؤ اور سنگسار کردو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فیصلہ سُن کر مجلس میں سے ایک شخص اٹھا۔ اور بولا اسے سنگسار نہ کیجئے مجھے سنگسار کیجئے کیونکہ اس کے ساتھ برا کام میں نے کیا تھا۔

اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تین اشخاص تھے۔ ایک تو وہ شخص جس نے بدکاری کی۔ اور دوسرا وہ جس نے عورت کی فریاد رسی کی۔ اور تیسری وہ عورت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تجھے معاف کیا گیا۔ امداد کیلئے پہنچنے والے شخص کو

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کلمات تحسین سے نوازا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی۔ یا رسول اللہ! اس زانی کو رجم کیجئے۔ آپؐ نے فرمایا۔ ہرگز نہیں! اس نے توبہ کرلی ہے۔

امام احمد بن حنبل رحہ نے اس واقعہ کو اپنی مسند میں محمد بن عبداللہ ابن زبیرؓ کے واسطے سے نقل کیا ہے۔ تمام واقعہ کی تفصیل نقل کرنے کے بعد امام صاحبؒ یہ بات نقل کرتے ہیں۔ جب لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہؐ! اس کو رجم کا حکم دیجئے تو آپؐ نے فرمایا۔ اس شخص نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اہل مدینہ پر تقسیم کردی جائے تو اللہ تعالیٰ ان سب کی توبہ قبول کرلے۔ سلہ امام ترمذیؒ نے اپنی صحیح میں اس حدیث پر یوں باب باندھا ہے "جب عورت کیساتھ جبراً زنا کیا جائے تو کیا حکم ہے"؟

عبدالجبارؒ بن وائلؓ بن حجر نے اپنے والد کے واسطے سے حدیث روایت کی ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک عورت کے ساتھ زنا بالجبر کیا گیا۔ آپؐ نے عورت کو حد سے مستثنیٰ قرار دیدیا۔ اور مرد پر حد جاری کی۔ راوی نے یہ ذکر نہیں کیا کہ آپؐ نے اس مرد پر عورت کا مہر واجب کیا ہو۔ امام ترمذی رحہ اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ یہ حدیث غریب ہے۔ اور اسکی سند متصل نہیں (یعنی سلسلہ روایت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم تک نہیں پہنچتا) یہ حدیث اس کے علاوہ دوسرے طریقے سے بھی روایت ہوئی ہے۔ میں نے امام محمد بن اسمٰعیل بخاری رحہ سے سُنا ہے فرماتے ہیں کہ عبدالجبار بن وائل بن حجر نے اپنے باپ کو نہیں پایا۔ اور نہ ان سے حدیث سُنی ہے۔ بلکہ کہا جاتا ہے کہ عبدالجبار بن وائل بن حجرؓ اپنے باپ کی موت کے چند ماہ بعد پیدا ہوئے۔ البتہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اور دیگر علماء کا عمل اس اصول پر ہے کہ جس عورت کیساتھ جبراً زنا کیا گیا ہو اس پر حد نہیں۔ سلہ پھر امام ترمذی رحہ نے علقمہ بن وائلؓ بن حجر کی حدیث بروایت پدر خود محمد بن یحیٰی نیشاپوری کے واسطے سے بایں الفاظ روایت کی ہے۔ سلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک عورت نماز کی غرض سے گھر سے نکلی۔ ایک شخص نے زبردستی اسکی عصمت دری کی۔ اس کی چیخ و پکار پر اصل آدمی تو بھاگ گیا۔ کوئی اور مرد بھی اس کے قریب سے گزر رہا تھا۔ چند مہاجرین بھی جمع ہوگئے۔ اس عورت نے کہا۔ اس شخص نے میرے ساتھ یہ کچھ کیا ہے۔ لوگوں نے بھاگ کر اس آدمی کو پکڑ لیا۔ جب وہ آدمی عورت کے سامنے لایا گیا تو اس نے کہا۔ ہاں یہی ہے۔

سلہ مسند الامام احمد بن حنبلؒ جلد ۲ ص ۳۹۸ - بقیہ بر صفحہ آئندہ -

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لہذا اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا آپؐ نے اسے رجم کرنیکا حکم دیدیا۔ اسوقت اس شخص نے جس نے بدکاری کی تھی اٹھ کر کہا۔ یا رسول اللہ جرم کا اصل مرتکب میں ہوں۔ آپؐ نے عورت سے فرمایا تو جا سکتی ہے۔ اللہ نے تجھے معاف کر دیا۔ دوسرا شخص جس پر الزام تھا۔ اسکی تحسین فرمائی اور اصل مجرم کو سنگساری کا حکم دیا۔ اور پھر فرمایا اس شخص نے اعتراف گناہ کر کے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر تمام اہل مدینہ بھی ایسی توبہ کرتے تو سب معاف کر دیے جاتے۔

امام ترمذیؒ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں یہ حدیث حسن غریب ہے جامع ترمذی کے دوسرے صحیح نسخے میں مرقوم ہے کہ علقمہ بن وائلؓ کا اپنے باپ سے حدیث کا سننا ثابت ہے۔ البتہ عبدالجبار بن وائلؓ کا اپنے باپ سے حدیث کا سماع ثابت نہیں اور وہ عبدالجبار بن وائلؓ سے عمر میں بڑے تھے۔ میری رائے یہ ہے کہ اس حدیث کی اسناد تو امام مسلم کی شرط کے مطابق ہے لیکن شاید اس کے متن میں اضطراب کیوجہ سے انہوں نے اسے چھوڑ دیا۔ تمام حدیث کا دارومدار سماک بن حربؒ راوی پر ہے لیکن جرم کا اقرار کرنے والے کو سنگسار کیے جانے کے بارے میں اختلاف ہے۔ چنانچہ اسباط بن نصرؒ سماک بن حربؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو رجم کرنے سے انکار کر دیا۔

امام احمد اور امام ابوداؤد کی روایت سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے لیکن امام ترمذیؒ کی روایت میں جو محمد بن یحییٰ الفریابی سے مروی ہے جسمیں صراحت ہے کہ آپؐ نے اسکو سنگسار کرا دیا تھا۔ اب یہ اختلاف یا سماکؒ کیطرف سے ہے جیسا کہ بظاہر نظر آتا ہے۔ یا سماکؒ سے نیچے کسی اور کی طرف سے۔ ہماری رائے میں صحیح یہ ہے کہ آپؐ نے رجم سے منع کیا تھا جیسا کہ امام احمدؒ امام ابوداؤدؒ اور امام نسائیؒ نے بیان کیا ہے انہوں نے اس کے علاوہ کوئی دوسری بات بیان نہیں کی ان راویوں نے یہی بات یاد رکھی کہ آپؐ سے مجرم کو سنگسار کرنے کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپؐ نے منع فرمادیا۔ اور وہ راوی جس نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجرم کو رجم کرنے کا حکم صادر فرمایا تھا۔ اس نے یا تو عام طریق کار پر اعتماد کیا یا پھر یہ گمان ہوا کہ آپؐ نے پہلے شخص کو رجم کر دینے کا حکم دیا تھا۔ لیکن راوی نے یہ خیال کر لیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جرم کا اعتراف کرنیوالے کو سنگسار کرنے کا حکم دیا تھا

۱؎ جامع الترمذی مع شرح تحفۃ الاحوذی جلد ۲ ص ۳۲۴ ۲؎ جامع الترمذی جلد ۲ ص ۳۲۵

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

واضح ہو کہ جن کو آپؐ نے رجم کرنے کا حکم دیا تھا۔ انکی تعداد معلوم ہے کہ وہ صرف چھ افراد ہیں ۱۔ غامدیہ قبیلے کی عورت ۲۔ ماعز اسلمی ۳۔ وہ مزدور جس نے مالک کی بیوی سے زنا کیا۔ ۴۔ ۵۔ دو یہودی۔

بات دراصل یوں ہے کہ رجم والی حدیث کے راوی نے اس کو بعید از قیاس خیال کیا۔ کہ کسی شخص نے آپؐ کے سامنے زنا کا اعتراف کیا ہو اور آپؐ نے اسے رجم کرنیکا حکم نہ دیا ہو۔ اور راوی اس سے بھی واقف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت یہی ہے کہ بدکاری کے مرتکب کو سنگسار کیا جائے چنانچہ اس نے حدیث یوں روایت کردی اور کہا کہ آپؐ نے حکم دیا ہے کہ اسکو رجم کر دیا جائے۔

اگر کہا جائے کہ یہ تو ظاہر ہے کہ عبد الجبار بن وائل والی حدیث کا تعلق اس قصہ سے ہے اور اسمیں یہ ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتراف کرنیوالے پر زنا کی حد قائم کی تھی اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو الفاظ قطعی طور پر اس بات پر دلالت نہیں کرتے کہ یہ ایک ہی واقعہ ہے۔ تب بھی امام بخاریؒ نے تصریح کی ہے کہ حجاج نے عبد الجبار سے یہ حدیث نہیں سنی۔ اور نہ عبد الجبار ہی نے اپنے والد وائل بن حجر سے یہ حدیث سنی ہے امام بیہقیؒ کا کہنا ہے کہ امام بخاریؒ کا یہ قول محل نظر ہے کہ عبد الجبار اپنے والد کی وفات کے چند ماہ بعد پیدا ہوئے تھے۔ امام مسلمؒ اپنی صحیح میں عبد الجبار کا یہ قول روایت کرتے ہیں کہ میں چھوٹا سا تھا اور میں اپنے باپ کی نماز کو نہ سمجھ سکتا تھا۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے باپ کی زندگی میں موجود تھے۔ [۱]

اعتراف زنا کے باوجود ترک رجم اصول شرع کیخلاف نہیں ہے کیونکہ اس شخص نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تصریح کیمطابق توبہ کرلی تھی۔ اگر کوئی شخص مستوجب حد ہو جانے کے بعد گرفتار ہونے سے قبل توبہ کرلے تو صحیح تر قول یہ ہے کہ اس سے حد ساقط ہو جائیگی۔ محاربین کے بارے میں تو اس حکم پر مسلمانوں کا اجماع ہے کہ اختیار و قدرت حاصل ہونے سے پہلے اگر کوئی تائب ہو جائے تو حد ساقط ہو جائیگی۔ اس سے کمتر معاملے میں تو تائب سے حد کا ساقط ہونا صحت و صواب کے زیادہ مشابہ ہے۔

پھر آپؐ نے ماعز اسلمیؓ کے بارے میں جبکہ ماعز پتھر کھانے کے بعد بھاگ کھڑے ہوئے، فرمایا تھا کہ تم لوگوں نے اسے چھوڑ کیوں نہ دیا۔ وہ توبہ کرلیتا۔ اور اللہ تعالیٰ اسکی توبہ قبول کرلیتا۔

---

[۱] السنن الکبریٰ جلد ۸ ص ۲۲۸

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اب اگر یہ کہا جائے کہ اس شخص کے بارے میں کیا خیال ہے جسکی براءت ظاہر ہے اس نے نہ تو اقرار جرم کیا ہے۔ نہ کوئی ایسی دلیل قائم ہوسکی جسکی بنا پر وہ مجرم ثابت ہوتا تو کیا صرف عورت کے کہنے ہی سے اس پر سزا نافذ کردی جائے گی۔؟

ہاں! خدائے لایزال کی قسم! یہ بات جواب شافی کی محتاج ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں مجرم اقرار جرم نہیں کررہا بلکہ وہ تو یہ کہتا ہے کہ میں وہ شخص ہوں جو اس عورت کی مدد کو پہنچا تھا۔ اسکا جواب یہ ہوگا ــ واللہ اعلم ــ کہ یہ دراصل قوت موقف کی بنا پر نفاذِ حد ہے۔ کیونکہ شواہد کی رُو سے وہ شخص لوگوں کے سامنے بے تحاشا بھاگ رہا تھا جب اسے پکڑا گیا تو اس نے اقرار بھی کیا کہ وہ اس عورت کے پاس گیا تھا۔ اور اسکی مدد کو پہنچا تھا۔ دوسری طرف عورت کا یہ دعوٰے کہ یہی شخص مجرم ہے۔ یہ تمام قرائن ملزم کو مرتکب جرم قرار دیتے ہیں

چنانچہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے اسیطرح کے یا قریب قریب ایسے ہی حالات میں جرم عمداً کرکے زنا اور شراب کی حد قائم کی ہے۔ مثلاً حمل کا پایا جانا۔ اور ملزم کے منہ سے شراب کی بو آنا۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مقتول کے اولیاء سے کہا تھا کہ وہ قسم اٹھائیں کہ فلاں شخص قاتل ہے۔ اگرچہ انھوں نے ارتکاب جرم آنکھوں سے نہ دیکھا ہو۔ ہنوز ملزم کو ان کے حوالے نہیں کیا گیا تھا کہ حقیقتِ حال اسکے برعکس منکشف ہوئی چنانچہ اسی کے مطابق فیصلہ ہوا۔ اس کی مثال یوں ہے کہ چار گواہوں نے ایک شخص کے خلاف زنا کی شہادت دی۔ جب واقعہ کی تحقیق کی گئی تو عورت کی دوشیزگی یا گواہوں کا جھوٹا ہونا ثابت ہوا۔ تو ایسی صورت میں اگرچہ حد کا فیصلہ ہوچکا ہو۔ اسکا نفاذ روک دیا جائیگا یہی صورتِ حال اس حدیث میں ہے۔ اس حدیث کا شمار مشکل ترین احادیث میں ہوتا ہے

علامہ ابن قیّم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے اس ضمن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فیصلوں کے موضوع پر ایک کتاب میں سند کے بغیر یہ روایت پڑھی ہے۔ کہ ایک یتیم بچی ایک ایسے شخص کے زیر کفالت تھی جو اکثر و بیشتر اپنے گھر سے باہر رہتا تھا جب وہ لڑکی جوان ہوگئی تو اس شخص کی عورت کو یہ فکر لاحق ہوگئی کہ اسکا خاوند کہیں اس لڑکی سے شادی نہ کرلے۔ اس نے اندیشے کے پیش نظر کچھ اور عورتوں کی مدد سے زبردستی اس عورت کی شرمگاہ میں انگلی ڈال کر پردہ بکارت پھاڑ دیا۔ جب عورت کا خاوند

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سفر سے لوٹا تو اس نے لڑکی پر زنا کی تہمت لگائی۔ اس جرم میں جن عورتوں نے اسکی معاونت کی تھی۔ انہیں گواہ ٹھہرایا۔ مقدمہ حضرت علیؓ کی عدالت میں پیش ہوا۔ آپؓ نے اس عورت سے سوال کیا۔ کیا تم اپنے دعوے کے سلسلے میں گواہ پیش کرسکتی ہو؟ عورت نے ان مددگار عورتوں کو پیش کردیا اور کہا کہ یہ میری شاھد ہیں۔ حضرت علیؓ نے تلوار اپنے سامنے رکھ لی اور تمام عورتوں کو ایک دوسری سے علیحدہ کردیا۔ پھر مدعیہ کو طلب فرمایا اور مختلف طریقوں سے حقیقت اگلوانے کی کوشش کی مگر وہ اپنے موقف پر ڈٹی رہی۔ حضرت علیؓ نے اسکو واپس اسی جگہ بھیج دیا جہاں اسے رکھا گیا پھر حضرت علیؓ نے گواہ عورتوں میں سے ایک کو طلب کیا۔ اور گھٹنے ٹیک کر اس کے سامنے بیٹھ گئے اور کہا وہ عورت جس کی تم گواہ ہو۔ اس نے سب کچھ صحیح صحیح بتا دیا ہے۔ اور میں نے اسے امان دے دی ہے۔ اور اگر تو اصل حقائق واضح نہیں کریگی تو میں تیرے ساتھ یہ کرونگا اور وہ کرونگا (یعنی سختی سے پیش آؤنگا) اس عورت نے کہا خدا کی قسم! اصل مجرم وہی عورت ہے اس نے انگلی سے لڑکی کی بکارت ضائع کردی۔ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ اَللّٰہُ اَکْبَر میں پہلا فرد ہوں جس نے گواہوں کو علیحدہ علیحدہ بلا کر گواہی لی اور انکے بیان میں فرق کو جانا[1] آپؓ نے عورت پر حدِ قذف جاری کی اور گواہ عورتوں کو معاف کردیا۔ اس عورت کے خاوند کو حکم دیا کہ وہ اس عورت کو طلاق دیدے۔ اور اس یتیم لڑکی سے نکاح کرے۔ آپؓ نے اپنی طرف سے اس یتیم لڑکی کا مہر ادا کردیا۔ پھر آپؓ نے حاضرین مجلس سے خطاب کرتے ہوئے ایک واقعہ سنایا جو یوں تھا۔ حضرت دانیال علیہ السلام یتیم تھے۔ ان کے ماں باپ نہ تھے بنی اسرائیل کی ایک بڑھیا نے انہیں گود لے لیا اور انکی کفالت کی۔ اس زمانے میں ایک بادشاہ تھا جس کے دو قاضی تھے۔ ایک عورت جو نہایت حسین وجمیل اور بارعب تھی۔ وہ بادشاہ کے پاس اکثر وبیشتر آتی تھی اور اسے پند ونصیحت کرتی تھی۔ وہ دونوں قاضی اس عورت کے عشق میں گرفتار ہوگئے لیکن ہزار کوشش کے باوجود بھی عورت کو بہلانے پھسلانے اور دام فریب میں پھنسانے میں ناکام رہے۔ اپنی ناکامی سے جھنجھلا کر انہوں نے بادشاہ کے روبرو پیش ہوکر گواہی دی کہ وہ زنا کی مرتکب ہوئی ہے چنانچہ بادشاہ بڑی مشکل میں پڑ گیا۔ اور اسے بیحد صدمہ پہنچا کیونکہ وہ عورت کی شرافت کا قائل تھا۔ مگر ان دو قاضیوں کی شہادت کو بھی جھٹلایا نہیں جاسکتا

[1] اس حدیث کو امام عبدالرزاقؒ نے مصنف میں قدرے اختصار سے روایت کیا ہے ملاحظہ ہو جلد ۷ ص ۴۱۱، ۴۱۲

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھا۔ اس نے عورت کو تین دن کی مہلت دی اور شہر میں منادی کرادی کہ فلاں روز فلاں عورت کو سنگسار کیا جائیگا لوگ اسے دیکھنے کیلئے حاضر ہو جائیں۔ بادشاہ نے اگرچہ فیصلہ کی منظوری دیدی لیکن وہ بہت پریشان تھا۔ اس نے ایک معتمد مصاحب سے پوچھا کیا کوئی ایسی صورت ہو سکتی ہے جس سے اس عورت کی جان بچ جائے؟

اس نے جواب دیا۔ اب کیا کیا جاسکتا ہے۔ اس کے جرم کی گواہی دو قاضی دے چکے ہیں تیسرے روز وہ مصاحب گھر سے نکلا تو اس نے دیکھا کہ چند بچے کھیل رہے ہیں انہیں حضرت دانیالؑ بھی تھے لیکن وہ شخص انہیں پہچانتا نہیں تھا۔ وہ دلچسپی سے انکا کھیل دیکھنے لگا حضرت دانیال نے لڑکوں سے کہا۔ آؤ میں تمہارا بادشاہ بنتا ہوں اور اے فلاں تو فلاں زاہد عورت بن جا۔ دو لڑکیوں کو قاضیوں کا کردار دیا اور کہا کہ وہ ہماری عدالت میں عورت کے خلاف زنا کی گواہی دیں۔ پھر حضرت دانیال مٹی اکٹھی کر کے اس تودے پر بیٹھ گئے۔ اور اپنے دائیں ہاتھ میں لکڑی کی بنی ہوئی تلوار رکھ لی۔ اب صورت ایک عدالت کی سی تھی دونوں قاضی لڑکے اور وہ لڑکا جو زاہدہ عورت کے روپ میں تھا۔ دانیالؑ نے لڑکوں سے کہا کہ وہ ایک قاضی کا ہاتھ پکڑ کر دور فلاں جگہ لے جائیں۔ جب وہ چلے گئے تو دوسرے کو بلا کر سختی سے کہا سچ سچ بتا ورنہ تجھے قتل کردونگا۔ مجھے بتا تو کس بنا پر گواہی دیتا ہے۔ قاضی لڑکے نے جواب دیا میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ عورت زنا کی مرتکب ہوئی ہے۔ دانیالؑ نے پوچھا کب؟ ننھے قاضی نے جواب دیا فلاں روز۔ حضرت دانیالؑ نے سوال کیا کس آدمی کے ساتھ اس نے بدکاری کی؟ قاضی نے کہا فلاں بن فلاں کے ساتھ حضرت دانیالؑ نے پوچھا کس جگہ پر؟ ننھا قاضی بولا فلاں جگہ پر۔ حضرت دانیالؑ نے حکم دیا کہ اسے واپس لے جاؤ۔ اور دوسرے قاضی کو حاضر کرو۔ جب دانیالؑ نے دوسرے قاضی سے اسیطرح کے سوالات کئے۔ تو معلوم ہوا اسکا بیان پہلے کے بیان سے مختلف تھا حضرت دانیال پکار اٹھے اللہ اکبر! دونوں نے جھوٹی شہادت دی ہے۔ پھر انہوں نے دونوں کو طلب کیا اور قتل کا حکم دیا

بادشاہ کے معتمد نے یہ تمام واقعہ دیکھکر بعینہ بادشاہ کو سنادیا۔ بادشاہ نے قاضیوں کو بلا کر دانیالؑ کیطرح فرداً فرداً ان سے بیان لیا۔ ان کے بیانات میں اسی طرح کے اختلافات تھے جیسا کہ ان دونوں ننھے قاضیوں کے بیانات میں تھے۔

بادشاہ نے بھی اپنے قاضیوں کے ساتھ وہی کیا جو حضرت دانیالؑ نے کیا تھا اور اعلان کرادیا کہ لوگ قاضیوں کے قتل کا مشاہدہ کرنے کیلئے جمع ہو جائیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مالی مقدمات میں حضرت علیؓ کا طریق کار

حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ قرض کے مطالبات میں کسی مقروض کو قید نہیں کرتے تھے بلکہ ایسا کرنیوالے کو ظلم سے تعبیر کرتے تھے

امام ابوداؤدؒ اپنی کتاب سنن ابی داؤد کے علاوہ کسی دوسری جگہ بروایت محمد بن علی حدیث روایت کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ کسی شخص کو قرض میں یہ جان کر بھی کہ مقروض پر قرض واجب الاداء ہے۔ قید کرنا ظلم ہے۔ اسیطرح امام ابوحاتم رازیؒ [1] حضرت علی رضؓ کے متعلق ایک روایت بیان کرتے ہیں کہ مقروض کو قید خانے میں بھجوانا یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس کے ذمے قرض ہے ظلم ہے۔ ابونعیمؒ [2] کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے پاس جب بھی کوئی قرضخواہ اپنے مقروض کو لیکر حاضر ہوتا اور کہتا کہ میرا اس کے ذمے اتنا قرض ہے۔ تو حضرت علی رضؓ مقروض سے فرماتے کہ وہ قرض ادا کردے مقروض جواب دیتا میں ادائیگی سے قاصر ہوں قرضخواہ کہتا یہ جھوٹ کہتا ہے۔ اس نے مال چھپا رکھا ہے حضرت علیؓ فرماتے اگر اس کے پاس مال ہے تو کوئی دلیل لاؤ تاکہ میں تمہارے حق میں فیصلہ دے سکوں قرضخواہ کہتا اس نے مال چھپا کر رکھا ہے میں دلیل کہاں سے لاؤں؟ حضرت علی رضؓ فرماتے۔ میں اس سے حلف لیتا ہوں کہ اس نے مال نہیں چھپایا۔ قرضخواہ کہتا مجھے اسکی قسم کا کوئی اعتبار نہیں۔ حضرت علی رضؓ فرماتے۔ آخر تم چاہتے کیا ہو؟ قرضخواہ کہتا میں چاہتا ہوں اسکو قید کردیا جائے۔ حضرت علی رضؓ فرماتے ہیں اس کے اوپر ظلم کے ارتکاب میں تمہاری مدد نہیں کرسکتا قرضخواہ کہتا تو پھر اس پر ادائیگی قرض لازم کیجئے۔ حضرت علی رضؓ فرماتے۔ اگر میں ایسا کروں گا۔ تو اس پر ظلم کا ارتکاب کرونگا۔ حالانکہ میں تم دونوں کے درمیان ثالث ہوں۔

---

[1] امام ابوحاتم محمد بن ادریس بن المنذر الرازیؒ ۱۹۵ھ میں پیدا ہوئے اپنے زمانے کے مشہور علماء سے حدیث سنی جرح وتعدیل میں انکی تصانیف بہت مشہور ہیں۔ [2] حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصفہانی ۳۳۶ھ میں پیدا ہوئے۔ اپنے زمانے کے مشاہیر علماء سے اکتساب علم کیا۔ علوم حدیث خصوصاً علم رجال میں بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ المستخرج علی البخاری، المستخرج علی مسلم، حلیۃ الاولیاء، اور دلائل النبوۃ انکی بہت مشہور کتابیں ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ حضرت علیؓ کی اس رائے کو جمہور امت نے اختیار کیا ہے یعنی ایسا قرض جو عوض مالی کے بغیر ہو جیسے مال کا اتلاف، ضمانت اور مہر وغیرہ، اس میں مقروض کی قسم کا اعتبار کیا جائیگا۔ اور اسے قرضخواہ کے مجرد قول پر (کہ مقروض کے پاس مال ہے اور اس نے چھپا رکھا ہے) قید کرنا جائز نہیں۔ سب کا کہنا یہ ہے کہ آخر مقروض کے مقابلے میں قرضخواہ کے قول کا کیونکر اعتبار کیا جاسکتا ہے۔ حالانکہ اس کے پاس کوئی دلیل نہیں اور نہ مقروض کے پاس عوض مالی ہے۔ اسی رائے کا اظہار امام مالک رحمہ امام شافعیؒ اور امام احمد رحمہم اللہ علیہم سب کے اصحاب کرتے ہیں لیکن امام ابوحنیفہؒ کے اصحابؒ نے قرض کو تین اقسام میں تقسیم کیا ہے۔

قسم اوّل ــــ وہ قرض جو مالی معاوضہ ہو جیسے قرض دینا اور بیچی ہوئی چیز کی قیمت وغیرہ

قسم ثانی ــــ وہ قرض جو مقروض اوڑھ لے (یعنی اپنے ذمہ لے لے) مثلاً کفالت، مہر اور خلع کا معاوضہ وغیرہ۔

قسم ثالث ــــ تیسری قسم کا قرض وہ ہے جو مقروض کی مرضی کے بغیر ہی اس پر عائد ہو جاتا ہے۔ اور وہ کسی معاوضہ میں نہیں ہوتا جیسے مال تلف ہونے کا نقصان یا جرم کا تاوان۔ بیوی بچوں کا نفقہ اور مشترکہ غلام کو آزاد کرنا وغیرہ

حنفی مسلک کی رُو سے پہلی دونوں قسموں میں مدعی سے پوچھا جائیگا۔ کہ آیا مقروض ادائیگی کے قابل ہے یا نہیں۔ اگر مدعی مقروض کی معذوری کو مان لے تو مقروض کو قید نہ کیا جائے گا۔ اگر مدعی اسکی ناداری کو تسلیم نہ کرے۔ اور مقروض کے پاس قرض کی ادائیگی کیلئے معاوضہ وغیرہ موجود ہونا ثابت ہو جائے اور قرضخواہ اسے قید کرنے کا مطالبہ کرے تو اسے قید میں ڈال دیا جائیگا۔ کیونکہ اصل بات ادائے قرض کی صلاحیت ہے۔

تیسری صورت میں مقروض نے چونکہ قرض اپنی رضامندی سے اپنے ذمہ لیا ہے اس لئے یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ قرض کی ادائیگی کی قوت رکھتا ہے۔ اور اگر مقروض قید ہونے سے پہلے یا بعد میں اپنی ناداری کا ثبوت پیش کرے تو آیا وہ قابل تسلیم ہے یا نہیں؟ اس بارے میں حنفیہؒ کی دو رائے ہیں۔ ایک خیال یہ ہے کہ اسکو قید کرنے کے بعد اسکی ناداری پر کوئی دلیل نہ سنی جائے گی۔ ان کا پھر مدت حبس میں اختلاف ہے

قید کی مدت ــــ بعض کے نزدیک قید کی مدت ایک ماہ ہوگی کچھ حضرات دو ماہ، کچھ تین ماہ، کچھ چار ماہ اور کچھ چھ ماہ کی قید کا فتویٰ دیتے ہیں اور صحیح ترین قول یہ ہے کہ قید کی مدت کا تعین

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حاکم وقت کی صوابدید پر منحصر ہے ۔ یہ تو حنفیہ کی آراء تھیں جو ہم نے آپ کے سامنے پیش کیں
حقیقت یہ ہے کہ قرآن وسنت اور قواعد شرعیہ جس امر پر دلالت کرتے ہیں وہ یہ ہیں
کہ مقروض کو کسی حال میں قید نہ کیا جائے سوائے اس صورت کے جبکہ قرینہ سے ظاہر ہوتا ہو کہ
وہ قرض کی ادائیگی پر قادر ہے مگر ٹال مٹول سے کام لے رہا ہے ۔ اب چاہیے یہ قرض عوض مال
یا غیر عوض مال ہو مقروض نے اسے اپنی مرضی سے اختیار کیا ہو یا بلا اختیار اس پر عائد ہوا ہو
چونکہ قید ایک سزا ہے اس لئے ثبوت جرم کے بغیر نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ سزا بھی حدود شرعیہ
(شرعی سزاؤں) کی ایک قسم ہے ۔ اور کسی حد کو شبہ کی صورت میں نافذ نہیں کیا جا سکتا بلکہ
حاکم پر لازم ہے کہ وہ کامل غور و فکر اور تدبر سے واقعہ کی تفتیش کرے اور جب یہ بات ثابت
ہو جائے کہ مقروض قرض کی ادائیگی کی قدرت رکھتے ہوئے ٹال مٹول سے کام لے رہا ہے اسے
سزائے ضرب دیجائے یا اسے جیل بھجوا دیا جائے یہاں تک کہ وہ قرض ادا کر دے ۔ گو قرضخواہ
اس کے نادار ہونے کو تسلیم نہ کرے ۔ دراصل ادائیگی سے معذور ہونے پر اسے سزا دینا شرعاً ظلم ہے
اگر حاکم مقروض کے حال سے بالکل بے خبر ہو تو اسے چاہیئے کہ وہ مقدمے کے فیصلے کو
اسوقت تک ملتوی کر دے جبتک کہ حقیقت حال اس پر واضح نہ ہو جائے ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیوالیہ کے قرضخواہوں کو واضح طور پر ارشاد فرمایا تھا
جو کچھ تمہیں ملتا ہے وہ لے لو ۔ اس کے علاوہ تمہیں اور کچھ حق نہیں ملے گا ۔ [۱]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اس بات پر صریحاً دلالت کرتا ہے کہ مقروض کے
پاس جو کچھ ملے قرضخواہ وہ تو لے سکتا ہے ۔ اس کے علاوہ اور کچھ مطالبہ نہیں کر سکتا لہٰذا
مقروض کو نہ قید کیا جا سکتا ہے اور نہ اس پر مزید ادائیگی کی کوئی پابندی ہوگی ۔

اور اس میں شک نہیں کہ حبس ضرب ہی کی ایک قسم ہے بلکہ بعض صورتوں میں ضرب
سے بھی شدید تر ہوتی ہے ۔ اگر قرضخواہ کا یہ مطالبہ ہو کہ ادائیگی قرض کیلئے مقروض کو مارا پیٹا جائے
تو اسے ناقابل قبول مانا گیا ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ قرضخواہ کیطرف سے قید یا کسی اور
سخت تر سزا کا مطالبہ تسلیم کیا جائے ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام عمر قرض کی ادائیگی نہ کرنے کی صورت میں کسی کو قید نہیں کیا
نہ آپ کے بعد حضرات ابوبکر و عمر و عثمان رضوان اللہ تعالیٰ علیہم نے ۔ اور حضرت علیؓ کا
مسلک تو ہم اچھی طرح واضح کر چکے ہیں ۔

---

[۱] نیل الاوطار جلد ۵ صـ ۲۷۲

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسی طرح ـــــ امام لیث بن سعدؒ نے امام مالک کو جو خط لکھا اسمیں مرقوم ہے کہ عورتوں کے مہر کے بارے میں اہل مدینہ کا قول ہے کہ عورت اپنے غیر اداشدہ مہر کے بارے میں جب چاہے مطالبہ کر سکتی ہے۔ اور مہر اسکو دلوایا جائیگا۔ اہل عراق، اہل شام اور اہل مصر نے بھی اس مسئلہ میں اہل مدینہ کی موافقت کی ہے۔

لیکن صحابہ کرامؓ یا تابعینؒ میں سے کسی نے بھی واجب الادا مہر کی ادائیگی کا فیصلہ نہیں دیا سوائے اس صورت کے جبکہ موت یا طلاق دونوں میں جدائی ڈال دے تب عورت کا حق قائم ہوگا۔

علامہ ابن قیمؒ کہتے ہیں۔ مہر مؤخر سے مراد وہ مہر ہے جس کی ادائیگی بوقت نکاح نہ کی گئی ہو، اور اسکو متعین کر کے چھوڑ دیا گیا۔ مہر مؤخر سے مراد مہر مؤجل نہیں ہے۔ کیونکہ مہر مؤجل کے متعلق امت کا اتفاق ہے کہ عورت مقررہ مدت سے پہلے مہر مؤجل کا مطالبہ نہیں کر سکتی بلکہ اس کی حیثیت دیگر قرضوں کی سی ہے۔

مہر مؤخر سے مراد ہے جیسا کہ آج کل لوگوں میں رواج ہے کہ مہر کا کچھ حصہ تو بیوی کو ادا کر دیتے ہیں اور کچھ حصہ مؤخر کر دیتے ہیں جب میاں بیوی میں اتفاق رہتا ہے بیوی یا اس کے سرپرست اسکا مطالبہ نہیں کرتے۔ اور عام طور پر بیوی بھی خاوند سے اسوقت تک اس مہر کا مطالبہ نہیں کرتی جبتک دونوں میں کوئی جھگڑا نہیں ہوتا۔ یا۔ خاوند کسی دوسری عورت سے شادی نہیں کر لیتا۔

اللہ جانتا ہے خاوند، گواہ، عورت اور اس کے ولی بھی اس سے آگاہ ہیں۔ کہ مہر مؤخر پر میاں بیوی خلوت کر لیتے ہیں۔ بلکہ اکثر لوگ تو محض دکھاوے کے طور مہر مقرر کر دیتے ہیں۔ وعدہ بھی کرتے ہیں بلکہ حلف بھی اٹھاتے ہیں کہ وہ مہر کا مطالبہ نہیں کریں گے اس صورت میں عورت کا دعوےٰ طلاق، یا خاوند کی وفات کے بعد ہی سنا جاتا ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں خاوند سے مہر کا مطالبہ نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اور نہ عدم ادائیگی پر اسکو قید کیا جا سکتا ہے۔ عورت طلاق یا خاوند کی موت کی صورت میں ہی مہر کا مطالبہ کر سکتی ہے۔ درست بھی یہی ہے کیونکہ اس کے بغیر عوام کے مصالح قائم نہیں رہ سکتے۔

استاد محترم شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب سے عورتوں کو مہر مؤخر کے مطالبے پر مسلط کر دیا گیا ہے۔ اور عدم ادائیگی کی صورت میں خاوند

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو قید کیا جانے لگا ہے معاشرے میں فساد اسقدر بڑھ گیا ہے جسے اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے عورت جب کبھی یہ محسوس کرتی ہے کہ خاوند اسے گھر میں بیٹھنے کی تلقین کرتا ہے۔ اور اگر کہیں وہ جانا چاہتی ہے تو خاوند اسے منع کر دیتا ہے۔ تو وہ فوراً مہر کا مطالبہ کر دیتی ہے۔ خاوند قید کر دیا جاتا ہے۔ اور بیوی جہاں چاہتی ہے آزادی سے گھومتی پھرتی ہے۔ بیوی اپنی مرضی سے اپنے شب و روز جہاں چاہتی ہے گذارتی ہے۔ اور خاوند قید میں پیچ و تاب کھاتا رہتا ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ عموماً شرط تو یہ ہوتی ہے کہ مہر کی ادائیگی وقتِ مقررہ پر ہوگی۔ البتہ عورت جب چاہے مطالبہ کر سکتی ہے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ حقیقتِ حال کا علم ہو جانے کے بعد اس شرط کا کوئی اعتبار نہیں رہتا۔ لہذا اگر خاوند کو معلوم ہو جائے کہ یہ مہر مؤخر ایک مدت تک کیلئے محض قرض کی ایک صورت ہے۔ اور عورت ایک دن بعد یا ایک ماہ بعد اسکا مطالبہ کرنے کا حق رکھتی ہے اور عدم ادائیگی کی صورت میں اسے قید بھی کروا سکتی ہے تو وہ اس شرط کو قبول کرنے پر کبھی راضی نہ ہوگا۔

عورت کے سرپرست اسے مہر معینہ کا نام دیتے ہیں تاکہ عورت اس کے ذریعے بناؤ سنگھار کر سکے۔ اصل مہر تو وہی ہے جو خاوند اسے مہر کے طور پر ادا کرے

اگر دونوں میں طلاق یا خاوند کی موت کی صورت میں جدائی واقع ہو جائے تو عورت مہر کا تقاضا کرتی ہے۔ لوگوں کے رسم و رواج اور عرف کے مطابق یہی مہر مؤخر ہے اور ان کے معاملات اس کے بغیر نہیں چل سکتے۔ واللہ المستعان

اس تفصیل کو پیش کرنے سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ قرض کے سلسلے میں مقروض کو قید کرنا یا کوڑے وغیرہ سے مارنا سزا ہی کی ایک قسم ہے۔ اور موجب سزا کے تحقق کے بغیر اتنی بڑی سزا دینا ہرگز جائز نہیں۔ اور نہ شبہ میں یہ سزا نافذ کیجا سکتی ہے۔ بلکہ شبہ کی صورت میں سزا کا ساقط ہونا اس کے نفاذ کی نسبت قواعد شرعیہ سے قریب تر ہے۔

اصبغ بن نباتہ رح روایت بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت علی رض اپنی مجلس میں تشریف فرما تھے کہ آپ رض نے شور کی آواز سنی۔ آپ نے پوچھا یہ شور کیسا ہے؟ لوگوں نے جواب دیا۔ ایک شخص نے چوری کا ارتکاب کیا ہے۔ لوگ گواہی کیلئے حاضر ہوئے ہیں۔ حضرت علی رض نے انہیں حاضر ہونے کا حکم دیا۔ چنانچہ انکو حضرت علی رض کے سامنے حاضر کر دیا گیا۔ ان میں سے دو گواہوں نے گواہی دی کہ اس شخص نے زرہ چوری کی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ملزم نے زاروقطار رونا شروع کر دیا۔ اس نے حضرت علیؓ سے عرض کی کہ وہ اس معاملے میں پورے غوروفکر سے فیصلہ کریں۔ حضرت علیؓ بازار میں لوگوں کے مجمع میں تشریف لے گئے۔ آپؓ نے گواہوں کو طلب کیا۔ اور گواہی کے بارے میں دونوں گواہوں کو خدا کا خوف دلایا۔ دونوں گواہ اپنی شہادت پر قائم رہے۔ آپؓ نے جب یہ دیکھا کہ گواہ اپنی شہادت پر قائم ہیں۔ تو آپ نے چھری منگوائی۔ اور گواہوں کو حکم دیا کہ ان میں سے ایک ملزم کا ہاتھ پکڑے اور دوسرا اس چھری سے اسکا ہاتھ کاٹ دے۔ دونوں گواہ حکم کی تعمیل کیلئے اٹھے۔ لوگوں کا جوش وخروش بڑھ گیا۔ اور انہوں نے بھیڑ کر دی۔ حضرت علیؓ اپنی جگہ سے اٹھے تو گواہ ملزم کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا، کون مجھے ان جھوٹوں کا پتہ دے گا۔ لوگوں نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ آپؓ نے ملزم کو بری کر دیا۔

یہ فراست کی بہترین مثال ہے۔ آپ نے معاملہ گواہوں کے سپرد کر کے انکو حکم دیا کہ وہ خود ملزم کے ہاتھ کاٹیں۔ بنابریں فقہاءؒ کا قول ہے کہ زنا پر گواہی دینے والے گواہ ملزم کو سنگسار کرنے میں خود پہل کریں۔

ایک عورت نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر شکایت کی کہ اس کے خاوند نے اسکی اجازت کے بغیر اسکی لونڈی سے ہم بستری کر لی ہے۔ حضرت علیؓ نے جب خاوند سے پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ اس نے بیوی کی اجازت سے اسکی لونڈی سے خلوت کی ہے۔ حضرت علیؓ نے عورت سے فرمایا اگر تو سچی ہے تو میں تیرے خاوند کو سنگسار کروائے دیتا ہوں۔ اور اگر تو جھوٹی ہوئی تو تجھ پر قذف کی حد نافذ ہوگی۔ اتنی دیر میں نماز کھڑی ہو گئی۔ حضرت علیؓ نماز میں مشغول ہو گئے۔ عورت سوچ میں پڑ گئی۔ اسے اپنے خاوند کو رجم اور اپنے آپ کو کوڑوں سے بچانے کی کوئی راہ سجھائی نہیں دے رہی تھی۔ چنانچہ وہ وہاں سے چپکے سے کھسک گئی۔ ؎۱

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاضی کعب بن سور کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ دو عورتیں ایک مقدمے کیلئے انکی خدمت میں پیش ہوئیں۔ دونوں میں سے ایک عورت کے الٹے پاؤں سٹنے کی وجہ سے ایک کا بچہ روندا گیا تھا۔ اب دوسرے بچے پر دونوں عورتیں اپنا اپنا حق جتا رہی تھیں۔ کعب بن سور نے کہا مجھ میں سلیمان بن داود علیہما السلام کی سی فراست تو نہیں ہے ــــ پھر انہوں نے نرم مٹی منگوا کر فرش پر بچھوا دی۔

؎۱ سنن بیہقی جلد ۸ ص ۲۴۰ قدرے مختلف الفاظ کے ساتھ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور دونوں عورتوں کو اس پر ننگے پاؤں چلنے کا حکم دیا۔ پھر اس پر بچے کو چلوایا۔ پھر انہوں نے قیافہ شناس سے کہا کہ وہ نقوشِ پا کا مطالعہ کر کے بچے کو حقیقی ماں کے حوالے کر دے۔

عمر بن شبہ رح [1] روایت کرتے ہیں۔ ہجر کے چشمے کے مالک نے حضرت عمر کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ وہ ایک ایسے چشمے پر حق ملکیت رکھتا ہے جس سے لوگوں کی زمینیں سیراب ہوتی ہیں۔ لہذا اسے ان لوگوں سے خراج وصول کرنے کی اجازت دی جائے حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اسکو خراج وصول کرنے کی اجازت دیدی کعب بن سور رح بول اٹھے۔ امیر المومنین! اسے خراج وصول کرنیکا اجازت نامہ عطا نہ کیا جائے حضرت عمرؓ نے پوچھا وہ کیوں؟ کعب بن سور نے کہا۔ پانی کا چشمہ اسکی اراضی سے پھوٹتا ہے جس کا پانی اردگرد لوگوں کی زمینوں میں پھیل جاتا ہے۔ اگر یہ شخص اپنے چشمے کا پانی لوگوں کی زمینوں کی طرف بہنے سے روک دے تو اس کی اپنی زمین غرقاب ہو جائے گی۔ اور اس صورت میں یہ اپنی زمین اور اپنے پانی سے مستفید نہیں ہو سکتا۔ لہذا اسے حکم دیجئے کہ وہ اپنے چشمے کے پانی کو لوگوں کی اراضی کیطرف نہ بہنے دے۔ حضرت عمرؓ نے اس سے پوچھا کیا تو پانی کو لوگوں کی زمینوں کی طرف بہنے سے روک سکتا ہے؟ اس نے نفی میں جواب دیا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ تب تو کعب کی بات درست ہے۔ [2]

اسلامی قانون میں ایک گواہ اور مدعی کے حلف کی حیثیت

حدود کے سوا دیگر تمام مقدمات میں ایک معروف سچے گواہ کی گواہی پر جج فیصلہ کر سکتا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے حکام پر یہ چیز فرض نہیں کی کہ وہ ہر صورت کم از کم دو گواہوں کی گواہی پر فیصلہ دیں۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے مدعی کے ذمے یہ چیز عائد کی ہے کہ وہ اپنے حق کے ثبوت میں گواہ کے طور پر عدالت میں دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کو پیش کرے تاہم اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جج دو گواہوں سے کم کی گواہی پر فیصلہ کرنیکا مجاز نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گواہ اور اس کے ساتھ مدعی کے حلف

---

[1] ابو زید عمر بن شبہ رح بصرہ کے رہنے والے ممتاز حافظ حدیث، قابل اعتماد مؤرخ اور بہت بڑے عالم ہیں۔ بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں جن میں تاریخ بصرہ، تاریخ مدینہ وغیرہ بہت مشہور ہیں)۔ ۲۶۲ھ میں ۸۹ سال کی عمر میں فوت ہوئے۔

[2] اخبار القضاۃ جلد ۱ ص ۲۷۷

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یا فقط ایک گواہ کی شہادت پر بھی فیصلہ کیا ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک گواہ کی شہادت پر فیصلہ کیا ہے۔ ۱؎ ابوداود حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گواہ اور مدعی کی قسم کی بنا پر فیصلہ صادر فرمایا ہے۔ ۲؎ امام شافعی رح حضرت جابر بن عبداللہ رض کے واسطے سے نقل کرتے ہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک گواہ اور مدعی سے حلف لے کر ایک مقدمے کا فیصلہ کیا ہے۔ بیہقی حضرت علی رض سے روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدعی کی قسم اور ایک گواہ کی بنیاد پر فیصلہ صادر فرمایا ہے ۳؎

حافظ منذری رح رقمطراز ہیں کہ ایک گواہ اور مدعی کی قسم والی حدیث حضرت عمر رض، علی بن ابی طالب رض، عبداللہ بن عمر رض، عبداللہ بن عمرو رض، سعد بن عبادہ رض، مغیرہ بن شعبہ رض، عمرو بن حزم رض، زبیب بن ثعلبہ رض اور صحابہ رض کی ایک جماعت نے روایت کی ہے۔ اس کی نظیر بناتے ہوئے حضرت عمر رض حضرت علی رض، قاضی عادل شریح رح، عمر بن عبدالعزیز رح، لیث بن سعد رح اور یحیی بن سعید رح نے فیصلے بھی کئے ہیں۔ اور ہمارے نزدیک سنت بھی یہی ہے۔

ابوعبید رح ۴؎ کہتے ہیں یہ سنن ظاہرہ ہیں جسے ہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور آپ کے نشان راہ پر چلتے ہوئے اختیار کرتے ہیں جسے اللہ تعالے کی طرف سے فہم قرآن عطا ہوا ہے اسے معلوم ہے کہ یہ فیصلہ کتاب اللہ کے خلاف نہیں ہے۔ بھلا اللہ اور اس کے رسول ص کے فیصلے ایک دوسرے کے خلاف کیونکر ہو سکتے ہیں۔ یہ تو محض فہم کی غلطی ہے جو ایسا سمجھ لیا گیا ہے۔

۱؎ نیل الاوطار جلد ۸ ص ۲۹۲ بحوالہ مسند امام احمد صحیح مسلم ابوداود اور ابن ماجہ، امام احمد کی روایت میں یہ وضاحت موجود ہے کہ یہ گواہی مالی مقدمات میں تھی۔ ۲؎ نیل الاوطار جلد ۸ ص ۲۹۳ بحوالہ ابوداود، ترمذی اور ابن ماجہ

۳؎ السنن الکبری بیہقی جلد ۱۰ ص ۱۷۰

۴؎ ابوعبید قاسم بن سلام ہروی رح انکا باپ ایک رومی غلام تھا۔ ابوعبید بچپن ہی سے حدیث فقہ اور ادب میں مشغول ہو گئے تھے۔ ادب و لغت میں ابوعبیدہ کسائی ابن الاعرابی اور فراء جیسے جہابذہ لغت کے شاگرد رہے فہم حدیث میں بہت مشہور ہوئے بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں صاحب اجتہاد تھے فقہ میں فقہائے حدیث کی منہاج کی پیروی کرتے تھے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان لوگوں نے جب یہ دیکھا کہ بظاہر قرآن مجید میں حلف کا ذکر نہیں ہے۔ تو انہوں نے اسے کتاب اللہ کے خلاف سمجھ لیا ہے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ حلف لینا کتاب اللہ کے خلاف تب ہوتا اگر اللہ تعالےٰ نے حلف لینے کو حرام قرار دیا ہوتا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے حلف لینے سے منع نہیں فرمایا۔ بلکہ کتاب اللہ نے تو اسکا اثبات کیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرجل وامرأتان کہہ کر چھوڑ دیا۔ اس کے علاوہ دوسری صورتوں کی تفسیر سنت نے بیان کی ہے سنت رسولؐ قرآن کی مفسر اور اسکی ترجمان ہے۔ اس لئے اکثر قوانین کی بنیاد سنت ہے

چنانچہ وارث کیلئے وصیت کی ممانعت، رضاعت اور نسب کے اصول کی بنا پر حرمت شادی شدہ زناکار کو سنگسار کرنا، بیوی کی خالہ اور پھوپھی سے نکاح کی حرمت، مسلمان اور کافر کا ایک دوسرے کا وارث نہ ہونا، تین طلاق والی عورت کو پہلے خاوند کیلئے حلال ہونے کیلئے دوسرے خاوند سے ہم بستری کو واجب قرار دینا، اور اسی قسم کی دیگر بے شمار مثالیں ہیں جن کے متعلق بظاہر قرآن مجید میں احکام موجود نہیں ہیں ــــ مگر ــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکی وضاحت فرمادی ہے اور ان پر عمل کرنا امت پر اسی طرح فرض ہے جیسے قرآن مجید کے کسی حکم پر عمل کرنا واجب ہے۔

ایک گواہ اور مدعی کے حلف کا معاملہ بھی مذکورہ بالا مثالوں کے زمرے میں آتا ہے اور یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک گواہ اور مدعی کے حلف پر فیصلہ دیا ہے۔ قرآن مجید میں مالی لین دین پر گواہی کے بارے میں آتا ہے۔

فَإِن لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ — اگر دو مرد گواہ میسر نہ ہوں تو ایک مرد اور دو
فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ (البقرہ) — عورتوں کو گواہ بنالو۔ [البقرۃ ۔۲۸۲]

اس سے معلوم ہوا کہ گواہی کا یہ نصاب اس صورت میں ہے جبکہ دو عورتیں میسر ہوں۔ اور اگر دو عورتیں بھی موجود نہ ہوں تو مدعی کا حلف دو عورتوں کی گواہی کے قائم مقام ہوگا۔ اسی طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے موزوں پر مسح کرنے سے سورہ مائدہ کی آیت کے ٹکڑے وَأَرْجُلَكُمْ کا یہ مفہوم متعین ہوتا ہے کہ اگر پاؤں پر موزے نہ ہوں تو انکو دھونا ہوگا۔ شادی شدہ زانی کو سنگسار کر کے آپ نے یہ واضح کر دیا کہ سورہ نور کی آیت فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ (پس ان دونوں کو سو سو کوڑے مارو) میں صرف کنوارے زانی مراد ہیں۔ اور اسی طرح کا معاملہ ان سنن کا ہے جن کا ذکر ہم گزشتہ سطور میں کر چکے ہیں تب کیا ایک گواہ اور مدعی کی قسم والی حدیث کو اس زمرے سے نکال دیا جائے گا۔ ؟

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مقدمات مالیہ میں شہادت کا نصاب

مالی مقدمات میں شہادت کے تین نصاب ہیں۔ اوّل۔ دو مردوں کی شہادت ثانی۔ ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت۔ ثالث۔ ایک مرد کی شہادت اور اس کے ساتھ مدعی کا حلف۔ جو کوئی ان تینوں میں سے کسی ایک نصاب کا انکار کرتا ہے۔ وہ درحقیقت سب کا انکار کرتا ہے اور اصولاً یہ ضروری بھی ہے۔ اور اس کا انکار کرنا علماء میں سے کسی کا بھی یہ قول نہیں ہے۔

ابو عبید قاسم بن سلام رح کہتے ہیں۔ اگر کوئی شخص ایک گواہ اور مدعی کے حلف کو قرآن کے خلاف کہہ کر رد کر دیتا ہے تو اس سے پوچھا جائے کہ دو مرد گواہوں کی موجودگی میں ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کے متعلق کیا خیال ہے؟ اگر وہ کہے کہ شہادت جائز ہے تو سوال کیا جائے کہ کیا یہ قرآن کی مخالفت نہیں ہے؟ کیونکہ قرآن مجید میں ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت کا جواز تو صرف دو مردوں کی عدم موجودگی کی وجہ سے ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد یوں ہے

"فَإِن لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ" یعنی اگر دو گواہ مرد میسر نہ ہوں۔ تو ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنا لو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد یوں نہیں ہے۔

وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِن رِّجَالِكُمْ أَوْ رَجُلًا وَامْرَأَتَيْنِ" یعنی اپنے دو مردوں میں سے دو گواہ بنا لو یا ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنا لو۔

— کہ جس سے اختیار کا شبہ ہوتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فدیہ کے بارے میں اختیار و انتخاب کا حق عطا کیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فَفِدْيَةٌ مِّن صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ (البقرۃ۔ ۱۹۶)

اور اسی طرح کی مثال قسم توڑنے کے کفارے کی ہے جس میں کفارہ دینے والے کو اختیار دیا گیا ہے کہ خواہ وہ دس مسکینوں کو کھانا کھلا دے یا ان کو لباس پہنا دے یا ایک غلام آزاد کر دے مگر قرض کی گواہی کے بارے میں یہ اختیار نہیں ہے بلکہ قرض کی گواہی والی یہ آیت وراثت والی آیت سے مشابہت رکھتی ہے۔

فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ (النساء۔ ۱۱) اگر میت کا کوئی بیٹا نہ ہو اور اس کے وارث اس کے ماں باپ ہوں تو ماں کیلئے میت کے ترکے سے ایک تہائی حصہ ہے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہاں بھی قرض کی گواہی والی آیت کیطرح "فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ" آیا ہے یہی اسلوب تیمم والی آیت میں ہے جیسا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا۔ اگر تمہیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمم کرو۔

یہی طرز بیان ظہار[1] والی آیت میں ہے۔ ارشاد فرمایا۔

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ (المجادلہ — ۴) جسے آزاد کرنے کیلئے غلام میسر نہ ہو تو وہ مسلسل دو مہینے روزے رکھے

یہی صورت متعۂ حج اور کفارۂ قسم میں ہے یعنی صرف عدم استطاعت کی صورت میں روزہ رکھ سکتا ہے۔ اب بتائیے مذکورہ دونوں صورتوں میں کونسا طریقہ قرآن کے خلاف ہے۔ گواہی کیلئے دو مردوں کے ہوتے ہوئے ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنانا، یا ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ کے طور پر موجود نہ ہونے کی صورت میں صرف ایک مرد اور مدعی کی قسم؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع نہیں کیا بس خاموشی اختیار کی ہے اور سنتِ رسول نے اسکی تفسیر کردی ہے۔

امام ابوعبید قاسم بن سلام آگے چل کر فرماتے ہیں۔ ہمیں ان فیصلوں میں اس سے بھی زیادہ بوالعجبیاں ملتی ہیں۔ رضاعتِ یتیم ہی کو لیجئے۔ اس یتیم کا صاحب حیثیت چچازاد بھائی اور ایک کھاتا پیتا ماموں موجود ہیں۔ ان حضرات کی رائے یہ ہے کہ اس یتیم کی رضاعت پر ماموں کو مجبور کیا جائے کیونکہ وہ محرم ہے۔ حالانکہ قرآن کریم کا حکم یہ ہے۔

وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ (البقرۃ — ۲۳۳) یعنی وارث پر بھی دودھ پلانے والی کے طعام ولباس کی وہی ذمہ داری ہے جیسی بچے کے باپ پر ہے۔

اور تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ چچازاد بھائی کے ہوتے ہوئے ماموں وارث نہیں

---

[1] ظہار ظہر بمعنی پیٹھ سے مشتق ہے۔ اور باب مفاعلہ کا مصدر ہے۔ اسکا معنی ہے دور ہونا مدد کرنا اور نیچے کپڑے پہننا۔ اور شرعی اصطلاح میں اسکا معنی ہے کسی مرد کا اپنی بیوی کو یہ کہنا کہ تو میرے لئے میری ماں کی پیٹھ کی مانند ہے۔ زمانہ جاہلیت اور اسلام کے ابتدائی زمانے میں اسکو طلاق کے لئے کنایہ سمجھا جاتا تھا۔ پھر سورہ مجادلہ میں ظہار کے احکام نازل ہوئے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بن سکتا۔ اس عجیب و غریب فیصلے کی نظیر نہ تو ہمیں سنت میں ملتی ہے اور نہ صحابہ کرامؓ کے اقوال میں۔ اسکے برعکس ایک گواہ اور مدعی کی قسم کی تائید میں ہمیں جو احادیث و آثار ملتے ہیں وہ تواتر کی حد تک پہنچے ہوئے ہیں۔ اور صحابہ و تابعین میں سے ایک سے زیادہ فقہا نے اس کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔

ربیع بن سلیمان ؒ کی روایت کے مطابق امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ بعض حضرات اپنے آپ پر زیادتی کرتے ہوئے ایک گواہ اور مدعی کی قسم کو رد کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ چونکہ یہ حکم قرآن کے منافی ہے۔ اس لئے ہم اسے قبول نہیں کرتے میں ان سے سوال کرتا ہوں کیا اللہ تعالیٰ نے دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی قبول کرنیکا حکم نہیں دیا۔ وہ جواب دیتے ہیں۔ ہاں میں ان سے پوچھتا ہوں کیا یہ حتمی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو سے کم گواہوں کا اعتبار نہیں کیا؟ وہ جواب دیتے ہیں اگر ہم یہ جواب دیں کہ اللہ تعالیٰ نے حتمی طور پر دو سے کم گواہوں کا اعتبار نہیں کیا تب؟ میں کہتا ہوں کیا آپ ان دو گواہوں کے اوصاف بھی گواہی کی صحت کیلئے شرط قرار دیتے ہیں؟ وہ جواب دیتے ہیں جی ہاں! ان گواہوں کو آزاد، مسلمان، بالغ اور عادل ہونا چاہیئے میں کہتا ہوں اگر کوئی شخص ان اوصاف کے بغیر گواہوں کی شہادت قبول کرے تو آپ کے خیال کے مطابق اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف ہے؟ وہ جواب دیتے ہیں جی ہاں! میں کہتا ہوں مگر آپ نے اپنے ہی فیصلے کے مطابق اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کی ہے۔ وہ پوچھتے ہیں کیسے؟ میں جواب دیتا ہوں۔ آپ ذمیوں کی شہادت کو قبول کرتے ہیں حالانکہ وہ آپ کی شرائط کے مطابق گواہی کے قابل نہیں ہیں۔ ولادت کے وقت اکیلی دایہ کی شہادت کو آپ نے قبول کیا ہے۔ ان دونوں مسئلوں میں آپ نے عُرف [1] کا لحاظ رکھا ہے۔ نیز آپ نے قسامہ وغیرہ میں شہادت کے بغیر بھی فیصلہ کیا ہے۔

ایک گواہ اور مدعی کی قسم کا مسئلہ تو قطعاً قرآن کے خلاف نہیں ہے بلکہ ایک لحاظ سے قرآن کے عین مطابق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی اطاعت فرض کردی ہے۔ آپ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتے ہیں تو درحقیقت آپ اللہ تعالیٰ کا حکم بجالاتے ہیں۔ وہ پوچھتے ہیں کیا آپ کے دعویٰ پر قرآن مجید کی

---

[1] ہر وہ امر جسے ہر نفوس انسانی شہادت عقل کی بناپر استقرار حاصل کرلیں اور طبائع سلیمہ اسے قبول کرلیں (التعریفات للجرجانی)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کوئی دلیل ہے۔ ؟ میں جواب دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے وضو میں پاؤں دھونے کا حکم دیا ہے مگر ہم سنت کی بنا پر موزوں پر مسح کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْمَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ (الانعام ۱۴۵) کہہ دیجئے کہ جو میری طرف وحی کی گئی ہے۔ میں اسمیں کسی کھانے والے پر کوئی چیز حرام نہیں پاتا مگر ہم اور آپ نے تمام کچلی والے جانوروں کو صرف سنت کی بنا پر حرام تسلیم کیا جاتا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے محرم رشتوں کا ذکر کرنے کے بعد ارشاد فرمایا ہے وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ (النساء ـــــ ۲۴) جو رشتے اسکے علاوہ ہیں وہ تمھارے لئے حلال ٹھہرا دیئے گئے۔

ان رشتوں میں پھوپھی اور بھتیجی کو، خالہ اور بھانجی کو ایک شخص کی زوجیت میں جمع کرنے کی حرمت کا کہیں ذکر نہیں آیا۔ اور انہیں حلال ہونا چاہیئے تھا۔ مگر سُنت مطہرہ نے انکو ایک شخص کی زوجیت میں جمع کرنا حرام قرار دے دیا ہے۔ چنانچہ میں اور آپ سب ہی انکو ایک آدمی کے نکاح میں جمع کرنے کو حرام قرار دیتے ہیں اسی طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے شادی شدہ کو رجم کرنے کی سزا مقرر فرمائی ہے چور کا ہاتھ کاٹنے کیلئے چوری کا کم از کم معیار مقرر فرما دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی مخفی و متشابہات بیان کرتے ہیں۔ عام و خاص کے معنیٰ متعین فرماتے رہیں۔

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جج اور حاکم کو دو مردوں کی گواہی کا پابند بنا کر نہیں رکھ دیا۔ بلکہ حقوق کی حفاظت کیلئے دوسرے دلائل کیطرح شہادت کی یہ دو انواع بھی دلیل کے زمرے میں آتی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ۭ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۠ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـــًٔـا ۭ فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا

اے ایمان والو جب تم ایک مقررہ مدت تک آپسمیں لین دین کیا کرو تو اسے لکھ لیا کرو۔ تم میں ایک عادل کاتب لکھا کرے اور کاتب لکھنے سے انکار نہ کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے لکھنا سکھایا ہے پس اسے چاہیئے کہ وہ لکھے اور جسکے ذمے حق واجب ہے اسے چاہیے کہ وہ املا کروائے۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے اور اس حق میں کوئی کمی نہ کرے۔ اور اگر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَوۡ لَا یَسۡتَطِیۡعُ اَنۡ یُّمِلَّ هُوَ فَلۡیُمۡلِلۡ
وَلِیُّهٗ بِالۡعَدۡلِ وَاسۡتَشۡهِدُوۡا شَهِیۡدَیۡنِ
مِنۡ رِّجَالِكُمۡ فَاِنۡ لَّمۡ یَكُوۡنَا رَجُلَیۡنِ فَرَجُلٌ
وَّامۡرَاَتٰنِ مِمَّنۡ تَرۡضَوۡنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ
(البقرہ ۲۸۲)

وہ شخص جسکے ذمہ حق ہے کم عقل یا کمزور ہے یا وہ لکھوانا نہ جانتا ہو تو اسکا سرپرست عدل کیساتھ تحریر لکھوائے اور اپنے مردوں میں سے دو گواہ مقرر کرلو۔ اگر دو مرد نہ ملیں تو جن کو تم پسند کرتے ہو۔ انمیں سے ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنالو۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے مالی معاملات میں لکھت پڑھت کے ذریعے اپنے حقوق کی حفاظت کیا کریں تحریر لکھوانے کی ذمہ داری اس شخص کی ہے جس نے قرض ادا کرنا ہے۔ اگر وہ اچھی طرح لکھوانے پر قادر نہ ہو تو یہ ذمہ داری اس کے سرپرست کیطرف منتقل ہو جائیگی۔ اور وہ شخص جو قرض دے رہا ہے اسکی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ دو عادل مردوں کی گواہی اس تحریر پر ثبت کروائے۔ اگر دو آدمی نہ ملیں تو ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کفایت کرے گی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے عند الطلب گواہوں کو گواہی دینے سے پس و پیش کرنے سے روکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دست بدست تجارت کے معاملات کو تحریر میں نہ لانے کی رخصت دی ہے۔ البتہ آپس کی بیع میں گواہ بنا لینے کی تاکید کی ہے۔ اور اگر وہ سفر پر ہوں اور دوران سفر ان کو کوئی کاتب نہ ملے تو ان کو رہن مقبوض [1] کی اجازت دی ہے۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی بھلائی کیلئے کیا ہے اور ان کو اپنے حقوق کی حفاظت کیلئے مختلف ذرائع کی تعلیم ارشاد فرمائی ہے۔ اور جج حضرات کی راہ نمائی فرمائی ہے کہ فیصلے کرنے میں ان کا طریق کار کیا ہونا چاہئے حقوق کی حفاظت جس کے ذریعے کی جاتی ہے وہ کچھ اور چیز ہے۔ اور جس کی بنیاد پر ایک جج کو فیصلہ کرنا چاہیئے دوسری چیز ہے۔ اور فیصلوں کا طریق کار زیادہ وسعت کا حامل ہے جو صرف دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی پر منحصر نہیں ہے جج گواہ کے پھر جانے اور حلف کے رد کر دیئے جانے پر فیصلہ کر سکتا ہے۔ حالانکہ ان دونوں کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے۔ تب اگر ایک گواہ اور مدعی کی قسم کی بنیاد پر کئے گئے فیصلے کو خلاف قرآن مان لیا جائے تو گواہوں کے پھر جانے اور حلف کے رد ہونے کی بنیاد پر کیا گیا فیصلہ بدرجہ اولیٰ قرآن کے خلاف ہے۔

---

[1] رہن مقبوض سے مراد یہ ہے کہ قرض دینے والے فریق کے قبضے میں کوئی چیز رہن کے طور پر دے دی جائے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسی طرح جج کا قرعہ اندازی کے ذریعے فیصلہ کرنا بھی کتاب اللہ اور سنت صریحہ کے عین مطابق ہے۔ اسی طرح جج کیلئے قیافہ کی بنیاد پر فیصلہ کرنا بھی جائز ہے۔ اسکی تائید سنت صحیحہ سے ہوتی ہے اور اس کے مخالف کوئی چیز منقول نہیں ہے۔ اسی طرح جج قسامہ کے ذریعے قتل کے مقدمات میں فیصلہ کرسکتا ہے۔ اس پر بھی سنت دلالت کرتی ہے۔ اسی طرح جج اثاثہ بیت یا اثاثہ دکان کے بارے میں میاں بیوی یا شرکاء کے جھگڑوں میں قرینہ حال کی شہادت کے مطابق فیصلہ کرسکتا ہے

جو لوگ ایک گواہ اور مدعی کی قسم کی بنیاد پر فیصلے کی قانونی حیثیت کا انکار کرتے ہیں۔ انکا موقف تو یہ ہے کہ اگر باغ کی ملکیت کا دعوی کرنے والا باغ کی دیوار میں چنی ہوئی اینٹوں کا رخ بتاسکے تو فیصلہ اسکے حق میں کردیا جائے گا۔ حالانکہ اس قسم کے فیصلے کی مثال نہ تو قرآن مجید میں آئی ہے نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مطہرہ میں، اور نہ صحابہ کرام رض کے فیصلوں میں اسکی نظیر ملتی ہے تب اس قرینے پر کیا گیا فیصلہ کیسے صحیح ہوگیا؟ اسے قرآن کے خلاف کیوں نہ بتایا گیا؟ وہ فیصلے جنکی نظیر سنت میں ملتی ہے۔ اور جنکی بنیاد پر خلفائے راشدین اور صحابہ کرام رض مقدمات کے فیصلے کرتے رہے ہیں۔ انکو خلاف قرآن کہکر رد کردینا کیسے ممکن ہے؟ درحقیقت صحیح مسلک وہی ہے جسے فقہائے حدیث نے اختیار کیا ہے یعنی ایک گواہ اور مدعی کے حلف پر فیصلہ کرنا قرآن کے منشاء کے عین مطابق ہے۔ اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے کہ حق کے مطابق فیصلہ کیا جائے۔ لہذا یہ دو قضیئے ہیں جو نص سے ثابت ہیں۔ اوّل۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین نے ایک گواہ اور مدعی کے حلف پر فیصلہ کیا ہے۔ حاشا وکلا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا خلفائے راشدین کے متعلق یہ گمان دل میں لایا جائے کہ وہ باطل اصولوں کے مطابق فیصلے کیا کرتے تھے۔ ثانی اسکی تائید قرآن مجید سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ قرآن میں ارشاد ہے۔

وَاَنِ احْکُمْ بَیْنَھُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ — اللہ تعالٰی کی نازل کردہ ہدایت کے مطابق ان کے فیصلے کیجئے۔
(المائدہ — ۴۹)

ارشاد فرمایا۔
اِنَّا اَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الْکِتَابَ بِالْحَقِّ — ہم نے حق کے ساتھ تیری طرف کتاب نازل

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرٰىكَ اللّٰهُ — کی ہے تاکہ تو لوگوں میں اللہ تعالیٰ کی راہنمائی کے مطابق فیصلہ کرے۔ (النساء — ۱۰۵)

ایک گواہ اور مدعی کے حلف پر فیصلہ قطعی اور یقینی طور "بما ارٰک اللّٰہ" کے مطابق اللہ تعالیٰ کی راہنمائی کے زمرے میں آتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عدل کے بلند ترین مدارج پر فائز تھے۔ عدل وانصاف کے مطابق فیصلے کرنے کی ذمہ داری آپ پر عائد کی گئی تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَقُلْ آمَنْتُ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتَابٍ وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمْ۔ — پس اسلئے تو اللہ تعالیٰ کو پکار اور اسپر ثابت قدم رہ جیسا تجھے حکم دیا گیا ہے اور انکی خواہشات کی پیروی نہ کر اور کہدے کہ میں تو ایمان لایا ہوں اس ہدایت پر جو اللہ تعالیٰ نے کتاب میں نازل کی ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے درمیان عدل کروں۔

بنا بریں زیر بحث فیصلہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہونے کی وجہ سے لازماً عدل وانصاف پر مبنی ہے۔

ایک گواہ اور مدعی کے حلف کے مخالفین کے دلائل

وہ لوگ جو ایک گواہ اور مدعی کے حلف کی قانونی حیثیت کا اعتبار نہیں کرتے وہ مندرجہ ذیل دلائل کا سہارا لیتے ہیں۔

پہلی دلیل وہ کہتے ہیں کہ ایک گواہ اور مدعی کا حلف قرآن کے خلاف ہے — مگر اس دلیل کی کمزوری ائمہ اسلام مثلاً امام شافعیؒ اور ابو عبید قاسم بن سلامؒ نے واضح کر دی۔ (اور انکا تجزیہ ہم گزشتہ صفحات میں نقل کر چکے ہیں۔) انہوں نے تصریح کی ہے۔ کہ یہ قانون قرآن کے خلاف نہیں ہے۔ بلکہ قرآن کے منشا کے عین مطابق ہے۔

امام احمدؒ اور امام شافعیؒ نے ایسے لوگوں پر سخت تنقید کی ہے۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو بزعم خود خلاف قرآن کہکر ٹھکرا دیتے ہیں۔ امام احمدؒ نے تو اس موضوع پر باقاعدہ ایک کتاب تصنیف کی ہے جسکا نام "کتاب طاعۃ الرسول" ہے۔

ہر مسلمان کا یہ عقیدہ ہونا چاہیئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنن صحیحہ میں ایک سنت بھی ایسی نہیں ہے جو قرآن کے خلاف ہو۔

کتاب اللہ کے ساتھ سنت رسول کا تین قسم کا تعلق ہے۔ اوّل۔ وہ تمام امور جنکی شہادت اللہ تعالیٰ کی کتابیں دیتی ہیں۔ سنت رسول ان کی شاہد و مؤید ہے۔ ثانی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سنت رسول کتاب اللہ کی تفسیر کرتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی مراد اور منشا کو واضح کرتی ہے اور اس کے مطلق کو[1] کو مقیّد کرتی ہے۔ ثالث ایسے امور جن کے بارے میں کتاب اللہ خاموش ہے۔ سنت رسول انکو بیان کرتی ہے۔

ان مذکورہ تینوں اقسام میں کسی ایک کو بھی ردّ کرنا جائز نہیں ہے۔ قرآن مجید اور سنتِ رسول کے مابین تعلق کی مذکورہ تین اقسام کے علاوہ چوتھی قسم کا وجود سرے سے ہے ہی نہیں۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ___ سُنتِ رسول، قرآن پر فیصل ہے ___ امام احمد رح انکا ردّ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ سنتِ رسُول کتابُ اللہ پر حکَم نہیں ہے بلکہ اُسکی تفسیر ہے۔ سنت رسول قرآن کے منشاء کو واضح کرتی ہے۔

اور ہم اس بات کی گواہی دیتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک صحیح حدیث بھی قرآن کے خلاف نہیں۔ سنت رسول، قرآن مجید کے خلاف ہو بھی کیسے سکتی ہے۔ سیدنا محمّد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی تو قرآن کو کھول کھول کر بیان کرنیوالے ہیں۔ کتابُ اللہ آپ پر نازل کی گئی ہے۔ اس کتاب کے ذریعے اللہ تعالےٰ نے آپکو سیدھا راستہ دکھایا۔ آپ پر قرآن کی اتباع واجب تھی۔ آپ تمام مخلوق میں سب سے زیادہ قرآن کے منشاء کو سمجھتے تھے۔

اگر ہر شخص کے فہم کو معیار بنا کر سُنن رسولؐ کو خلافِ قرآن کہکر انکو رد کر دینے کا اصول اپنا لیا جائے تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا اکثر حصّہ رد کر دیا جائیگا کیونکہ ایک بھی ایسا شخص نہیں مل سکتا جسکے مذہب اور دعوٰی کے خلاف کوئی صحیح حدیث ہو۔ اور اسکو عموم قرآن یا مطلق قرآن کا سہارا لینا آسان ہو ___ اور وہ حدیث کو قرآن کیخلاف کہکر ٹھکرا نہ دے۔

حتیٰ کہ روافض ثابت شدہ سنتِ متواترہ تک کو خلافِ قرآن کہکر رد کر دیتے ہیں چنانچہ ان حضرات نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی مشہور حدیث لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ[2] کو قرآن مجید کی آیت يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ

---

[1] مطلق اسے کہتے ہیں جو ذات کی ماہیت پر بغیر کسی قید و صفت کے دلالت کرے اور مقید اسے کہا جاتا ہے جو ایسی ذات پر دلالت کرے جو کسی قید سے مقید یا کسی صفت سے موصوف کی گئی ہو (ارشاد الفحول - امام شوکانی رح مبحث مطلق و مقید ص ۱۴۴)

[2] اس حدیث کو مختلف الفاظ کیساتھ امام بخاریؒ امام مسلمؒ امام احمدؒ اور امام ترمذی رح وغیرہم نے روایت کیا ہے۔ حتیٰ کہ شیعہ محدث محمد بن یعقوب کلینی نے بھی اسے اپنی سند سے الکافی میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے

ان العلماء ورثة الانبياء ان الانبياء لم يورثوا دينارا ولا درهما ولكن ورثوا العلم

(الاصول من الکافی جلد ۱ ص ۳۴)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ ایک مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصے کے برابر ہے) کی عمومیت کیخلاف قرار دے کر رد کر دیا۔

جہمیہ نے اللہ تعالیٰ کی صفات کے اثبات میں منقول شدہ احادیث صحیحہ کو قرآن مجید کی آیت لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ (اس جیسی کوئی چیز نہیں) کے خلاف کہکر رد کر دیا۔

خوارج نے شفاعت اور جہنم میں اہل ایمان کے عدم خلود پر دلالت کرنے والی احادیث کو اپنے سطحی فہم قرآن کی بنا پر رد کر دیا

اسی طرح جہمیہ نے دیدار والی احادیث کو ان کی کثرت اور صحت کے باوجود ظاہر قرآن یعنی آیت لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ (آنکھیں اس کو نہیں پاسکتیں) کے منافی کہکر رد کر دیا۔

قدریہ نے بھی مسئلہ جبر و قدر میں منقول صحیح احادیث کو اپنے فہم قرآن کے مطابق قرآن کے خلاف کہہ کر رد کر دیا۔

غرض ہر فرقے نے اپنی سمجھ اور فہم کو معیار بنا کر احادیث صحیحہ کو قرآن کیخلاف قرار دیا ہے۔ اب یا تو عام ذخیرہ حدیث کو باطل ٹھہرا دیا جائے یا تمام احادیث صحیحہ کو قبول کر لیا جائے۔ اور کسی حدیث کو محض اپنے فہم کو معیار بناتے ہوئے قرآن کے خلاف کہہ کر جھٹلایا نہ جائے۔ اور بعض احادیث کو قبول کرنا اور بعض احادیث کو قبول نہ کرنا جبکہ دونوں قسم کی احادیث صحت کے اعتبار سے ایک سی ہوں ——— کھلا تضاد ہے۔

یہ حضرات ایک مقام پر اپنے مزعومہ فہم قرآن کے خلاف پاکر بہت سی صحیح احادیث کو رد کر دیتے ہیں اور دوسرے مقام پر اسی قسم کی بے شمار احادیث کو قبول کر لیتے ہیں۔

امام احمدؒ امام شافعیؒ اور دیگر فقہائے حدیثؒ نے ان لوگوں کی سختی سے تردید کی ہے جو کچلیوں والے جانوروں کی تحریم کو ثابت کرنیوالی صحیح احادیث کو خلاف قرآن کہکر رد کرتے ہیں۔

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص پر نہایت سختی سے نکیر فرمائی ہے جو کسی ایسی سنت کو ٹھکرا دیتا ہے جسکا ذکر قرآن مجید میں نہ ہو۔ حالانکہ وہ اسے قرآن کیخلاف قرار نہیں دیتا۔ اور ایسے شخص کی برائی کتنی زیادہ اور اس پر نکیر کتنی سخت ہوگی جو احادیث صحیحہ کو خلاف قرآن کہکر ٹھکرا دیتا ہے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسری دلیل

ان حضرات کی دوسری دلیل یہ ہے کہ حلف درحقیقت مدعا علیہ کی جانب سے مشروع کیا گیا ہے مدعی پر لازم ہے کہ وہ بیّنہ پیش کرے۔ وہ اپنے قول کی تائید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث "البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر"[۱] (دعوی کا ثبوت مہیا کرنا مدعی کے ذمے ہے اور دعوے کا انکار کرنے والے پر قسم ہے) (۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلف کی ذمہ داری مدعا علیہ پر عاید کی ہے — مگر یہ دلیل چند وجوہ سے کمزور ہے۔ اوّل — ایک گواہ اور مدعی کے حلف والی حدیث، صحت کے اعتبار سے زیادہ بلند درجے کی ہے۔ اور اپنے مضمون کے اعتبار سے زیادہ واضح اور صریح ہے اور مذکورہ حدیث کی حیثیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اصحاب صحاح ستہ میں سے کسی نے بھی اسکو اپنی کتاب میں نقل نہیں کیا۔ دوم — بفرض محال اگر اس حدیث کو صحت میں ایک گواہ اور مدعی کی قسم والی حدیث کے مساوی تسلیم کر لیا جائے تب بھی یہ حدیث عموم پر دلالت کرتی ہے۔ اور ایک گواہ اور مدعی کی قسم والی حدیث کو خصوص کی وجہ سے مقدم رکھا جائیگا۔ ثالث — مدعا علیہ حلف اسوقت اٹھاتا ہے جب مدعی کے پاس اپنے دعوی کے ثبوت میں کوئی دلیل نہ ہو۔ ایسی صورت میں تو واقعی مدعا علیہ کا حلف برحق ہے کیونکہ براءت ذمہ کی بنا پر اسکی جانب صدق قوی ہے۔ اور وہ استصحاب[۲] اصل کی بنا پر زیادہ قوی موقف رکھتا ہے۔

اب اگر لوث کی وجہ سے، یا مدعا علیہ کے انکار حلف کی یا مدعی کے پاس صرف ایک گواہ ہونے کی وجہ سے مدعی کی جانب بھاری ہو تو قسم اٹھانا اسکا حق ہے کیونکہ حلف کی مشروعیت تو صرف اس کیلئے ہے جو ان میں سے زیادہ قوی موقف رکھتا ہے بنا بریں حلف تاکیداً اسی پر ہے۔ اس لئے جب لوث کیوجہ سے مدعی کی جانب بھاری ہو جاتی ہے تو قسم اسکا حق بن جاتا ہے۔ اسیطرح اگر مدعا علیہ قسم کھانے سے انکار کر دے تو قسم

۱؎ ترمذی جلد۲ ص ۲۸۰، سنن کبری بیہقی جلد۱۰ ص ۲۵۲، ۲۵۳، سنن دارقطنی جلد۴ ص ۱۵۷

۲؎ استصحاب یہ ہے کہ جس امر پر زمانہ ماضی سے عمل ہوتا چلا آیا ہے۔ وہ زمانہ حال اور مستقبل میں بھی اپنی اسی اصل پر قائم رہیگا۔ تاوقتیکہ اسے بدلنے والا کوئی حکم موجود نہ ہو یعنی جو بات ماضی سے ہوتی چلی آرہی ہے۔ اور اس کے خلاف کوئی چیز موجود نہیں ہے تو وہ اپنی اصل پر قائم رہے گی۔ (ارشاد الفحول۔ علامہ شوکانی رح ص ۲۳۷)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

مدعی کی طرف لوٹادی جاتی ہے۔
اسی اصول کے مطابق صحابہ کرام رضؓ نے فیصلے کئے ھیں امام احمدؒ بھی اسی کو اختیار کرتے ہوئے فرماتے ہیں "یہ بعید نہیں مدعی حلف اٹھائے اور اپنا حق لے لے"۔ اصولی طور پر براءت اصلی کی قوت کیوجہ سے حلف اٹھانا مدعی کا حق ہے۔ اسیطرح وہ شخص جس کے پاس امانت رکھی گئی ہے۔ مستاجر وکیل اور وصی وغیرہ کی جانب براءت اصلی کیوجہ سے قوی ہے۔ اس لئے انکے قول کا اعتبار کیا جائے گا اوران سے حلف لیا جائے گا۔
یہ شرعی قاعدہ ہمیشہ سے چلا آرہا ہے کہ اگر مدعی کے پاس ایک گواہ ہو تو اسکی جانب قوی ہوجاتی ہے جبکہ مدعٰی علیہا کے پاس اسکے علاوہ کوئی دلیل نہیں کہ وہ براءتِ اصلی کیوجہ سے بری ہے۔ مگر یہ ایک کمزور دلیل ہے اس کے مقابلے میں کوئی بھی دلیل ہو تو اسکو ترجیح دیجائے گی لہذا انکارِ حلف یا عدالت میں حلف کو قبول نہ کئے جانے یا قوت مؤقف یا ظاھری قرائن کیوجہ سے اس استصحابِ اصل کو رد کردیا جائے گا۔ اور اسیطرح مدعی کی جانب سے صرف ایک گواہ پیش کرنے کی صورت میں اس کی براءتِ اصلی بھی ختم ہوجاتی ہے تب ایک گواہ کی گواہی اور مدعی کے حلف سے مدعی کی جانب قوی ہوجاتی ہے۔
کونسا ــــ قیاس ــــ اس قیاس سے زیادہ بہتر اور زیادہ واضح ہے؟ خاص طور پر جبکہ اس قیاس کو ــــ ایسی نصوص وآثار کی تائید حاصل ہو ــــ جن کو ــــ رد ــــ نہیں کیا جاسکتا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلامی قانون میں ایک گواہ کی حیثیت

سلفؒ میں عادل اور معروف قانون دانوں اور ججوں کی ایک جماعت اس اصول کو تسلیم کرتی ہے کہ صرف ایک عادل و مصدوق گواہ کی گواہی کی بنیاد پر بغیر حلف کے بغیر فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔ امام ابو عبید قاسم بن سلام رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں۔

عراق کے دو عظیم ججوں قاضی شریحؒ اور زرارہ بن ابی اوفیؒ[1] نے صرف ایک گواہ کی گواہی پر فیصلے کئے ہیں چنانچہ ابو اسحاقؒ کہتے ہیں کہ قاضی شریح نے صرف میری گواہی پر فیصلہ کیا۔ ابو مجلزؒ کہتے ہیں کہ زرارہ بن ابی اوفیؒ نے میرے اکیلے کی گواہی پر فیصلہ کیا۔ اور انہوں نے ٹھیک نہیں کیا۔

میں (علامہ ابن القیمؒ) کہتا ہوں۔ ابو مجلزؒ کی یہ رائے صحیح نہیں ہے کیونکہ اگر جج کو ایک گواہ کی صداقت کا یقین ہو جائے تو اسکی گواہی کے مطابق فیصلہ کرنا جائز ہے۔ اور تقویت کیلئے اگر وہ مدعی سے حلف لینا چاہے تو یہ بھی لے سکتا ہے۔ اگرچہ حلف لینا ضروری نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گواہ اور مدعی کے حلف کی بنیاد پر فیصلہ کیا ہے مگر صحت فیصلہ کیلئے اس حلف کو شرط قرار نہیں دیا۔ یہ تو گواہ کی شہادت کو مزید تقویت پہنچانے کا ایک ذریعہ تھا۔

چنانچہ امام ابو داؤدؒ اپنی صحیح میں اسطرح باب باندھتے ہیں

باب اذا علم الحاکم صدق الشاهد الواحد یجوز له ان یحکم به

یعنی جب جج کو گواہ کی صداقت کا یقین ہو جائے تو اس کیلئے اس کے مطابق فیصلہ کرنا جائز ہے۔) پھر انہوں نے حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث بیان کی ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ایک اعرابی سے گھوڑا خریدا۔ حضورؐ قدرے تیز گام اس اعرابی کے آگے چل رہے تھے تاکہ گھر سے رقم لاکر اس اعرابی کو دیدیں۔ مگر اعرابی سست روی سے چل رہا تھا۔ لوگ اعرابی کو روک کر اس گھوڑے کی قیمت لگانے لگے اور انہیں یہ علم

---

[1] ابو حاجب زرارہ بن ابی اوفی حرشیؒ کا شمار تابعین میں ہوتا ہے۔ بصرہ کے قاضی تھے۔ عمران بن حصینؓ، مغیرہ بن شعبہؓ اور عبداللہ بن سلامؓ سے حدیث سنی۔ ۹۳ھ میں وفات پائی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہ تھا کہ گھوڑا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خرید چکے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آواز دے کر کہا۔ آپ نے گھوڑا لینا ہے تو لے لیجئے ورنہ میں بیچنے لگا ہوں۔ رسول اللہ ص اس اعرابی کی آواز سنکر کھڑے ہوگئے اور فرمایا کیا میں نے تجھ سے گھوڑا خرید نہیں لیا۔ اعرابی نے جواب دیا۔ ہرگز نہیں خدا کی قسم! میں نے گھوڑا آپ کے پاس نہیں بیچا۔ آپ نے فرمایا مگر میں نے تو تجھ سے گھوڑا خرید لیا تھا اعرابی نے کہا اپنا گواہ لائیے۔ خزیمہ نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ تو نے یہ گھوڑا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ بیچ دیا ہے آپ نے حضرت خزیمہ رض کیطرف متوجہ ہوکر فرمایا۔ خزیمہ! تم کس بنا پر گواہی دیتے ہو؟ خزیمہ نے عرض کی یا رسول اللہ! آپ کی تصدیق کی بنا پر تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خزیمہ بن ثابت کی شہادت کو دو مردوں کی شہادت کے برابر قرار دے دیا ۔ ؎۱

اس حدیث کو امام نسائی رح نے بھی روایت کیا ہے اس حدیث سے متعدد قوانین مستنبط ہوتے ہیں ۔ اوّل ۔ امام کا اپنی رعایا میں کسی سے کوئی چیز خریدنے کا جواز ۔ ثانی ۔ امام کیلئے خود خرید و فروخت کا جواز ۔ ثالث ۔ کسی اجنبی اور مجہول الحال شخص سے یہ تحقیق کئے بغیر کہ اس نے مال کہاں سے حاصل کیا ہے ۔ مال خریدنے کا جواز ۔ رابع ۔ خرید و فروخت میں گواہ بنانا لازم نہیں ۔ خامس ۔ امام کو جب اپنے مخالف فریق کی جھوٹی قسم کا یقین ہوجائے تب بھی وہ اسکو سزا نہیں دے سکتا ۔ سادس ۔ اس سے چھٹا قانون یہ مستنبط ہوتا ہے کہ اگر امام کو ایک گواہ کی صداقت کا یقین ہوجائے ۔ تو اسی گواہ کی گواہی پر اکتفا کرنا جائز ہے ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خزیمہ سے یہ نہیں فرمایا کہ تیرے ساتھ ایک اور گواہ کی ضرورت ہے ۔ کیونکہ خزیمہ بن ثابت رض نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ وحی کی گواہی کیطرح آپ کی صداقت کی گواہی دی ۔ اور اس گواہی میں تمام اہل ایمان خزیمہ رض ہی کیطرح ہیں مگر وہ اس معاہدہ بیع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی دینے میں تمام

؎۱ علامہ خطابی رح رقم طراز ہیں کہ بعض اہل بدعت افراط سے کام لیتے ہوئے اس حدیث سے غلط مفہوم اخذ کرتے ہیں۔ وہ ہر اس شخص کی شہادت کو ہر مقدمے میں جائز یعنی دو کے برابر قرار دیتے ہیں جسکی صداقت کا یقین ہو۔ حالانکہ آپ نے اپنے علم کے مطابق فیصلہ کیا تھا۔ اور تاکید کیلئے حضرت خزیمہ سے گواہی لی تھی۔ شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ یہ خصوصیت صرف حضرت خزیمہ کیساتھ ہے۔ چنانچہ آپ کے بعد خلفائے راشدین رض نے بھی خزیمہ رض کو دو گواہوں کے برابر قبول کیا ہے۔

(ملاحظہ ہو عون المعبود شرح ابی داؤد۔ جلد ۳ ص ۳۴۱)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اہل ایمان میں منفرد حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ کی دی ہوئی جملہ خبروں کیطرح یہ بھی ایک خبر ہے جسکی تصدیق ضروری ہے۔ اور اسکی تصدیق لوازم ایمان میں شمار ہوتی ہے۔ یہ گواہی صرف اسی دعوے کیساتھ مخصوص ہے اور صرف حضرت خزیمہ ہی ہیں جنکی گواہی کو رسول اللہ ﷺ نے دو گواہوں کے برابر قرار دیا ہے ____ اور یہ حدیث امام ابوداؤد کی تبویب کی واضح طور پر تائید کرتی ہے

ہر چند کہ ایک گواہ کی گواہی پر فیصلہ حضرت خزیمہ کے ساتھ ہی مخصوص نہیں ہے خاص طور پر جبکہ مرتبہ میں ان سے بہتر یا مساوی صحابہ موجود ہوں۔ اگر اکیلے ابوبکر یا عمر یا عثمان یا علی یا ابی بن کعب یہ گواہی دیتے تو ان حضرات کی گواہی حضرت خزیمہ رض کی گواہی سے کہیں افضل ہوتی اور وہ امر جو خزیمہ اکیلے کی گواہی کو دو گواہوں کے برابر قرار دینے کا باعث ہوا۔ وہ اُن کے علاوہ دیگر صحابہ میں بھی موجود ہے۔

تاہم جناب خزیمہ نے اس شہادت کو قائم کرنے کا فریضہ اسوقت ادا کیا جبکہ دوسرے صحابہ نے اس شہادت سے گریز کیا۔ حضرت خزیمہ بن ثابت رض ادائے فرض میں تمام صحابہ میں سبقت لے گئے اسلئے کہ اس فرض کی ادائیگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کے موجبات میں سے ہے۔

رویت ہلال پر صرف ایک شخص کی گواہی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رویت ہلال کے سلسلے میں صرف ایک دیہاتی کی گواہی کو قبول فرمایا ہے۔ بعض فقہاء کا دیہاتی کی اس گواہی کو اخبار کا نام دینا محض لفظی اختلاف ہے جو استدلال میں قادح نہیں نیز الفاظ حدیث بھی انکے اس نام کی تردید کرتے ہیں۔

جہاد میں مقتول کافر کے سامان کے سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک گواہ کی گواہی کو جائز قرار دیا ہے۔ اور اس کافر کو قتل کرنے والے مجاہد سے دوسرے گواہ کا مطالبہ نہیں کیا، اور نہ اس سے حلف لیا۔ یہ مسئلہ بہت واضح ہے۔ چنانچہ صحیحین [۱] میں حضرت ابوقتادہ رض سے مروی ہے۔ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ غزوۂ خیبر میں شریک ہوئے جب دشمن کیساتھ ہماری مڈبھیڑ ہوئی تو مسلمانوں نے دشمن پر حملہ کر دیا دوران جنگ میں نے دیکھا کہ ایک مشرک ایک مسلمان پر غلبہ پانے کی کوشش کر رہا ہے میں اسکی طرف بھاگا اور اس کے سر پر جا پہنچا اور اسکی گردن پر ایک بھرپور وار کیا۔ وہ میرے ساتھ گتھم گتھا ہو گیا حتی کہ مجھے

---

[۱] صحیح بخاری مع فتح الباری ج ۶ ص ۲۴۷

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اپنی موت یقینی نظر آنے لگی مگر وہ مر گیا اور اس نے مجھے چھوڑ دیا۔ پھر حضرت عمرؓ سے میری ملاقات ہوئی میں نے ان سے پوچھا۔ لوگوں کا کیا حال ہے؟ انہوں نے جواب دیا۔ اللہ کا حکم ہے لوگ واپس لوٹ آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف فرما ہو گئے۔ تب آپؐ نے فرمایا جس شخص نے کسی کافر کو قتل کیا ہے وہ اس مقتول کے سامان یعنی سلب کا مستحق ہے۔ بشرطیکہ اسکے پاس دلیل ہو۔ میں کھڑا ہو گیا اور سوچنے لگا کہ میری گواہی کون دیگا۔ پھر میں بیٹھ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی بات پھر دھرائی میں پھر اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور سوچنے لگا کہ میری گواہی کون دے گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوقتادہ! کیا بات ہے؟ میں نے تمام قصہ بیان کر دیا۔ ایک شخص نے میری بات کی تصدیق کی اور کہا یا رسول اللہ! اس کافر کا سامان میرے پاس ہے اور میرے پاس ہی رہنے دیجئے اور ان کو راضی کر دیجئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کہا خدا کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہرگز یہ نہیں کرینگے کہ وہ اسکا حق لے کر تجھے دیدیں۔ وہ اللہ کے شیروں میں سے ایک شیر ہے جو اللہ اور اس کے رسول کیطرف سے جہاد کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوبکر ٹھیک کہتے ہیں یہ سلب یعنی مقتول کافر کا سامان ابوقتادہ کو دیدو۔ ابوقتادہ کہتے ہیں آپؐ نے مجھے سلب عطا کر دیا۔ اور میں نے بنو سلمہ میں کھجور کا ایک باغ خرید لیا۔ یہ میرا پہلا مال ہے جو میں نے مسلمان ہونے کے بعد خریدا۔

مذکورہ بالا حدیث دلالت کرتی ہے کہ بینہ کا اطلاق ایک گواہ پر بھی ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوقتادہ رضؓ سے کوئی حلف نہیں لیا۔

اس مسئلے میں یہ ایک پہلو ہے اور حق یہی ہے کہ کافر مقتول کے سامان کے بارے میں ایک گواہ کی گواہی پر فیصلہ کر دیا جائے۔ کوئی چیز اس حدیث کے معارض نہیں اور نہ اس حدیث کو ترک کرنا آسان ہے۔

رضاعت کے جھگڑے میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک عورت کی گواہی قبول کر لی تھی چنانچہ بخاری و مسلم جناب عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ کے حوالے سے[1] روایت بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ام یحییٰ بنت ابی اہاب سے نکاح کیا مگر ایک کالی سی لونڈی آئی اور آکر کہنے لگی میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے۔ عقبہ کہتے ہیں میں نے تمام واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کر دیا۔ آپؐ نے منہ پھیر لیا۔ میں نے ہٹ کر پھر اسکا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا آپؐ نے فرمایا یہ نکاح کیسے ہو سکتا ہے جبکہ

---

[1] صحیح بخاری مع فتح الباری جلد ۵ ص ۲۶۸، جلد ۹ ص ۱۵۲۔ مصنف عبدالرزاق جلد ۷، ص ۴۸۱

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہ لونڈی دعویٰ کرتی ہے کہ اس نے تم دونوں کو اپنا دودھ پلایا ہے۔

بکر بن محمد اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل ؒ نے اسی کو ترجیح دی ہے فرماتے ہیں کہ پیدائش کے وقت بچے کے رونے یعنی اسکے زندہ پیدا ہونے پر ایک عورت کی گواہی کافی ہے۔ سلہ عورتوں کے حمام میں اگر عورتوں کا جھگڑا ہو جائے تو وہاں بھی عورتوں کی شہادت قبول کی جائے گی۔

اسحاق بن منصور کہتے ہیں میں نے امام احمد ؒ سے بچے کی پیدائش کے وقت اس کے رونے کے متعلق پوچھا کہ —— آیا اس مسئلے میں یا حیض یا بکارت (یعنی کنوارپن) یا اسقاط حمل یا عورتوں کے حمام میں عورتوں کی لڑائی وغیرہ کے سلسلے میں صرف ایک عورت کی گواہی کافی ہے۔؟ امام احمد بن حنبل ؒ نے فرمایا۔ اگر عورت ثقہ ہے تو اس کی گواہی مقبول ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلامی قانون میں عورت کی گواہی کی حیثیت

سلفؒ اور خلفؒ میں ماہرین قانون کی ایک جماعت کی رائے ہے کہ حدود اور قصاص کے سوا دیگر تمام مقدمات میں عورتوں کی گواہی قبول کی جا سکتی ہے۔ امام ابو عبید قاسم بن سلام روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نشے کی حالت میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں۔ جب معاملہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیا۔ اس پر چار عورتوں نے گواہی دی۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے میاں بیوی کے درمیان تفریق کرادی۔

امام ابو عبید روایت بیان کرتے ہیں کہ حضرت عطاء بن ابی رباحؒ نے نکاح کے بارے میں عورتوں کی گواہی کو قبول کیا ہے۔ امام ابو عبیدؒ نقل کرتے ہیں کہ قاضی شریحؒ نے طلاق کے بارے میں عورتوں کی گواہی کو معتبر ٹھہرایا ہے۔ حضرت عمرؓ والی روایت کی سند میں ابو عبید حضرت عمرؓ سے روایت کرتا ہے مگر اس نے حضرت عمرؓ کا زمانہ نہیں پایا۔ بعض فقہاء کا قول ہے کہ حدود میں بھی عورتوں کی گواہی مقبول ہے

عورت کی گواہی کے بارے میں امام احمدؒ کا مسلک

اس بارے میں امام احمدؒ سے تین اقوال منقول ہیں۔ اور انہیں سے راجح قول یہ ہے کہ ان پوشیدہ معاملات میں جن کا علم صرف عورتوں کو ہوتا ہے اور یہ معاملات مردوں سے مخفی ہیں انمیں عورتوں کی گواہی جائز ہے۔ اثرم کہتے ہیں میں نے ابو عبد اللہ (امام احمدؒ) سے رضاعت کے بارے میں صرف ایک عورت کی شہادت کے متعلق پوچھا کہ آیا یہ جائز ہے؟ تو انہوں نے اثبات میں جواب دیا۔ علیؒ کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل سے سنا ہے۔ ان سے جب رضاعت کے بارے ایک عورت کی گواہی کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے اثبات میں جواب دیا۔ حسن بن ثوابؒ، محمد بن حسنؒ، ابو طالبؒ، ابن منصورؒ، مہنا اور حربؒ امام احمد بن حنبلؒ کا یہی مذہب نقل کرتے ہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ نے حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث سے استدلال کیا ہے۔ یہ حدیث غلام کی گواہی کے جواز پر بھی دلیل ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حبشی لونڈی کی شہادت کو قبول فرمایا تھا

ابو حارثؒ کہتے ہیں میں نے دایہ کی گواہی کے بارے میں امام احمدؒ سے پوچھا تو انہوں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے جواب دیا کہ زچگی کے موقع پر مرد موجود نہیں ہوتے۔ تاہم اگر گواہی کی ضرورت پیش آئے تو دو یا دو سے زائد عورتیں ہوں تو بہتر ہے۔ ابراہیم بن ھاشم رحمہ اللہ کی روایت ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے دایہ کی گواہی کے بارے میں پوچھا گیا کہ آیا اسے قبول کیا جاسکتا ہے؟ تو فرمانے لگے۔ گواہی میں عورتوں کی تعداد جتنی زیادہ ہو ہمیں زیادہ پسند ہے تین ہوں یا چار ہوں بہتر ہے۔ سندی کہتے ہیں میں نے پیدائش کے وقت بچے کے رونے کی آواز کے متعلق امام احمد رحمہ اللہ سے دو عورتوں کی گواہی کے جواز کے متعلق سوال کیا۔ تو انہوں نے جواب میں فرمایا یہ جائز ہے کیونکہ یہ ایسا معاملہ ہے جو مردوں سے مخفی ہوتا ہے۔ مہنّا روایت کرتے ہیں میں نے امام احمد رحمہ اللہ سے دایہ کی گواہی کے متعلق پوچھا کہ آیا زچگی کے موقع پر بچے کی زندگی کے متعلق اس اکیلی کی گواہی جائز ہے؟ آپ نے فرمایا اکیلی دایہ کی گواہی جائز نہیں پھر امام احمد رحمہ اللہ مجھ سے فرمانے لگے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ایک دایہ کی گواہی جائز ہے خواہ یہ دایہ یہودیہ یا نصرانیہ کیوں نہ ہو میں نے عرض کی کیا آپ کو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی رائے سے اتفاق ہے؟ فرمایا میں تو ایک مسلمان عورت کی شہادت کو جائز قرار نہیں دیتا۔ ایک یہودیہ کی گواہی کو کیسے قبول کرسکتا ہوں۔

دراصل نومولود کی پیدائش کے موقع پر اس کے رونے کی آواز کے متعلق امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے روایات میں اختلاف ہے کہ آیا ایک عورت کی گواہی کافی ہے دو عورتوں کی گواہی ضروری ہے۔ ولادت کے بارے میں بھی اسیطرح ان سے مختلف روایات منقول ہیں امام احمد رحمہ اللہ بن حنبل سے ولادت اور نومولود بچے کے رونے کی آواز کے بارے میں سوال کیا گیا۔ کہ آیا ایک عورت کی گواہی کافی ہے یا کم از کم دو عورتیں گواہ ہونی چاہئیں؟ فرمایا دو عورتوں کی گواہی زیادہ قابل اعتبار ہے ایک عورت دو عورتوں کے برابر کیسے ہوسکتی ہے؟ عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ چار عورتوں کی گواہی ضروری ہے مگر اس قسم کے مسائل جو صرف عورتوں کے متعلق ہوں اور مردوں سے مخفی ہوں تو اس صورت میں دو عورتوں کی گواہی کافی ہے۔ احمد بن ابی عبیدہ کہتے ہیں۔ امام احمد بن حنبل سے ولادت کے متعلق نومولود کے رونے کی آواز کے بارے میں گواہی کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا دو عورتوں کی گواہی مجھے پسند ہے۔ حرب رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں ولادت کے وقت نومولود کے رونے کی آواز کے بارے میں امام احمد بن حنبل سے استفسار کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کم از کم دو عورتوں کی گواہی ضروری ہے۔ اسیطرح ایسا معاملہ جو مردوں کی اطلاع سے باہر ہو اس میں صرف

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک عورت کی گواہی امام صاحبؒ پسند نہیں کرتے۔ وہ کم از کم دو عورتوں کی گواہی کو قبول کرتے ہیں ابو طالبؒ کہتے ہیں میں نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا نومولود بچے کے رونے کی آواز کے بارے میں ایک عورت کی گواہی کے متعلق آپؒ کی کیا رائے ہے؟ انہوں نے فرمایا اس دایہ کی گواہی قبول کی جائیگی یہ ضرورت ہے۔ ہارون حمالؒ امام احمد بن حنبلؒ سے روایت نقل کرتے ہیں میں نے امام احمدؒ سے سنا ہے وہ ایک دایہ کی شہادت کو نومولود بچے کے رونے کے بارے میں معتبر قرار دیتے ہیں جناب امام سے پوچھا گیا۔ کیا عورت کا ثقہ ہونا ضروری ہے؟ فرمایا ہاں یہ ضروری ہے۔ اسحاق بن منصورؒ کہتے ہیں میں نے امام احمد بن حنبلؒ سے ایک عورت کی گواہی کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا ولادت اور رضعت کے جیسے معاملات میں جو مردوں سے مخفی ہوتے ہیں۔ ایک عورت کی گواہی جائز ہے میں ایک عورت کی گواہی کو صرف اسی صورت میں جائز قرار دیتا ہوں کہ وہ ثقہ ہو۔ اگر عورتیں زیادہ ہوں تو یہ میرے نزدیک بہتر ہے۔

اسمٰعیل بن سعیدؒ کہتے ہیں میں نے امام احمد سے نومولود کے رونے کی آواز کے بارے میں عورت کی گواہی کے متعلق سوال کیا فرمانے لگے ایک عورت کی گواہی صرف اسی صورت میں قابل قبول ہے جبکہ وہ مسلمان اور عادل ہو۔

ایک عورت کی گواہی پر حدیث سے استدلال

اس موضوع پر دو احادیث اور ایک اثر منقول ہے۔ نیز قیاس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے پہلی حدیث تو عقبہ بن حارث رضی سے مروی ہے جس کا تذکرہ ہم گزشتہ صفحات میں کر چکے ہیں۔ اور اسکی صحت متفق علیہ ہے دوسری حدیث امام دارقطنیؒ اور امام بیہقیؒ حضرت حذیفہؓ کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے صرف اکیلی دایہ کی گواہی کو جائز قرار دیا ہے[۱] مگر اس حدیث کی سند میں ابو عبد الرحمٰن مدائنی ایک مجہول راوی ہے[۲] نیز عورت کی گواہی کے بارے میں ایک اثر بھی مروی ہے۔ چنانچہ مہنا کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبلؒ سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے قول کے بارے میں پوچھا کہ انہوں نے ایک دایہ کی شہادت کو معتبر قرار دیا ہے۔ اس کی سند کیا ہے؟ امام احمدؒ نے فرمایا شعبہ از جابر جعفی از عبد اللہ بن یحییٰ از علی رضی اللہ عنہ

---

[۱] السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۱۰ ص ۱۵۱ [۲] السنن الکبریٰ جلد ۱۰ ص ۱۵۱

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علامہ ابن قیم رح رقم طراز ہیں: میں کہتا ہوں کہ امام سفیان ثوری نے بھی اس روایت کو جابر جعفی سے منسوب کیا ہے۔ امام شافعی رح فرماتے ہیں۔ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حدیث ثابت ہو جائے تو ہمارا بھی یہی قول ہے مگر یہ حدیث ثابت حضرت علی رض سے ثابت نہیں ہے ۱؎ خلیفہ ہارون الرشید کی مجلس میں امام شافعی اور امام محمد کے درمیان مناظرہ ہوا۔ امام شافعی نے امام محمد سے پوچھا آپ نے کس دلیل کی بنیاد پر صرف دایہ کی شہادت پر فیصلہ دے کر خلیفہ کی وراثت میں سے جو دنیا کا حکمران ہے دوسروں کو بہت بڑی جائیداد کا وارث بنا دیا؟ امام محمد نے فرمایا حضرت علی کے فیصلے کو نظیر بنا کر۔ امام شافعی نے کہا حضرت علی رض کی اس روایت کو تو ایک مجہول راوی نقل کرتا ہے جس کا نام عبداللہ بن یحییٰ ہے۔ نیز دوسرا راوی جابر جعفی ہے جو عقیدہ رجعت کا قائل تھا۔

امام بیہقی رح کہتے ہیں ۲؎ کہ یہ حدیث سوید بن عبد العزیز کے واسطے سے بھی مروی ہے مگر سوید ضعیف ہے۔ امام اسحاق بن راہویہ رح فرماتے ہیں اگر یہ ثابت ہو جائے کہ حضرت علی نے ایک دایہ کی گواہی کو قبول کیا ہے تو ہم بھی یہی مسلک اختیار کرتے ہیں۔ مگر اس کی اسناد میں خلل ہے ۳؎ میں (علامہ ابن القیم رح) کہتا ہوں کہ امام ابو عبید قاسم بن سلام نے یہ روایت محمد بن حنفیہ رح کے واسطے سے حضرت علی رض سے روایت کی ہے۔ ابو عبید نے حسن بصری، ابراہیم نخعی، حماد بن ابی سلیمان، حارث عکلی اور ضحاک سے نقل کی ہے جو اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ ایک عورت کی شہادت کافی ہے۔ نیز حضرت علی سے یہ روایت بھی منقول ہے کہ ایک عورت کی شہادت کافی نہیں ہے۔

ابو عبید رح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بیان کرتے ہیں کہ آپ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے ان کو بتایا کہ اس کے پاس ایک عورت نے آکر کہا ہے کہ اس نے مجھے اور میری بیوی کو دودھ پلایا ہے۔ حضرت علی نے فرمایا میں تم دونوں میں تفریق تو نہیں ڈلوا سکتا البتہ اگر تم علیحدہ ہو جاؤ تو یہ تمھارے لئے بہتر ہے۔ اس شخص نے جواب دیا

۱؎ السنن الکبریٰ جلد ۱۰ صہ ۱۵۱

۲؎ " " " "

۳؎ " " " " "

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ٹھیک ہے۔ پھر وہ شخص حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان سے اس بارے میں پوچھا اور انہوں نے وہی جواب دیا۔ حارث غنوی رحمہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر کے عہد میں بنی عامر میں سے ایک شخص نے اپنے قبیلے کی ایک عورت سے نکاح کیا ایک عورت ان کے پاس آئی اور کہنے لگی الحمد للہ! خدا کی قسم! میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے اور تم دونوں میرے رضاعی بیٹے ہو۔ دونوں میاں بیوی ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گئے۔ پھر وہ شخص حضرت مغیرہ بن شعبہ کے پاس حاضر ہوا اور انہیں سارا قصہ سنایا۔ حضرت مغیرہ نے تمام واقعات امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجے۔ حضرت عمر رضہ نے مغیرہ رضہ کو لکھا۔ آپ میاں بیوی کے معاملے میں کوئی تعرض نہ کریں۔ اگر رضاعت کی دعویدار عورت کے پاس کوئی دلیل ہے تو وہ اپنی دلیل لائے تب آپ ان دونوں میں تفریق ڈلوا دیں۔ ورنہ انکو چھوڑ دیں۔ البتہ اگر وہ خود جدا ہونا چاہیں تو انکو اجازت دیدیں۔ اگر ہم نے اس قسم کے مقدمات کا دروازہ کھول دیا تو کوئی بھی عورت میاں بیوی کے درمیان تفریق ڈلوانے کیلئے باآسانی یہ راستہ اختیار کر سکتی ہے۔

امام ابو عبید رحمہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضہ رضاعت کے بارے میں ایک عورت کی شہادت قبول نہیں فرماتے تھے۔ امام ابو عبید رحمہ حضرت عمر سے ایک اور روایت نقل کرتے ہیں کہ ایک عورت نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ اس نے فلاں میاں بیوی کو دودھ پلایا ہے۔ حضرت عمر نے فرمایا میں ہرگز تیری گواہی کی بنیاد پر میاں بیوی میں تفریق نہیں ڈلوا سکتا جبتک دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں گواہی نہ دیں۔ امام ابو عبید کہتے ہیں یہی رائے فقہائے عراق کی ہے۔ امام اوزاعی بھی پہلے اسی قول کے مطابق فتوی دیا کرتے تھے۔ امام مالک رحمہ رضاعت کے بارے میں دو عورتوں کی شہادت کو قبول کرتے ہیں۔

علامہ ابن قیم رحمہ رقمطراز ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب رحمہ ایسے امور میں جو مردوں سے مخفی ہوتے ہیں مثلاً ولادت، بکارت اور عورتوں کے پوشیدہ عیوب وغیرہ ایک عورت کی گواہی قبول کر لیتے ہیں حضرات حنفیہ رحمہ کہتے ہیں کہ ان امور کے ثبوت کا حصول بہت ضروری ہے جن پر مردوں کا مطلع ہونا ممکن نہیں بلکہ بسا اوقات صرف ایک ہی عورت کو ان امور کے بارے میں علم ہوتا ہے۔ لہذا صرف ایک عورت کی گواہی کو قبول کرنا بہت ضروری ہے۔ لہذا انکی رائے میں ایسے امور میں ایک عورت کی گواہی قبول کیجائیگی چونکہ معاملہ عورت کے پوشیدہ امور سے ہے متعلق ہے اس لیے ایسے معاملے میں عورت کی گواہی منفرد ہونے کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باوجود قبول کیجا سکتی ہے اور روایت کیطرح اسمیں عدد کی شرط عائد نہیں کیجا سکتی۔ حنفیہؒ کہتے ہیں کہ نماز جنازہ کے سلسلے میں ولادت کے وقت نومولود کے رونے کے بارے میں ایک عورت کی گواہی قابل قبول ہے مگر وراثت اور ثبوت نسب کے بارے میں یہ گواہی قبول نہیں کیجا سکتی۔ البتہ صاحبین (امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ) ثبوت نسب اور وراثت کیلئے بھی ایک عورت کی گواہی قبول کر لیتے ہیں۔ چونکہ زچگی کا وقت ایسا موقع ہے جہاں مردوں کا موجود ہونا ممکن نہیں۔ لہذا ضرورت تقاضا کرتی ہے کہ عورت کی شہادت قبول کیجائے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ضرورتاً شہادت میں نومولود کی نماز جنازہ کے سلسلے میں احتیاطاً ایک عورت کی گواہی جائز ہے۔ جبکہ ایک عورت کی گواہی پر احتیاطاً وراثت اور نسب کو ثابت نہیں کیا جا سکتا۔

فقہائے حنفیہؒ کہتے ہیں کہ رضاعت میں ایک عورت کی گواہی قبول نہیں کی جا سکتی کیونکہ اس گواہی کی بنا پر جب حرمت ثابت ہو جائیگی تو اس پر ملک نکاح کے احکام مرتب ہوں گے۔ اور ابطال ملک کے احکام مردوں کی گواہی کے بغیر ثابت نہیں ہو سکتے۔ نیز رضاعت ایک ایسا معاملہ ہے جو مردوں کی رسائی سے باہر نہیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ تمام مثالوں میں کم از کم چار عورتوں، یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی قابل قبول ہے۔ ابو عبید کہتے ہیں وہ فقہاء جو رضاعت میں صرف ایک عورت کی گواہی کو قبول کر لیتے ہیں انکا خیال ہے کہ رضاعت بھی عورتوں کے دیگر پوشیدہ امور کیطرح ہے جو مردوں کی رسائی سے باہر ہیں۔ اور وہ فقہاء جو رضاعت میں دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کو ضروری قرار دیتے ہیں انکا خیال ہے کہ رضاعت عورتوں کے پوشیدہ معاملات کے زمرے میں نہیں آتی کہ وہ مردوں کے علم میں نہ آسکتی ہو لہذا انھوں نے رضاعت کو عورتوں کے ظاہری امور میں شمار کیا ہے وہ اسے اعلیٰ شہادت کے مانند قرار دیتے ہیں۔ وہ فقہاء جنہوں نے رضاعت میں کم از کم دو عورتوں کی شہادت کو قبول کیا ہے انکی رائے یہ ہے کہ رضاعت میں اگرچہ عورت کے پوشیدہ مقامات کیطرح حرمت نہیں ہے کہ اس پر نظر ہی نہ ڈالی جا سکے۔ رضاعت میں چھاتی تو بہر حال برہنہ کرنا پڑتی ہے اور مانوس عورتیں اسکو دیکھ لیا کرتی ہیں مگر چونکہ چھاتی عورتوں کے محاسن اور ستر میں شمار ہوتی ہے جسکا غیر محرم اور اجنبی مردوں سے چھپانا فرض قرار دیا گیا ہے۔ لہذا کم از کم دو عورتوں کی گواہی قابل قبول ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام ابو عبیدؒ کا محاکمہ امام ابو عبید قاسم بن سلام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اس قسم کی صورت حال میں ہمارے نزدیک صحیح ترین مسلک یہ ہے کہ خاوند پر سنت کی اتباع واجب ہے لہذا اگر اسکے پاس کوئی عورت یہ گواہی دیتی ہے کہ اس نے اسے اور اسکی بیوی کو دودھ پلایا ہے تو اللہ تعالےٰ کیطرف سے یہ اس پر حجت ہے کہ وہ اپنی بیوی سے اجتناب کرے اور ہم یہ واجب سمجھتے ہیں کہ اسکو اپنی بیوی سے جدا کر دیا جائے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے اس مسئلے میں پوچھا تو آپؐ نے فرمایا دَعْهَا عَنْكَ (یعنی اسے چھوڑ دے) اسکے بعد کسی کیلئے روا نہیں کہ وہ کسی کو کوئی اور فتوے دے۔

البتہ ہمیں یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ آیا آپؐ نے فیصلے کے طور پر میاں بیوی میں تفریق کرا دی تھی یا نہیں جیسے لعان کرنے والے میاں بیوی میں حکماً علیحدگی کروادی۔ نیز ہمیں یہ بھی معلوم نہیں کہ آیا آپ نے اس خاوند کو قتل کرنیکا حکم دیا تھا یا نہیں جیسے آپؐ نے اس شخص کو قتل کرنیکا حکم صادر فرمایا تھا جس نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کر لیا تھا۔ بات صرف اتنی ہے کہ آپؐ نے اپنے فتوے میں سخت پیرایہ اختیار کیا تھا۔ لہذا ہم بھی وہی پیرایہ اختیار کرتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار کیا تھا۔ اب اگر اس عورت کی گواہی کیساتھ ایک اور عورت کی گواہی شامل ہو جائے تو اس صورت میں میاں بیوی میں تفریق کرنا حکماً واجب ہے۔ ہم حضرت عمرؓ کے قول "رضاعت میں ایک عورت کی گواہی جائز نہیں" کی بھی یہی تعبیر کرتے ہیں اگرچہ یہ اثر مرسل ہے۔

ہمارے نقطہ نظر سے عورتوں کے ان معاملات میں جہاں مردوں کو نظر ڈالنا ممنوع ہے دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے صرف دو عورتوں کی گواہی بہتر ہے۔

ہمارے نزدیک حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن عباس کے اقوال کی یہی تاویل ہے کیونکہ ان حضرات نے ایک عورت کی گواہی پر یہ اضافہ کیا ہے کہ دو عورتوں کی گواہی کو لازم کر دیا۔ واللہ اعلم

امام ابو عبیدؒ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا۔ ایک عورت کی گواہی قابل قبول نہیں سوائے عورتوں کے پوشیدہ معاملات کے جن کا علم عورتوں کے سوا کسی کو نہیں ہوتا مثلاً حمل اور حیض وغیرہ [1]

---

[1] مصنف عبدالرزاق جلد ۸ ص ۳۳۳

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلامی قانون میں ماہرِ فن کی گواہی کی حیثیت

ہمارے اصحاب نے نہایت صراحت سے لکھا ہے کہ ضرورت کے وقت صرف ایک گواہ کی گواہی پر بغیر کسی حلف یا قسم کے اکتفاء کیا جاسکتا ہے چنانچہ امام خرقی رحؒ[1] نے اپنی مختصر میں یہی نقل کیا ہے فرماتے ہیں ہڈی ننگی کرنے والے مہلک زخم میں شہادت کیلئے اگر دو طبیب نہ مل سکیں تو ایک عادل طبیب کی گواہی قبول کی جائے گی اسیطرح مویشیوں کی بیماری میں صرف ایک بیطار یعنی جانوروں کے طبیب کی گواہی قابل قبول ہے

علامہ ابن قدامہ رحؒ مختصر خرقی کی شرح المغنی[2] میں رقمطراز ہیں۔

جب زخم کے مہلک ہونے میں دو طبیبوں کی رائے میں اختلاف ہو یا زخم کی مقدار مختلف فیہ ہو مثلاً آیا اس زخم سے سر کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے یا گدی پر چوٹ آئی ہے یا دماغ کی جھلی کو نقصان پہنچا ہے یا کسی مخصوص بیماری کی تشخیص میں جسکا علم صرف ماہر اطباء کو ہوتا ہے تو ان دونوں کی شہادت کو کافی نہیں سمجھا جائیگا کیونکہ یہ ایک ایسا معاملہ ہے جہاں دوسرے اطباء بھی رائے دے سکتے ہیں۔ دیگر تمام حقوق کیطرح یہاں بھی ایک گواہ کی گواہی پر اکتفا نہ کیا جائیگا۔ تاہم اگر دو گواہ نہ مل سکیں تب ایک گواہ کافی ہوگا کیونکہ یہ حالت مجبوری ہے۔

۱؎ ابوالقاسم حسین بن عبداللہ الخرقی رحؒ نے امام احمد کے جلیل القدر تلامذہ سے اکتساب علم کیا۔ اس کے بعد دوسرے علماء سے بھی فیضیاب ہوئے۔ بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں۔ جن میں مختصر الخرقی بہت مشہور ہے۔ اس کی بہت سی شرحیں لکھی گئی ہیں۔ حنبلی فقہ کی بے نظیر کتاب المغنی اسکی شرح ہے۔ جو علامہ ابن قدامہ رحؒ کی تصنیف ہے۔ امام خرقیؒ ۳۳۴ھ میں فوت ہوئے۔

۲؎ المغنی کے متعلق علامہ عزالدین ابن عبدالسلام رحؒ فرماتے ہیں۔ میں نے ابن حزم کی المحلی اور ابن قدامہؒ کی المغنی جیسی کوئی کتاب نہیں دیکھی۔ المغنی کے مصنف علامہ ابو محمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ رحؒ ۵۴۱ھ میں متولد ہوئے۔ دمشق اور بغداد وغیرہ میں جلیل القدر علماء سے علم حاصل کیا جنمیں شیخ عبدالقادر جیلانی رحؒ بھی شامل ہیں فقہ وغیرہ میں بہت سی کتابیں تحریر کیں۔ ۶۲۰ھ میں وفات پائی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چونکہ گواہی کا معاملہ ماہرین فن سے تعلق رکھتا ہے اس لئے ہر شخص کیلئے گواہی دینا ممکن نہیں اس گواہی کو عورت کے پوشیدہ مقامات کی گواہی پر قیاس کیا جائے گا جہاں صرف ایک عورت کی گواہی کافی ہے۔ مذکورہ صورت میں بھی ایک مرد (یعنی ماہر فن) کی گواہی قابل قبول ہے۔ صاحب "محرر" رقمطراز ہیں۔ مہلک زخم اور مویشیوں کی بیماری وغیرہ میں اگر صرف ایک ہی طبیب یا بیطار وغیرہ مل سکتا ہو تو اسکی گواہی کافی ہے امام احمد رحمہ ابن حنبل رحمہ سے بھی یہی منقول منصوص ہے۔[1]

---

[1] المحرر شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ کے دادا ابوالبرکات مجدالدین عبدالسلام ابن تیمیہؒ ۶۲۱ھ کی تصنیف ہے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مطالبہ حلف اور حلف سے اِنکار

اس باب میں بہت سی احادیث و آثار وارد ہوئی ہیں جن سے اسلامی قانون میں مطالبۂ حلف اور اس سے انکار کے احکام واضح ہوتے ہیں۔ امام مالک بن انس رحہ روایت بیان کرتے ہیں۔ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمر رض نے اپنا ایک غلام آٹھ سو درہم میں فروخت کیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رض کا دعوٰے تھا کہ انہوں نے جب یہ غلام فروخت کیا تھا اسوقت وہ بیمار نہیں تھا۔ مگر خریدار کہتا تھا کہ غلام کو ایک بیماری تھی جو خریدار کو بتائی نہیں گئی تھی۔ امیر المومنین حضرت عثمان رض نے حضرت عبداللہ بن عمر رض سے مطالبہ کیا کہ وہ حلف اٹھائیں کہ انہوں نے غلام تندرست حالت میں فروخت کیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رض نے حلف اٹھانے سے انکار کردیا اور اپنا غلام واپس لے لیا۔ اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عمر رض نے وہی غلام پندرہ سو درہم میں فروخت کیا۔ [۱] دوسرے طریقے سے روایت میں آتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رض نے جب حلف اٹھانے سے انکار کردیا تو حضرت عثمان رض نے ان کے خلاف فیصلہ دیدیا۔ [۲]

امام ابوعبید قاسم بن سلام رحہ کہتے ہیں حضرت عبداللہ بن عمر رض کے انکارِ حلف پر جب حضرت عثمان رض نے ان کے خلاف فیصلہ دیدیا تو انہوں نے اس فیصلے سے اختلاف نہیں کیا۔ ان دو بزرگوں سے بھی زیادہ کوئی ——— سنت رسول ——— کے معانی سے ——— واقف ہوگا۔؟

——— یہی مذہب امام ابوحنیفہ رحہ اور امام احمد بن حنبل رحہ کا ہے ———

مطالبۂ حلف کے ضمن میں کچھ اور آثار بھی منقول ہیں۔ چنانچہ امام ابوعبید شعبی رحہ کے حوالے سے روایت بیان کرتے ہیں کہ ایک بار حضرت مقداد رض نے حضرت عثمان رض سے سات ھزار درہم قرض لیئے جب قرض واپس دینے لگے

---

[۱] موطا امام مالک مع شرح تنویر الحوالک جلد ۲ ص ۱۲۱

[۲] مصنف عبدالرزاق جلد ۸ ص ۱۶۲

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

تو انھوں نے چار ہزار لوٹائے۔ حضرت عثمان رض رضی اللہ عنہ نے کہا درہم تو سات ہزار تھے حضرت مقداد رض نے کہا نہیں صرف چار ہزار درہم تھے۔ دونوں میں سے کوئی بھی دوسرے کی بات ماننے کو تیار نہ تھا، اور معاملہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک پہنچ گیا حضرت مقداد نے کہا اے امیر المومنین اگر عثمان رض حلف اٹھالیں کہ درہم واقعی سات ہزار تھے تو میں سات ہزار ادا کرنے کو تیار ہوں۔ حضرت عمر رض نے فرمایا عثمان رض! مقداد رض نے آپ سے انصاف کی بات کہی ہے۔ آپ قسم اٹھالیں اور سات ہزار درہم لے لیں [1] امام ابوعبید رح کہتے ہیں کہ حضرت عمر رض نے فیصلہ حلف پر معلق کر دیا۔ یہ حضرت مقداد بن اسود رض کی رائے تھی حضرت عثمان رض نے دونوں حضرات کیساتھ اختلاف نہیں کیا۔ گویا مطالبۂ حلف پر تینوں صحابہ کرام نے مہر تصدیق ثبت کردی۔ قاضی شریح رح بھی اس قسم کے مقدمات میں حلف لیا کرتے تھے چنانچہ قاضی شریح سے منقول ہے کہ حلف میں انکا طریق کار یہ تھا کہ وہ طالب سے حلف لیتے اگر وہ حلف اٹھانے سے انکار کردیتا تو وہ فریق ثانی سے حلف نہ اٹھواتے تھے بلکہ طالب کے خلاف فیصلہ کر دیتے حضرت عبداللہ بن عتبہ بن مسعود رض سے منقول ہے [2] کہ حلف کے مقدمات میں انکا طریق یہ تھا کہ وہ مدعی سے حلف کا مطالبہ کرتے اگر وہ حلف اٹھانے سے انکار کر دیتا تو فرماتے جبتک تو حلف نہیں اٹھائے گا تجھے کچھ نہیں ملیگا۔

ابوعبید رح کہتے ہیں مطالبۂ حلف کے قانون کا اصول قرآن وسنت میں موجود ہے چنانچہ قرآن کریم میں آتا ہے

اِثْنَانِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ آخَرَانِ مِنْ غَيْرِكُمْ - تمھاری وصیّت کے وقت دو مسلمان عادل گواہ موجود ہوں یا حالت سفر میں دو غیر مسلم۔

پھر فرمایا

فَاِنْ عُثِرَ عَلٰى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّا اِثْمًا فَآخَرَانِ يَقُوْمَانِ مَقَامَهُمَا اگر پتہ چلے کہ یہ دونوں کسی گناہ یعنی حق تلفی کے مرتکب ہوئے ہیں تو انکی جگہ دو گواہ ان لوگوں میں سے

---

[1] سنن ... بیہقی ... ص ۱۸۴

[2] " " " "

www.KitaboSunnat.com

مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَا اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَا اِنَّا اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ذٰلِكَ اَدْنٰى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَا اَوْ يَخَافُوْا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ ۔

کھڑے ہوں جنکی پہلے گواہوں نے حق تلفی کی ہے پس وہ اللہ کی قسم کھا کر کہیں کہ ہماری گواہی ان دونوں کی گواہی سے زیادہ سچی ہے۔ اور ہم نے کسی زیادتی کا ارتکاب نہیں کیا یہ طریقہ اس بات کے زیادہ قریب ہے کہ وہ ٹھیک ٹھیک گواہی دیں یا اس بات کا خوف کریں کہ ان کے حلف بھی انکے حلفوں کے بعد رد کر دیئے جائینگے

(المائدۃ ۱۰۷ ، ۱۰۸)

ہمیں سنت نبوی میں بھی اسکی ایک نظیر ملتی ہے۔ ایک مقدمۂ قتل میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مدعیوں سے فرمایا۔ آپ لوگ مقتول کی دیت لینے کے صرف اس صورت میں حقدار ہیں کہ آپ میں سے پچاس شخص قسم کھائیں کہ واقعی یہودیوں نے اسے قتل کیا ہے۔ مدعیوں نے عرض کی۔ ہم کیسے حلف اٹھا سکتے ہیں جبکہ ہم وقوعہ کے وقت موجود نہ تھے؟ آپ نے فرمایا۔ پھر یہودیوں کو قسم اٹھانا ہوگی کہ انہوں نے آپ کے مقتول کو قتل نہیں کیا [1] چنانچہ آپ نے مدعی سے حلف کا مطالبہ کیا۔ اور مدعی کے انکار حلف پر مدعا علیہ سے حلف لیا۔

یہ حدیث مطالبہ حلف کے قانون کی بنیاد ہے۔ فقہاء میں سے امام شافعی رحؒ اور امام مالک رحؒ کا یہی مذہب ہے۔ اور امام احمد بن حنبل رحؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ مطالبۂ حلف اور اس سے انکار کے بارے میں صحابہ کرام رضؓ میں کوئی اختلاف منقول نہیں ہے۔ مطالبۂ حلف کا ایک مقام ہے اور اسیطرح انکار حلف کا ایک مقام ہے۔ اور ہر مقام پر مدعی کو اسکی معرفت اور معلومات کا امکان بہم پہونچاتا ہے۔ مدعا علیہ اس سے حلف اٹھانے کا مطالبہ کرتا ہے۔ اور اگر وہ حلف اٹھائے تو وہ اپنے دعوے کا حقدار ہے۔ اور اگر وہ حلف نہ اٹھائے تو محض مدعی کے انکار حلف کی بنا پر مدعا علیہ کے حق میں فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی نظیر حضرت عثمانؓ اور حضرت مقدادؓ کے مقدمے میں حضرت عمرؓ کا فیصلہ ہے حضرت مقدادؓ نے حضرت عثمان رضؓ سے مطالبہ کیا تھا کہ اگر وہ قسم اٹھالیں کہ انہوں نے

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱۲ ص ۲۲۹

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مجھے سات ھزار درہم دیئے تھے تو میں انہیں سات ھزار درہم ادا کرنے کو تیار ہوں۔
یہاں مدعی کو اپنے علم اور اصل حقیقت کی معرفت کے مطابق حلف اٹھانے کا امکان مہیا کیا جا رہا ہے۔ جب مدعی کسی چیز کا مطالبہ کرتا ہے اور اپنے دعوٰی اور علم کے مطابق قسم اٹھانے سے انکار کرتا ہے۔ تب واضح دلیل یا مدعا علیہ کے اقرار کے بغیر مدعی کے حق میں کیسے فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔؟

اسیطرح اگر مدعی کو حقیقت حال کا علم نہیں اور مدعا علیہ انفرادی طور پر حقیقتِ حال کو جانتا ہے۔ اس کے باوجود وہ حلف اٹھانے سے انکار کر دے تو اس کے خلاف انکارِ حلف کی بنا پر فیصلہ کر دیا جائے گا جیسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضہ سے اس حلف کا مطالبہ کیا تھا کہ انہوں نے جب غلام فروخت کیا تھا تو اسے کوئی بیماری نہ تھی کیونکہ یہ ہو سکتا ہے کہ بائع کو اس بیماری کا علم نہ ہو چنانچہ حضرت عثمان رضہ نے حضرت ابن عمر رضہ کو اس نفیِ علم پر حلف دینے کو کہا تھا کہ انکے علم کی حد تک غلام بیمار نہ ہو۔ اور جب حضرت عبداللہ بن عمر رضہ نے حلف اٹھانے سے انکار کر دیا تو اس انکارِ حلف کی بنا پر حضرت عثمان رضہ نے انکے خلاف فیصلہ دیدیا

اسی طرح اگر کسی کو اپنے متوفی باپ کے ریکارڈ میں یہ چیز ملتی ہے کہ فلاں شخص کے ذمے اتنا قرض ہے۔ تو وہ اس مال کا دعوے کریگا اگر مدعا علیہ مدعی کے دعوٰی کو تسلیم کرنے سے انکار کر دے اور اس سے حلف کا مطالبہ کرے تو مدعی سے حلف کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا اگر مدعا علیہ اپنی براءت کیلئے حلف اٹھائے تو ٹھیک ہے ورنہ اس انکارِ حلف کی بنا پر اس کے خلاف فیصلہ کیا جائے گا۔ کیونکہ اسوقت حقیقت حال کا علم تو صرف مدعا علیہ کو ہے
اسیطرح اگر مدعی یہ دعوٰے کرے کہ فلاں شخص نے اپنا سو درھم کا قرض جو مدعا علیہ کے ذمے ہے اسکا وصول کرنا میرے حوالے کر دیا ہے۔ مدعا علیہ اس دعوے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دے اور اپنی براءت کیلئے حلف بھی نہ اٹھائے بلکہ وہ مدعی سے حلف کا مطالبہ کرے اور مدعی حلف اٹھانے سے انکار کر دے تو مدعا علیہ کے انکارِ حلف کی بنا پر مدعی کے حق میں فیصلہ نہیں کیا جائے گا

یہ ہے وہ مسلک جو مطالبۂ حلف اور انکارِ حلف کے نزاع میں ھمارے استاد شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحہ نے اختیار کیا ہے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حصہ سوم

دعاوی

اور ان کی اقسام

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دعاوی اور اس کی اقسام

دعاوی میں اہل مدینہ کا مذہب دعاوی کے بارے میں اہل مدینہ کا موقف زیادہ درست اور صحیح ہے۔ اہل مدینہ کے نزدیک دعاوی کے تین مراتب ہیں۔

مرتبہ اوّل — ایسا دعویٰ جسکی تائید عُرفِ عام سے ہوتی ہو۔ اور اسمیں رجحان یہ ہو کہ یہ دعویٰ حق ہے

مرتبہ دوم — ایسا دعویٰ جسکی تائید عرفِ عام سے نہ ہوتی ہو۔ البتہ اس کے جھوٹ ہونے پر بھی کوئی دلیل نہ ہو۔

مرتبہ سوم — ایسا دعویٰ جس کو عُرفِ عام جھٹلا رہا ہو۔

مرتبہ اول کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص کسی معین سامان کے متعلق جو کسی دوسرے کے پاس ہے اپنی ملکیت کا دعویٰ کرتا ہے۔ یا ایک اجنبی آدمی دعوٰے کرتا ہے کہ فلاں شخص کے پاس اسکی امانت ہے۔ یا ایک مسافر دعوٰے کرتا ہے کہ اس نے اپنے ہمسفروں میں سے کسی کے پاس امانت رکھی ہے۔ یا کوئی شخص دعوٰے کرتا ہے کہ اس نے فلاں کاریگر کو فلاں چیز بننے کیلئے دی ہے۔ یا کوئی شخص مرض موت میں ذکر کرتا ہے کہ فلاں شخص نے اس کا اتنا قرض دینا ہے۔ اور قرض کے تقاضے کی وصیت کرتا ہے مگر مقروض اس قرض کا انکار کر دیتا ہے۔ یا اسی قسم کی بعض دیگر مثالیں۔

اس قسم کے دعووں میں مدعی کی بات سُنی جائے گی۔ اور دعویٰ کے ثبوت میں اس سے دلیل طلب کی جائے گی ورنہ مدعا علیہ سے حلف لیا جائے گا۔ مدعا علیہ سے حلف لینے کیلئے مدعی اور مدعا علیہا میں لین دین اور اشتراک وغیرہ کا ثبوت ضروری نہیں۔

مرتبہ ثانی کی مثال یہ ہے کہ کوئی ایسے شخص سے اپنے قرض کا مطالبہ کرے جو پہلی قسم کی مذکورہ صورتوں میں داخل نہیں۔ یا کوئی شخص کسی ایسے شخص پر قرض کا دعویٰ کرے جو مالدار آدمی کے طور پر معروف ہو کہ اس نے اس سے قرض لے کر اپنے اہل وعیال کو نفقہ ادا کیا ہے یا کوئی کسی ایسے شخص پر قرض کا دعویٰ کرے جسکی اس کے ساتھ کوئی جان پہچان نہیں ہے کہ اس نے اس اجنبی کو قرض دیا ہے۔ یا کوئی چیز معینہ مدت کیلئے ادھار فروخت کی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس قسم کے دعاوی میں مدعی کے دعوٰی کی سماعت ہوگی اور اپنے دعوٰی کی صداقت پر ثبوت مہیا کرنا مدعی کی ذمہ داری ہوگی۔ فقہاءؒ کہتے ہیں کہ اگر مدعا علیہ مدعی کے دعوٰی کو تسلیم نہ کرے تو مدعی مدعا علیہ سے حلف لینے کا مجاز نہیں سوائے اس صورت میں کہ مدعی مدعا علیہ سے لین دین شراکت یا میل جول کو ثابت کردے۔ ابن القاسمؒ[۱] لکھتے ہیں "خلطہ یعنی میل جول یہ ہے کہ ان دونوں کے درمیان ادھار کا معاملہ یا آپس میں بیع کا لین دین رہا ہو۔ یا مدعا علیہ نے کئی بار اس سے مال خریدا ہو۔ سحنونؒ[۲] فرماتے ہیں "فریقین کے درمیان خرید فروخت اور لین دین پر میل جول کا اطلاق ہوتا ہے۔" فقہاءؒ کہتے ہیں۔ مدعی کے دعوٰی پر غور کیا جائے گا کہ جس چیز کا دعوٰی مدعا علیہ پر کیا جارہا ہے اگر ایسا ہونا عرفِ عام میں ممکن ہے تو مدعا علیہ سے حلف لیا جائیگا۔ اگر عرفِ عام اس امکان کا رد کرے انکار کردے تو مدعا علیہ سے حلف کا مطالبہ نہ کیا جائے گا۔ سوائے اس صورت میں کہ مدعی مدعا علیہ کیساتھ لین دین ثابت کردے۔

اگر ان میں لین دین نہیں ہے مگر مدعا علیہ متہم ہے۔ اس صورت میں علامہ سحنونؒ کی رائے کے مطابق مدعا علیہ سے حلف لیا جائے گا مگر دیگر فقہاء کہتے ہیں کہ اس سے حلف کا مطالبہ نہیں کیا جاسکتا۔ لین دین کے ثبوت کیلئے ضروری ہے کہ مدعا علیہ خود لین دین کا اقرار کرے یا دو گواہ ان کے لین دین پر گواہی دیں یا ایک گواہ اور مدعی کے حلف یا ایک مرد یا ایک عورت کی گواہی سے لین دین ثابت ہوسکتا ہے

مرتبۂ ثالث کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص مدت دراز سے ایک گھر میں رہ رہا ہے وہ اس گھر کو گرانے بنانے اور کرائے وغیرہ پر دینے اور اسمیں تصرف کا پورا اختیار رکھتا ہے۔ یہ گھر اسی سے منسوب ہے اور اس گھر کی ملکیت کی اضافت بھی اسی کی طرف ہے۔ اور دعوٰی کرنیوالا شخص جو ہمیشہ سے وہاں رہ جاتا ہے اور اس شخص کے تمام تصرفات کا طویل مدت سے مشاہدہ کر رہا ہے پھر بھی وہ اس شخص کے تصرف اور ملکیت کے اختیار میں حائل نہیں ہوتا نہ اس نے کسی سے کبھی ذکر کیا ہے کہ اس گھر میں اسکا بھی کوئی حق ہے اور حالات بھی ایسے

---

[۱] علامہ عبدالرحمٰن بن القاسمؒ ۱۲۸ھ میں پیدا ہوئے۔ ابن القاسمؒ امام مالکؒ کے ان شاگردوں میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے انکی فقہ کی تدوین کی ہے۔ انہوں نے بعض اجتہادی آراء میں امام مالکؒ سے اختلاف رائے کا اظہار بھی کیا ہے۔ انہیں امام مالکؒ کے علاوہ لیث بن سعد اور دیگر علماء سے تلمذ کا شرف حاصل ہے۔ ۱۹۱ھ میں وفات پائی۔

[۲] سحنون عبدالسلام ابن سعید سحنون تنوخیؒ اندلس میں پیدا ہوئے۔ عسرت و ناداری کی بنا پر امام مالک کی خدمت میں حاضر نہ ہوسکے۔ انہوں نے امام مالک کی فقہ کا علم ابن القاسم ابن وہب اور ابن الماجشون کے توسط سے حاصل کیا۔ اور مالکی فقہ کی مشہور کتاب "المدونہ" تصنیف کی۔ ۲۴۰ھ میں وفات پائی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں جو اس کے حق ملکیت جتانے سے مانع ہوں ۔ اس گھر میں رہنے والے اور مدعی کے درمیان کوئی رشتہ بھی نہیں، نہ میراث میں اشتراک کی کوئی وجہ ہے جس سے یہ شبہ لاحق ہوتا ہو، کہ متصرف سے میراث وغیرہ کے حقوق میں تسامح ہوا ہے۔ بلکہ ان مذکورہ صورتوں میں کوئی بھی صورت نہیں جس کی بنا پر وہ اپنا حق جتا سکتا ہو۔ پھر وہ اس طویل مدت کے بعد عدالت کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے اور دعویٰ کرتا ہے کہ متصرف مذکور کے قبضے میں جو گھر ہے وہ اس کا ہے اور وہ اپنے دعوے کی صداقت کا ثبوت مہیا کر سکتا ہے ایسے مدعی سے ثبوت یا دلیل کا مطالبہ تو کجا، اس کے دعویٰ کی سماعت تک نہیں ہو سکتی اور گھر اس متصرف کے قبضے میں رہیگا ہر وہ دعویٰ جس کو عرفِ عام جھٹلا دے اور عادت اسکی نفی کر دے اس قابل نہیں کہ اسکی سماعت کیجائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ"۔ شریعت حقہ نے یہ واجب کر دیا ہے کہ دعاوی میں اختلاف کے وقت عرفِ عام اور عادت کی طرف رجوع کیا جائے

فقہاء کہتے ہیں اسکی دوسری مثال یہ ہے کہ ایک عورت طویل مدت کے بعد دعوےٰ کرتی ہے کہ اسکا خاوند اسے نان و نفقہ نہیں دیتا، اور نہ اُسے سردیوں اور گرمیوں کا لباس مہیا کرتا ہے۔ یہ دعوےٰ قابل سماعت نہیں کیونکہ عُرفِ عام، شریعت اور عادت صریحاً اسکی تکذیب کرتے ہیں، خاص طور پر جبکہ عورت نادار اور خاوند کھاتا پیتا ہو۔

قاضی عبدالوہابؒ[۱] امام مزنیؒ[۲] کا رد کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔ امام مالکؒ کا مذہب یہ ہے کہ مدعی کے مجرّد دعوےٰ کی بناء پر مدعا علیہ سے اس وقت تک حلف کا مطالبہ نہیں کیا جا سکتا جبتک دونوں میں میل جول اور معاملات کا ثبوت نہ مل جائے ہمارے شیخ ابوبکرؒ فرماتے ہیں کہ یہی دعوےٰ تب قابل سماعت ہوگا جب وہ حالات کے مطابق ہو۔ اور اس لائق ہو کہ لوگ اسکا انکار نہ کریں۔ اور عرف عام اسکو ردّ نہ کرے۔ حضرت علی حضرت عمر بن عبدالعزیز اور مدینہ کے فقہائے سبعہؒ[۳] کی یہی رائے ہے۔ قاضی عبدالوہابؒ فرماتے ہیں ہماری رائے کے صحیح ہونے کی دلیل یہ ہے کہ یہ امر مسلّم ہے کہ حلف اٹھانا بہت مشکل کام ہے اور اکثر لوگ

---

۱ قاضی عبدالوہاب بن نصر بغدادی رح کا شمار کبار فقہائے مالکیہ میں ہوتا ہے۔ علامہ ابہری کے تلامذہ سے اکتساب علم کیا۔ قاضی عبدالوہابؒ نے امام مالک کی فقہ کی نصرت و حمایت اور تشریح و توضیح میں بہت سی کتابیں لکھیں ۴۲۲ھ میں وفات پائی۔

۲ ابوابراہیم اسماعیل بن یحییٰ مزنی رح ۱۷۵ھ میں مصر میں پیدا ہوئے۔ وہیں حصول علم میں مصروف ہوئے۔ جب امام شافعیؒ مصر وارد ہوئے تو ان سے فقہ کا علم حاصل کیا۔ جن کتابوں پر امام شافعی رح کے مذہب کا دارومدار ہے۔ وہ انہی کی روایت کردہ ہیں۔ ۲۶۴ھ میں وفات پائی۔ باقی برصفحہ آئندہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس سے گریز کرتے ہیں خاص طور پر متدین اور ذی مرتبہ اصحاب اسے بہت گراں تصور کرتے ہیں اور یہ تصور لوگوں میں قرنوں سے موجود ہے۔ بہت سے صحابہ کرام رضہ سے یہ بات ثابت ہے کہ وہ اپنی قسموں کا فدیہ دیا کرتے تھے۔ انمیں حضرت عثمان اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کا نام بھی شامل ہے۔ صحابہ کرام یہ فدیہ مروّت و وضعداری کا لحاظ رکھتے ہوئے ادا کرتے تھے تاکہ مخالفین کو طعن و تشنیع کا معمولی سا بہانہ بھی ہاتھ نہ آسکے۔ نیز انہیں علم تھا کہ حلف اور قسم کا معاملہ بہت بڑا ہے۔ اس لئے مدینہ میں حلف منبر نبوی کے قریب لیا جاتا تھا۔ نیز جس کیلئے وہ حلف اٹھا رہے ہیں وہ اس قابل ہے کہ اس کیلئے حلف اٹھایا جائے اسکی مالیّت کم از کم ایک چوتھائی دینار کے برابر ہو۔

اگر ھر مدعی کو یہ حق دیدیا جائے کہ وہ مجرد دعوے کی بنا پر مدعا علیہ سے حلف کا مطالبہ کر سکتا ہے تو یہ قانون شرفاء اور اھل مروّت کیلئے رسوائی کا باعث بن جائے گا۔ جس کسی کمینے شخص کو کسی شریف آدمی سے کوئی ذاتی پرخاش ہوگی تو اس شریف آدمی کو ذلیل و خوار کرنیکا آسان ترین طریقہ یہ ہوگا کہ اسے کسی ایسے دعوے کی بنا پر عدالت میں گھسیٹ لیا جائے جو سراسر جھوٹا ہو۔ تاکہ اسکی رسوائی سے اسے تشفی حاصل ہوسکے اور لوگ اسکی ذلت کا اسطرح تماشہ دیکھیں۔ پھر اگر یہ چاہے کہ وہ حلف اٹھانے کیلئے عدالت میں طلب کیا گیا ہے۔ پھر اگر یہ چاہے کہ وہ ظلم و زیادتی سے کسی سے کچھ حاصل کرنا چاہے تو کر گزرے گا کیونکہ عمومًا شرفا کیلئے قسم اور حلف اٹھانے کی نسبت مالی نقصان اٹھانا آسان ہوتا ہے تاکہ معاشرے میں انکی عزت میں کمی واقع نہ ہو۔ آج کل دونوں قسم کا رجحان لوگوں میں موجود ہے۔

فرماتے ہیں ہم نے اکثر اس رجحان کا مشاھدہ کیا ہے لہذا وہ مسلک جسے امام مالک رحہ صحابہ اور تابعین نے اختیار کیا ہے عوام کی عزت و ناموس کی حفاظت کیلئے بہتر ہے۔ اور شرفا کو کمینہ فطرت لوگوں کی اذیتوں سے محفوظ رکھنے کیلئے انتہائی ضروری ہے

جب مدعی کے دعوے کو اس امر سے تقویت حاصل ہوجاتی ہے کہ مدعی اور مدعا علیہ میں لین دین کے معاملات موجود ہیں تو تہمت کا شبہ زائل ہوجاتا ہے۔ اور یہ خیال قوی ہوجاتا ہے کہ مدعی کا مقصد مدعا علیہ کو محض رسوا کرنا نہیں ہے۔ لہذا مدعا علیہ سے قسم لی جاتی ہے۔

۳ے تاریخ فقہ میں سعید بن المسیّب، عروہ بن زبیر رحہ، قاسم بن محمد بن ابی بکر، خارجہ بن زید بن ثابت، سلمان بن یسار ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث اور عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود کو مدینہ کے فقہائے سبعہ کے نام سے شہرت حاصل ہے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بنابریں ہم غریب الوطن اجنبی مدعا علیہ کے بارے میں اس اصول کا اعتبار نہیں کرتے کیونکہ عام طور پر غریب الوطنی میں لوگ اسکی شرافت و مروّت سے واقف نہیں ہوتے۔

یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ عدالت میں طلبی بھی شرفاء کیلئے کچھ کم نہیں ہے۔

اسکا جواب یہ ہے کہ عدالتوں میں حاضر ہونے میں کوئی عار نہیں کیونکہ شروع ہی سے لوگ اپنی حوائج اور ضرورتوں کے سلسلے میں عدالتوں کا رُخ کرتے ہیں۔ عار تو دراصل حلف اُٹھانے میں ہے۔ اسکا ذکر ہم گزشتہ صفحات میں بھی کر چکے ہیں۔ نیز مدّعا علیہ کو عدالت میں طلب کرنا اسلئے بھی ضروری ہے کہ ہوسکتا ہے کہ مدعی کے پاس اپنے دعوے کے حق میں کوئی ٹھوس ثبوت ہو لہذا اس صورت میں مدعی کا حق ضائع ہونے سے بچ جائے گا۔

دوسرا اعتراض عموماً یہ کیا جاتا ہے کہ سچی قسم اٹھانے میں تو کوئی عار نہیں سچی قسم تو حضرت عمرؓ نے بھی اٹھوائی ہے جب حضرت عثمانؓ نے اپنی قسم کا فدیہ ادا کیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا اگر آپ سچے ہیں تو آپ کو قسم اٹھانے سے کس چیز نے روکا ہے۔؟

اس کا جواب یہ ہے کہ عام طور پر شاذ عادت کا اعتبار نہیں ہوتا۔ اور ہم جو گزشتہ صفحات میں ذکر کرچکے ہیں کہ صحابہ کرام اور سلف صالح میں سے اکثر حضرات حلف اٹھانے کی بجائے نقصان برداشت کرلیتے تھے ان کے اس اعتراض کے ابطال کیلئے کافی ہے۔ اس نقصان کو برداشت کرنیکا اسکے سوا کوئی مقصد نہ تھا کہ اہل ظلم و جور کو ایسا کوئی موقعہ ہاتھ نہ آئے جس سے وہ انہیں بدنام کرسکیں۔ اور تہمت کسیطرح بھی ان کے نفوسِ زکیہ کیطرف نفوذ نہ کرسکے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے جو کچھ فرمایا تھا وہ تو ــــ حضرت عثمان رضؓ کے موقف کی تقویت کیلئے تھا۔ نیز اس کا معنی یہ بھی ہے کہ اگر حضرت عثمانؓ سچے ہیں تو شرعی اعتبار سے وہی حق پر ہیں۔ اس کے علاوہ حضرت عمرؓ کا مدعا یہ تھا کہ سچا حلف اٹھانے سے ایسے لوگوں کی حوصلہ شکنی ہوگی جو ناممکن دعاوی کے ذریعے لوگوں کے اموال ہتھیانا چاہتے ہیں۔ اگر معترضین کی مراد یہ ہو کہ سچی قسم اٹھانا اللہ تعالےٰ کے ہاں کوئی عار کی بات نہیں ہم اسے تسلیم کرتے ہیں مگر یہ ضروری نہیں کہ ایسا کوکام جسمیں عنداللہ کوئی مواخذہ نہیں۔ وہ یہاں بھی عار سے خالی نہیں ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ مباحات میں عنداللہ کوئی برائی نہیں مگر یہ اس صورت میں ہے جبکہ وہ جانتا ہو کہ وہ سچا حلف اٹھا رہا ہے۔ اور ہمارا یہ موقف تو محض ایسی قسم کے بارے میں ہے جسکا باطن معلوم نہ ہو۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قاضی عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ یہ بات بھی ہمارے موقف کی تائید کرتی ہے۔ کہ عرف عام کے مطابق فیصلہ کرنا واجب ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ" عرف کے مطابق حکم کیجئے اور یہ بات معلوم ہے کہ ایسا مدعی جس کے دعوے کو عرف عام جھٹلاتا ہو اور ظن غالب اس کے بطلان کیطرف رجحان رکھتا ہو۔ مثلاً اگر کوئی سبزی فروش یہ دعویٰ کرے کہ خلیفہ یا امیر نے اس سے سبزی خریدی ہے۔ جو ان اصحاب امر تبہ کے لائق نہیں تو اس قسم کے فضول دعوے کو رد کر دیا جائیگا

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ قاضی عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی تائید حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا وہ قول بھی کرتا ہے جو امام احمد بن حنبل نے نقل کیا ہے اور یہ قول ثابت ہے "اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں کیطرف نظر کی تو ان میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دل سب سے اچھا نظر آیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی رسالت کیلئے چن لیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اصحاب محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو ان کے دل لوگوں میں سب سے اچھے نظر آئے ان کو اللہ تعالےٰ نے آپ کی رفاقت کیلئے چن لیا پس جس کام کو مومن (صحابہ) اچھا سمجھیں وہ عنداللہ بھی اچھا ہے اور جس کام کو مومن قبیح خیال کریں وہ عنداللہ بھی قبیح ہے۔" [۱]

لاریب! مومن کیا غیر مومن کے نزدیک بھی یہ بات قابل تسلیم نہیں کہ اس سبزی فروش کے دعویٰ کو ذرہ بھر کوئی اہمیت دی جائے جو یہ کہتا ہے کہ اس نے خلیفہ یا امیر کے پاس ایک لاکھ دینار میں کوئی چیز فروخت کی ہے۔ اور خلیفہ یا امیر نے اسے یہ رقم ادا نہیں کی — یا سبزی فروش یہ دعوےٰ کرے کہ خلیفہ نے اس سے ایک ہزار درہم قرض لئے ہیں۔ یا وہ اپنی بدشکل اور ترش رو بیٹی کے متعلق دعوےٰ کرے کہ وہ خلیفہ کی منکوحہ ہے۔ اور اس نے ابھی اسکی بیٹی کا مہر ادا نہیں کیا۔ یا ایک عورت اپنے شوہر کے ساتھ ساٹھ برس گزارنے کے بعد یہ دعوےٰ کرے کہ اسکے شوہر نے اسے ایک دن کا بھی نان ونفقہ نہیں دیا۔ اور پہننے کو ایک چیتھڑا تک نہیں دیا۔ حالانکہ لوگ ہر روز اس کے شوہر کو اس کے گھر میں انواع واقسام کے کھانے اور پھل وغیرہ لے جاتے ہوئے دیکھتے رہے ہوں۔

یہ انتہائی قبیح بات ہوگی کہ اس عورت کے اس دعوے کی سماعت کیجائے۔ اور اس سماعت میں اس شوہر سے حلف اٹھوایا جائے اور بصورت دیگر اسکو قید کر دیا جائے۔ یا ایسے شخص کے دعوے کی سماعت کیجائے جو بھاگا جا رہا ہے ایک عمامہ اس کے ہاتھ میں

---

[۱] مصنف نے اس قول کو اعلام الموقعین جلد ۱ صـ۶۵ میں بھی نقل کیا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے اور ایک عمامہ اسکے سر پہ ہے اور ایک معروف صاحب علم و مروّت شخص ننگے سر اسکے پیچھے بھاگا جا رہا ہے۔ اور آگے آگے بھاگنے والا شخص اس عمامے پر اپنا دعویٰ کر رہا ہو تو اس پر اس کے قبضے کو تسلیم کر لینا انتہائی قبیح ہوگا۔ اسیطرح یہ بات بھی انتہائی قباحت کو پہنچی ہوئی ہوگی اگر کسی ایسے مدعی کی بات کو اہمیت دیجائے جو اپنے فسق وفجور اور مسلمانوں کو اذیت دینے میں معروف ہو۔ اور وہ کسی ایسے شخص کے خلاف جو نیکی اور دیانت میں مشہور ہو، یہ دعویٰ کرے کہ اس نے اسکے گھر میں نقب لگائی ہے۔ اور پھر اس صاحب دیانت شخص کو اپنی براءت کیلئے حلف اٹھانے پر مجبور کیا جائے۔ اور بصورتِ دیگر اس کے خلاف فیصلہ دیدیا جائے۔ یا کسی ایسے شخص کے خلاف جو نیکی اور دینداری میں معروف ہو کسی ایسے شخص کے اس دعوے کی سماعت کیجائے کہ اس نے اسکی بیوی یا بیٹے کو گالیاں دی ہوں ایسے شخص کا دعویٰ قابل سماعت نہ ہوگا۔ بلکہ اس زیادتی پر اسکو تعزیر دی جانی چاہئیے۔ یا کوئی ایسا شخص جو گداگری میں مشہور ہو، یہ دعوےٰ کرے کہ اس نے اکابر تجار میں سے کسی کو ایک لاکھ روپے قرض دیئے ہیں۔ یا یہ دعوےٰ کرے کہ اس تاجر نے جو لباس زیب تن کر رکھا ہے وہ اسکا ہے اور اس نے اس گداگر سے چھین کر پہنا ہے

فطرتِ سلیم رکھنے والے اور عقلمند لوگ شہادت دینگے کہ اس قسم کے دعاوی سب سے بڑا جھوٹ ہوتے ہیں۔ ان دعاوی کی نہ تو سماعت ہو سکتی ہے۔ نہ مدعا علیہ سے حلف لیا جاسکتا ہے بلکہ مدعی کو اسکی بہتان طرازی کی سزا بھی دیجائیگی۔

یہی شریعت حقّہ کا تقاضا اور عدل وانصاف کی بنیاد ہے۔ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ (الانعام ۱۱۵) تیرے رب کی بات سچائی اور عدل کیساتھ پوری ہوگئی۔ اسکی باتوں کا بدلنے والا کوئی نہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دعاوی میں جیل بھیجنے اور تعذیب کا جواز

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کا فتویٰ

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ سے سوال کیا گیا کہ آیا دعاوی میں ماخوذ ملزموں کو جیل بھیجنا یا انہیں تعذیب دینا شرعاً جائز ہے؟ اور اگر حبس اور تعذیب شرعاً جائز ہے تو کس قسم کے ملزم حبس و ضرب کے مستحق ہیں اور کس قسم کے ملزموں کو تعذیب دینا اور جیل بھیجنا جائز نہیں۔ اگر جائز ہے تو مدتِ حبس اور مقدارِ ضرب کے تعین کا کیا معیار ہے؟

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا۔ وہ دعاوی جن کا فیصلہ اولوالامر کرتے ہیں۔ انکو خواہ جج کہا جائے یا پولیس افسر یا افسر مظالم یا ان کو اسی قسم کے کسی دوسرے نام سے موسوم کیا جائے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ کے حکم کے مخاطب تمام لوگ ہیں۔ خاص طور پر ایسے شخص پر جس کے ہاتھ عوام الناس کی باگ ڈور ہوتی ہے واجب ہے کہ وہ عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرے تب اسکو چاہیئے کہ وہ کتاب و سنت کے مطابق فیصلہ کرے۔ یہی وہ قانون ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا گیا چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ۔

ہم نے اپنے رسولوں کو واضح دلیلوں کے ساتھ بھیجا ہے اور ہم نے ان کے ساتھ ضابطہ و قانون اور میزان یعنی معیار عدل بھی نازل کیا ہے تاکہ لوگ عدل و انصاف پر قائم رہیں۔

(الحدید ـــــ ۲۵)

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا وَاِذَا حَكَمْتُمْ

اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے مالکوں کو واپس لوٹا دو اور جب تم لوگوں کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا (النساء — ۵۸)	درمیان فیصلہ کرو تو عدل و انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑو۔ اللہ تعالیٰ اس بات کی تمہیں اچھی نصیحت کرتا ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر ہے۔

ایک دوسرے مقام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر فرمایا

وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا۔ (النساء — ۵۹)	اور یہ کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے تو اس کے مطابق انکے درمیان فیصلہ کر تیرے پاس آنے والے حق کو چھوڑ کر ان کی خواہشات کی پیروی نہ کر ہم نے تم میں سے ہر ایک کیلئے ایک شریعت اور ایک راستہ مقرر کر دیا ہے

دعاوی کی اقسام

دعاوی کی دو قسمیں ہیں۔ اوّل دعویٰ تہمت ثانی دعوے غیر تہمت دعویٰ تہمت وہ دعویٰ ہے جس پر مدعٰی علیہا پر کسی ایسے فعل حرام کا الزام عائد کیا جائے جو باعث عقوبت ہو۔ مثلاً قتل، ڈاکہ زنی، راہ زنی، چوری اور ظلم و زیادتی کے دیگر افعال۔ اکثر حالات میں ان الزامات کو ثابت کرنا بہت دشوار ہوتا ہے۔ دعویٰ غیر تہمت وہ دعویٰ ہے۔ جس میں مدعا علیہ کے خلاف خرید و فروخت، قرض، رہن، ضمانت وغیرہ کے معاھدہ کی خلاف ورزی کا الزام عائد کیا گیا ہو۔ دونوں قسم کے دعووں میں کبھی تو یوں ہوتا ہے، کہ جرم کا الزام صرف مدّعا علیہ تک محدود ہوتا ہے جیسے شراب نوشی اور زنا وغیرہ اور بعض جرم ایسے ہوتے ہیں جنمیں دوسروں کے حقوق متاثر ہوتے ہیں جن میں لین دین اور دیگر مالی مقدمات اور کبھی دونوں قسمیں ایک ہی مقدمے میں جمع ہو جاتی ہیں جیسے چوری اور ڈاکہ زنی وغیرہ یعنی اس میں حد بھی ہے اور حق تلفی بھی ہے لہذا اس قسم کے دعاوی میں اگر مدّعی کسی شرعی دلیل کے ذریعے الزام کو ثابت کر دے تو فیصلہ اسی کے حق میں ہوگا۔ ورنہ مدعا علیہ سے حلف کا مطالبہ کیا جائیگا اور اس کے قول کا اعتبار ہوگا چنانچہ امام مسلم رح حضرت عبداللہ بن عباس رض سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر محض لوگوں کے دعووں کی بنا پر ہی فیصلے دیئے جانے لگیں تو لوگ دوسروں کے خون اور مال کا مطالبہ کرنے لگ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جائیں گے مگر حلف مدعا علیہ کے ذمے ہے"۔ ۱؎ صحیحین میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حلف کی بنیاد پر فیصلہ کیا ہے۔ ۲؎ یہ حدیث صریحاً اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ کسی شخص کے حق میں مجرّد اس کے دعویٰ کی بنا پر فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ نیز یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ مالی مقدمات میں ابتداء ہی سے حلف مدعا علیہ کے ذمے ہے۔ اس حدیث میں اس بات کیطرف کوئی اشارہ نہیں کہ ایسے دعاوی میں جن میں عقوبت لازم ہے مدعی پر حلف لازم نہیں اور حلف صرف مدعا علیہ کے ذمے ہے۔ صحیحین میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل کے ایک مقدمہ میں مقتول کے ورثاء یعنی مدعیوں سے پچاس قسمیں کھانے کا مطالبہ کیا تھا تاکہ انکو خون کا حق دلایا جائے۔ اس پر مدعیوں نے جواب دیا وہ کیسے قسم کھا سکتے ہیں جبکہ وہ جائے وقوعہ پر حاضر نہ تھے اور نہ انہوں نے اسے قتل ہوتے دیکھا ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ اب یہودی (یعنی مدعا علیہ) مقتول کے ورثاء کے سامنے حلف اٹھا کر اپنی براءت اظہار کریں گے۔ ۳؎

امام مسلم رحہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شاھد اور مدعی کے حلف کی بنیاد پر فیصلہ کیا ہے۔ واضح رہے کہ وہ روایت بھی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جسکا مضمون یہ ہے اِنَّہٗ قَضٰی بِالْیَمِیْنِ عَلَی الْمُدَّعٰی عَلَیْہِ ۴؎ آپؐ نے مدعا علیہ کے خلاف حلف لیکر فیصلہ کیا) اور یہ حدیث بھی حضرت عبداللہ بن عباس رض ہی کے حوالے سے روایت کی گئی ہے جسکا مضمون یہ ہے اِنَّہٗ قَضٰی بِالْیَمِیْنِ وَ الشَّاھِدِ (آپؐ نے ایک گواہ اور مدعی کے حلف کی بنیاد پر فیصلہ کیا۔) ۵؎

ان احادیث میں کسی قسم کا تعارض نہیں ہے۔ اصل صورتِ حال یہ ہے کہ ان میں ایک حدیث ایک مقدمے کے متعلق ہے اور دوسری حدیث ایک دوسرے مقدمے کے بارے میں ہے۔

رہی وہ حدیث جسے عام فقہاء ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔ اَلْبَیِّنَۃُ عَلَی

۱؎ صحیح مسلم جلد ۱۲ ص ۲، ابو داؤد جلد ۳ ص ۲۴۶ ۲؎ صحیح بخاری جلد ۵ ص ۲۸۰، صحیح مسلم جلد ۱۲ ص ۳ ابوداؤد جلد ۳ ص ۲۴۷ ۳؎ صحیح بخاری جلد ۱۲ ص ۲۲۹ ۴؎ صحیح مسلم جلد ۱۲ ص ۲

۵؎ صحیح مسلم جلد ۱۲ ص ۴

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

البَيِّنَةُ عَلَى المُدَّعِي وَالْيَمِينُ عَلَى مَنْ أَنْكَرَ (دعویٰ کا ثبوت مہیا کرنا مدعی کی ذمہ داری ہے اور حلف وہ اٹھائے جو دعوے کا انکار کرتا ہے)۔ تو یہ حدیث صحت کے لحاظ سے پایۂ اعتبار کو نہیں پہنچ سکی۔ اس حدیث کو حدیث کی مشہور کتابوں میں سے کسی کتاب میں بھی نقل نہیں کیا گیا۔ فقہاءؒ میں سے اہل کوفہ، مثلاً امام ابو حنیفہؒ کے سوا کسی دوسرے فقیہہؒ نے اس حدیث کے عموم کے مطابق فتویٰ نہیں دیا۔ فقہائے کوفہ کلی طور پر تمام صورتوں میں حلف اس شخص کے ذمے ڈالتے ہیں جو دعوے کا انکار کرتا ہے۔ حتیٰ کہ قسامہ کے باب میں بھی وہ مدعا علیہ ہی سے حلف لیتے ہیں۔ فقہائے کوفہ اس حدیث کے عموم پر عمل کرتے ہوئے ایک گواہ کیساتھ مدعی کے حلف کو تسلیم نہیں کرتے اور حلف سے مدعا علیہ کے انکار کی صورت میں حلف کو مدعی کی طرف نہیں لوٹاتے۔ دیگر تمام فقہائے امتؒ جنہیں فقہائے مدینہ، فقہائے مکہ فقہائے شام اور فقہائے حدیثؒ مثلاً ابن جریجؒ امام مالکؒ امام شافعیؒ امام لیثؒ، امام احمدؒ اور اسحاق بن راہویہؒ۔ کبھی تو حلف مدعا علیہ کے ذمے قرار دیتے ہیں جیسا کہ حدیث میں وارد ہے۔ درحقیقت انکے ہاں اصول یہ ہے کہ حلف اس فریق کا حق ہے جسکا موقف زیادہ قوی ہے۔ اور مذکورہ حدیث جس سے اہل کوفہ استدلال کرتے ہیں' کا مندرجہ ذیل جواب دیتے ہیں۔ اوّل: یہ حدیث ضعیف ہے۔ ثانی: یہ حدیث عام ہے اور انکی معمول بہ احادیث خاص ہیں۔ ثالث: انکی معمول بہ احادیث زیادہ قوی ہیں لہٰذا تعارض کیصورت میں انپر عمل کرنا لازم ہے۔ یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچی ہوئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض مخصوص مقدمات میں مدعی سے ثبوت طلب کیا ہے اور مدعا علیہ سے قسم اٹھوائی ہے۔ مگر دعاوی تہمت پر اسکا اطلاق نہیں ہوتا۔

امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ اشعث بن قیسؓ کے حوالے سے حدیث روایت کرتے ہیں کہ میرے اور ایک شخص کے درمیان کنوئیں کی ملکیت پر جھگڑا تھا چنانچہ ہم اپنا جھگڑا لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیخدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے مجھ سے فرمایا: تم ثبوت پیش کرو۔ ورنہ فریق ثانی سے قسم لی جائے گی۔ میں نے عرض کی وہ تو قسم اٹھانے سے کبھی گریز نہیں کریگا۔ وہ جھوٹ قسم اٹھالیگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے جھوٹی قسم اٹھائی تاکہ وہ دوسرے مسلمان کا مال اڑا کھائے تو اللہ تعالیٰ اسے اس حالت میں ملاقات کریگا کہ اللہ تعالیٰ اس پر سخت غضبناک ہوگا

صحیح بخاری جلد ۵ صہ ۲۳، صہ ۲۷۹، صہ ۲۸

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ آپؐ نے فرمایا۔ دلیل لاؤ کہ یہ کنواں تمھارا ہے ورنہ دوسرا فریق قسم اٹھائیگا۔ ؎۱

حضرت وائل بن حجر رضؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص حضرموت سے، اور دوسرا شخص کِندہ سے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ دونوں میں زمین کے بارے میں جھگڑا تھا۔ حضرمی نے عرض کی ۔اس شخص نے میری زمین چھین لی ہے۔ جو مجھے میرے باپ نے عطا کی تھی۔ کندی نے کہا یہ زمین میری ہے۔ میرے قبضے میں ہے میں اسمیں کاشت کر رہا ہوں۔ اس پر اس شخص کا کوئی حق نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تیرے پاس کوئی ثبوت ہے؟ اس نے عرض کی نہیں۔ آپؐ نے فرمایا۔ تب تو تجھے اس کے حلف کا اعتبار کرنا ہوگا۔ اس شخص نے عرض کی یہ تو جھوٹا شخص ہے بیدریغ حلف اٹھالے گا۔ یہ شخص ورع سے بالکل خالی ہے آپؐ نے فرمایا اس میں سے تمھارے لئے بس یہی ہے جب وہ شخص حلف اٹھانے کیلئے چلا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر اس نے دوسرے شخص کا مال اڑانے کیلئے جھوٹی قسم کھائی تو جب وہ اللہ تعالٰی کے سامنے پیش ہوگا۔ تو اللہ تعالٰی اس سے منہ پھیر لیگا۔ ؎۲ اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدعا علیہ پر حلف کے سوا کوئی ثبوت مہیا کرنے کی ذمہ داری عائد نہیں کی۔ حالانکہ آپؐ کو بتا دیا گیا تھا کہ مدعا علیہ کو جھوٹی قسم کھانے میں کوئی عار نہیں مگر اس کے باوجود آپؐ نے یہی فرمایا لَیْسَ لَکَ مِنْہُ اِلَّا ذٰلِکَ (اس میں سے تمھارے لئے بس یہی ہے)

قیس بن اشعث رضؓ والی حدیث میں فریق ثانی کے متعلق صحیحین میں آتا ہے کہ وہ یہودی تھا ؎۳ مگر اس کے باوجود آپؐ نے اس سے حلف لیا قسامہ والی حدیث میں انصار رضؓ نے آپؐ سے عرض کی تھی ہم کفار کی قسم کو کیسے قبول کرسکتے ہیں۔

مذکورہ بالا ثبوت اور حلف کے مسئلے میں ہمارے علم کے مطابق کوئی اختلاف اور نزاع نہیں ہے کہ اگر مدعی کے پاس کوئی شرعی ثبوت موجود نہ ہو تو مدعا علیہ کے حلفیہ قول کا اعتبار کیا جائیگا۔ ثبوت یا شرعی دلیل کبھی تو دو عادل مردوں کی گواہی ہوتی ہے۔ کبھی ایک مرد اور دو عورتوں اور کبھی چار مردوں کی شہادت پر شرعی ثبوت کا اطلاق ہوتا

؎۱ ابوداؤد جلد ۳ صفحہ ۳۲۸ ؎۲ صحیح بخاری جلد ۵ صفحہ ۲۷۹ ابوداؤد جلد ۳ صفحہ ۳۲۷ ؎۳ صحیح بخاری جلد ۱۲ صفحہ ۳۳

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ اور بعض اہل علمؒ کے نزدیک تین مردوں کی شہادت بھی بینہ کے زمرے میں آتی ہے۔ دیوالیہ کے دعوے میں تین مردوں کی گواہی معتبر ہے۔ امام مسلم رحؒ حدیث نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین اشخاص کے سوا کسی کیلئے سوال کرنا جائز نہیں۔ اول وہ شخص جس پر دیت کا بوجھ ہو اسکو اتنا مانگنا جائز ہے جس سے اسکی دیت کی ادائیگی ہو جائے پھر رک جائے۔ ثانی۔ ایسا شخص جس پر کوئی آفت نازل ہوئی اور اس آفت نے اسکی کھیتی باڑی کو تباہ کر کے رکھ دیا ہو۔ اسکو بھی صرف اسقدر مانگنا جائز ہے جس سے وہ قوت لا یموت حاصل کر لے ثالث۔ اور تیسرا وہ شخص ہے جس پر فاقہ کشی کی حالت آجائے۔ اور اسکی قوم اور قبیلے کے تین اہل الرائے اشخاص اسکی فاقہ کشی کی شہادت دیں۔ ایسا شخص بھی قوت لا یموت کے حصول تک لوگوں سے مانگ سکتا ہے۔ اے قبیصہ! ان تین صورتوں کے سوا مانگنا حرام ہے اور مانگنے والا حرام کھاتا ہے[۱]

مذکورہ حدیث مبارکہ میں اس امر کی تصریح موجود ہے کہ تنگدستی پر گواہی دینے کیلئے تین گواہوں کی گواہی صحیح ہے۔ بنابریں دیوالیہ اور تنگدست کے قول کا اعتبار کیا جائے گا یہی رائے ہمارے بعض اصحابؒ کی ہے اور شافعیہ میں سے بھی بعض فقہاء نے اسکو اختیار کیا ہے۔ انکا موقف یہ ہے کہ تنگدستی اور دیوالیہ پن، خفیہ امور میں شمار نہیں ہوتے کہ اس تہمت سے شک کو تقویت ملے کہ اس نے مال چھپایا ہوا ہوگا۔ اس لئے اس سلسلے میں مزید ثبوت کیلئے تین گواہوں کی تاکید کر دی گئی ہے

بعض اوقات ایک گواہ اور اس کے ساتھ مدعی کے حلف پر ثبوت اور حجت شرعی کا اطلاق ہوتا ہے۔

کبھی کبھی صرف ایک عورت کی گواہی بھی کافی ہوتی ہے۔ امام ابو حنیفہ رحؒ کا یہی مذہب ہے۔ اور امام احمد بن حنبل رحؒ کا مشہور مذہب یہی ہے۔ امام مالکؒ دو عورتوں کی گواہی کو معتبر قرار دیتے ہیں۔ امام احمد رحؒ سے ایک قول یہ بھی منقول ہے۔ امام شافعیؒ چار عورتوں کی شہادت کا اعتبار کرتے ہیں۔

بسا اوقات صرف ایک شخص کی گواہی بھی کافی سمجھی جاتی ہے جیسے مویشیوں کی بیماری میں بیطار کی شہادت اور انسانی امراض میں طبیب کی شہادت پر اعتماد کیا جاتا ہے۔

امام احمد بن حنبل رحؒ سے یہ تصریح منقول ہے کہ ایک طبیب یا بیطار کی شہادت، صرف

---

[۱] صحیح مسلم جلد ۷ صفحہ ۱۳۳

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس صورت میں قابل اعتماد ہے جبکہ دو طبیب یا بیطار مہیا نہ ہوسکیں۔

کبھی قوتِ موقف کی بناء پر حجت شرعی حاصل ہوتی ہے۔ اور کبھی قوتِ موقف کی وجہ سے مدعی کی قسم پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ مثلاً قسامہ کی قسم اور قسامہ کی قسم میں پچاس کے عدد کا امتیاز انسانی خون کی اہمیت اور اسکے تقدس کی بنا پر ہے جیسے لعان میں خاوند بیوی کے رشتے کی اہمیت کی بنا پر چار قسمیں مقرر کی گئی ہیں۔

قسامہ میں امام مالکؒ، امام احمدؒ اور امام ابوحنیفہ رحؒ کے نزدیک قصاص واجب ہے۔ مگر امام شافعی رحؒ کہتے ہیں کہ قسامہ سے صرف دیت واجب ہوتی ہے۔ اس مسئلے میں اہل الرائے خاص طور پر مدعا علیہ سے حلف لیتے ہیں۔ پھر اس کے حلف پر بھی صرف دیت واجب کرتے ہیں۔

علامات و نشانات کی شرعی حیثیت

میں (ابن قیم) کہتا ہوں کہ بسا اوقات یہ چیز بھی مدعی کے حق میں شرعی ثبوت بن جاتی ہے کہ مدعا علیہ اپنے حلف کے رد ہوئے بغیر ہی حلف اٹھانے سے انکار کردے۔ یا وہ حلف نہ اٹھائے اور اس کا حلف بھی رد بھی کردیا جائے۔ صحابہ کرام رضؓ کے فیصلوں کی نظائر سے ثابت ہوتا ہے کہ کبھی کبھی وہ علامات بھی دلیل اور حجتِ شرعی کا کام دیتی ہیں جو مدعی بیان کرتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مدعی اپنے دعوے میں سچا ہے۔ مثلاً مدعی کسی گری پڑی ملی ہوئی چیز پر اپنی ملکیت کا دعوی کرتا ہے۔ اور اس چیز کے پانے والے کو اسکی تمام نشانیاں بتا دیتا ہے تب ان نشانیوں کی بنا پر اس چیز کو مدعی کے حوالے کرنا واجب ہے۔ یہ رائے امام احمدؒ کی ہے۔ امام شافعی رحؒ فرماتے ہیں حوالے کرنا جائز ہے، واجب نہیں۔

اسیطرح بعض اوقات نسب وغیرہ کے مقدمات میں مشابہت ایک قوی دلیل اور حجت شرعی ہوتی ہے جس سے نسب ثابت ہوجاتا ہے۔ بنا بریں سلفؒ اور خلفؒ میں جمہور فقہاءؒ کے نزدیک الحاق نسب واجب ہے

قیافہ بھی اثبات دعوے کیلئے دلیل شرعی کی حیثیت رکھتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نسب کے مقدمات میں اسے معتبر قرار دیا ہے اسی اصول کی بنا پر صحابہ کرامؓ نے نسب کے مقدمات کے فیصلے کئے ہیں۔

بعض دفعہ ایک چیز پر ایک سے زائد مدعی اپنے حق کا دعوے کرتے ہیں اور اس چیز کی خاص علامات کسی ایک مدعی کے دعوی کی تائید کرتی ہیں۔ ان علامات کی بنا پر اس مدعی کو مقدم رکھا جائیگا۔ مثلاً ایک گھر میں دفینہ نکل آتا ہے کرایہ دار اور مالک مکان دونوں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہی اس پر اپنی اپنی ملکیّت کا دعوے کرتے ہیں۔ اس بارے میں امام احمد بن حنبل رحمہ سے یہ تصریح منقول ہے کہ ان دونوں میں جو اس دفینہ کی علامات بتا دیگا دفینہ اسی کا تصور کیا جائیگا۔ اسیطرح بعض اوقات گری پڑی ملی ہوئی چیز کی کچھ علامات کسی ایک مدعی کے دعویٰ کی تائید کرتی ہیں جیساکہ امام احمدؒ کی تصریح منقول ہے۔

بسا اوقات مدعی کے دعوے کی تائید بعض ظاہری قرائن سے بھی ہوتی ہے۔ لہٰذا اس سے حلف لے کر اسکے حق میں فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔ مثلاً جب درزی اور بڑھئی میں آلات صنعت کے ضمن میں ان دونوں میں سے کسی آلے کے متعلق جھگڑا ہو جائے تو جمہور فقہاءؒ کے نزدیک یہ آلہ ان دونوں میں سے اسی شخص کی ملکیت تسلیم کیا جائیگا جسکے کام کا یہ آلہ ہوگا اسیطرح جب گھر کے اثاثے کے بارے میں میاں بیوی کا جھگڑا ہو جائے تو خاوند کے کام کی چیزیں خاوند کو دی جائیں گی اور بیوی کے کام کی چیزیں بیوی کو دی جائیں گی۔ فقہاءؒ کے میں سے امام شافعی رحمہ کے سوا کسی کو اس سے اختلاف نہیں چنانچہ امام شافعی رح خاوند کا عمامہ اور اسکے دیگر ذاتی کپڑے بھی اسکے اور اسکی بیوی کے درمیان تقسیم کرتے ہیں اسیطرح وہ بیوی کے موزے اور اسکا چرخہ وغیرہ اس کے اور اس کے خاوند کے درمیان تقسیم کرتے ہیں مگر امام مالکؒ امام احمدؒ اور امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ ظنّ غالب اور قرائن کو مدّنظر رکھتے ہوئے ہر چیز کو اسکے استعمال کے اختصاص کے لحاظ سے فریقین میں سے کسی ایک کے حوالے کرتے ہیں۔ انکی رائے ہے کہ دعوے کو اس سے بھی کمتر ثبوت کی بنا پر ترجیح حاصل ہو سکتی ہے۔ مثلاً ملکیت براءتِ اصلی، انکار حلف، حلف رد شدہ، ایک گواہ کی معیت میں مدعی کا حلف اور ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی وغیرہ۔ یہ شرعی دلائل دعوے کی صداقت کے متعلق ظنِّ غالب پیدا کرتے ہیں۔ یہ امر بالکل واضح ہے کہ مذکورہ مثالوں میں جو ظنّ غالب حاصل ہوتا ہے وہ گزشتہ صفحات میں ذکر کئے گئے قرائن سے کئی گنا قوی ہے۔ اس ظنّ غالب کو رد کرنا ممکن نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حق شرعی کی ایسی مسلمہ روایات علامات اور نشانیاں مقرر کی ہیں جن سے حق کیطرف راہ نمائی حاصل ہوتی چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَاَلْقٰى فِى الْاَرْضِ رَوَاسِىَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ وَعَلٰمٰتٍ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ (النحل ۱۶، ۱۵)	اللہ تعالیٰ نے زمین پر پہاڑ رکھدیئے تاکہ وہ تمہیں لے کر لڑھک نہ جائے۔ دریا اور راستے بنائے۔ شاید کہ تم راہ پاؤ اور وہ لوگ علامات اور ستاروں کی مدد سے راہ ڈھونڈتے ہیں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قبلہ معلوم کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے کچھ علامات مقرر کی ھیں حتیٰ کہ ایمان و نفاق تک کی علامات واضح کر دی ہیں چنانچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ واٰلہ وسلم نے فرمایا ہے۔
"جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ باربار مسجد میں حاضر ہوتا ہے تو اسکے ایمان کی گواہی دو۔"
پس آپ نے مسجد میں نماز ادا کرنے کی عادت کو ایمان کی علامت قرار دیا ہے اور ہمیں اجازت مرحمت فرمائی ہے کہ ہم ان علامات کی بنا پر ایسے شخص کے ایمان کی شہادت دیں۔ شہادت ھمیشہ علم قطعی پر مبنی ہوتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ علامات و نشانات قطعیت کا فائدہ دیتے ہیں اور انکی بنا پر شہادت ادا ہوتی ہے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اٰيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ ایک روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں عَلَامَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ یعنی منافق کی تین نشانیاں ہیں۔ [۱]
اوّل ـــــ جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔
ثانی ـــــ جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے۔
ثالث ـــــ جب اسکے پاس امانت رکھی جائے تو اسمیں خیانت کرے۔
سنن میں ایک حدیث روایت کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایمان کی تین علامتیں ہیں۔
اوّل کلمہ گو کو اذیّت دینے سے باز رہنا۔ ثانی جہاد اسوقت سے جاری ہے جب سے اللہ تعالیٰ نے مجھے نبیؐ بنا کر بھیجا ہے اور اسوقت تک جاری رہیگا جب تک میری امّت کا آخری شخص بھی دجّال کیساتھ نہ لڑے۔ اس جہاد کو کسی ظالم کا ظلم اور نہ کسی عادل کا عدل ختم کر سکتا ہے۔ ثالث اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر ایمان رکھنا
اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیّت، اسماء و صفات کے عرفان کیلئے علامات اور نشانات مقرر کئے ہیں۔ اسیطرح اس نے عدل اور احکام کی علامات مقرر کی ہیں۔
علامت اپنے مدلول کیطرف راہنمائی کرتی ہے اور وہ اپنے مدلول سے کبھی جدا نہیں ہوتی۔ جہاں کہیں ملزوم کا وجود ہوگا لازم کا پایا جانا ضروری ہے لہٰذا جہاں حق کی علامت ملے گی وہاں حق کا موجود ہونا لابدی ہے حق اپنی علامت سے پیچھے کیونکر رہ سکتا ہے۔ بصورت دیگر حق کے سوا کوئی اور حکم لگانا دراصل باطل کا حکم لگانا ہے۔

---

[۱] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۸۹ حدیث ابی ہریرہ رضہ۔ نیز اس حدیث کو امام بخاریؒ امام مسلمؒ کے علاوہ دیگر محدثینؒ نے بھی مختلف الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے (سبل السلام جلد ۴ صفحہ ۱۸۷)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عدالتی فیصلوں میں علامات ونشانات کا اعتبار کیا ہے اور علامات کو عدالتی فیصلوں کی بنیاد قرار دیا ہے مثلاً گری پڑی ملی ہوئی چیز کی نشانیوں کا اعتبار کیا ہے چنانچہ جو کوئی اس چیز کی علامات اور نشانیاں بیان کریگا وہ چیز قانوناً اسکی تسلیم کیجائے گی۔ حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضؓ سے فرمایا "میرے وکیل سے ایک وسق لے لینا۔ اگر وہ تجھ سے کوئی نشانی طلب کرے تو اس کی ہنسلی پر ہاتھ رکھدینا" آپ نے اس نشانی کو دلیل اور بینہ کے قائم مقام ٹھہرایا جو اس بات کی شہادت ہے کہ واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک وسق لے لینے کی اجازت مرحمت فرمائی ہے۔

اسی طرح گری پڑی ملی چیز کی صفات اور علامتیں دلیل کے قائم مقام ہوتی ہیں بلکہ خود دلیل ہیں کیونکہ بینہ کا اطلاق ہر اس چیز پر ہوتا ہے جو حق کو واضح کرے۔ وہ قول ہو، فعل ہو یا وصف۔

صحابہ کرامؓ نے بغیر خاوند عورت کے حمل کو زنا کی علامت قرار دیا ہے۔ بنا بریں انہوں نے ایسی عورت پر عدم اقرار کے باوجود زنا کی حد جاری کی ہے بلکہ انہوں نے تو حمل کو عینی شہادت سے زیادہ معتبر قرار دیا ہے۔

اسی طرح انہوں نے منہ سے شراب کی بو آنے، یا شراب کی قے ہونے کو، اس کے پیئے جانے کی علامت قرار دیا ہے۔ اور اس علامت کو اقرار اور دو عینی شاہدوں کی شہادت کے قائم مقام ٹھہرایا ہے۔

جنگ بدر کے موقع پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ بتایا گیا کہ قریش کے لشکر میں ایک وقت کے کھانے کیلئے نو یا دس اونٹ ذبح کئے گئے ہیں تو آپؐ نے نہایت آسانی سے اندازہ لگا لیا کہ قریش کے لشکر کی نفری نو سو سے لیکر ایک ہزار تک ہے۔ آپ نے علامت کی مدد ہی سے اندازہ لگایا تھا۔ [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حیی بن اخطب کے معاملہ میں مال کثیر اور اس کے مقابلے میں مال کے خرچ ہونے کی مدت کے قصیر ہونے کی بنا پر یہ فیصلہ کیا تھا کہ حیی بن اخطب یہ کہنے میں جھوٹا ہے کہ مال خرچ ہو گیا۔ اور اسی علامت کی بنا

---

[1] کتاب المحبر ص ۱۶۱ مصنفہ محمد بن حبیب

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پر آپ نے اجازت دیدی تھی کہ جسمانی تعذیب کے ذریعے اس سے حقیقت اگلوائی جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلوار پر خون کے نشانات کی بنا پر یہ فیصلہ دیا کہ ان دو مدعیوں میں سے مقتول کی سلب اسے دی جائے جسکی تلوار پر خون کے نشانات پائے گئے ہیں۔ خون کے نشانات کو دلیل اور ثبوت کے قائم مقام ٹھہرایا۔ [۱]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہلال بن امیہ کی بیوی کے متعلق جس سے ہلال بن امیہ نے لعان کیا۔ فرمایا تھا

" خیال رکھو اگر اس عورت کے بچے کی نشانی فلاں فلاں ہوئی تو یہ ھلال بن امیہ سے ہے۔ اور اگر یہ علامت ہوئی تو یہ اس فلاں شخص سے ہے جس کیساتھ ملوث ہونے کا اس عورت پر الزام ہے " [۲]

چنانچہ آپؐ نے خبر دی ہے کہ ان صفات اور علامات کی بنا پر یہ اس شخص کا بچہ ہے جس سے یہ عورت متہم ہے۔ البتہ آپؐ نے بچہ اس شخص کے حوالے نہیں فرمایا تھا کیونکہ اس نے بچے کا دعوی نہیں کیا تھا نہ اس نے اسے اپنا بچہ تسلیم کیا تھا۔ اور نہ یہ عورت اس کی بیوی تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیر ناف بال اُگ آنے کو بلوغت کی علامت قرار دیا ہے چنانچہ بنو قریظہ کے جنگی قیدیوں میں سے جن لڑکوں میں یہ علامت پائی گئی اسے قتل کر دیا گیا اور جن میں یہ علامت نہ پائی گئی اسے چھوڑ دیا گیا۔ [۳] بنا بریں فقہائے نے جن میں امام شافعی رح بھی شامل ہیں اس علامت کو صرف کفار کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حمل سے براءتِ رحم کی علامت ایک حیض مقرر کیا ہے۔ بنا بریں جنگ میں پکڑی ہوئی قیدی عورت کے ساتھ جسے لونڈی بنایا گیا ہو ایک حیض کے بعد جماع کرنا جائز ہے۔ کیونکہ حیض کا آنا اس عورت کے حاملہ نہ ہونے کی دلیل ہے

---

[۱] صحیح البخاری جلد ۶ صـ ۲۴۶

[۲] تفہیم القرآن سید ابوالاعلیٰ مودودی رح جلد نمبر ۳ صـ ۳۵۷ بحوالہ صحاح ستہ، مسند احمد رح

[۳] المحلی ابن حزم رح جلد ۱ صـ ۸۹

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر خون کے متعلق یہ اشتباہ واقع ہو جائے کہ آیا حیض کا خون ہے یا استحاضہ ہے تو وقت اور خون کی رنگت کو ان دونوں میں امتیاز کی علامت مقرر کیا گیا ہے۔ اور اسی علامت کی بنا پر حیض کا فیصلہ کیا جاتا ہے ۔ اس قسم کے بے شمار شواھد ملتے ہیں جن کا احاطہ کرنا مشکل ہے

جس نے علامات اور نشانات کی شرعی اہمیت کو باطل ٹھہرایا اس نے دراصل شریعت اسلامی کے بیشمار احکام کو معطل کر کے رکھدیا اور لوگوں کے حقوق ضائع کرنے کا باعث ہوا۔ اس مسئلہ میں بھی لوگ افراط اور تفریط میں مبتلا ہیں اور کچھ اعتدال پسند لوگ بھی پائے جاتے ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ کی رائے

ہمارے استاد محترم شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں

"حکام اس معاملے میں افراط تفریط کا شکار ہیں یہ لوگ حق کو پہچاننے سے بالکل عاری اور لوگوں پر ظلم کرنے میں بہت دلیر ہیں۔ لہٰذا شریعت کا اصلی مفہوم ہی بدل کر رہ گیا ہے"

آج کے زمانے میں شریعت تین اقسام میں منقسم ہے۔

شریعت منزلہ یہ شریعت درحقیقت کتاب وسنت ہے اور اس پر عمل کرنا فرض ہے جو اس شریعت سے روگردانی کرتا ہے اس سے قتال واجب ہے یہ اللہ تعالیٰ کیطرف سے نازل کردہ احکام کا مجموعہ ہے جو دین کے اصول اور فروع، کاروبارِ سلطنت، مالی معاملات، عدالتوں کے طریق کار اور احتساب وغیرہ کے راہ نما امور پر مشتمل ہے۔ اصحاب اقتدار اور حکام پر فرض ہے کہ وہ اس شریعتِ منزلہ کیمطابق عمل کریں اور اسکے دائرے سے باھر قدم نہ رکھیں

شریعت مؤولہ شریعتِ اسلامی کی دوسری قسم اسلامی قانون کا وہ مجموعہ ہے جو ائمہ مجتہدین کے مابین مورد نزاع واجتہاد ہے۔ تمام ائمہ کرام رحمہ نے انتہائی نیک نیتی کے ساتھ اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کیا اور اس کو اپنا مسلک بنا لیا۔ باقی لوگوں پر کتاب وسنت کی دلیل کے بغیر اسکی پیروی کرنا ضروری نہیں ہوگا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شریعت مبدلہ | ان امور پر مشتمل ہے جو شہادتِ زور اور باطل طریقے سے ثابت کئے جاتے ہیں جس میں تمام فیصلے ظلم اور جہالت پر مبنی ہوتے ہیں جسمیں باطل کا اقرار اور حق کو ضائع کیا جاتا ہے ـــــ مثلاً مریض کو سکھایا جاتا ہے کہ حقیقی ورثاء کو ترکے سے محروم کرنے کیلئے کسی ایسے شخص کو وارث تسلیم کرے جو درحقیقت وارث نہیں۔ بلاشبہ حرام ہے۔ اس پر شہادت دینا حرام ہے۔ اور شہادتِ زور کے زمرے میں آتا ہے۔ اگر جج یہ معلوم ہونے کے بعد بھی کہ یہ سب جھوٹ ہے اور حق سے اسکا کوئی تعلق نہیں ـــ ان سازشیوں کے حق میں فیصلہ کرتا ہے تو وہ حرام اور گناہ کا ارتکاب کرتا ہے۔ ایسا جج جابر حکام میں شمار ہوتا ہے۔ البتہ اگر جج فیصلہ کرتے وقت حقیقت حال سے لاعلم ہے تو وہ موردِ الزام نہیں

ایک متفق علیہ حدیث میں آتا ہے کہ سید الحکام صلوات اللہ علیہ وسلامہ نے فرمایا۔ "تم لوگ میرے پاس اپنے جھگڑے لیکر آتے ہو شاید تم میں سے کوئی زیادہ چرب زبان ہو اور وہ فریق ثانی سے زیادہ بہتر طریقے پر اپنی دلیل اور حجت پیش کر سکتا ہو اور میں اس سماعت کے مطابق فیصلہ دیدوں پس اگر میں اس کے بھائی کے حق میں سے اس چرب زبان کو کچھ دیدوں اور وہ اسے لے لے تو وہ سمجھے کہ میں نے اسکو آگ کا ایک ٹکڑا دیا ہے" [1]

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱۲ صفحہ ۴، صحیح بخاری جلد ۱۲ صفحہ ۱۴۲

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دعوائے تہمت

یہ دعاوی جنایات اور افعال محرمہ مثلاً قتل، راہ زنی، چوری، قذف اور ظلم و زیادتی وغیرہ پر مشتمل ہیں۔ ان دعاوی میں مدعا علیہ تین قسم کے ہوتے ہیں

اوّل ـــ وہ مدعا علیہ جو اس تہمت سے بری ہیں اور انہیں متہم لوگوں میں شمار نہیں کیا جاتا

ثانی ـــ وہ مدعا علیہ جو فاسق و فاجر ہیں اور عام طور پر متہم لوگوں میں شمار ہوتے ہیں۔

ثالث ـــ وہ مجہول الحال مدعا علیہ جن کے حالات کو حکام یا جج نہیں جانتے

دعاوی تہمت میں نیک نام مدعا علیہ

پہلی قسم کے مدعا علیہ کو انکشاف حقیقت کیلئے جسمانی تعذیب دینا جائز نہیں۔ دوسری قسم کے مدعا علیہ کو عقوبت اور جسمانی تعذیب دینے کے بارے میں فقہاءؒ میں اختلاف پایا جاتا ہے مگر صحیح مسلک یہ ہے کہ شر پسندوں کی ضرر رسانی اور لوگوں کی عزت و ناموس کو محفوظ رکھنے کیلئے ایسے لوگوں کو جسمانی سزا دینا جائز ہے۔

امام مالکؒ اور امام اشہبؒ[1] کہتے ہیں کہ پہلی قسم میں مدعی کے خلاف تادیبی کاروائی اس وقت کیجائیگی جبکہ یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جائے کہ اس دعوے سے مدعی کا مقصد مدعا علیہ کو اذیت دینا ہے یا اسکی عیب جوئی کرنا اور برا بھلا کہنا تھا۔ امام اصبغؒ[2] فرماتے ہیں۔ ہر صورت میں اسکے خلاف تادیبی کاروائی کی جائے گی خواہ اس کی نیّت مدعا علیہ کو اذیت دینا نہ تھی۔

---

[1] علامہ اشہب بن عبدالعزیز القیسی عامری نے بہت سے علماء سے اکتساب علم کیا وہ کافی عرصہ تک امام مالک کی خدمت میں رہے۔ امام مالک کی فقہ کی تدوین میں اہم کردار ادا کیا انکی کتاب کا نام "مدونہ اشہب" ہے ۲۰۴ھ میں امام شافعی رح کی وفات کے ایک دن بعد وفات پائی

[2] امام اصبغ بن الفرج اموی رح بنی امیہ کے آزاد کردہ غلام تھے حصول علم کیخاطر مدینہ کا قصد کیا مگر جسدن یہ مدینہ پہنچے اسی دن امام مالکؒ فوت ہوئے۔ ابن القاسم ابن وھب اور اشہب رحمہم اللہ سے اکتساب علم کیا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان مذکورہ صورتوں میں مدعا علیہ سے حلف لیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ مدعا علیہ پر جو الزام عائد کیا گیا ہے اگر وہ حدود اللہ کے زمرے میں آتا ہے تو اس سے حلف نہیں لیا جائیگا۔ اور اگر یہ معاملہ حقوق العباد سے متعلق ہے تو اس بارے میں فقہاء کے دو قول ہیں جو دعویٰ کی سماعت پر مبنی ہیں اگر دعوی قابل سماعت ہے تو مدعا علیہ سے حلف لیا جا سکتا ہے ورنہ نہیں۔

اس ضمن میں صحیح موقف یہ ہے کہ ایسے دعوے کی سماعت ہی نہیں کیجائے گی اور نہ متہم سے قسم لیجائیگی تاکہ کمینے اور شر پسند لوگ شرفاء کی اہانت پر جری نہ ہوجائیں گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے۔ اس بات کو مسلمان بہت برا سمجھتے ہیں

دعاوی تہمت میں مجہول الحال مدعا علیہ

دعوی تہمت میں اگر مدعا علیہ مجہول الحال ہو اور اس کے کردار کے متعلق معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہ ہو تو ایسے شخص کو حوالات بھیجا جا سکتا ہے تا آنکہ اسکا حال معلوم ہو جائے۔ عام علماء کی یہی رائے ہے۔ اکثر ائمہ کرام سے صریحاً منقول ہے کہ حاکم یا جج ایسے شخص کو جیل بھجوا سکتا ہے۔ امام مالکؒ اور ان کے اصحاب سے یہی مذہب منقول ہے۔ امام احمدؒ اور انکے محقق اصحابؒ بھی اسی طرف گئے ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ اسی رائے کا اظہار کرتے ہیں۔

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دعوئے تہمت میں ملزم کو قید کیا ہے [۱] امام احمدؒ مزید فرماتے ہیں کہ ملزم کو اس وقت تک قید میں رکھا جائے جب تک اس کے حالات معلوم نہ ہوجائیں [۲] مسند احمدؒ اور سنن ابی داؤدؒ میں بہز بن حکیمؒ کے حوالے سے منقول ہے۔ نیز جامع خلال میں حضرت ابو ہریرہ رضؓ کے واسطے سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دعوی تہمت میں ملزم کو ایک دن اور ایک رات کیلئے بند رکھا۔ ائمہ کرام رحؒ کے متفقہ اصول بھی اسی کی تائید کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ اس امر پر متفق ہیں کہ جب مدعی اور مدعا علیہ کو عدالت میں پیش کئے جانے کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ اور اگر اس کا عدالت میں حاضر کیا جانا ممکن ہو

---

[۱] الاحکام السلطانیہ صفحہ ۲۵۸ [۲] ابو داؤد جلد ۳ صفحہ ۳۵ نیز ملاحظہ ہو الاحکام السلطانیہ مصنفہ قاضی ابویعلی حنبلی صفحہ ۲۵۸ بحوالہ جامع ابی بکر خلال رحؒ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تو جج اور حاکم پر واجب ہے کہ وہ مدعا علیہ کو عدالت میں حاضر کرے یہاں تک کہ ان کے درمیان فیصلہ ہو جائے۔ حتیٰ کہ اگر مدعا علیہ کہیں دور دراز علاقہ میں رہتا ہو تب بھی عدالت اسکو پیش ہونے کا حکم دے۔ بعض ائمہ کرامؒ اس مسافت کو بارہ میل سے محدود کرتے ہیں تاکہ ملزم عدالت میں حاضری دے کر واپس گھر لوٹ سکے۔ یہ رائے بعض شافعیہ اور حنابلہ کی ہے امام احمدؒ سے بھی ایک قول مروی ہے۔ بعض فقہاء کہتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ فاصلہ وہ ہے جہاں سے نماز قصر شروع ہو جاتی ہے۔

بسا اوقات جج مقدمے کا جلد فیصلہ کرنے سے قاصر ہوتا ہے یا اس کے پاس پہلے ہی بہت سے مقدمات جمع ہوتے ہیں۔ اس صورت میں فیصلہ ہونے تک ملزم کو بند رکھا جاسکتا ہے اس قانون کا اطلاق مقدماتِ غیر تہمت پر ہوتا ہے اور مقدماتِ تہمت پر تو اسکا اطلاق بدرجہ اولیٰ ہوگا۔

حبسِ شرعی کی کیفیت

حبس شرعی یہ نہیں کہ ملزم کو کسی تنگ و تاریک کوٹھڑی میں پھینک دیا جائے۔ حبس شرعی تو ایک قسم کی نظر بندی اور ملزم کو بنفسہ تصرّف سے روک دینا ہے۔ لہٰذا اس نظر بندی کیلئے کسی مکان یا مسجد کو کام میں لایا جاسکتا ہے۔ اور یوں بھی ہوسکتا ہے کہ ملزم کو فریق ثانی یا اس کے وکیل کے حوالے کر دیا جائے۔ اس حبس شرعی کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے قید کا نام دیا ہے۔ چنانچہ سنن ابی داودؒ اور ابن ماجہؒ میں ھرماس بن حبیبؒ کے واسطے سے منقول ہے کہ وہ اپنے مقروض کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے تو آپؐ نے فرمایا اسے اپنے پاس رکھو۔ پھر آپؐ نے ان سے پوچھا اے بنو تمیم کے بھائی! تو اپنے قیدی کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہتا ہے [1]

ابن ماجہؒ کی روایت میں یوں ہے پھر آپؐ شام کے وقت میرے پاس سے گزرے تو فرمایا "اے بنو تمیم کے بھائی! تیرے قیدی نے کیا کیا ہے؟"

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں نظر بند کرنے کی یہی کیفیت تھی۔ انکے عہد میں نظر بندی کیلئے کوئی مخصوص جیل خانہ یا حوالات وغیرہ تعمیر نہیں کروائے گئے مگر حضرت عمرؓ کے زمانے میں جب رعایا بڑھ گئی تو حضرت عمرؓ نے مکہ مکرمہ میں ایک مکان

---

[1] ابوداؤد۔ جلد ۳ صفحہ ۳۴۹

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خرید لیا اور اسے جیل اور حوالات کے طور پر استعمال کیا جانے لگا۔

اسی طرح امام احمد بن حنبلؒ کے اصحاب میں سے اس امر پر اختلاف پایا جاتا ہے کہ آیا حکومت کو جیل خانہ جات بنوانے چاہئیں یا نہیں۔ خود امام احمدؒ سے دونوں قسم کے اقوال منقول ہیں جن علماءؒ کی رائے یہ ہے کہ حکومت کو جیل خانے نہیں بنوانے چاہئیں اُنکا استدلال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے عہد میں کوئی جیل خانہ نہیں تھا بلکہ ملزم کو کسی مناسب جگہ یا مناسب مکان میں نظر بند کر دیا جاتا تھا یا اس پر کوئی نگران مقرر کر دیا جاتا تھا اسکو ترسیم کہا جاتا ہے۔ یا ملزم کو دوسرے فریق کے حوالے کر دیا جاتا تھا وہ علماء جو جیل خانوں کے حق میں ہیں۔ دلیل دیتے ہیں کہ حضرت عمر رضؓ نے صفوان بن امیہؓ سے چار ہزار میں ایک مکان خریدا۔ اور اسے حوالات کے طور پر مخصوص کر دیا۔

جب ملزم کو جج یا حاکم کی عدالت میں حاضر ہونے کا پابند کر دیا گیا تو اس کے بعد فقہاءؒ میں اختلاف ہے کہ آیا اسکو مجرد دعویٰ کی بنا پر عدالت میں پیش ہونے کیلئے کہا جائیگا۔ یا مدعی کے دعوے کی جانچ پڑتال کے بعد عدالت میں حاضر کیا جائیگا۔ امام احمدؒ سے دونوں قول منقول ہیں۔ پہلا قول امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما کا ہے اور دوسرے قول کو امام مالکؒ نے اختیار کیا ہے۔

نظر بندی کا اختیار اور اسکی مدت

بعض علماءؒ کا خیال ہے کہ دعاوی تہمت میں ملزم کو نظر بند کرنے کا اختیار صرف پولیس افسر کو حاصل ہے۔ جج ایسے ملزموں کو نظر بند نہیں کر سکتا۔ فقہائے شافعیہؒ کی ایک جماعت کی یہی رائے ہے۔ ابو عبداللہ ابن زبیریؒ اور ماوردیؒ [۱] اسی طرف گئے ہیں۔ حنابلہؒ میں سے وہ فقہاءؒ جنہوں نے آداب قضا کے موضوع پر اظہار خیال کیا ہے اسیطرف گئے ہیں۔ پھر نظر بندی کی مدت میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ آیا نظر بندی کی مدت معین ہے یا حالات کے مطابق اسکا تعین حاکم کی صوابدید اور اس کے اجتہاد پر موقوف ہے۔ اسمیں دونوں قول منقول ہیں جن کو علامہ ماوردیؒ اور قاضی ابو یعلیؒ نے نقل کیا ہے [۲]

---

[۱] ابوالحسن علی بن محمد الماوردیؒ مشہور کتاب الاحکام السلطانیہ کے مصنف ہیں۔ اس کتاب کیوجہ سے شہرت پائی۔ امام نوویؒ نے شرح مسلم میں بہت سے مقامات پر انہیں اقضی القضاۃ کے لقب سے یاد کیا ہے۔ ۴۵۰ھ میں وفات پائی۔ علامہ ذہبی رحؒ کے مطابق عقائد میں معتزلی تھے [۲] ملاحظہ ہو الاحکام السلطانیہ قاضی ابو یعلی ص ۲۵۸

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علامہ ابن زبیری رح کہتے ہیں کہ نظربندی کی زیادہ سے زیادہ مدت ایک ماہ ہے ۵ے
ماوردی کہتے ہیں کہ نظربندی کی مدت معین نہیں

دعاوی تہمت میں فاسق و فاجر مدعا علیہ

دعاوی تہمت میں اگر مجہول الحال ملزموں کو جیل بھیجنا روا ہے تو ان ملزموں کو بدرجہ اولی جیل بھیجنا جائز ہے جو اپنے فسق و فجور مثلاً راہ زنی، چوری اور قتل وغیرہ کی واردات کی وجہ سے مشہور رہیں۔

ہمارے استاد محترم شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔
میری معلومات کی حد تک ائمہ اسلام میں سے کوئی ایک امام بھی ایسا نہیں جو یہ کہتا ہو کہ ان تمام دعاوی میں مدعا علیہ سے حلف لیکر چھوڑ دیا جائے۔ اور اسکو قید نہیں کیا جائے گا۔ یہ مذہب علی الاطلاق ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کا بھی نہیں ہے اور نہ فقہائے اربعہ کے علاوہ کسی اور فقیہ کا ہے۔ لہٰذا جو کوئی علی الاطلاق اور علی العموم اس رائے کو اختیار کرتا ہے مزید برآں اس زعم میں بھی مبتلا ہے کہ اصل دین یہی ہے تو ـــــ وہ سخت غلطی پر ہے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی واضح نصوص اور اجماع امت کا مخالف ہے۔ اس قسم کے غلط نظریات کی بنا پر اہل اقتدار میں دین کی مخالفت کی جرأت پیدا ہوتی ہے۔ یہ اہل اقتدار اس زعم میں مبتلا ھیں کہ اسلام کو سیاست اور مصالح امت سے کوئی سروکار نہیں بنابریں لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی حدود کو پامال کیا۔ حقیقت دین سے ان دونوں گروہوں کی لاعلمی کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ اسلام سے نکلکر ظلم و تعدی بدعات اور سیاست باطلہ میں مبتلا ہوگئے پھر ایک گروہ نے اسی گمراہی کو عین شریعت قرار دیدیا۔ اور دوسرے گروہ نے اسے اسلام کے مقابل لا کھڑا کیا۔

ثانی الذکر گروہ کی رائے یہ ہے کہ اسلام ناقص ہے لہٰذا انسانی ضروریات اور مصلحتوں کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ پہلی قسم کے لوگوں کو عمومات اور اطلاقات سے جو کچھ سمجھ میں آتا ہے اسکو اصل شریعت کا نام دیتے ہیں خواہ یہ عمومات و اطلاقات، شواھد اور علامات صحیحہ کے مخالف ہی کیوں نہوں۔ دونوں قسم کے لوگوں نے اسلام کو سمجھنے میں سخت ٹھوکر کھائی ہے درحقیقت یہ لوگ اس دین و شریعت کے فہم سے قاصر ھیں جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر نازل کیا اور اسے اپنے بندوں کیلئے ضابطۂ عمل مقرر فرمایا۔

ـــــــــــــــ

۵ے حواشی علامہ حامد الفقی برالاحکام السلطانیہ قاضی ابو یعلیٰ رح صہ ۲۵۸

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللہ تعالیٰ نے قرآن کو حق کیساتھ نازل کیا تاکہ لوگ عدل وانصاف پر قائم رہ سکیں۔ قرآن کسی سچے اور راستباز انسان کی تکذیب نہیں کرتا اور نہ ایسی علامات کی نفی کرتا ہے جو حق کی شہادت دیتی ہوں۔ بلکہ قرآن نے تو یہاں تک کہا ہے کہ اگر ایک فاسق وفاجر کوئی خبر دے تو اسکی چھان بین اور اس میں غور وفکر کیا جائے۔ قرآن اس خبر کو مطلقاً رد کرنے کا حکم نہیں دیتا۔ اگر قرائن وعلامات اسکی خبر کی شہادت دیتے ہوں تو اسکو قبول کر لیا جائے گا، ورنہ اسکو رد کر دیا جائے گا۔ اسکا حکم حق کے ساتھ وابستہ ہے اور حق اپنے حکم سے وابستہ ہے یہ حکم جہاں کہیں بھی ہو جس کیساتھ ہو اور خواہ کسی بھی دلیل صحیحہ سے ثابت ہو حق وہیں پایا جائے گا۔

ایک گروہ نے بعض امور میں زیادہ وسعت سے کام لیا انکو علامات اور نشانات قرار دیکر ان سے احکام ثابت کیے۔ دوسرا گروہ ان ظاہری علامات اور دلائل کے فہم سے قاصر رہا۔ لہٰذا اس نے یہ سمجھ لیا کہ یہ دلائل وعلامات اثبات احکام میں چنداں کام نہیں آسکتے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عادی مجرم کیلئے تعذیب جسمانی اور قید

دعادی تہمت کے ایسے ملزمان کو جو اپنے جرائم میں شہرت یافتہ ہوں جسمانی تعذیب دینا جائز ہے [1] جیسا کہ ابن ابی الحقیق کے قصہ میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو مال چھپا لینے کی بنا پر اعتراف جرم کیلئے جسمانی اذیت دینے کا حکم دیا تھا۔

ہمارے استاد محترم شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اس بارے میں فقہاء میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ ملزم کو جسمانی عقوبت دی جا سکتی ہے یا نہیں؟ پھر جواز کی صورت میں اس امر میں بھی اختلاف ہے کہ کون دے عدالت یا پولیس؟ اس میں فقہاء کے تین اقوال ہیں۔

اول ــــ ایسے ملزم کو عدالت اور حاکم دونوں جسمانی تعذیب دے سکتے ہیں۔ یہ حنابلہ اور مالکیہ میں بعض فقہاء کا قول ہے۔ علامہ اشہب کی بھی یہی رائے ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ شہر کا قاضی اسکو نظر بند کر سکتا ہے یا اسے کوڑوں سے پٹوا سکتا ہے

ثانی ــــ دوسرا قول یہ ہے کہ صرف حاکم ہی اسکو جسمانی اذیت دینے کا مجاز ہے۔ عدالت کو یہ اختیار حاصل نہیں۔ یہ مذہب شافعیہ اور حنابلہ میں سے بعض فقہاء کا ہے قاضی عبدالوہاب اور قاضی ابویعلے نے اسکو نقل کیا ہے۔ [2]

ثالث ــــ تیسرا قول یہ ہے کہ ایسے ملزم کو نظر بند تو کیا جا سکتا ہے مگر اسے جسمانی اذیت کسی صورت نہیں دی جا سکتی۔ یہ قول علامہ اصبغ رح کا ہے۔ بہت سے مالکی شافعی اور حنبلی فقہا نے اس رائے کو اختیار کیا ہے۔ بلکہ انکی اکثریت اس رائے کی حامل ہے۔ ان کے نزدیک متہم اور فاسق و فاجر کو قید کرنا مجہول الحال شخص کو قید کرنے سے زیادہ اولیٰ ہے

پھر فقہا کے ایک گروہ کی رائے یہ ہے کہ ایسے شخص کو قید میں رکھا جائے یہاں تک کہ وہ قید میں مر جائے۔ یہ رائے حضرت عمر بن عبدالعزیز، علامہ مطرف اور علامہ ابن الماجشون ابن الماجشون کی ہے۔ امام احمد سے منصوص ہے کہ ایسے بدعتی کو جو اپنی بدعات سے باز نہ آتا ہو قید کر دیا جائے حتیٰ کہ وہ قید ہی میں مر جائے مگر امام مالک فرماتے ہیں کہ اسے تا عمر قید میں نہیں رکھا جا سکتا۔

---

[1] الاحکام السلطانیہ قاضی ابویعلیٰ صـ ۲۵۹ [2] الاحکام السلطانیہ قاضی ابویعلیٰ صـ ۲۵۹

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اختیارات کا تعیّن

وہ علماء جو جسمانی عقوبت و اذیت کا اختیار عدالت کی بجائے حکام کو تفویض کرتے ہیں۔ یہ دلیل دیتے ہیں کہ امیر حرب اس بات کا ذمہ دار ہے کہ وہ ملک سے فتنہ و فساد دور کرے اور شرپسندوں کا قلع قمع کرے۔ اور عادی مجرموں کو سزا دیئے بغیر یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور عدالت کی ذمہ داری صرف یہ ہے کہ وہ حقداروں کو حق دلائے۔

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اس قول کے قائل کا مقصد درحقیقت اس موقف کے شرعی جواز کیطرف اشارہ کرنا ہے ورنہ ہر شخص کو جو ذمہ داری سونپی گئی ہے وہ اس کو بجا لانے کا ذمہ دار ہے۔ مثلاً زکوٰۃ کے تحصیلدار کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ زکوٰۃ جمع کرے اور اسمیں تصرف کرے مگر خراج کے تحصیلدار کو یہ اختیار حاصل نہیں۔ اسیطرح والی حرب اور والی عدالت شرعی حدود کے اندر عدل و انصاف کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنے اپنے فرائض کی ادائیگی کا کے ذمہ دار ہیں۔

مال برآمد کروانے کیلئے ملزم کو جسمانی عقوبت دینا

جس شخص کے متعلق یہ یقین ہو جائے کہ اس کے پاس مسروقہ یا مغصوبہ مال موجود ہے اور وہ اسکا انکار کرے تو مال برآمد کروانے کیلئے اسکو جسمانی اذیت دی جا سکتی ہے۔ اس پر اھل علم کا اتفاق ہے۔ جس شخص پر مال وغیرہ حاضر کرنا واجب ہو مگر وہ ایسا کرنے سے گریز کرے تو وہ جسمانی عقوبت کا مستحق ہے۔

رہی یہ بات کہ مال برامد کروانے والا صریحاً ظلم کرتے ہوئے اس سے جسمانی تعذیب کے ذریعے مال برآمد کروا رہا ہو یا وہ ظلم سے اسکا مال غصب کرنا چاہتا ہو تو اس پر مال حاضر کرنا واجب نہیں بلکہ مال حاضر کرنا جائز ہی نہیں کیونکہ ظلم کی اعانت کرنا بذات خود ایک بہت بڑا ظلم ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جرائم کی اقسام اور اُن کی سزا

جرائم کی تین قسمیں ہیں۔

اوّل — جرائم کی پہلی قسم وہ ہے جن پر حد لازم ہے اور انکا کفّارہ ادا نہیں کیا جا سکتا مثلاً شراب نوشی، زنا، چوری اور قذف وغیرہ۔ ان جرائم میں حد جاری کر دینا کافی ہے۔ تعزیر اور قید وغیرہ ضروری نہیں

ثانی — جرائم و معاصی کی دوسری قسم وہ ہے جنمیں کوئی حد نہیں مگر انمیں کفارے کی ادائیگی واجب ہوتی ہے جیسے حالتِ احرام اور رمضان میں روزے کی حالت میں بیوی سے مجامعت کرنا۔ یا ظہار میں جماع سے قبل کفارے کی ادائیگی واجب ہوتی ہے اس قسم کے معاصی میں کفارہ ادا کرنا کافی ہوتا ہے — مگر آیا ان معاصی میں تعزیر دی جا سکتی ہے یا نہیں؟ اس بارے میں فقہاء کے دو قول ہیں اور فقہائے حنابلہ میں دونوں قول ملتے ہیں۔

ثالث — معاصی کی تیسری قسم وہ ہے جنمیں نہ تو حد واجب ہے اور نہ کفارہ لازم ہے مثلاً قطع ید کے نصاب سے کمتر مال کی چوری اور قصداً جھوٹی قسم کھانا۔ ان معاصی میں امام احمد بن حنبلؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کفارہ واجب نہیں۔

اجنبی عورت کو قصداً بری نظر سے دیکھنے کے متعلق اکثر فقہاؒ نے تعزیر کو واجب قرار دیا ہے مگر امام شافعیؒ تعزیر میں صرف جواز کے قائل ہیں۔

اگر ترک فرائض وغیرہ پر تعزیر مقصود ہو تو اس کی کوئی خاص حد اور مقدار معیّن نہیں ہے بلکہ مجرم کو ایک دن مارا جائے۔ اگر وہ اپنے فرائض کو ادا کرنے لگ جائے تو ٹھیک ہے ورنہ دوسرے روز پھر مارا جائے۔ ضرب کی مقدار حسب ضرورت ہے مگر تعزیر کی اعلیٰ حد سے تجاوز نہ کیا جائے۔

تعزیر کی مقدار کا تعیّن

تعزیر کی مقدار کے تعیّن میں علماؒ کے اقوال مختلف ہیں۔
اوّل — حسب مصلحت جرائم کی نوعیت کے مطابق

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تعزیر دی جاسکتی ہے اور اسکا تعین اولوالامر کے اجتہاد اور اسکی صوابدید پر منحصر ہے۔

ثانی ــــ زیادہ سے زیادہ تعزیر کو اس جرم کی حد سے کمتر ہونا چاہئیے۔ مثلاً غیر محرم عورت کیطرف قصداً نظر کرنا یا اس کے ساتھ بوس وکنار کرنے کی تعزیر کو زنا کی حد کے نہیں ہونا چاہئیے۔ اسیطرح قطع ید کے نصاب سے کمتر مال کی چوری میں تعزیر اسقدر نہیں نہیں ہونا چاہیے جو چوری کی حد تک پہنچ جائے۔ اسیطرح گالی گلوچ جس میں قذف اور بہتان نہ ہو اسکی تعزیر قذف کی حد سے کمتر ہونی چاہیئے۔ یہ رائے فقہائے شافعیہ اور حنابلہ کے ایک گروہ کی ہے۔ ہمارے نزدیک بھی یہی قول سب سے بہتر ہے

ثالث ــــ بعض فقہاء کہتے ہیں کہ تعزیر کی زیادہ سے زیادہ مقدار حدود کی کم از کم مقدار تک نہیں پہنچنی چاہیے جو کہ چالیس کوڑے اور بعض کی رائے کے مطابق اسی کوڑے ہیں۔ شوافع، حنابلہ اور احناف میں سے فقہاء کی ایک بڑی جماعت اسیطرف گئی ہے

رابع ــــ بعض فقہاء کہتے ہیں کہ تعزیر کسی صورت میں دس کوڑوں سے زیادہ نہ ہو حنابلہ میں ایک قول یہ بھی پایا جاتا ہے

پہلے قول کے مطابق آیا تعزیر میں کسی کو قتل کی سزا دی جاسکتی ہے۔؟

اسمیں فقہاء کے دو قول ہیں۔ پہلا قول یہ ہے کہ تعزیر میں قتل کی سزا دینا جائز ہے مثلاً اگر مصلحت عامہ کا تقاضہ ہو تو مسلمان جاسوس کو قتل کیا جاسکتا ہے۔ یہ رائے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ اور حنابلہ میں سے بعض فقہاء نے اسی کو اختیار کیا ہے چنانچہ علامہ ابن عقیل کی یہی رائے ہے۔

امام شافعی رح اور امام احمد بن حنبل رح کے بعض اصحاب نے اسکا ذکر بدعات مثلاً تجہم، رفض اور انکار قدر وغیرہ کیطرف دعوت دینے والے کو قتل کرنے کے جواز کے ضمن میں کیا ہے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رح نے غیلان قدری [1] کو اپنی بدعات کیطرف لوگوں کو دعوت دینے کی بنا پر قتل کروا دیا تھا۔ یہ مذہب امام مالک کا ہے اسیطرح ایسے مجرم جن کو قتل کی سزا دیئے بغیر فتنہ فساد ختم نہیں ہوتا۔ انہیں قتل کرنا جائز ہے۔ امام ابو حنیفہ کے اصحاب نے اس امر کی تصریح کی ہے کہ سدومیت (اغلام) کا

---

[1] ابو مروان غیلان بن مسلم دمشقی قدریہ کا عقیدہ رکھتا تھا اور اس عقیدے کی تبلیغ کرتا تھا۔ اس نے اپنے نظریات کی اشاعت کیلئے بہت سے رسائل لکھے بعض کہتے ہیں کہ غیلان کو ۱۰۵ھ میں ھشام بن عبد الملک کے حکم پر صلیب دے دیا گیا تھا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عادی جب اس فعل بد کی انتہا کر دے اور دیگر تعزیرات اسے اسکی بدکرداری سے باز نہ رکھ سکیں تو اس کو قتل کیا جا سکتا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سدومیت میں حد کے قائل نہیں اور نہ وہ اس میں قصاص کو تسلیم کرتے ہیں مگر صاحبینؒ دونوں مسائل میں جمہور کی موافقت کرتے ہوئے امام صاحبؒ سے اختلاف کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدینؓ کی سنت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدینؓ کے فیصلوں کے نظائر سے پہلے قول کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کی لونڈی کے ساتھ جماع کر لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سو کوڑے لگوائے۔ ؎۱

حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے ایسے شخص کو جو کسی غیر عورت کیساتھ ایک بستر میں پایا گیا تھا سو کوڑوں کی سزا دی تھی۔ ؎۲

حضرت عمرؓ کے زمانے میں ایک شخص نے جعلی مہر لگا کر بیت المال سے مال حاصل کر لیا۔ حضرت عمرؓ نے اسکو تین روز تک سو سو کوڑے روز لگوائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص شراب پیئے تو اسکو کوڑے لگاؤ اگر پھر شراب پیئے تو پھر کوڑے لگاؤ اگر تیسری بار یا چوتھی بار بھی شراب پیئے تو اسے قتل کر دو۔ ؎۳ اس حدیث کا مفہوم بھی دراصل یہی ہے کہ اگر وہ شراب نوشی سے باز نہ آئے تو اسے قتل کر دو۔ اگر شراب نوشی کی حد قتل ہوتی تو پہلی مرتبہ ہی اسے قتل کرنے کا حکم فرما دیتے۔

متہم شخص کو جسمانی سزا

ایسا متہم شخص جس کے متعلق یقین ہو جائے کہ مال اُسی کے پاس ہے اور اُس نے کہیں چھپا رکھا ہے اور وہ مال کا انکار کرنے پر مُصر ہے تو ایسے شخص سے مال برآمد کروانے کے لئے جسمانی اذیّت دی جا سکتی ہے۔ بلاشبہ مار پیٹ کے ذریعے ایسے شخص کو حق ادا کرنے پر آمادہ کیا جائے جسکو ادا کرنے پر وہ قادر ہے۔

متہم شخص کو جسمانی اذیّت دینے کیلئے مندرجہ ذیل حدیث سے استدلال کیا جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ

؎۱ ابوداؤد جلد ۴ صفحہ ۲۶۸ ؎۲ سنن بیہقی جلد ۸ صفحہ ۲۳۹ ؎۳ مصنف عبدالرزاق جلد ۷ صفحہ ۴۰۱

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صلے اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر کیساتھ اس شرط پر صلح کی کہ وہ تمام سونا چاندی مسلمانوں کے حوالے کردیں۔ آپؐ نے حیی بن اخطب کے چچا زید بن سعید سے پوچھا کہ حیی کا خزانہ کہاں ہے اس نے جواب دیا وہ خزانہ تو خالی ہو گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیرؓ سے فرمایا جاؤ اسے لے جاؤ۔ چنانچہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اسے جسمانی اذیت دی تو اس نے اعتراف کر لیا کہ خزانہ ایک ویران کھنڈر میں چھپایا ہوا ہے۔ خزانہ زیورات کی شکل میں ایک بیل کی کھال میں بھرا ہوا تھا۔ لہذا یہ صورت متہم کو سزا دینے میں ایک قاعدے کی حیثیت رکھتی ہے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حصہ چہارم

فیصلوں کے ضابطے

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فیصلوں کے مناہج

فیصلہ دو حصوں میں منقسم ہوتا ہے
اثبات ـــــ اور ـــــ الزام
اثبات، صدق کا محتاج ہوتا ہے
ـــــ اور ـــــ
الزام کا دارومدار عدل پر ہے
وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا

دونوں کے حصول کے متعدد مناہج اور طریقے ہیں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پہلا ضابطہ

قبضۂ مجرّد

مثال | قبضہ مجرد کسی حلف اور قسم کا محتاج نہیں ہوتا۔ ایک شخص کو کسی بچے یا پاگل کا وصی بنایا گیا ہے۔ اور اس وصی کے پاس بچے کے باپ کیطرف سے کوئی چیز منتقل ہوئی ہے۔ وصی کے حق میں فیصلے کے لئے بغیر کسی حلف کے مجرد قبضے کا پایا جانا ہی کافی ہے۔ حلف نہ تو بچے پر لازم ہوگا نہ وصی پر۔ بچے پر لازم نہ ہونے کی وجہ اسکی حلف کی صحت کا عدم اعتبار ہے اور وصی پر اس لئے لازم نہیں کہ وصی درحقیقت مدعا علیہ نہیں۔ لہذا ان دونوں سے حلف کا مطالبہ نہیں کیا جا سکتا۔

مثال —— کوئی شخص اگر میت کے کفن کے متعلق دعوٰے کرتا ہے کہ یہ کفن اسکا ہے اور اس کے پاس اپنے دعوے کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ فیصلہ اسی کے حق میں ہوگا جس کے قبضہ میں ہے۔ اور صاحب قبضہ سے حلف کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔

مثال —— ایک شخص کے قبضے میں کوئی چیز ہے۔ کوئی دوسرا شخص اس پر اپنی ملکیت کا دعوٰے کرتا ہے۔ اگر ظاہری قرینہ اس دعوے کی تکذیب کرتا ہے اس صورت میں صاحب قبضہ سے حلف نہیں لیا جائے گا۔ بلکہ مدعی کے دعوٰے کی سماعت ہی نہیں ہوگی۔ مثلاً اس شخص کے پاس ایک غلام ہے مدّعی دعوے کرتا ہے کہ یہ غلام اسکا بیٹا ہے۔ حالانکہ غلام کی عمر خود مدعی کی عمر سے بھی زیادہ ہے۔

اس منہج میں حلف کے لازم نہ کرنے کی وجہ یہ ہے۔ حلف درحقیقت فریقین میں سے اس فریق کیلئے مشروع ہوتا ہے۔ جسکا موقف راجح اور قوی تر ہو۔ اور اسکے ساتھ ساتھ اس کے غلط استعمال ہونے کا احتمال بھی موجود ہو۔ اگر موقف کے قوی اور راجح ہونے کا احتمال موجود نہ ہو تو مجرّد قبضہ کا اعتبار نہیں ہوتا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسرا ضابطہ

مجرّد انکارِ دعویٰ

انکار مجرد کی مختلف صورتیں ہیں۔

اوّل ــــ جب کوئی شخص کسی میت پر قرض کا دعوٰے کرتا ہے یا وہ دعوٰے کرتا ہے کہ میّت نے اس کیلئے فلاں چیز کی وصیّت کی تھی۔ حالانکہ میّت کی وصیتوں کے نفاذ کیلئے ایک وصی بھی موجود ہے۔ اگر وصی اسکے دعوے کو رد کردیتا ہے۔ مدعی کے پاس اگر کوئی ثبوت موجود ہے تو اس ثبوت کے مطابق فیصلہ ہوگا۔ اگر مدعی کے پاس ثبوت نہیں ہے اور وہ وصی سے حلف کا مطالبہ کرتا ہے تو وہ ایسا مطالبہ کرنے کا مجاز نہیں۔

دراصل مطالبۂ حلف کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ عدالت میں مدعٰی علیہ کو انکار حلف کا موقع بہم پہنچائے تاکہ عدالت مدعا علیہ کو انکار حلف کی بنیاد پر مدعی کے حق میں فیصلہ کردے۔ اگر وصی دعوٰے میں مذکور قرض یا وصیّت کا انکار کردے تو اس کے انکار حلف پر اسکے خلاف فیصلہ نہ ہوگا۔ اس سے حلف کا مطالبہ کرنا بے سود ہے۔

البتہ اگر وصی کی بجائے وارث مدعا علیہ ہو تو اس سے حلف کا مطالبہ کیا جاسکتا ہے تب اسکے انکار حلف کی صورت میں اسکے خلاف فیصلہ دیا جاسکتا ہے

ثانی ــــ اگر جج کے خلاف یہ دعوے کیا جائے کہ اس نے ظلم کا ارتکاب کرتے ہوئے اپنے فیصلے میں انصاف سے کام نہیں لیا' یا کسی گواہ کے متعلق یہ دعویٰ کیا جائے کہ اس نے عمداً جھوٹ بولا ہے' یا اس نے گواہی کو غلط ملط کردیا ہے یا اس پر کوئی ایسا الزام عائد کیا جائے جس سے اسکی گواہی ساقط ہوتی ہو تو جج اور گواہ کے بلند مناصب کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے ان سے حلف کا مطالبہ نہیں کیا جاسکتا۔

ثالث ــــ اس کی متعدد مثالیں ہیں۔

۱۔ ایک شخص یہ دعوٰے کرتا ہے کہ فلاں عورت اس کی منکوحہ ہے۔

۲۔ یا عورت یہ دعویٰ کرتی ہو کہ اس کے خاوند نے اس کو طلاق دے دی ہے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۳۔ یا طلاق کے بعد خاوند یا بیوی رجوع کا دعوٰے کرتے ہیں۔
۴۔ یا لونڈی یہ دعوٰی کرتی ہے کہ وہ اپنے آقا کی ام الولد[1] ہے
۵۔ یا عورت یہ دعوٰی کرتی ہے کہ اس کے خاوند نے اس سے ایلاء[2] کیا ہے
۶ یا کوئی شخص کسی پر اس کے غلام یا مولیٰ[3] ہونے کا دعوے کرتا ہے
۷ یا کوئی شخص کسی کے خلاف قصاص یا حدّ قذف وغیرہ کا دعوٰے کرتا ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے صریحًا منقول ہے کہ طلاق ایلا قصاص اور قذف وغیرہ کے مقدمات میں مدعا علیہ سے حلف لیا جائے گا۔ امام صاحب رح سے ایک دوسرا قول بھی منقول ہے کہ سوائے اس دعوے کے جسمیں انکار حلف پر مدعا علیہ کے خلاف فیصلہ نہیں دیا جا سکتا۔ دیگر اس قسم کے تمام دعاوی میں مدعا علیہ سے حلف کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے۔

ابو القاسم خرقی رح نقل کرتے ہیں کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "میری رائے ہے کہ نکاح و طلاق اور حدود میں مطالبۂ حلف کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ مدعا علیہ اگر حلف اٹھانے سے انکار کر دیتا ہے تو میں اسے قتل کر سکتا ہوں نہ حد جاری کر سکتا ہوں اور نہ خاوند کے ساتھ اسکی بیوی کو بھیج سکتا ہوں"

امام احمد رح کے اس قول سے جسے علامہ خرقی نے نقل کیا ہے ظاہر ہوتا ہے کہ قصاص اور نکاح کے مقدمات کے علاوہ دیگر مقدمات میں حلف لیا جائیگا۔ اور وہ دعاوی جنمیں حلف کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے انمیں قصاص کے سوا باقی سب میں ہم انکار حلف کی بنیاد پر فیصلہ کریں گے۔

امام احمد رح سے مروی ہے کہ خاص مالی مقدمات کے سوا دیگر مقدمات میں مدعا علیہ کے انکار حلف کی بنیاد پر فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ اب رہی یہ بات کہ حلف سے اٹھانے سے انکار کرنے والے کو چھوڑ دیا جائے یا اسے اس وقت تک قید میں رکھا جائے جب تک کہ وہ اقرار نہ کر لے۔ تو اس مسئلے میں امام احمد رح سے دو قول منقول ہیں۔

---

[1] ام ولد اس لونڈی کو کہا جاتا ہے جو اپنے آقا کو جنم دے۔ یہ لونڈی اپنے آقا کے مرنے کے بعد آزاد ہو جاتی ہے

[2] ایلا اپنی بیوی سے ایک مدت معیّن تک ہمبستری نہ کرنے کی قسم ہے یہ مدت زیادہ سے زیادہ چار ماہ ہو سکتی ہے۔

[3] ایک مجہول النسب شخص جب کسی معروف النسب شخص سے اس شرط پر بھائی چارہ کر لیتا تھا کہ میری موت کے بعد تو میرے مال کا وارث ہوگا اور اگر مجھ سے کبھی کسی جنایت و جرم کا ارتکاب ہو تو اسکی دیت تو ادا کریگا ایسے شخص کو مولیٰ کہتے تھے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عبادات اور حدود میں مطالبۂ حلف

عبادات اور حدود میں حلف کا مطالبہ نہیں کیا جا سکتا اور جب ہم یہ کہتے ہیں کہ ان امور میں حلف کا مطالبہ نہیں کیا جا سکتا تو اس سے واضح ہے کہ ان امور میں انکارِ حلف کی بنیاد پر فیصلہ نہیں کیا جائیگا۔ امام احمدؒ کی تصریح اور تعلیل اسی کی تائید کرتی ہیں۔

اگر ہم ہر دعوے میں، حتّٰی کہ اعضائے جسم کے قصاص میں بھی مدعا علیہ کے انکار حلف پر اسکے خلاف فیصلہ کر دیں تا کہ حلف کا کچھ تو فائدہ ہو ـــــ تب بھی انکارِ حلف کی بنا پر مدعا علیہ کو قصاص میں قتل نہیں کیا جا سکتا۔ مجرّد انکارِ حلف اگرچہ اقرار کے قائم مقام ہے تاہم اسے صریح اور صحیح اقرار شمار نہیں کیا جا سکتا اور نہ اس مجرّد اقرار کی بنا پر کسی کا خون بہلایا جا سکتا ہے۔ خواہ مدّعی بھی حلف کیوں نہ اٹھالے۔ البتہ قسامہ لوَث (یعنی قوت موقف) کی بناء پر اس سے مستثنیٰ ہے۔

جب ہم یہ کہتے ہیں کہ مدعا علیہ سے حلف تو لیا جائیگا مگر مالی مقدمات کے علاوہ دیگر مقدمات میں انکار حلف کی بنا پر اس کے خلاف فیصلہ نہ ہوگا ـــ تو مطالبہ حلف سے ایک فائدہ تو یہ ہوتا ہے کہ ایک رائے کے مطابق انکار حلف پر مدعا علیہ کو قید کیا جا سکتا ہے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ اسے چھوڑ دیا جائے گا کیونکہ حلف اٹھانے سے انکار پر اس کے خلاف فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے خلاف کوئی ایسی بات ثابت نہیں جسکی وجہ سے اسے عقوبت اور قید کا مستحق قرار دیا جائے۔ نیز جب مدعی کے سچا یا جھوٹا ہونے کے دونوں احتمال موجود ہیں تب مدّعی کے بلا ثبوت دعوٰی اور محض انکار حلف کی بنیاد پر کیونکر مدعا علیہ کو سزا دی جا سکتی ہے۔ اور نہ اس صورت میں حلف جھگڑے اور مطالبے کے خاتمے کا کیسے فائدہ دے سکتا ہے۔

حدود میں مطالبۂ حلف سے مستثنیٰ صورتیں

حدود میں دو صورتیں ایسی ہیں جن پر عدم مطالبۂ حلف کا اطلاق نہیں ہوتا۔

پہلی صورت اگر کوئی کسی شخص پر زنا کی وغیرہ کی تہمت لگاتا ہے مگر اسے ثابت کرنے سے قاصر ہے۔ اس صورت میں اگر مقذوف قاذف پر حد جاری کرنے کا مطالبہ کرتا ہے تو قاذف عدالت سے کہہ سکتا ہے کہ وہ مقذوف سے حلف اٹھوائے کہ اس نے زنا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں کیا۔ امام شافعی رح کے اصحاب سے دونوں اقوال کا ذکر کیا ہے۔ مگر صاحب الروضہ [1] کی تصریح کے مطابق صحیح ترین قول یہ ہے کہ مقذوف سے حلف لیا جا سکتا ہے۔

دوسری صورت — اگر مقذوف میّت ہے اور قاذف مقذوف کے وارث سے یہ حلف لینا چاہے کہ اسے مقذوف کے زنا کا کوئی علم نہیں تو اس صورت میں بھی قاذف مقذوف سے حلف کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ امام شافعی رح سے یہی منصوص ہے۔

جمہور فقہاء رح کا مذہب

ان دونوں صورتوں میں جمہور فقہاء کا مسلک قرین صحت ہے۔ انکے نزدیک قاذف مقذوف سے عدم زنا پر حلف کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ بلکہ یہاں مطالبہ حلف انتہائی ناقابل التفات چیز ہے۔ قاذف پر حدّ قذف اسوقت جاری کی جاتی ہے جب مقذوف کے احوال مستور ہوں اور زنا کسی قرینے سے ظاہر نہ ہو۔ قاذف پر حدّ قذف کے اجراء کیلئے یہ شرط لازم نہیں ہے کہ مقذوف نے نفس امری میں زنا کا ارتکاب نہیں کیا۔ بنابریں عدالت مقذوف سے اسکی پاکئ دامن پر حلف کا مطالبہ نہیں کر سکتی۔ نہ عدالت اس مطالبے کی مجاز ہے اور نہ مقذوف پر اس مطالبے کو پورا کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ اگر مقذوف نے فی الواقع زنا کا ارتکاب کیا ہے تو اسے جھوٹی قسم اٹھا کر جھوٹ بولنا پڑے گا بصورت دیگر اسے فضیحت اٹھانا پڑے گی اور اس بات کا اقرار کرنا پڑیگا جسکی وجہ سے اس پر حد لازم آتی ہے۔ یا انکار حلف کی بنا پر اسکی فضیحت ہو گی اور مقذوف کی عزت و ناموس ایسے لوگوں کی نکتہ چینیوں کا ھدف بن جائے گی جو مسلمانوں کی عزت و ناموس کے درپے رہتے ہیں۔ اسلام ان میں سے کسی چیز کا روادار نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رض تابعین رح اور ائمہ اجتہاد رح میں سے کسی کی بھی یہ رائے نہیں کہ مقذوف سے اسکی پاکئ دامن پر حلف لیا جائے اور نہ عدم زنا کے حلف کو اقامت حد کیلئے انہوں نے شرط قرار دیا ہے۔

مطالبہ حلف کا قول اپنے بطلان کے اعتبار سے تو بالکل واضح ہے مگر اس سے بہت سے خدشات بھی لازم آتے ہیں جنکا ذکر ہم گذشتہ سطور میں کر چکے ہیں

---

[1] کتاب الروضہ علامہ محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف رح المتوفی ۶۷۶ھ کی تصنیف ہے جس میں انہوں نے الشرح الکبیر مصنفہ ابوالقاسم الرافعی رح کا اختصار پیش کیا ہے۔ الشرح الکبیر امام غزالی رح کی مشہور کتاب الوجیز کی مبسوط شرح ہے۔ علماء کے نزدیک الشرح الکبیر فقہ شافعی رح کی ایک بے نظیر تصنیف ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خاص طور پر جبکہ متقذوف سے کسی زمانے میں اس گناہ کا ارتکاب ہو چکا ہو اور اس نے اس سے قبل اس فعل بد سے صدق دل سے توبہ کر لی ہو۔ اس پر حلف کو لازم کرنا اسکی ہتک عزت اور اسکے ناموس کو زائل کرنا ہے۔

بنا بریں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول صحیح ہے کہ کنواری لڑکی جو اگرچہ زنا کے باعث اپنا کنوارپن گنوا چکی ہے تاہم اسے کنواری لڑکی پر محمول کرتے ہوئے نکاح کے وقت اسکی خاموشی کو رضامندی سمجھا جائے گا۔ بربنائے زنا اگر صحت نکاح کیلئے اس پر بولنے کی شرط لازم کر دیں تو ہم اسکے ہتک ستر کے مرتکب ہوں گے جب کنواری کے حیاء کے باعث اس کے اقرار نکاح کیلئے اسکی خاموشی کو کافی سمجھا گیا ہے تو زنا کے ارتکاب کرنے والی لڑکی کی خاموشی کو اقرار نکاح کیلئے بدرجہ اولیٰ کافی ہونا چاہیئے کیونکہ اس کا زنا کے اقرار کرنے میں حیاء کرنا "ہاں" کہنے میں حیا کرنے سے بدرجہا بڑی بات ہے حالانکہ اقرار نکاح کے وقت "ہاں" کہنے میں عیب اور مذمت کی کوئی بات نہیں خاص طور پر جبکہ بیچاری لڑکی کو زنا کیلئے مجبور کر دیا گیا ہو۔ اس صورت میں اسکا خاموش رہنا اس لڑکی کی خاموشی سے اولیٰ ہے جو فی الواقع کنواری ہے۔ یہ شریعت اسلامی کی ایک بہترین خوبی ہے

رہا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ إذن البكر الصمات وإذن الثيب الكلام (یعنی نکاح کے وقت کنواری لڑکی کی خاموشی اقرار نکاح کیلئے کافی ہے اور ثیبہ زبان سے اقرار نکاح کرے) تو یہاں ثیبہ سے مراد وہ عورت ہے جو اپنے خاندان اور معاشرے میں ثیبہ کی حیثیت سے معروف ہے پس ایسی عورت جواب دینے اور اقرار نکاح میں حیا نہیں کرے گی۔

بنا بریں اگر اچھلنے کودنے یا انگلی سے بکارت زائل ہوئی ہو تو اس پر ثیبہ ہونے کا اطلاق نہیں ہوگا (حالانکہ وہ بکارت کے زائل ہونے کیوجہ سے فی الواقع ثیبہ ہے) تب اس کی رضامندی کے اظہار کی صفت اسکے ثیبہ ہونے کے باوجود نہیں بدلے گی پس جو کوئی اس مذکورہ صورت کو حدیث کے عمومی اطلاق سے خارج کرتا ہے تو دوسری صورت بدرجہا اولیٰ ہے کہ وہ اس عمومی اطلاق سے خارج ہو

دعوائے بلوغت میں حلف

اگر ایک لڑکا احتلام کے امکان کی عمر میں احتلام کے باعث اپنے بالغ ہونے کا دعوےٰ کرتا ہے تو اس سے حلف لئے بغیر اسکے دعویٰ کو تسلیم کیا جائے گا۔ اسیطرح اگر اس پر بلوغت کا دعوٰے کیا جائے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور وہ اس دعوی کا انکار کر دے اور اسکے اس انکار کی صداقت کا احتمال ہو تو اس سے حلف نہیں لیا جائے گا۔ اگر زکوٰۃ کا تحصیلدار کسی شخص کے متعلق یہ دعوٰے کرے کہ وہ صاحب نصاب ہے اور وہ اس سے زکوٰۃ طلب کرے اور وہ شخص اپنے صاحب نصاب ہونے کا انکار کر دے تو اس سے حلف نہیں لیا جائے گا۔ اگر وہ اپنے صاحب نصاب ہونے کا اقرار کرے اور تحصیلدار اسکے متعلق یہ دعوٰے کرے کہ اس نے زکوٰۃ ادا نہیں کی تو تحصیلدار سے حلف نہیں لیا جائیگا امام احمدؒ فرماتے ہیں لوگوں سے انکے صدقات پر حلف نہ لیا جائے

مطالبۂ حلف کے فوائد

۱۔ مدعا علیہ جھوٹی قسم کے انجام سے واقف ہونے کے باعث حق کا اقرار کر لیتا ہے

۲۔ اگر وہ حلف اٹھانے سے انکار کر دے تو اس کے خلاف فیصلہ ہو جاتا ہے۔

۳۔ حلف اٹھانے سے خصومت اور مطالبۂ حق فی الحال تو ختم ہو جاتا ہے۔ اور فریقین کا ایک دوسرے سے تعلق منقطع ہو جاتا ہے مگر اس سے حق ساقط نہیں ہوتا اور نہ مدعا علیہ اُس سے ظاھراً اور باطناً بری ہو جاتا ہے چنانچہ اگر مدعا علیہ کے حلف اٹھا لینے کے بعد بھی مدعی اس کے خلاف ثبوت مہیا کر دے تو اسکی سماعت ہوگی۔ اور اسکے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔ اگر حلف کو مدعی پر لوٹایا گیا ہو اور اس نے حلف اٹھانے سے انکار کر دیا ہو اور اس کے بعد مدعی اپنے دعوے کا ثبوت مہیا کر دے تو اس کے ثبوت کی سماعت ہوگی اور اس کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔

۴۔ جب حلف مدعی کیطرف لوٹایا جاتا ہے تو اس سے اثبات حق کا فائدہ حاصل ہوتا ہے یا اگر مدعی کے پاس اپنے دعوے کے ثبوت میں صرف ایک گواہ موجود ہے تب بھی اس گواہ کی شہادت کی معیت میں مدعی کا حلف اثبات حق کا فائدہ دے گا۔

۵۔ جھوٹا شخص جب حق کا انکار کرنے کیلئے جھوٹا حلف اٹھاتا ہے تو اسکو جلد ہی سزا مل جاتی ہے جھوٹی قسم سے زمین بنجر ہو جاتی ہے۔ اور مظلوم کے حق کا مداوا ہو جاتا ہے واللہ اعلم

اگر قرائن مدعی کے جھوٹا ہونے پر دلالت کرتے ہوں تو اس بارے میں امام مالکؒ کا مذہب یہ ہے کہ مدعی کے دعوے کو درخور اعتنا نہیں سمجھا جائیگا۔ اور نہ اسکی خاطر مدعا علیہ سے حلف کا مطالبہ کیا جائے گا۔ شوافعؒ میں سے علامہ اصطخری ؒ نے بھی اسی رائے کو اختیار کیا ہے اور مذہب پر تخریج اسطرح کیجا سکتی ہے۔ اسکی مثال یہ ہے کہ ایک گھٹیا قسم کا شخص یہ دعوٰے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرتا ہے کہ اس نے امیر شہر یا کسی اور ذی جاہ شخص کو اپنے مویشیوں کا چارہ ڈھونے یا ڈیوڑھی میں جھاڑو دینے کیلئے مزدوری پر رکھا ہے ایسے مدعی کا دعوٰے کیسے قابل سماعت ہو سکتا ہے؟

میں نے اپنے استاد شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ قدس اللہ روحہ سے سنا ہے۔

آپؒ نے فرمایا۔ ایک مرتبہ میں نائب السلطنت کے پہلو میں بیٹھا ہوا تھا کہ حاضرین مجلس میں سے ایک شخص نے دعوی کیا کہ اسکی ایک امانت میرے ذمہ ہے اس شخص نے مجھ سے حلف اٹھانے کا مطالبہ کیا۔ وہاں مالکی مذہب کے قاضی بھی موجود تھے۔ میں نے ان سے سوال کیا۔ کیا اس شخص کا دعوی جائز ہے۔؟

قاضیؒ موصوف نے جواب دیا۔ نہیں۔ میں نے اس سے پوچھا۔ اس سلسلے میں آپ کا مذہب کیا ہے؟ اس نے جواب دیا۔ مدعی کو تعزیری سزا دینا میں نے قاضی سے کہا۔ پھر اپنے مذہب کے مطابق فیصلہ کیجئے۔ چنانچہ انہوں نے مدعی کو مجلس سے اٹھا کر باھر نکال دیا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تیسرا ضابطہ

قبضہ اور صاحب قبضہ کا حلف

اسلامی عدالتوں کے فیصلوں کی ایک منہاج یہ ہے کہ صاحب قبضہ کے قبضہ کا اعتبار کرتے ہوئے اس سے حلف لیتی ہیں۔ مثلاً ایک شخص پر نقدی کا دعوےٰ کیا گیا ہے۔ نقدی مدعا علیہ کے پاس ہے وہ اس دعویٰ کا انکار کرتا ہے۔ مدّعی اس سے حلف کا مطالبہ کرے۔ عدالت اس سے حلف لے کر رقم اس کے پاس رہنے دیگی کیونکہ صاحب قبضہ کو اس قبضہ کی وجہ سے ترجیح حاصل ہے۔ بنا بریں صاحب قبضہ سے حلف کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ کیونکہ اسلامی قانون میں فریقین میں سے حلف اس فریق کیلئے مشروع ہے جسکا موقف زیادہ قوی ہے اور قبضہ اسوقت صاحب قبضہ کے موقف کو تقویت دیتا ہے جب قرائن اسکی تکذیب نہ کرتے ہوں اگر ظاھری قرائن اس قبضہ کے باطل ہونے پر دلالت کرتے ہوں تو یہ قبضہ قابل التفات نہ ہوگا۔ یہ قبضہ ناحق ہے۔

مثال۔۔ قبضۂ ناحق کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص اپنے ہاتھ میں ایک عمامہ لئے بھاگا جا رہا ہے اس کے سر پر بھی عمامہ ہے۔ ایک شخص اسکا پیچھا کر رہا ہے وہ ننگے سر ہے وہ ایسا شخص ہے کہ ننگے سر رہنا جس کی عادت نہیں ہے تو ہمیں یقین ہو جائیگا کہ یہ عمامہ جو بھاگنے والے کے ہاتھ میں ہے ننگے سر والے کا ہے۔ اور ہم قبضہ کو درخور اعتنا نہیں سمجھینگے۔

ان ظاہری قرائن کے مطابق عمل کرنا واجب ہے کیونکہ ان ظاھری قرائن سے جو علم یقینی مستفاد ہوتا ہے اس ظن سے زیادہ قوی ہے جو مجرد قبضہ سے حاصل ہوتا ہے۔ بلکہ یہاں مذکورہ صورت میں تو مجرد قبضہ ظن کا بھی فائدہ نہیں دیتا۔ اس لئے ظنی چیز کو یقینی چیز پر کیونکر ترجیح دی جا سکتی ہے

مثال ۔۔۔ اسی طرح جب ہم دیکھتے ہیں کہ ایک شخص گھوڑا پکڑے جا رہا ہے جسے لگام دی ہوئی ہے اور اس پر زین کسی ہوئی ہے۔ اس شخص مذکور نے کبھی گھوڑے کی سواری بھی نہیں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی اس کے پیچھے امیر پیدل جا رہا ہے جو ایسا شخص ہے کہ پیدل چلنا اسکی عادت نہیں ہے اس صورت حال میں ہم قطعی طور پر کہہ سکتے ہیں کہ یہ قبضہ باطل ہے

مثال | اسیطرح ایک شخص پر چوری کا الزام ہے ۔ مال مسروقہ اس کے پاس دیکھا بھی گیا ہے وہ اس مال کا اہل بھی نہیں مثلاً اس کے پاس گھریلو سامان اور زیورات و جواھرات وغیرہ ایسے ھیں جو اسکی معاشرتی حیثیت سے بہت بلند ھیں ۔ اب اگر وہ شخص اس سامان پر اپنی ملکیت کا دعوے کرتا ۔ ہے جو اسکے قبضہ میں ہے تو اس دعوی اور قبضہ کو قابل التفات نہیں سمجھا جائے گا ۔

پس واضح ہوا کہ ھر وہ قبضہ جسکا بطلان ظاھری قرینے سے قطعی طور پر ثابت ہو تو اسکی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہوتی ۔ لہٰذا اسکے مطابق فیصلہ نہیں دیا جا سکتا ۔

ہم جس قبضہ اور ملکیت کو قانونی حیثیت دیکر صاحب قبضہ کے حق میں فیصلہ کرتے ہیں وہ ایسا قبضہ ہے جسکی مخالفت کوئی قوی تردیل نہیں کرتی ۔ لہٰذا جب انکار حلف ایک شاھد کیساتھ مدعی کے حلف اور حلف مردود کی بناء پر قبضہ کا اعتبار اٹھ جاتا ہے تو ان قرائن کی بناء پر جو ان دلائل سے زیادہ قوی ہیں قبضہ کا بطلان اولیٰ ہے ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ قبضہ کو قانونی حیثیت حاصل ہے اور یہ قانونی حیثیت اللہ تعالیٰ کے اس قانونِ عدل کا ایک حصہ ہے جو اس نے اپنے انبیاء کرام کے ذریعے بھیجا ہے جس کیلئے اس نے کتابیں نازل کیں پھر اس قانون کو اپنے بندوں کیلئے دستور العمل ٹھہرایا ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قبضہ کی اقسام

۱۔ قبضۂ باطل ایسا قبضہ ہوتا ہے جسکے متعلق یقینی طور پر معلوم ہو کہ یہ قبضہ ناحق ہے۔ ایسا قبضہ کوئی قانونی حیثیت نہیں رکھتا۔

۲۔ قبضۂ ناحق ایسا قبضہ ہوتا ہے جس کے متعلق یقینی طور پر معلوم ہو کہ یہ قبضہ حق اور عدل کے تقاضوں کے مطابق ہے۔ اس سلسلے میں صاحب قبضہ کے خلاف کسی اور کے دعوٰی کی سماعت نہیں ہوگی۔

مثال ایک شخص کے قبضہ میں ایک مکان ہے۔ طویل مدت سے وہ اس مکان میں مختلف انواع کے تصرفات کرتا چلا آرہا ہے وہ اسکی مرمت کروارہا ہے۔ کرایہ پر یا عاریتہً دیتا رہتا ہے۔ اس مکان کے سلسلے میں آجتک کسی نے اس سے مکان کا مطالبہ نہیں کیا۔ نہ اس مکان کے بارے میں جھگڑا کھڑا کیا ہے کہ یہ مکان اس کا ہے۔ وہ شخص صاحب شوکت وسطوت بھی نہیں کہ لوگ اس کے انتقام سے خائف ہوکر اس مکان کے بارے میں دعوٰی کرنے سے گریز کرتے ہوں ــــ پھر اچانک ایک شخص اٹھ کر اس مکان پر اپنی ملکیت کا دعوٰی کرتا ہے اور اس شخص مذکور پر یہ الزام عائد کرتا ہے کہ وہ یہ مکان مدعی سے غصب کرکے ناجائز مالک بن بیٹھا ہے مدعی اس دوران میں وہیں موجود رہا ہے اور مکان میں ہونے والے تمام تصرّفات کا خود مشاھدہ کرتا رہا ہے۔ اس نے قدرت رکھنے کے باوجود کبھی اس مکان کی ملکیت کا دعوٰی نہیں کیا۔ اس صورت میں مدعی کا جھوٹ صاف واضح ہے۔ مدعا علیہ کا قبضہ جائز ہے اور قبضہ حق کے زمرے میں آتا ہے۔ یہ مذہب امام مالکؒ، انکے اصحاب اور دیگر فقہائے اھل مدینہ کا ہے۔ اور یہی مذہب قرین صحت ہے۔ وہ کہتے ہیں

جب ہم دیکھتے ہیں کہ طویل عرصے سے ایک شخص اس گھر میں رہائش رکھتا ہے۔ سالہا سال سے اسکو گرانے، بنانے اور کرائے پر دینے کے تصرفات کا مالک ہے وہ گھر اسی کی طرف منسوب ہے اور اسی کی ملکیت تصور کیا جاتا ہے۔ ایک دوسرا شخص بھی طویل مدّت سے وہاں رہ رہا ہے۔ اس مدت کے دوران وہ ان تمام حالات و تصرفات کا مشاھدہ کرتا ہے مگر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کے باوجود وہ اس شخص مذکور کی مخالفت نہیں کرتا نہ اسنے کبھی اس قسم کا ذکر تک، کیا ہے کہ اس گھر میں اسکا کوئی حق ہے۔ اس کے مطالبہ کرنے میں کوئی امر مانع نہیں مثلاً صاحب قبضہ قوت واقتدار کا مالک نہیں کہ مکان کا مطالبہ کرنے پر کوئی نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ اس شخص کی صاحب قبضہ سے کوئی قرابت داری بھی نہیں۔ میراث میں اشتراک کی کوئی دوسری وجہ بھی موجود نہیں کہ بعض اوقات رشتہ داریوں میں اس قسم کا تسامح ہو جاتا ہے اور بعض لوگ رشتہ داروں کی جائیداد اور اموال کی اضافت اپنی طرف کر لیا کرتے ہیں یہ مسئلہ ان تمام شبہات سے خالی ہے۔ پھر وہ شخص جو طویل عرصہ سے یہ سب کچھ دیکھتا رہا۔ عدالت میں جا کر اس مکان پر اپنی ملکیت کا دعوے کرتا ہے اور اپنے اس دعوٰی کی تائید میں ثبوت پیش کرنا چاہتا ہے۔ دعوٰی کا ثبوت پیش کرنا تو کجا اسکا دعوٰی سرے سے قابل سماعت ہی نہیں ہے اور گھر اسی شخص کے پاس رہیگا جس کی ملکیت میں ہے اور وہ مدتوں سے اس میں رہ رہا ہے۔"

ہر وہ دعوے جسکی نفی عرف عام سے ہوتی ہو اور عادت اسکو جھٹلاتی ہو ٹھکرا دینے کے قابل ہے وہ قابل سماعت نہیں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ (الاعراف ۱۹۹) آپ عرف کے مطابق حکم دیجئے۔ اور جاھلوں سے دور رہیئے

دعاوی میں عرف عام کی رعایت

اسلام نے واجب کیا ہے کہ دعاوی میں اختلاف کی صورت میں عرف عام کیطرف رجوع کیا جائے۔ متذکرۃ الصدر مثال میں بھی عرف عام کا اعتبار کیا گیا ہے۔ یہ مثال عادۃً ناممکن نہیں ہے کیونکہ لوگ عموماً اپنے حقوق کو غصب ہوتے دیکھ کر بغیر کسی عذر کے خاموش نہیں رہ سکتے۔

یہ فقہا کہتے ہیں کہ جب ہم نے قبضہ وملکیت میں طوالت مدت کا اعتبار ہوتا ہے تو طوالت مدّت کی تعریف کیا ہے؟ ابن القاسمؒ ابن عبدالحکمؒ اور اصبغؒ نے مدت طویل کا اطلاق دس سال پر کیا ہے۔ وہ دلیل کے طور پر سعید بن المسیبؒ اور زید بن اسلمؒ کی ایک حدیث پیش کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "جس شخص کے قبضہ میں کوئی چیز دس سال تک بھی ہو تو وہ اسی کی ہے۔" مگر یہ حدیث ثابت نہیں ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام مالکؒ طوالت کی تحدید نہیں کرتے۔ اس بارے میں انکی رائے یہ ہے کہ امام اس کا تعین اپنے اجتہاد اور رائے سے کرسکتا ہے۔

۳۔ قبضۂ محتمل قبضے اور ملکیّت کی تیسری قسم وہ ہے جس میں حق اور باطل دونوں کا احتمال موجود ہو۔ دراصل یہی وہ قبضہ ہے جس کے متعلق عدالت دعاوی کی سماعت کرسکتی ہے اور اس قبضہ کے خلاف کسی قوی تر دلیل اور ثبوت کی عدم موجودگی میں اس کے حق میں فیصلہ دے سکتی ہے۔ شارع کسی ایسے قبضے کو تسلیم نہیں کرتا جس کے بطلان کی عرف وحس واضح شہادت دیتے ہیں اور نہ ایسے قبضے کو باطل ٹھہراتا ہے جس کے حق ہونے پر عُرف اور عادت شاھد ہیں۔

قبضۂ محتمل میں ان دلائل اور شواھد کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا جو حق وصواب سے قریب تر ہیں۔ لہٰذا "اَلْأَقْوٰی فَالْأَقْوٰی" کے اصول کو مدّ نظر رکھا جائیگا یعنی قوی تر کا حق زیادہ ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

شارع باطل کی اعانت نہیں کرتا۔ اور نہ حق کو باطل کرنے میں معاون بن سکتا ہے۔ لہٰذا متشابہات میں حق کی طرف راہنمائی کرنے والی قوی تر دلیل کے مطابق فیصلہ کرنا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چوتھا ضابطہ

انکارِ حلف اور ردِّ حلف

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎۱

"حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ایک غلام کی بیع کے جھگڑے میں امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس گئے حضرت عثمان رضؓ نے اُن سے فرمایا

" کیا آپ اس بات کا حلف اٹھاتے ہیں کہ جب آپ نے غلام فروخت کیا تھا تو اسوقت یہ غلام بیمار نہ تھا ؟ "

حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ نے حلف اٹھانے سے انکار کر دیا چنانچہ انکو غلام واپس کر دیا گیا۔ "

جج مدعا علیہ سے تین بار حلف اٹھانے کا مطالبہ کرے کہ اگر وہ حلف نہیں اٹھائے گا تو اس کے خلاف فیصلہ دیدیا جائے گا اور اگر اس کے باوجود مدعا علیہ حلف اٹھانے سے انکار کردے تو فیصلہ اس کے خلاف دے دیا جائے۔ یہ حنابلہ کا مذہب ہے۔ امام ابو حنیفہ رحؒ اور انکے اصحابؒ کی بھی یہی رائے ہے۔ امام اوزاعیؒ ؎۲ قاضی شریح ابن سیرینؒ اور ابراہیم نخعی رحؒ فرماتے ہیں کہ اگر مدعا علیہ حلف اٹھانے سے انکار کردے تو حلف کو مدعی کیطرف لوٹا دیا جائے گا۔ اگر مدعی حلف اٹھالے تو اس کے حق میں فیصلہ ہو جائے گا۔ امام مالک اور شافعی رحؒ کا یہی مذہب ہے۔ امام احمدؒ نے اسی کو صحیح کہا ہے۔ حنابلہ میں سے ابو الخطاب نے بھی اسی رائے کو اختیار کیا ہے۔ ہمارے استاد شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ نے مجرّد انکار حلف پر فیصلے کے سلسلے میں صرف ایک صورت میں اسکو اختیار کیا ہے جسکا ذکر ہم عنقریب کریں گے۔ یہی قول حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہے۔

؎۱ اشارہ ہے اس اثر کی طرف جسے امام مالکؒ نے اپنی موطا میں سالم بن عبداللہ بن عمر رضؓ کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو موطا امام مالکؒ جلد ۲ صفحہ ۱۲۱

؎۲ فقیہ شام ابو عمرو عبدالرحمٰن بن عمرو اوزاعیؒ دمشق کے رہنے والے بلند پایہ محدث اور فقیہ تھے۔ کبار علمائے تابعینؒ سے علم حاصل کیا۔ امام ابو حنیفہ رحؒ اور امام مالکؒ کے ہم طبقہ اور ہم پلہ فقیہ تھے۔ ۱۵۷ھ میں وفات پائی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام دار قطنی[1] حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے حوالے سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلف، مدعی یعنی طالب حق کی طرف لوٹایا۔ اسی حدیث سے یہ استدلال بھی کیا جاتا ہے کہ شارع نے مدعی کے ایک گواہ کے ساتھ مدعی سے حلف بھی لیا ہے۔ جسکا ذکر اپنے مقام پر آئے گا۔ مدعی کی جانب سے صرف ایک گواہ پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ گواہ کی گواہی کی تقویت کیلئے ایک قسم کو بھی ضروری قرار دیا۔ وہ کہتے ہیں۔

مدعا علیہ کا انکار حلف مدعی کی شہادت سے زیادہ کمزور ہے۔ بنابریں اولیٰ یہ ہے کہ مدعی کے موقف کو اسکے حلف کے ذریعے تقویت دیجائے۔ انکار حلف دلیل نہیں ہے نہ اسے اقرار کا نام دیا جاسکتا ہے یہ تو ایک کمزور سی دلیل ہے جو مدعی کے حق میں جاتی ہے۔ مگر یہ دلیل استقلال حکم پر قادر نہیں ہے لہٰذا جب مدعا علیہ کے انکارِ حلف کے بعد مدعی حلف اٹھائے گا تو اسکی جانب قوی ہو جائے گی پس مدعا علیہ کا انکار حلف اور مدعی کا حلف دونوں ملکر دو گواہوں کے قائم مقام بن جاتے ہیں یا اسکو ایک گواہ اور مدعی کے حلف کیساتھ تعبیر کیا جاسکتا ہے۔"

یہ فریق کہتا ہے

لعان کے مسئلے میں صرف عورت کے قسم سے انکار کر دینے کی بناء پر اور خاوند سے قسم لئے بغیر فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔ اگر خاوند قسم اٹھائے اور بیوی قسم اٹھانے سے انکار کر دے تو امام احمدؒ اور امام ابوحنیفہؒ کی رائے کے مطابق قید کر دیا جائیگا۔ یہاں تک کہ عورت قسم اٹھانے پر آمادہ ہو جائے یا زنا کا اقرار کرلے

امام مالکؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس پر حد جاری کر دی جائے گی۔ یہی مذہب راجح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق عورت سزا سے صرف اس صورت میں بچ سکتی ہے کہ وہ چار قسمیں کھا کر اپنی برأت کا اظہار کرے۔ آیت لعان میں جس عذاب کا ذکر کیا گیا ہے یہ وہی سزا ہے جسکا ذکر آیت زنا میں آتا ہے۔ آیت کے الفاظ یہ ہیں وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ (النور — ۲) (اور ان کی سزا کو مسلمانوں کا ایک گروہ دیکھے)۔

قرآن مجید میں حد قذف کی سزا کو عذاب سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے اسے لام تعریف سے معرفہ

---

[1] سنن دار قطنی جلد ۴ صـ ۲۱۳۔ امام ابوالحسن علی بن عمر دار قطنیؒ بغداد میں ۳۰۶ھ میں متولد ہوئے بہت سے اساتذہؒ سے اکتساب علم کیا۔ سنن دار قطنی کے علاوہ علل حدیث اور جرح و تعدیل میں بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ جرح و تعدیل میں سند کا درجہ رکھتے ہیں۔ ۳۸۵ھ میں وفات پائی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بنایا گیا ہے پس معلوم ہوا اس عذاب سے مراد وہ عذاب ہے جسکا ذکر ابتدائے سورہ میں گزر چکا ہے

لعان کی قسموں کی ابتدا اس بنا پر خاوند کیطرف سے ہوئی ہے کہ اسکا مؤقف مضبوط ہے اور بیوی کی قسمیں خاوند کی قسموں کے مقابل لائی جاتی ہیں اور اگر عورت ان قسموں سے انکار کردے تو خاوند کی قسموں کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں لہٰذا خاوند کی قسموں کے عمل کا اثبات ہو جائیگا۔ اور عورت کا قسم کھانے سے انکار کرنا اسکو مزید تقویت دیگا۔ لہٰذا عورت کے انکار قسم اور مرد کی چار قسموں کی بنیاد پر عورت کے خلاف فیصلہ ہو جائے گا۔

اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ یہ بھی تو ممکن ہے کہ قسموں کی ابتدا عورت سے ہو اگر عورت قسم اٹھانے سے انکار کر دے اور خاوند قسم اٹھالے تو عورت پر حد جاری کر دی جائے گی۔ اسکی مثال یوں ہے کہ اگر کسی سے حق کا مطالبہ کیا جاتا ہے اور وہ قسم اٹھانے سے انکار کر دیتا ہے تو حلف کو مدعی کیطرف لوٹایا جاتا ہے

لعان کو اس صورت میں کیوں نہیں لیا جاتا ؟ ۔ لعان میں چونکہ عورت مدعا علیہ ہے لہٰذا قسم کی ابتدا اسی کیطرف سے ہونی چاہیئے مگر اسکے برعکس قسم کی ابتداء مدعی کیطرف سے کی جاتی ہے جس کی دعاوی میں کوئی نظیر نہیں ملتی۔

اسکا جواب یہ ہے ۔خاوند دراصل عورت کیلئے قاذف کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور اسکے قذف کے نتیجے میں اس پر حد جاری کی جائیگی ۔ اب خاوند قذف کی سزا سے صرف اسی صورت میں بچ سکتا ہے کہ وہ چار قسمیں اٹھائے اس کے بعد عورت سے مطالبہ کیا جائیگا کہ وہ یا تو زنا کا اقرار کرلے یا لعان کی قسمیں اٹھا کر اپنی براءت کا اظہار کرے ۔ اگر وہ اقرار کرلیتی ہے تو اس پر حد جاری ہو جائیگی اور اگر وہ زنا کا انکار کر کے قسمیں اٹھالیتی ہے تو زنا کی سزا سے اسی طرح بچ جائیگی جسطرح خاوند قسمیں اٹھا کر قذف کی سزا سے بچ گیا ہے۔ لہٰذا ابتدا مرد ہی کیطرف سے ہوگی کیونکہ وہ مدعی ہے اور اسکی قسمیں "بینہ" کے قائم مقام ہیں۔ اگر عورت ان قسموں کا جواب دینے سے انکار کردے تو خاوند کی جانب قوی اور راجح ہو جائیگی اور عورت حد کی مستوجب ہوگی ۔ مرد کے مجرد لعان اور عورت کے مجرد انکار قسم کی بنا پر عورت پر حد جاری نہیں کی جاسکتی بلکہ دونوں امور کا اعتبار کیا جائے گا۔

بنابریں چار قسموں کے ذریعے اسکو مزید مؤکد کردیا گیا ہے جیسے قسامہ کے باب میں مدعیوں پر پچاس قسمیں لازم کی گئی ہیں ۔تاکہ قسمیں گواہوں کے قائم مقام ہوں ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس مسئلہ میں ایک تیسرا قول بھی ہے یعنی فیصلہ نہ تو مجرد انکار حلف پر کیا جائیگا نہ ردّ حلف پر۔ بلکہ مدعا علیہ کو قید کر دیا جائیگا یہاں تک کہ وہ مدعی کے دعوے کا اقرار کرلے یا انکار کر کے حلف اٹھالے۔ امام احمدؒ کے مذہب میں ایک قول یہ بھی ہے۔ اصحاب امام شافعیؒ کے دو اقوال میں سے ایک یہ ہے۔ یہی رائے امام ابن لیلیٰ کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں "میں ایسے ملزم کو اسوقت چھوڑتا ہوں جب وہ قسم اٹھا کر الزام کا انکار کر دیتا ہے"۔

اس قول کی دلیل یہ ہے کہ چونکہ مدعا علیہ پر دو میں سے ایک چیز واجب ہے۔ اقرار یا انکار لہٰذا جب وہ واجب کی ادائیگی سے ممتنع ہوتا ہے تو اسکو قید وغیرہ کی سزا دی جاتی ہے تاکہ وہ اس واجب کو ادا کرے۔

اس قول کے قائلین کہتے ہیں کہ ہر وہ شخص جس پر کسی حق کی ادائیگی واجب ہو اور وہ اس حق کی ادائیگی سے گریز کر رہا ہو اس کیلئے بھی یہی طریق کار ہے۔ دوسرا گروہ ان دونوں مسئلوں کی نوعیت میں تفریق کرتا ہے۔ یہ حضرات کہتے ہیں کہ اگر مدعا علیہ کے انکار قسم پر فیصلہ نہ دیا جائے اور اسے قید کر دیا جائے تو مدعا علیہ تو قید برداشت کر لیگا مگر یہ امر لوگوں کے حقوق ضائع کرنے کا باعث ہوگا۔ مدعا علیہ کے انکار حلف سے اسکی براءت اصلی کمزور ہو جاتی ہے اور مدعی کا موقف اس کے قسم اٹھا لینے سے اور قوی ہو جاتا ہے۔ جیسے قسامہ کے مقدمہ میں مدعیوں کا موقف اپنے دعویٰ کی بنا پر مضبوط ہوتا ہے۔ بنابریں قسم کی ابتدا ان ہی کی جانب سے ہوتی ہے۔ پھر اس قسم کو پچاس قسموں کے عدد سے اور زیادہ مؤکد بنا دیا گیا ہے۔

انکارِ حلف اور ردِّ حلف کے بارے میں فقہا کی آراء

مقصد یہ ہے کہ انکارِ حلف کے بارے میں فقہاء کی آراء میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ آیا انکار حلف کی بنیاد پر فیصلہ کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔؟

پہلی رائے یہ ہے کہ انکار حلف پر اس کے خلاف فیصلہ دیا جا سکتا ہے یہ رائے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ہے اور اسی کے مطابق قاضی شریحؒ فیصلہ کرتے رہے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے غلام کی فروخت کے سلسلے میں حضرت عثمانؓ کے فیصلے کا ذکر گذشتہ صفحات میں متعدد بار گزر چکا ہے۔) ابن ابی شیبہؒ نقل کرتے ہیں کہ قاضی شریحؒ کی عدالت میں ایک مدعا علیہ نے حلف اٹھانے سے انکار کر دیا۔ اس پر قاضی شریحؒ نے اس کے خلاف فیصلہ دیدیا۔ اس کے بعد مدعا علیہ نے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہا میں حلف اٹھاتا ہوں۔ قاضی شریح رحؒ نے فرمایا اب تو فیصلہ ہو چکا ہے۔ امام احمد بن حنبل سے منقول دو روایتوں میں ایک روایت یہ بھی ہے۔ امام ابو حنیفہ رحؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔

دوسری رائے یہ ہے کہ محض مدعا علیہ کے انکار کی بنا پر جج فیصلہ نہیں کر سکتا بلکہ مدعا علیہ کے حلف اٹھانے سے انکار کرنے پر حلف کو مدعی پر لوٹایا جائے گا۔ اگر مدعی حلف اٹھالے تو فیصلہ اسکے حق میں ہو جائے گا ورنہ مقدمہ خارج ہو جائے گا یہ رائے حضرت علیؓ عبداللہ بن عمرؓ مقداد بن اسودؓ ابی بن کعبؓ اور زید بن ثابتؓ رضی اللہ تعالےٰ عنہم سے منقول ہے۔ چنانچہ بیہقی رحؒ[1] شعبی رحؒ کے حوالے سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت مقداد بن اسودؓ نے حضرت عثمانؓ سے سات ہزار درہم قرض لئے جب حضرت عثمانؓ نے اپنے قرض کا مطالبہ کیا تو مقدادؓ ان سے کہنے لگے میں نے تو صرف چار ہزار درہم لئے ہیں۔ حضرت عثمانؓ یہ جھگڑا حضرت عمرؓ کے پاس لے گئے۔ حضرت مقدادؓ نے کہا عثمانؓ حلف اٹھائیں کہ واقعی سات ہزار درہم تھے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت عثمانؓ سے فرمایا مقدادؓ نے آپ سے انصاف کی بات کہی ہے۔ مگر حضرت عثمانؓ نے حلف اٹھانے سے انکار کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا پھر مقدادؓ جو کچھ دیتے ہیں۔ آپ لے لیں۔

[2] امام بیہقی رحؒ روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ایک گواہ کیساتھ ایک قسم قابل اعتبار ہے اگر مدعی کے پاس ثبوت نہ ہو تو مدعا علیہ حلف اٹھائے گا اگر مدعا علیہ حلف اٹھانے سے انکار کر دے تو حلف کو مدعی کی طرف لوٹا دیا جائے گا۔

بیہقی رحؒ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حلف کو طالب حق پر لوٹایا[3] اس حدیث کو امام حاکمؒ نے مستدرک میں نقل کیا میں کہتا ہوں اس حدیث کی سند میں ایک راوی محمد بن مسروق ہے جو مجہول الحال ہے ایک مرسل روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر کسی کو کسی کے خلاف کوئی کچھ دعویٰ ہے تو ثبوت اور بینہ مدعی کے ذمے ہے۔ اور مدعا علیہ حلف اٹھانے کا زیادہ حقدار ہے۔ اگر مدعا علیہ حلف اٹھانے سے انکار کر دے تو مدعی حلف اٹھا کر اپنا

---

[1]، [2]، [3]، [4] السنن الکبریٰ جلد ۱۰ ص ۱۸۴ بحوالہ امام بیہقی رحؒ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حق ہے ۔۔۔ نیز یہ حضرات قسامہ والی حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں مگر یہ بیا استدلال کمزور ہے ۔ کیونکہ اس حلف کو سب سے پہلے مدعی پر پیش کیا گیا ہے اور حلف کو مدعی پر لوٹانے کا مطلب یہ ہے کہ مدعا علیہ کے انکار حلف کے بعد مدعی سے قسم طلب کی گئی ہے ۔۔۔ مگر کہا جاتا ہے کہ اس استدلال کی وجہ یہ ہے کہ قسامہ میں قسم مدعی کے ذمے اسکے موقف کی قوت کی وجہ سے ہے ۔ جب مدعی کے انکارِ حلف سے مدعا علیہ کا موقف قوی ہو جاتا ہے تو حلف اسکی طرف لوٹ جاتا ہے ۔

تیسری رائے یہ ہے کہ حبس وضرب کے ذریعے مدعا علیہ کو مجبور کیا جائے کہ وہ یا تو اقرار کرے یا حلف اٹھا کر اپنی براءت کا اظہار کرے ۔ اسکے بارے میں انکارِ حلف یا ردِ حلف وغیرہ کا فیصلہ نہ کیا جائے ۔ یہ موقف رکھنے والے فقہاء کہتے ہیں تین موقعوں کے سوا کہیں بھی مدعی سے حلف نہیں لیا گیا ۔

اوّل قسامہ کے باب میں

ثانی سفر میں وصیت کے موقع پر جبکہ گواہی کیلئے صرف کفار ہی مہیا ہو سکیں

ثالث ۔ مدعی کے پاس ایک گواہ موجود ہو تو گواہ کی شہادت کے ساتھ مدعی سے حلف بھی لیا جائے گا ۔

علّامہ ابنِ حزمؒ کی رائے اور استدلال

یہ رائے علامہ ابو محمد ابن حزمؒ اور اہل ظاہرؒ میں سے ان حضرات کی ہے جو اس بارے میں ابن حزم سے اتفاق کرتے ہیں انکا استدلال درج ذیل ہے۔[1]

مدعا علیہ کے انکارِ حلف پر ۔ حلف کو مدّعی کی طرف لوٹانے کی دلیل نہ تو قرآن مجید میں ہے نہ حدیث میں آئی ہے اور نہ اجماع صحابہؓ اسکی تائید کرتا ہے ۔ قرآن مجید میں تو صرف وصیّت کے بارے میں حلف کو مدعی پر لوٹانے کا حکم آیا ہے ۔ سنت نبوی میں صرف قسامہ کے بارے میں قسم کو مدعی پر لوٹانے کا حکم منصوص ہے نیز ایک گواہ کیساتھ مدعی کی قسم کا ذکر بھی آتا ہے ۔ پس ہم تو صرف اسی پر اقتصار کرتے ہیں جسکا ذکر کتاب وسنت میں آیا ہے ۔ ہم کتاب وسنت سے آگے بڑھ کر کسی اور طرف رجوع نہیں کر سکتے ۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی معصوم ہستی کے سوا کسی کا قول حجت نہیں لہٰذا اس معصوم ہستی کے قول کے سوا دیگر ہر

[1] مفصل بحث دیکھنے کیلئے ملاحظہ ہو "المحلّٰی" مصنفہ علامہ ابن حزمؒ جلد ۹ صفحہ ۳۷۲

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قول کو اختیار یا ترک کیا جا سکتا ہے۔

امام مالکؒ پر ابن حزمؒ کی تنقید کسی سوال کا جواب دیتے ہوئے امام مالکؒ نے موطا میں شاھد کیساتھ مدعی کے حلف کے بارے میں عدم اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے[1]

"اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص پر مال کا دعوے کرے۔ کیا مدعا علیہ کے حلف سے فیصلہ ہو جائیگا ؟ اگر وہ حلف اٹھالے تو دعویٰ باطل ہو جائے گا اور اگر وہ حلف اٹھانے سے انکار کر دے تو مدعی سے حلف لیا جائے گا کہ وہ اپنے دعوے میں سچا ہے۔ اسطرح مدعی کا حق ثابت ہو جائے گا۔ اس مسئلے میں اہل علم میں سے کسی کو بھی اختلاف نہیں اور نہ کسی شہر کے لوگوں نے اس میں اختلاف کیا ہے ـــ آخر کونسی دلیل کے ذریعے مدعی نے اپنا حق لیا ہے؟ قرآن کی کس آیت سے اس نے استدلال کیا ہے؟ اگر وہ اس مسئلے کو تسلیم کرتا ہے تو اسے ایک گواہ اور مدعی کے حلف کی قانونی حیثیت بھی مان لینا چاہیئے اگرچہ اسکی تائید میں قرآن کی کوئی صریح دلیل نہیں ملتی۔"

علامہ ابن حزمؒ امام مالکؒ پر تنقید کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

مجرد انکار حلف کی بنیاد پر فیصلے کے بارے میں اہل عراق کا مسلک اگر امام مالکؒ پر مخفی رہ گیا ہے تو بہت تعجب انگیز بات ہے۔ نیز انکا یہ فرمانا کہ مدعی کیطرف حلف کو لوٹانے کے متعلق قرآن میں کچھ نہیں آیا اور اسکو معترض تسلیم بھی کرتا ہے مگر ایک گواہ اور مدعی کے حلف کو کیوں تسلیم نہیں کرتا اگرچہ وہ قرآن میں نہیں ہے ـــ اس سے بھی زیادہ تعجب انگیز ہے کیونکہ ایک گواہ اور مدعی کی دلیل قرآن مجید میں موجود ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں آتا ہے۔ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا "رسول تمھیں جو کچھ عطا کرے وہ لے لو اور جس چیز سے روک دے اس سے رک جاؤ"

محاکمہ میں کہتا ہوں کہ امام مالکؒ کے دونوں اقوال میں کوئی تعجب انگیز بات نہیں۔ رہا امام مالک کا دعوائے اجماع تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے لَا خِلَافَ أَنَّهُ لَا يُحْكَمُ بِالنُّكُولِ (یعنی اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ انکار حلف پر فیصلہ نہیں ہو سکتا۔) نہیں فرمایا بلکہ بات صرف اتنی سی ہے کہ اگر مدعا علیہ

---

[1] موطا امام مالک مع تنویر الحوالک جلد ۲ صـ۲۰۲

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حلف اٹھانے سے انکار کر دے اور قسم کو لوٹا دے تو بالاتفاق اسی پر فیصلہ کیا جائے گا۔ البتہ اس بارے میں فقہاء کے دو قول ہیں۔

اوّل فقہاء کا ایک گروہ کہتا ہے کہ مجرد انکار حلف پر ہی مدعی کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا۔

ثانی فقہاء کا دوسرا گروہ اس بات کا قائل ہے کہ مدعا علیہ کے انکار حلف پر حلف کو مدعی پر لوٹا دیا جائیگا۔ اگر وہ حلف اٹھا لے تو اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جائیگا یہی ہے امام مالک رح کے کلام کا تمام تر مدعا اور مفہوم یعنی انکار حلف پر حلف کو دوسرے فریق کیطرف لوٹانے میں تمام شہروں کے فقہاء میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ تاہم اسکے خلاف شاذ رائے موجود ہے۔

امام مالک رح کے اس قول پر (کہ ایک گواہ اور مدعی کے حلف کی قرآن مجید میں کوئی دلیل نہیں ملتی) علامہ ابن حزم رح کا تعجب بذات خود تعجب انگیز ہے۔ کیونکہ ایک گواہ اور مدعی کے حلف کے مخالف اہل علم صرف یہی نہیں کہتے کہ اسکی دلیل قرآن مجید میں نہیں ملتی بلکہ وہ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ یہ مخالف قرآن ہے کیونکہ قرآن تو دو گواہوں کو معتبر قرار دیتا ہے

تب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا مفہوم گویا یہ ہوا اگر تم مجرد انکار حلف پر فیصلہ دیتے ہو اور دیگر تمام اہل علم انکار حلف کے بعد حلف کو مدعی کیطرف لوٹاتے ہیں تو ان دونوں امور کی تصریح قرآن مجید میں موجود نہیں اسطرح اگر ایک گواہ اور مدعی کے حلف کا ذکر قرآن مجید میں نہیں آتا تو کوئی بات نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں تو موجود ہے ایک گواہ اور مدعی کے حلف 'مخالفین کیخلاف ایک ایسی حجت اور دلیل ہے جس سے کوئی مفر نہیں واللہ اعلم۔ علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

"مدعا علیہ کے انکارِ حلف پر مدعی سے حلف کا مطالبہ کرنے کی دلیل نہ تو کتاب اللہ میں ہے اور نہ اسکا وجود کہیں سنتِ رسولؐ میں ملتا ہے۔ دونوں صورتوں میں (یعنی صورت مذکورہ اور ایک گواہ اور مدعی کے حلف کی صورت) میں زمین آسمان کا فرق ہے"

اسکا جواب یہ ہے کہ اس مسئلے میں قرآن و سنت دونوں رہنمائی کرتے ہیں کتاب اللہ میں اللہ تعالیٰ نے حلف کو بوقتِ حاجت مدعی کی جانب اسوقت مشروع قرار دیا ہے جب مدعی ثبوت پیش کرنے سے قاصر ہو اور قرائن اسکی صداقت کی شہادت دیتے ہوں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جیسے لعان کے مسئلہ میں مدعی پر چار قسمیں لازم کی گئی ہیں ۔خاوند کے قسمیں کھانے کے بعد اگر بیوی قسم کھانے سے انکار کر دے تو عورت پر زنا کی حد جاری کر دی جائے گی جب ان حدود کے مقدمات میں جنکو شبہات کی صورت میں ساقط کر دیا جاتا ہے اللہ تعالےٰ کا مقرر کردہ قانون یہ ہے نیز ہمیں حکم بھی دیا گیا ہے کہ ہم حتی الامکان شبہات کی صورت میں حدود کو ساقط کر دیں ۔ تو درہم و دینار اور کپڑے کے مقدمات میں مدعا علیہ کے انکارِ حلف پر فیصلہ دینا اور حلف کو مدعی کیطرف لوٹانا تو زیادہ قرینِ قیاس اور اولیٰ ہے ۔ مگر علماء ابو محمد ابن حزم رحمتہ اللہ علیہ اور انکے ہم مسلک اہل علم نے اپنے آپ پر تعبیراتِ معانی اور ان حکمتوں کے دروازے خود بند کر لئے ہیں جن پر شارع نے فیصلوں کا دارو مدار رکھا ہے ۔بایں وجہ یہ حضرات علم کے ایک عظیم حصّے سے محروم ہو گئے بعینہٖ ان لوگوں کیطرح جنہوں نے اسکے برعکس ایسی علتوں اور قیاسات کے دروازے کھول دیئے جنکی صحت کی توثیق شارع نے نہیں کی ۔اور اس وجہ سے یہ حضرات باطل کی ایک بڑی دلدل میں پھنس کر رہ گئے ہیں اور حق کثیر سے محروم ہو گئے ۔لہٰذا دونوں گروہ افراط اور تفریط کی دو انتہاؤں پر پہنچ گئے ۔

اس بارے میں سنت کی رہنمائی یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گواہ موجود ہونے کی بنا پر مدعی کی جانب قوی ہونے کے باعث فریق ثانی کی مرضی کے بغیر اسکو حلف اٹھانے کی اجازت دی ہے ۔ایک گواہ کی شہادت اور مدعی کے حلف کی بنیاد پر آپؐ نے فیصلہ کیا ہے ۔جب مدعا علیہ قسم کھانے سے انکار کرکے مدعی کے موقف کو اور قوی کر دیتا ہے تو اسوقت مدعی کا حلف اٹھانا زیادہ مناسب اور اولیٰ ہے

جو شخص شریعتِ اسلامی کے مقاصد اور اسکے احکام میں پوشیدہ حکمتوں اور علتوں پر نظر رکھتا ہے وہ اس فیصلے کے مناسب اور اولیٰ ہونے میں تشکک نہیں کر سکتا ۔

یہی وجہ تھی کہ قسامہ کے مقدمے میں مدعی کا موقف مضبوط ہونے کے باعث حلف کو مدعی کی جانب مشروع کیا گیا ہے ۔یہ تین قسم کے مواقع وہ ہیں جنکو منکرینِ قیاس نے بھی تسلیم کیا ہے اور انکو باقی صورتوں سے مستثنیٰ رکھا ہے

صحابۂ کرام سب سے زیادہ تفقّہ رکھتے تھے

صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم دین کے قواعد اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مقصد و منشاء کو سب سے زیادہ سمجھتے تھے ۔انکا علم و فہم امت کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علم وفہم سے برتر تھا۔ انکا علم وتفقہ ہر لحاظ سے متاخرین کے علم وتفقہ سے زیادہ کامل ہے حضرات صحابہ کرام رضؓ نے ان تین مواقع کے علاوہ بھی دیگر موقعوں پر مدعی کے حلف پر فیصلہ دیا ہے۔ مثلاً

انہوں نے مدعا علیہ کے انکارِ حلف پر مدعی سے حلف لیکر، اور بعض اوقات حلف لئے بغیر مدعی کے حق میں فیصلہ کیا ہے۔ دراصل یہ چیز اس حقیقت کیطرف اشارہ کرتی ہے کہ صحابہ کرام حکمت وعلل جامع وفارق اور مناسبات میں کمال درجے کا علم وفہم رکھتے تھے۔ متاخرین کی یہ عبارات واصطلاحات اور انکے تکلفات انکو اچھے نہیں لگتے تھے گہرائی علم کے اعتبار سے وہ امت میں سب سے زیادہ اور تکلف کے اعتبار سے وہ امت میں سب سے کم تھے۔ مگر متاخرین کا حال اسکے برعکس ہے

امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے فرمایا آپ حلف اٹھائیں کہ جب آپنے غلام بیچا تھا تو آپ کے علم کے مطابق اسوقت اسے کوئی بیماری لاحق نہ تھی حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حلف اٹھانے سے انکار کر دیا۔ لہذا حضرت عثمان نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے انکارِ حلف کی بناپر انکے خلاف فیصلہ دیدیا۔ اس صورت میں نہ تو مدعی سے یہ حلف لیا گیا کہ مدعا علیہ اس عیب کو جانتا تھا کیونکہ یہ ایسا معاملہ ہے کہ مدعی کو اسکا علم نہیں ہوسکتا تھا کہ آیا مدعا علیہ کو اس بیماری کا علم تھا یا نہیں۔ مدعا علیہ نے حلف اٹھانے سے انکار کردیا تو حضرت عثمانؓ نے مدعی کو حلف اٹھانے کا پابند نہیں کیا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے یہ غلام یقیناً صحتمند حالت میں فروخت کیا ہوگا وہ چاہتے تو کسی عیب کے عدمِ علم پر حلف اٹھا سکتے تھے اور حلف بھی تو یہی تھا۔ کہ "میں حلف اٹھاتا ہوں کہ میں نے جب یہ غلام فروخت کیا تو اسوقت میرے علم کے مطابق اس میں کوئی عیب نہ تھا۔"

اس قسم کا حلف اٹھانا مدعا علیہ کیلئے تو ممکن ہوسکتا ہے مگر مدعی کیلئے ممکن نہیں۔ بنابریں حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس معاملے میں مدعی کو حلف اٹھانے سے معذور سمجھ کر اس سے اس حلف کا مطالبہ نہیں کیا کہ غلام بیچتے وقت مدعا علیہ کو غلام کی بیماری اور عیب کا علم تھا۔

حضرت عثمان رضؓ اور حضرت مقداد رضؓ کے جھگڑے میں حضرت عمر رضؓ نے حضرت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عثمانؓ سے حلف کا مطالبہ کیا تھا کہ انہوں نے حضرت مقدادؓ کو سات ہزار درہم دیئے تھے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ حضرت عمرؓ نے صرف حضرت مقدادؓ کے انکار ہی پر فیصلہ نہیں کر دیا تھا بلکہ حلف کو مدعی کی جانب بھی لوٹایا تھا۔ کیونکہ قرض دینے والا اپنے دعوے کی صحت اور حقیقت کو زیادہ جانتا ہے۔ لہٰذا وہ حلف اٹھا کر اپنا حق لے سکتا ہے۔ اگر اسے اپنے موقف کی صداقت اور دعوے کی صحت کا پورا یقین نہیں تو اسے یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ایسا دعوٰی کرے جس کی صحت کا خود اسے بھی علم نہیں۔ اگر مدعی حلف اٹھانے سے انکار کر دے تو مجرد مدعا علیہ کے انکار پر اس کے حق میں فیصلہ دیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ یہ تو ہو سکتا ہے کہ مدعا علیہ کو دوسرے فریق کے دعوے کی صحت کے متعلق کوئی علم نہ ہو۔ بنابریں حضرت عمرؓ نے حضرت عثمانؓ سے گویا یہ فرمایا تھا۔ اگر آپ اپنے دعوے کی صحت کا یقین رکھتے ہیں تو حلف اٹھائیے اور اپنا حق لے لیجئے۔ مقدادؓ نے آپ سے بالکل انصاف کی بات کہی ہے۔

صحابہ کرامؓ نے جو فیصلہ کیا ہے اس سے بہتر فیصلہ کوئی نہ ہو گا۔ یہ اس مسئلہ کی تفصیل ہے۔ اور درحقیقت حق بھی یہی ہے۔ اور اسی کو ہمارے استاد شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ قدس اللہ روحہ نے اختیار کیا ہے۔

علامہ ابن حزمؒ کی ایک اور دلیل

نیز علامہ ابو محمد ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ اپنے مؤقف کی ایک دوسری دلیل دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"ہم کہتے ہیں کہ حلف اٹھانے سے انکار کرنا اس کے خلاف فیصلے کا موجب ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سکھایا ہے کہ جو کوئی برائی کا ارتکاب کرے تو اسکو قوت سے بدلنا ضروری ہے"

علامہ ابن حزمؒ کی اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ حلف سے انکار کرنیوالا بعض دفعہ اپنے انکارِ حلف پر معذور ہوتا ہے وہ انکارِ حلف پر گنہگار نہیں ہوتا۔ کیونکہ دعوٰی یہ ہے کہ مدعا علیہ کو جو قرض دیا گیا تھا عین ممکن ہے کہ اس نے قرض ادا کر دیا ہو اسکو جیل میں رکھنے کا اسکے سوا کوئی مقصد نہیں ہو سکتا کہ وہ مجبور ہو کر مدعی کے دعوے کو تسلیم کر لے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تب یہ جھوٹ ہوگا۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے حلف اٹھانے سے گریز کرتا ہے جیسا سلف صالحین رح سے مروی ہے تو اسکو جیل میں بند کر کے حلف اٹھانے پر مجبور کرنا جائز نہیں ہے۔

رہی یہ بات کہ مدعا علیہ کا حلف سے انکار کرنا برائی کے زمرے میں آتا ہے جسکو بدلنا واجب ہے ــــ تو یہ بذاتِ خود باطل ہے۔ کیونکہ حلف اٹھانے سے ڈرنا اور تورّع اختیار کرنا برائی کے زمرے میں نہیں آتا بلکہ بسا اوقات تورع اختیار کرنا واجب، بعض اوقات مستحب، اور بعض اوقات جائز ہوتا ہے۔ اور کبھی کبھی تورّع معصیّت بن جاتا ہے۔

علّامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حلف اٹھانا اسکے ذمے واجب الادا حق ہے۔ اور اگر وہ اس حق کی ادائیگی سے کوتاہی کرتا ہے تو اسکو حصولِ حق کی خاطر مارا پیٹا بھی جاسکتا ہے کیونکہ شارع نے اسکو مدعی سے گلو خلاصی کی ایک امکانی صورت دیدی ہے یعنی مدعا علیہ حلف اٹھا کر مدعی سے اپنا دامن چھڑا سکتا ہے حلف اٹھانا اسکے ذمّے واجب الادا ہے لہذا جب اس نے حلف اٹھانے سے انکار کردیا تو درحقیقت اس نے حق کی ادائیگی سے انکار کردیا جو کسی کیطرف سے اس پر واجب تھا۔ چونکہ اس نے حلف اٹھا کر اس جھگڑے میں اپنے آپ کو بری الذمہ ثابت نہ کیا۔ اس لئے اسکو یا تو مارا جائے گا یا قید کردیا جائیگا۔ یہانتک کہ وہ الزام کا اقرار کرلے یا حلف اٹھالے۔ یہ تینوں آراء امام احمد بن حنبل رح کے مذہب میں ملتی ہیں۔

چوتھی رائے یہ ہے کہ اس معاملے کی تفصیلات پر نظر ڈالی جائے گی۔ حالات اور ضرورت کے مطابق ان میں سے کسی قول پر بھی عمل کیا جاسکتا ہے۔ اس مسلک کو ہمارے استاد شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رح رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا ہے۔

پانچویں رائے یہ ہے کہ اگر مدعی متہم ہے تو مدعا علیہ کے انکارِ حلف کے بعد حلف کو مدعی کیطرف لوٹا دیا جائے گا۔ ورنہ مدعا علیہ کے انکارِ حلف پر فیصلہ اسکے حق میں کردیا جائے گا۔ یہ مذہب[ل] امام ابن ابی لیلیٰ رحمۃ اللہ علیہ کیطرف منسوب کیا جاتا ہے۔ اور

ل امام محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلےٰ رح اصحاب رائے فقہاء میں شمار ہوتے ہیں۔ کوفہ کے قاضی رہے ہیں۔ امام ابوحنیفہ کے ہم عصر تھے اور ان سے معاصرانہ چشمک بھی تھی۔ ۱۴۸ھ میں وفات پائی۔ روایتِ حدیث میں ضعیف تھے۔ یہ مشہور تابعی عبدالرحمٰن بن ابی لیلےٰ رح جو نہایت ثقہ راوی تھے، کے بیٹے تھے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آپ جانتے ہیں کہ امام ابن ابی لیلیٰ فقہ میں حصہ وافر سے بہرہ ور تھے۔

اس قول کی توضیح یوں ہے کہ مدعی اگر کذب اور فسق و فجور سے متہم نہیں تو گمان غالب یہ ہے کہ وہ اس جھگڑے میں سچا ہے جب مدعا علیہ حلف اٹھانے سے انکار کر دیتا ہے تو مدعی کی صداقت کا گمان اور قوی ہو جاتا ہے۔ اور اس سے حلف لینے کی حاجت نہیں رہتی۔ مدعی اگر فسق و فجور اور کذب وغیرہ سے متہم ہے تو اس کے متعلق یہ گمان غالب نہیں ہوتا کہ اسکے دعوے میں صداقت ضرور ہے۔ جب مدعا علیہ حلف اٹھانے سے انکار کر دیتا ہے تو مدعی کی صداقت کا گمان غالب آجاتا ہے۔ تب اس گمان کو تقویت دینے کی خاطر حلف کو اس کیطرف لوٹا دیا جاتا ہے۔ دراصل یہ استحسان کی ایک قسم ہے۔

انکارِ حلف کی حیثیت

جب حلف کو مدعی کیطرف لوٹا دیا جاتا ہے تو آیا اس حلف کو مدعی کے ثبوت کے طور پر تسلیم کیا جائے گا یا مدعا علیہ کے اقرار کے قائم مقام ہوگا۔

امام شافعیؒ کا مذہب

اس بارے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے دو قول مروی ہیں مگر انکے اصحاب کے نزدیک انکا راجح مذہب یہ ہے کہ اسکو مدعا علیہ کے اقرار کے طور پر تسلیم کیا جائے گا۔ بنا بریں مدعی کے حلف اٹھا لینے کے بعد اگر مدعا علیہ اپنی برائت کا ثبوت پیش کرنا چاہے تو اس صورت حال میں اگر مدعی کے حلف کو ثبوت کے قائم مقام تسلیم کر لیا جائے تو مدعا علیہ کو ثبوت پیش کرنے کی اجازت ہوگی اور اگر مدعی کے حلف کو مدعا علیہ کے اقرار کے قائم مقام مان لیا جائے۔ تو پھر مدعا علیہ کے ثبوت کی سماعت نہیں ہو سکتی کیونکہ اس صورت میں ثبوت مدعا علیہ کے اقرار کو جھٹلائیگا

جب انکارِ حلف کی بنا پر فیصلہ کیا جاتا ہے تو آیا یہ فیصلہ مدعا علیہ کے اقرار کی بنا پر ہوگا یا تصرف کی ایک ممکنہ صورت متصور ہوگی۔

اسکی دو صورتیں ہیں۔

مثال ایک شخص ایک عورت سے نکاح کا دعوی کرتا ہے ہم جب اس عورت سے مرد کے دعوے کی تردید میں اس سے حلف کا مطالبہ کرتے ہیں اور وہ حلف اٹھانے سے انکار کر دیتی ہے۔ تب کیا اس صورت میں فیصلہ عورت کے خلاف دیکر اسکو

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس شخص کی بیوی قرار دیا جائیگا ؟ اگر ہم انکار حلف پر مبنی فیصلے کو بھی بذل قرار دینا چاہیں تو ایسا نہیں ہو سکتا ۔ کیونکہ زوجیت محض بذل سے مباح نہیں ہو سکتی ۔

مثال اسیطرح اگر کوئی شخص کسی مجہول النسب آدمی کے متعلق یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ اسکا غلام ہے تو اس مجہول النسب آدمی سے حلف لیا جائیگا ۔ اگر وہ حلف اٹھانے سے انکار کر دے تو یہاں بھی وہی متذکرہ صورت ہو گی ۔

مثال اسی طرح ایک شخص قذف کا دعویٰ کرتا ہے ۔ جب مدعا علیہ سے حلف کا مطالبہ کیا جاتا ہے تو وہ حلف اٹھانے سے انکار کر دیتا ہے ۔ آیا اس پر حد قذف جاری کیجائیگی ؟ (یہاں بھی ہم اگر انکار حلف کو بذل قرار دیں تو اس پر حد جاری نہیں ہو سکتی)

ان مثالوں میں بھی بنیاد انہی مذکورہ اصولوں پر رکھی جائے گی ۔

امام ابو حنیفہؒ اور صاحبینؒ کا مذہب

اس بارے میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں بھی اختلاف رائے پایا جاتا ہے

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک انکار حلف بذل ہے ۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک انکار حلف اقرار کے قائم مقام ہے ۔ امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ نکاح، رجعت، ایلاء، غلامی، ولادت، نسب ولاء اور حدود میں حلف کا مطالبہ نہیں کیا جائیگا ۔ چونکہ انکے نزدیک انکار حلف بذل ہے ۔ لہذا ان صورتوں میں حلف نہیں لیا جا سکتا ۔ مگر صاحبینؒ کہتے ہیں کہ مدعا علیہ سے حلف لیا جائے گا کیونکہ انکار حلف کو مدعا علیہ کے اقرار کے قائم مقام سمجھا گیا ہے

وہ فقہاءؒ جنہوں نے انکارِ حلف کو اقرار کے قائم مقام قرار دیا ہے ۔ یہ دلیل دیتے ہیں کہ حلف سے انکار کرنے والا در اصل ظاہری طور پر اس شخص کی مانند ہوتا ہے جو جھوٹی قسم کھانے سے احتراز کر رہا ہو گویا وہ بالواسطہ الزام کا اعتراف کر رہا ہے اس کا حلف اٹھانے سے انکار کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اگر وہ قسم اٹھاتا تو وہ قسم جھوٹی ہوتی اور یہ اعتراف الزام کی بیّن دلیل ہے مگر استثناء کی صورت یہ ہے کہ اقرارِ صریح سے کم تر کوئی چیز حدود اور قیود میں عمل نہیں کر سکتی ۔

جو فقہاءؒ انکارِ حلف کو بذل قرار دیتے ہیں انکا استدلال یہ ہے کہ اگر انکار حلف کو اقرار کے قائم مقام قرار دیدیں تو مدعا علیہ اپنے انکارِ الزام میں جھوٹا ہو گا اور جھوٹ حرام ہے تب انکار حلف کے بعد انکارِ الزام کے باعث اس کو فاسق قرار دیا جائے گا مگر یہ باطل ہے ۔ لہذا ہم اسکو بذل کے قائم مقام سمجھتے ہیں اور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محض جائز گردانتے ہیں تاکہ اسکی عدالت مجروح نہ ہو۔ انکار حلف پر اسے کذاب نہیں گردانا جائے گا۔

بذل اور اقرار پر تبصرہ

اس بارے میں صحیح مسلک یہ ہے کہ انکار حلف کو نہ تو اقرار کے قائم مقام قرار دیا جاسکتا ہے اور نہ بذل کے بلکہ یہ شاھد اور دلیل کے قائم مقام ہے کیونکہ مدعا علیہ الزام کا صریحًا انکار کررہا ہے مدعا علیہ اسکا مستحق نہیں جسکا اس پر دعوی کیاجارہا ہے پھر وہ اپنے انکار پر مصر بھی ہے اگر وہ تورعًا حلف اٹھانے سے گریز کررہا ہے تب اسکے انکار حلف کو اقرار کے قائم مقام کیسے ٹھہرایا جاسکتا ہے؟ کیا یہ مان لیا جائے کہ وہ اپنے آپ کو جھٹلا رہا ہے۔؟

دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر انکار حلف کو اقرار تسلیم کرلیا جائے تو مدعا علیہ کے انکار حلف کے بعد اسکی براءت اور ادائیگی کے متعلق کسی ثبوت اور دلیل کی سماعت نہیں ہوسکتی تو یوں گویا وہ خود اپنے آپ کو جھٹلا رہا ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ اقرار تو درحقیقت اقرار کرنے والے کی خود اپنے خلاف گواہی ہوتی ہے انکار حلف کو اقرار کے قائم مقام قرار دے کر اسکو خود اپنے آپ کے خلاف گواہ کیونکر بنایا جاسکتا ہے۔

بذل دراصل اباحت اور تبرّع ہے اور مدعا علیہ اسکا قصد نہیں کرسکتا اور نہ اسکے دل میں یہ بات آسکتی ہے۔ کبھی کبھار یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ مدعا علیہ قریب مرگ مریض ہو اور اگر ہم انکار حلف کو بذل قرار دیں تو یہ اعتبار کرنا پڑیگا کہ یہ مطالبہ مال کے ایک تہائی میں سے ادا کیا جائے۔

تب واضح ہوگیا کہ انکار حلف کو نہ تو اقرار کے قائم مقام قرار دیا جاسکتا ہے اور نہ محض بذل اور اباحت کے طور پر اسکو لیا جاسکتا ہے بلکہ ہم اسکو گواہ اور دلیل کے قائم مقام قرار دیں گے کیونکہ دلیل یا بیّنہ ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جو حق کو واضح اور ممیّز کردے حلف اٹھا کر دامن چھڑانے کی قدرت ہونے کے باوجود مدعا علیہ کا حلف اٹھانے سے انکار کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ فریق ثانی اپنے دعوے میں سچا ہے۔ یہ انکار حلف حق کو واضح کررہا ہے بنابریں یہ انکار حلف شہادت اور قرائن کے قائم مقام ہوگا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح میں کنواری لڑکی کے سکوت کو اقرار اور بذل کے قائم مقام قرار دیا ہے تو اسکا جواب یہ ہوگا کہ لڑکی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا خاموش رہنا انکار حلف نہیں ہے۔ اسکی صورت یہ ہے کہ جب کنواری لڑکی سے نکاح کی اجازت طلب کیجاتی ہے تو اس کے سکوت اور خاموشی کو اسکی رضامندی اور اجازت کی دلیل سمجھا جاتا ہے کیونکہ فطری حیا اسکے کلام کرنے سے مانع ہے اس موقعہ پر اسکا کلام کرنا عار سمجھا جاتا ہے۔ اس لئے اسکی خاموشی کو بامر مجبوری رضامندی قرار دے لیا گیا ہے۔ مگر یہاں تو مدعا علیہ کو کلام کرنے میں کوئی حیا اور عار لاحق نہیں تب اس کے انکار حلف کو کنواری لڑکی کے سکوت کے مشابہ کیونکر قرار دیا جاسکتا ہے واللہ اعلم

حلف کو مدعی کیطرف لوٹانے کی کیفیت

جب رد حلف کا اعتبار کرتے ہوئے حلف کو مدعی کی طرف لوٹاتے ہیں تو آیا یہ حلف مدعا علیہ کے انکار پر ہی لوٹا دیا جائے گا یا مدعا علیہ سے اجازت لینا ہوگی۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا ظاہر مذہب یہ ہے کہ انکار حلف کے بعد مدعا علیہ سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں چونکہ اس نے حلف اُٹھانے سے انکار کر دیا ہے اس لئے حلف خود بخود مدعی کیطرف لوٹ جائے گا اور حلف کا مدعی کی طرف منتقل ہونا درحقیقت مدعا علیہ کے انکار اور حلف سے گریز کی وجہ سے ہے۔ حلف اٹھانے پر قدرت رکھتے ہوئے جب وہ اس بات پر رضامند ہے کہ مدعی حلف اٹھالے تو اس کی رضامندی اس کی اجازت اور اذن کے قائم مقام ہے جیسے اس کے انکار حلف کو بمنزلہ بذل اقرار لیا جاتا ہے۔

علّامہ ابو الخطاب[1] رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

حلف کو مدعا علیہ کی رضامندی کے بغیر مدعی کی طرف منتقل نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ قسم اٹھانا مدعا علیہ کا حق ہے۔ اور وہی اس معاملے میں زیادہ حقدار ہے

لہٰذا قسم اس کی اجازت کے بغیر مدعی کی طرف منتقل نہیں ہوسکتی۔

---

[1] ابو الخطاب محفوظ بن احمد بن الحسن بغدادی رحمہ امام احمد بن حنبل رحمہ کے مذہب میں صاحب اجتہاد بزرگ شمار ہوتے ہیں۔ "الھدایۃ" "الانتصار" اور "التمھید" وغیرہ ان کی مشہور تصانیف ہیں۔ ۵۱۰ھ میں وفات پائی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پانچواں ضابطہ

صرف ایک گواہ کی شہادت پر فیصلہ

اس طریق عمل کی متعدد صورتیں ہیں

۱۔ **رُویتِ ہلال** رویت ہلال کے سلسلے میں اگر صرف ایک گواہ رمضان کے چاند ہونے کی گواہی دیدے تو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا ظاہر مذہب یہ ہے کہ اسکی گواہی قبول کی جائے گی۔ اسکی دلیل حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے جو سنن ابی داود میں منقول ہے۔

"ایک دفعہ لوگ چاند دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے کہ میں نے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی کہ مجھے چاند نظر آگیا ہے چنانچہ آپ نے لوگوں کو روزہ رکھنے کا حکم دیا اور خود بھی روزہ رکھا" [۱]

اس قسم کی صورت حال میں کیا ایک عورت کی گواہی پر اکتفا کیا جا سکتا ہے؟

اس مسئلہ میں امام احمد رحمہ اللہ کے مذہب میں دو قول منقول ہیں دونوں قول اس بات پر مبنی ہیں کہ آیا رویت ہلال کی اطلاع شہادت تسلیم کیجائیگی یا یہ اخبار کے ضمن میں آئے گی۔ ابو داود حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر شہادت دی کہ اس نے چاند دیکھ لیا ہے۔

آپ نے فرمایا کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد اللہ کے رسول ہیں؟

اس نے عرض کی جی ہاں!

آپ نے حضرت بلال رضی اللہ تعالےٰ عنہ کیطرف متوجہ ہو کر فرمایا لوگوں میں اعلان کر دو کہ وہ کل روزہ رکھیں۔ [۲]

---

[۱] سنن ابی داؤد مع شرح عون المعبود جلد ۲ صفحہ ۲۷۴ نیز اس حدیث کو دارمیؒ ابن حبانؒ بیہقیؒ اور حاکمؒ نے بھی روایت کیا ہے۔ حاکم نے اسے شیخینؒ کی شرائط پر صحیح کہا ہے ابن حزمؒ نے بھی اسکی تصحیح کی ہے [۲] سنن ابی داود جلد ۲ صفحہ ۲۷۴ سنن ابن ماجہ جلد ۱ صفحہ ۵۲۹ سنن دارمی جلد ۱ صفحہ ۳۳۷ نیز اس حدیث کو ترمذی، نسائی، ابن جارود، دارقطنی، ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام احمد بن حنبل رح سے ایک دوسری روایت میں منقول ہے کہ دو گواہوں کی گواھی ضروری ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " چاند دیکھکر روزہ رکھو اور چاند دیکھکر عید کرو۔ اور اگر بادل کیوجہ سے چاند نظر نہ آسکے تو تیس دن پورے کرلو اور اگر دو عادل گواہ چاند نظر آنے کی گواہی دیدیں تو اسی بنیاد پر روزے رکھو اور عید کرو " سے ۱

اس حدیث میں منطوق طریقے سے کوئی دلیل نہیں ہے البتہ مفہوم طریقے سے دلیل ملتی ہے مگر اسمیں تفصیل ہے اور وہ یہ ہے۔

اگر چاند ماہِ شوال کا ہو تب تو اس نص کی بنیاد پر دو گواہوں کی شرط ضروری ہے۔ اگر رمضان کا چاند ہو تو دوسری نصوص کی بناء پر صرف ایک گواہ کی گواہی کافی ہے۔ دونوں حدیثوں کے عام مفہوم سے جو تعارض کی صورت متوہم ہوتی ہے وہ قوی نہیں۔

اصول شریعت شاھد ہیں کہ ایک گواہ کی گواہی قبول کرلی جائے کیونکہ یہ عبادت کے وقت کا دخول ہے۔ لہذا ایک گواہ کی گواہی پر اکتفا کیا گیا ہے جیسے اذان نماز کیلئے دخولِ وقت کی اطلاع ہے۔ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

ابوبکر عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں سے ۲

اگر چاند دیکھنے والے شخص کے پاس چاند دیکھنے کے وقت بہت سے لوگ موجود ہوں تو اس صورت میں دو سے کم افراد کی گواہی قابل قبول نہیں ہے۔ کیونکہ اتنے لوگوں کی موجودگی میں صرف ایک شخص کو چاند نظر آنا بعید سی بات ہے۔ البتہ جب اسکے ساتھ ایک دوسرا شخص بھی چاند دیکھ لیتا ہے تو ان کی صداقت کا گمان غالب ہوجاتا ہے۔ اگر سفر میں چاند نظر آئے تو صرف ایک آدمی کی شہادت بھی قبول کیجائیگی کیونکہ بعض اوقات سفر میں چاند دیکھنے والا اکیلا ہی ہوتا ہے اور اسکے دوسرے ساتھی مشغول ہوتے ہیں۔

سے ۱ سنن الدارقطنی جلد ۲ صفحہ ۱۶۷ سے ۲ علامہ ابوبکر عبدالعزیز بن جعفر رح علمائے حنابلہ میں بہت شہرت کے مالک ہیں۔ امانت و دیانت کے اعلیٰ مرتبے پر فائز تھے۔ وسیع الروایت اور صاحب تفقہ تھے۔ انہوں نے بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں جن میں الشافی المقنع اور التنبیہ بہت مشہور ہیں۔ علامہ خلال کے لقب سے مشہور ہوئے آپ نے ۳۶۳ھ میں وفات پائی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"اگر آسمان ابر آلود یا گرد آلود ہو، یا کوئی اور ایسی علت ہو جو چاند کے نظر آنے سے مانع ہو تو اس صورت میں صرف ایک عادل شخص کی گواہی کافی ہے۔ اس معاملے میں آزاد، غلام، مرد اور عورت سب یکساں ہیں بلکہ قذف کی سزا پانے والا شخص بھی جو توبہ کر چکا ہو گواہی دے سکتا ہے تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی نیز اس میں لفظ "شہادت" کے تلفظ کی شرط بھی ضروری نہیں

اگر آسمان پر کوئی علت نہ ہو اور مطلع صاف ہو تو جم غفیر کی شہادت کو جس سے علم الیقینی حاصل ہو قبول کیا جائے گا۔ یہ چیز کسی پابندی کے بغیر امام کی رائے پر منحصر ہے۔ کیونکہ اب مطلع ایک سا ہے۔ رویت ہلال کے تمام موانع ختم ہو گئے ہیں بے شمار لوگوں کی نظر بھی درست ہے اور چاند دیکھنے کا داعیہ بھی لوگوں میں پوری طرح موجود ہوتا ہے۔ لہذا ہم رویت ہلال کا مسئلہ چند آدمیوں سے مختص نہیں کر سکتے۔"

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ روایت بھی منقول ہے کہ "رویت ہلال کے سلسلے میں صرف دو اشخاص کی گواہی کافی ہے۔"

دیگر فقہاء کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص شہر کے باہر سے آتا ہے یا کسی بلند منارے یا شہر کی کسی بلند جگہ سے آکر رویت ہلال کی اطلاع دیتا ہے تو اسکی گواہی قبول کی جائے گی کیونکہ چاند کا نظر آنا جسطرح فضا کے صاف ہونے پر منحصر ہے اسیطرح اس امر پر بھی منحصر ہے کہ چاند دیکھنے والا کسی بلند مقام پر کھڑے ہو کر چاند دیکھنے کی کوشش کر رہا ہے یا کسی پست مقام پر۔

صحیح مسلک یہ ہے کہ رویت ہلال کے بارے میں ایک گواہی کو مطلقاً قبول کیا جائے گا جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی احادیث دلالت کرتی ہیں بے شک جسطرح چاند دیکھنے والوں کیلئے خارجی اسباب مختلف ہوتے ہیں اسی طرح دیکھنے والوں کے اپنے حالات بھی مختلف ہو سکتے ہیں۔ مثلاً نگاہ کا تیز اور کمزور ہونا۔ اسلئے جب بہت سے لوگ چاند دیکھنے کی کوشش کر رہے ہوں تو ان میں سے اگر چند آدمی چاند دیکھ لیں اور باقی اکثریت چاند نہ دیکھ سکے تو دیکھنے والے شخص کو چاند دیکھنے میں اسکی انفرادیت کی بنا پر جھوٹا نہیں کہا جا سکتا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حج کے سفر میں صحابہ کرام رضی چاند دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی نے چاند دیکھ لیا مگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ محروم رہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی حضرت عمر رضی سے کہنے لگے "اے امیر المومنین! وہ رہا چاند، کیا آپؓ کو چاند نظر نہیں آرہا۔؟"

حضرت عمر رضی نے فرمایا ہاں اب میں چاند اپنے بستر مرگ پر دیکھوں گا یعنی میری اتنی عمر ہو گئی ہے اب میں ضعف بصارت کی بنا پر کیسے چاند دیکھ سکتا ہوں۔

طبیب وغیرہ کی گواھی

بعض معاملات ایسے ہوتے ہیں جو صرف اہل فن اور اطباء وغیرہ سے مختص ہوتے ہیں۔

مثلاً مہلک اور ھڈی کو ننگا کر دینے والا زخم اور حیوانات کی بیماری وغیرہ کہ ان میں طبیب اور بیطار کے علاوہ کوئی دوسرا شخص رائے نہیں دے سکتا۔ اس قسم کے معاملات میں ایک طبیب یا ایک بیطار کی شہادت صرف اسی صورت میں قابل قبول ہو سکتی ہے جب دوسرا طبیب یا بیطار مہیا نہ ہو سکے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے یہی منصوص ہے۔ [۱]

اگر دو طبیبوں کی شہادت کا مہیا ہونا ممکن ہو تو ہمارے اصحابؒ کا قول یہ ہے کہ دو سے کم کی گواہی قابل قبول نہیں ہے۔ امام احمد رحؒ کی نصوص اسی پر دلالت کرتی ہیں۔ ایک طبیب کی گواہی کا قابل قبول ہونا بھی اسی طرح مستخرج ہے جیسے ایک قیافہ شناس اور تقسیم کرنے والے کے قول پر عمل کیا جاتا ہے۔

۳۔ مردوں سے پوشیدہ معاملات میں ایک عورت کی گواہی

وہ واقعات و معاملات جو عموماً مردوں سے پوشیدہ ہوتے ہیں جیسے ولادت، رضاعت، کپڑوں کے نیچے چھپے ہوئے عورتوں کے عیوب حیض اور عدت وغیرہ۔ تو ان میں ایک عادلہ عورت کی گواہی کافی ہے۔ اسکی نظیر وہ حدیث ہے جسمیں حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

"میں نے ایک عورت سے نکاح کیا۔ ایک کالی سی لونڈی آئی اور کہنے لگی "میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے۔" میں نے اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ نے فرمایا۔ اسے اپنے سے الگ کر دو۔" [۲]

---

[۱] المغنی جلد ۱۰ صفحہ ۲۳۳۔ [۲] صحیح بخاری جلد ۵ ص ۲۶۸، جلد ۹ ص ۱۵۲ نیز مصنف عبد الرزاق جلد ۷ ص ۴۸۱

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جو قرآن مجید کے خلاف ہو۔

فیصلہ کرنے کا طریقہ و منہاج اور حقوق کی حفاظت دو مختلف چیزیں ہیں۔ ان دونوں میں کوئی تلازم نہیں۔ حقوق بسا اوقات ان طریقوں سے محفوظ ہو جاتے ہیں جن کے مطابق قاضی اور حاکم فیصلہ نہیں کرتا۔ مگر صاحب حق جانتا ہے کہ اس طریقہ سے اسکا حق محفوظ ہو جائے گا۔ حکام بعض اوقات ایسے اصولوں کے مطابق فیصلہ کرسکتے ہیں جن کے ذریعے صاحب حق اپنا حق محفوظ نہیں کرسکتا اور نہ وہ اسکے متعلق سوچ سکتا ہے۔ مثلاً انکارِ حلف اور ردِّ حلف وغیرہ۔

ایک گواہ اور مدعی کے حلف پر فیصلے کا اصول تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو خود بتایا ہے۔ چنانچہ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ۔	ہم نے تیری طرف حق کے ساتھ کتاب نازل کی ہے تاکہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تجھے دکھایا ہے تو اسکے مطابق لوگوں میں فیصلہ کرے۔
(النساء ۱۰۵)	

تعجب ہے کہ یہ لوگ ایک گواہ اور مدعی کے حلف کو تو ناقابل اعتبار ٹھہرا دیتے ہیں اور محض انکارِ حلف کی بنیاد پر جو سکوت کی ایک قسم ہے فیصلے کرتے ہیں۔ حالانکہ سکوت اختیار کرنیوالے کے " سکوت " کو قول نہیں کہا جاسکتا۔

کسی باغ کی ملکیت کے مدعی کے حق میں محض اس بناء پر فیصلہ کر دیتے ہیں کہ باغ میں داخل ہونے اور نکلنے کا راستہ اسکی طرف ہے۔ انکے نزدیک اینٹوں کے رخ اور رسّی کی گرہوں کی بنیاد پر فیصلہ بھی درست ہے جیسا کہ قاضی ابو یوسف رح کا مذہب ہے۔

کیا یہ چیزیں ایک گواہ جسکی عدالت روزِ روشن کیطرح واضح ہے۔ جسکی گواہی سے علمِ یقینی کے حصول کا امکان ہے۔ مقابلہ کرسکتی ہیں۔؟ خاص طور پر جبکہ ایسے گواہ کی گواہی کے ساتھ مدعی حلف بھی دے رہا ہے۔

مجرّد عقد نکاح کی بناء پر نسب کیسے صحیح ہوسکتا ہے جبکہ یہ چیز ہمیں قطعی طور پر معلوم ہے کہ مرد اور عورت ایک دوسرے سے ملے ہی نہیں؟ اور کیا یہ فیصلہ ایک گواہ اور مدعی کے حلف کی بنیاد پر فیصلے کا مقابلہ کرسکتا ہے۔؟

دو مجہول الحال گواہوں کی شہادت پر فیصلہ کرنا کہاں کا انصاف ہے جنکے حالات سے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قاضی واقف نہیں۔ یہ دو مجہول الحال گواہ ایک معروف عادل اور ثقہ گواہ اور اسکے ساتھ مدعی کے حلف کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔

یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ایک طرف تو دیوار کے جھگڑے میں مدعی کے حق میں صرف اسوجہ سے فیصلہ کر دیا جائے کہ لکڑی کے چند شہتیر اسکے موقف کو صحیح ثابت کرتے ہیں مگر ایک گواہ اور مدعی کے حلف کو ٹھکرا دیا جائے۔ علم ہونا چاہیئے کہ ایک ثقہ گواہ اور مدعی کا حلف دلالت اور ثبوت کے اعتبار سے درخت کے ان تنوں سے قوی ہیں پس اگر مدعی کا پڑوسی ایک گواہ پیش کر دے اور اس پر حلف اٹھائے تو درخت کے تنوں کی گواہی سے یہ گواہی زیادہ قوی ہے۔

یہ ہر اُس شخص کا حال ہے جو سنتِ صحیحہ کی مخالفت کرتا ہے اور وہ بھی ایسی سنت کہ کوئی چیز اسکی معارض نہیں۔ وہ درحقیقت ایسا مسلک اختیار کرتا ہے جسکے متعلق اسے علم ہے کہ سنت کی دلیل اس سے زیادہ قوی ہے۔

ایک گواہ اور مدعی کے حلف کے اصول کو ناقابل اعتبار ٹھہرانے کے قول کو امام بخاری رحہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے کیونکہ انہوں نے "کتاب الشہادات" میں ایک باب باندھا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں " باب یمین المدعیٰ علیہ " (مدعا علیہ کے حلف کا باب) اور اس باب کے تحت رقم طراز ہیں۔

ابن شبرمہ رحہ کہتے ہیں کہ ابو الزناد رحہ کے ایک گواہ اور مدعی کے حلیف کے بارے میں میرے ساتھ تبادلہ خیال کیا۔ میں نے کہا اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِن رِّجَالِكُمْ	اور اپنے مردوں میں سے دو گواہ مقرر کر لو اگر
فَإِن لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ	دو مرد نہ ملیں تو جن کو تم پسند کرتے ہو ان میں سے
مِمَّن تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَن تَضِلَّ	ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنالو تاکہ اگر ان میں سے
إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَىٰ	ایک عورت بھول جائے تو دوسری اسکو یاد دلا دے

میں نے کہا جب ایک گواہ اور مدعی کے حلف پر اکتفا کیا جا سکتا ہے تب دو عورتوں کی گواہی کی کیا ضرورت ہے کہ ان میں سے ایک دوسری کو یاد دلاتی پھرے۔ یہاں دوسری کی یاد دہانی کا کیا فائدہ؟

باب کا عنوان تو مدعا علیہ کے حلف کے متعلق ہے مگر نیچے مذکورہ مکالمہ منقول ہے گواہ اور حلف کے بارے میں کوئی حدیث نقل نہ کرنے سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری رحہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چنانچہ جب مروانؒ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو بلوا کر پوچھا تو انہوں نے گواہی دی کہ واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صہیب کو ایک کمرہ اور دو مکان عطا فرمائے تھے۔ اسطرح مروانؒ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی گواہی کے مطابق فیصلہ دے دیا۔

رہا خزیمہ بن ثابتؓ کی گواہی کا معاملہ تو ہر مومن یہ گواہی دیگا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ چونکہ اس موقع پر حضرت خزیمہؓ موجود تھے اس لئے خزیمہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس خبر کی اسیطرح تصدیق کی جسطرح آپؐ کی دی ہوئی دیگر خبروں کی تصدیق کی۔ خزیمہؓ پر آپؐ کی اس خبر کی تصدیق کرنا اسی طرح واجب تھا جسطرح آپ کی دیگر جملہ اخبار کی تصدیق واجب ہے۔ خزیمہؓ کی شہادت گویا یہ تھی کہ حقیقت حال بالکل ایسے ہی ہے جیسے آپؐ فرماتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک گواہ کی گواہی کو مدعی کے حلف کے بغیر قبول فرمایا ہے چنانچہ بخاری و مسلم میں حضرت ابوقتادہؓ سے روایت منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین کے روز فرمایا۔ جہاد میں جس کسی نے کسی کافر کو قتل کیا اور اس کے پاس اسکا ثبوت ہو تو اس کیلئے اس مقتول کا سلب ہے۔ ابوقتادہؓ کہتے ہیں کہ میں کھڑا ہو گیا میں نے سوچا میری گواہی کون دیگا؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوقتادہؓ کیا بات ہے؟

چنانچہ میں نے مقتول کافر کا قصہ سنایا۔ مجلس میں سے ایک شخص نے اٹھکر کہا یا رسول اللہ! ابوقتادہؓ ٹھیک کہتے ہیں اس کافر کا سلب میرے پاس ہے۔ آپؐ میری طرف سے ابوقتادہؓ کو راضی کرلیں کہ وہ سلب میرے پاس رہنے دیں۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ بول اٹھے

"ہرگز نہیں خدا کی قسم! یہ نہیں ہوسکتا کہ ہم قریش کے مال ضائع کرنے والے چھوکرے کو تو نوازدیں اور اللہ کے شیروںؓ میں سے ایک شیرؓ کو جو اللہ اور اس کے رسولؐ کیلئے لڑتا ہے اسے چھوڑ دیں۔" [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "ابوبکرؓ ٹھیک کہتے ہیں۔ یہ سلب ابوقتادہؓ کو دیدو۔" چنانچہ اس نے سلب مجھے دیدیا۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ۶ صفحہ ۲۴ جلد ۸ صفحہ ۳۲

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس مسئلے میں امام احمدؒ کے مذہب میں تین قول پائے جاتے ہیں۔

اوّل دو گواہوں کی شہادت ضروری ہے۔

ثانی ایک گواہ اور اسکے ساتھ مدعی کا حلف ضروری ہے

ثالث صرف ایک گواہ کافی ہے۔

دلیل کے اعتبار سے یہ آخری قول زیادہ قرین صحت ہے صحیح حدیث اس پر دلالت کرتی ہے۔ اس حدیث کے متعارض کوئی حدیث نہیں تب کوئی وجہ نہیں کہ اس حدیث سے صرف نظر کیا جائے۔ امام ابوداؤدؒ اپنی سنن میں یوں باب باندھتے ہیں۔ باب اذا علم الحاکم بصدق الشاھد الواحد یجوز لہ ان یحکم بہ [۱] (باب اس بیان میں کہ جب حاکم کو ایک گواہ کی شہادت کی صداقت معلوم ہو جائے اسکی شہادت کے مطابق فیصلہ جائز ہے۔) اس کے بعد انہوں نے حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے [۲] امام شافعیؒ ابو مجلزؒ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ایک دفعہ زرارہ بن اوفیؒ نے اکیلے ابو مجلزؒ کی گواہی پر فیصلہ صادر کیا تھا۔ [۳]

ابو اسحاقؒ کہتے ہیں کہ قاضی شریحؒ نے مجھ اکیلے کی شہادت کو قبول کیا ہے [۴]

ابو قیسؒ کہتے ہیں میں نے قاضی شریحؒ کے پاس قرآن پر گواہی دی تو انہوں نے مجھ اکیلے کی گواہی کو قبول کر لیا۔ [۵]

---

[۱] ابوداؤد جلد ۳ صفحہ ۳۴ تدریب مختلف الفاظ میں [۲] ابوداؤد جلد ۳ صفحہ ۳۴ [۳] سنن بیہقی جلد ۱۰ صفحہ ۱۷۴

[۴] السنن الکبریٰ بیہقی جلد ۱۰ صفحہ ۱۷۴ [۵] السنن الکبریٰ جلد ۱۰ صفحہ ۱۷۴۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چھٹا ضابطہ

ترجمانی، تعارف، مراسلت اور جرح و تعدیل میں ایک گواہ کا اعتبار

ترجمانی، تعارف، مراسلت اور جرح و تعدیل میں ایک گواہ کی شہادت قابل قبول ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ سے دو روایتوں میں سے ایک روایت یہ بھی منقول ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ نے صحیح بخاری میں اس حیثیت پر یوں باب باندھا ہے
باب ترجمۃ الحکام وھل یجوز ترجمان واحد [۱] حکام کی ترجمانی کا باب، کیا ایک ترجمان کی ترجمانی قابلِ اعتبار ہے ؟ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے عبرانی سیکھنے کا حکم دیا۔ یہاں تک کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط اور مراسلات لکھا کرتا تھا۔ جب یہودی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کوئی خط بھیجتے تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خط پڑھ کر سنایا کرتا تھا [۲]
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی موجودگی میں فرمایا۔ یہ عورت کیا کہتی ہے۔ ؟ عبدالرحمن بن حاطب رضی اللہ عنہ نے عرض کی آپ کو یہ عورت ہی بتا سکتی ہے کہ کس نے یہ کیا ہے " ؟ [۳] ابو جمرہ رحمۃ اللہ کہتے ہیں میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور لوگوں کے درمیان ترجمانی کے فرائض سرانجام دیا کرتا تھا۔ [۴] بعض تو یہ کہتے ہیں کہ حاکم کیلیے ترجمان رکھنا ضروری ہے۔
میں (ابن قیم رحمۃ اللہ) کہتا ہوں امام مالک رحمۃ اللہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ کی بھی یہی رائے ہے اسی کو علامہ خرقی رحمۃ اللہ نے اختیار کیا ہے۔ ایک گواہ کے قول پر اکتفا کرنا امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کا مسلک ہے جیسا کہ ہم گزشتہ صفحات میں ذکر کر آئے ہیں یہی صحیح ہے یہی رائے علامہ ابوبکر رحمۃ اللہ کی ہے۔

---

[۱] صحیح بخاری جلد ۱۳ ص ۱۸۵ [۲] حوالہ سابقہ [۳] صحیح بخاری جلد ۱۳ ص ۱۸۶

[۴] صحیح بخاری جلد ۱۳ ص ۱۸۶

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ساتواں ضابطہ

ایک گواہ اور مدّعی کا حلف

امام ابو حنیفہؒ اور انکے اصحابؒ کے سوا دیگر تمام فقہائے احادیث، فقہائے امصار اور تمام اہلِ علم کا مذہب یہ ہے کہ ایک گواہ اور مدعی کے حلف کی بناء پر فیصلہ دیا جا سکتا ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ کے حوالے سے منقول ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گواہ اور مدعی کے حلف کی بنیاد پر فیصلہ کیا ہے۔ ؎۱

عمرو اپنی کتاب "الاموال" میں رقم طراز ہیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ کی حدیث کی تائید بعض دوسری روایات بھی کرتی ہیں۔

ابن عبدالحکم رحؒ ؎۲ کہتے ہیں کہ امام شافعی رحؒ کو میں نے یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ محمد بن حسن شیبانی رحؒ ؎۳ نے مجھ سے کہا

اگر مجھے معلوم ہوتا کہ سیف بن سلیمان ایک گواہ اور مدّعی کے حلف والی حدیث روایت کرتا ہے تو میں اسے فاسد ٹھہرا دیتا۔ میں نے کہا اے ابو عبداللہ! جب آپ رحؒ نے اسے فاسد کہہ دیا تو وہ فاسد ہے؟ ؎۴

؎۱ صحیح مسلم جلد ۱۲ صہ ۳ ؎۲ محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم رحؒ نے اپنے والد، ابن وہب، اشہب اور ابن قاسم رحمہم اللہ سے حدیث سُنی۔ امام شافعی رحؒ کی صحبت میں رہے۔ ان سے تعلیم حاصل کی اور انکی کتابیں لکھیں۔ ۲۶۸ھ میں وفات پائی۔

؎۳ محمد بن حسن شیبانی رحؒ فقہ حنفی کے اہم ستون ہیں۔ امام ابو حنیفہ رحؒ سے اہل عراق کی فقہ سیکھی۔ اور امام صاحبؒ کی وفات کے بعد قاضی ابو یوسف رحؒ سے اسکی تکمیل کی۔ اھل الرائے کے مرجع تھے۔ امام ابو حنیفہ رحؒ کے مذہب کی تعلیم کا سلسلہ امام محمد کی وجہ سے قائم ہوا۔ ۱۸۹ھ میں وفات پائی۔

؎۴ امام شافعی رحؒ کے اس قول کو امام بیہقی رحؒ نے محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم رحؒ کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ سنن بیہقی جلد ۱۰ صہ ۱۶۷

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علی بن المدینیؒ ۱ فرماتے ہیں میں نے سیف بن سلیمان کے متعلق یحییٰ بن سعیدؒ سے پوچھا تو فرمانے لگے۔ سیف ہمارے نزدیک سچا ہے۔ حافظ حدیث اور حدیث میں نہایت قابل اعتماد ہے ۲

میں (ابن قیمؒ) کہتا ہوں کہ امام مسلمؒ نے اس حدیث کو قیس بن سعد عن عمرو بن دینار عن ابن عباسؓ کی سند سے بھی روایت کیا ہے۔ امام ابوداؤدؒ نے امام عبدالرزاق سے محمد بن مسلم عن عمرو بن دینار کے واسطے سے روایت کیا ہے امام شافعیؒ معاذ بن عبدالرحمٰن اور ایک دوسرے شخص کی سند سے روایت کرتے ہیں جو کہ صحابی تھے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک گواہ اور مدعی کے حلف کی بنا پر فیصلہ دیا۔

اس حدیث کو امام ترمذیؒ ابن ماجہ اور ابوداؤدؒ نے بھی روایت کیا ہے امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ ان الفاظ میں تبصرہ فرماتے ہیں

"یہ حدیث حسن غریب ہے" ۳

ایک گواہ اور مدعی کے حلف والی حدیث کے مطابق جن صحابہ کرامؓ نے عمل کیا ہے انکے نام یہ ہیں۔

عمر بن الخطاب۔ علی بن ابی طالب۔ عبداللہ بن عمر۔ عبداللہ بن عباس۔ سعد بن عبادہ مغیرہ بن شعبہ جابر بن عبداللہ۔ زید بن ثعلبہ اور صحابہ کرام کی بڑی جماعت رضی اللہ عنہم

ابوبکر بن خطیب بغدادی رح ۴ نے اسی موضوع پر ایک کتاب تصنیف کی ہے اس میں رقم طراز ہیں کہ درج ذیل صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث روایت کی ہے

---

۱ ابوالحسن علی بن عبداللہ المدینی رح اپنے زمانے میں اہلحدیث کے پیشوا تھے۔ علل حدیث کی معرفت میں بہت مہارت رکھتے تھے۔ جرح وتعدیل میں انکو سند تسلیم کیا گیا ہے۔ امام بخاریؒ کے استاد تھے ۲۳۴ھ میں وفات پائی ۲ سنن بیہقی جلد ۱۰ ص ۱۶۷

۳ امام ترمذی رح نے ابوھریرہ رضؓ کی حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ حسن غریب ہے۔ ۴ ابوبکر احمد بن علی بن ثابت خطیب بغدادی رح محدث عراق وشام۔ بہت بڑے عالم اور نامور محدث ہیں بچپن ہی سے حدیث کا علم حاصل کرنا شروع کیا حصول علم کی خاطر مختلف شہروں کا سفر کیا۔ معرفت حدیث میں بہت اونچا مقام رکھتے تھے۔ بہت سی گرانقدر اور مایہ ناز کتابوں کے مصنف ہیں ان میں سے اکثر علوم حدیث پر ہیں۔ ان کی تصنیفات میں تاریخ بغداد اور الکفایہ وغیرہ بہت مشہور ہیں ذی الحج ۴۶۳ھ میں وفات پائی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عبداللہ بن عباس رضؓ ۱ ، جابر بن عبداللہ رضؓ ۲ ، عمارہ بن حزم رضؓ ۳ ، سعد بن عبادہ رضؓ ۴ علی بن ابی طالب رضؓ ۵ ابو ھریرہ رضؓ ۶ سرق رضؓ ۷ زید بن ثابت رضؓ ۸ عمر بن الخطاب ۹ عبداللہ بن عمر رضؓ ۱۰ ابو سعید خدری رضؓ ۱۱ زید بن ثعلبہ رضؓ ۱۲ عامر بن ربیعہ رضؓ ۱۳ سہل بن سعد ساعدی رضؓ ۱۴ عمرو بن حزم رضؓ ۱۵ مغیرہ بن شعبہ رضؓ ۱۶ بلال بن حرث رضؓ ۱۷ تمیم داری رضؓ ۱۸ مسلمہ بن قیس رضؓ ۱۹ انس بن مالک رضؓ ۲۰ رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین ۲۱

امام مالک رحؒ ۔ ایک مرسل روایت امام جعفر صادق رحؒ اور امام محمد بن باقر رحؒ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک گواہ اور مدعی کے حلف پر فیصلہ دیا ہے۔ نیز اسی اصول کے مطابق حضرت علی رضؓ عراق میں فیصلے کیا کرتے تھے۔ امام شافعی رحؒ اپنے مخالف بعض مناظرین سے فرمایا کرتے تھے کہ امام محمد باقر رحؒ حضرت جابر بن عبداللہ رضؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک گواہ اور مدعی کے حلف پر فیصلہ دیا۔ حضرت علی رضؓ بھی اسی بنیاد پر عراق میں مقدمات کے فیصلے کیا کرتے تھے۔ اس حدیث کو امام علی بن المدینی رحؒ اور امام اسحاق بن راہویہؒ نے بھی محمد بن علی باقر رحؒ کے طریقہ سے نقل کیا ہے۔

امام شافعی رحؒ روایت کرتے ہیں کہ سعید بن سعد بن عبادہ روایت کرتے ہیں کہ ہم نے سعد بن عبادہ رضؓ کی کتاب میں لکھا ہوا پایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گواہ اور مدّعی کے حلف کی بُنیاد پر فیصلہ دیا ہے۔

---

۱ سنن ابن ماجہ جلد ۲ صـ ۲۹۳ ، صحیح مسلم جلد ۱۲ صـ ۴ ، سنن ابی داؤد۔ جلد ۳ صـ ۲۴۱ ۲ سنن ماجہ جلد ۲ صـ ۹۳ دارقطنی جلد ۴ صـ ۲۱۴ سنن ترمذی جلد ۲ صـ ۲۸ ۳ مسند الامام احمد بحوالہ نیل الاوطار جلد ۸ صـ ۲۹۲
۴ سنن ترمذی مع تحفۃ الاحوذی جلد ۲ صـ ۲۸ ، سنن دارقطنی جلد ۴ صـ ۲۱۴ ۵ سنن ترمذی جلد ۲ صـ ۲۸۱ سنن الدارقطنی جلد ۴ صـ ۲۱۲ ۶ سنن ابی داؤد جلد ۳ صـ ۳۴۲ سنن ترمذی جلد ۲ صـ ۲۸ ابن ماجہ جلد ۲ صـ ۹۳ ، سنن دارقطنی جلد ۴ صـ ۲۱۳
۷ سنن ابن ماجہ جلد ۲ صـ ۲۹۳ بیہقی جلد ۱۰ صـ ۱۷۲ ۸ سنن بیہقی جلد ۱۰ صـ ۱۷۲ ، طحاوی جلد ۴ صـ ۱۴۴ ۹ نیل الاوطار جلد ۸ صـ ۲۹۴ ۱۰ سنن دارقطنی جلد ۴ صـ ۲۱۳ ۱۱ سنن دارقطنی جلد ۴ صـ ۲۱۳ سنن بیہقی جلد ۱۰ صـ ۱۷۲ ۱۲ تہذیب السنن لابن قیم جلد ۵ صـ ۲۳ بحوالہ المعجم الصغیر طبرانی ۱۳ ۱۴ نیل الاوطار جلد ۸ صـ ۲۹۵
۱۵ ۱۶ تہذیب السنن جلد ۵ صـ ۲۳ بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ ۱۷ سنن بیہقی جلد ۱ صـ ۱۷۱
۱۸ سنن بیہقی جلد ۱۰ صـ ۱۷۱ ۱۹ نیل الاوطار جلد ۸ صـ ۲۹۵ ۲۰ نیل الاوطار جلد ۸ صـ ۲۹۵ ۲۱ نیل الاوطار جلد ۸ صـ ۲۹۵
۲۲ نیل الاوطار جلد ۸ صـ ۲۹۵ ۲۳ علامہ ابن جوزی رحؒ فرماتے ہیں کہ ایک گواہ اور مدعی کے حلف والی حدیث بیس صحابہ نے روایت کی ہے۔ نیل الاوطار للشوکانی جلد ۸ صـ ۲۹۴

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابن وہب روایت کرتے ہیں کہ سعید بن عمرو بن شرحبیل رحؒ نے کہا کہ ہم نے اپنے اکابر کی کتاب میں لکھا ہوا پایا ہے کہ عمرو بن حزم اور مغیرہ بن شعبہ رضؓ روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ دو آدمی ایک جھگڑا لے کر آئے ان میں سے ایک کے پاس ایک گواہ تھا چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدعی سے حلف لے کر اس کے گواہ کی بنیاد پر فیصلہ دے دیا۔

امام شافعی رحؒ سعید بن المسیبؒ سے مرسلاً روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صؐ نے ایک گواہ اور مدعی کے حلف پر فیصلہ دیا ہے۔

امام شافعی رحؒ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدّہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مدعی کا ایک گواہ آجائے تو اسکی گواہی کیساتھ مدعی سے حلف لیا جائے گا۔

ابن وہبؒ حضرت زید بن ثابت رضؓ سے نقل کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گواہ اور مدعی کے حلف کی بنیاد پر فیصلہ کیا۔

ابن وہبؒ حضرت سُرّق رضؓ کی حدیث نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گواہ اور مدعی کے حلف کی بنا پر فیصلہ دیا۔

بیہقی رحؒ امام جعفر صادق رحؒ اور امام محمد باقر رحؒ کے حوالے سے حضرت علی رضؓ کی ایک حدیث نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکرؓ اور عثمان رضؓ ایک گواہ اور مدعی کے حلف کی بنیاد پر فیصلے کیا کرتے تھے۔

امام جعفر صادق رحؒ فرماتے ہیں کہ اسوقت سے لیکر آجتک قاضی صاحبان اسی منہج پر مقدموں کے فیصلے کرتے چلے آرہے ہیں۔

ابوالزناد رحؒ عبداللہ بن عامرؒ سے روایت کرتے ہیں کہ ابوبکر رضؓ عمر رضؓ اور عثمان رضی اللہ عنہم اسی منہج پر فیصلے کیا کرتے تھے۔

زنجی رحؒ کہتے ہیں کہ امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا

"میں نے حکم بن عتبہ کو اپنے باپ سے سوال کرتے ہوئے سُنا ہے اور میرے والد محترم اس وقت قبر کی دیوار (یعنی روضہ نبویؐ کی دیوار) پر ہاتھ سے ٹیک لگائے کھڑے تھے۔

"کیا واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گواہ اور مدعی کے حلف کی بنیاد پر فیصلہ کیا ہے؟"

امام محمد باقر رحؒ نے جواب دیا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"جی ہاں! حضرت علی رضؓ نے تمہارے سامنے تم لوگوں کی موجودگی میں اس منہج پر فیصلے کئے ہیں۔"

امام شافعی رحؒ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے کوفہ کے گورنر کو لکھا کہ وہ ایک گواہ اور مدعی کے حلف کی بنیاد پر فیصلے کر دیا کرے کیونکہ سنّت یہی ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"گواہ کے ساتھ مدعی کا حلف کسی اعتبار سے بھی ظاہر قرآن کے خلاف نہیں کیونکہ ہم دو مردوں کی شہادت یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت پر فیصلے کرتے ہیں اب اگر ایک ہی گواہ مہیّا ہو سکے تو ہم اس گواہ اور مدعی کی قسم کی بنیاد پر فیصلہ دیں گے اور یہ ظاہر قرآن کے ہرگز خلاف نہیں۔ کیونکہ قرآن مجید میں جو چیز منصوص ہے اس سے ہرگز یہ مراد نہیں کہ منصوص علیہ تعداد سے کم گواہ ناقابل قبول ہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اللہ تعالےٰ کی منشاء و مراد کا سب سے زیادہ فہم رکھتے ہیں اور اللہ تعالےٰ ہی نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم آپؐ کی اتباع کریں۔"

میں (ابن قیم) کہتا ہوں کہ قرآن مجید میں کوئی ایسا قرینہ موجود نہیں جو یہ تقاضا کرتا ہو کہ دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت سے کم تر بنیاد پر فیصلہ کیا ہی نہیں جا سکتا۔ دراصل یہ تو اللہ تعالےٰ نے اصحاب حقوق کو حکم دیا ہے کہ وہ شہادت کے اس نصاب کے ذریعے اپنے حقوق کی حفاظت کریں حکام کو تو یہ حکم دیا ہی نہیں کہ وہ صرف اسی منہج پر فیصلے کیا کریں۔ کجا یہ کہ ان کو اس بات کا پابند کر دیا گیا ہو کہ وہ دو گواہوں کی گواہی کے علاوہ کسی اور بنیاد پر فیصلے کیا ہی نہ کریں۔

یہی وجہ ہے کہ جج صاحبان انکار حالف، ردِ حلف ایک عورت کی شہادت اور صرف عورتوں کی شہادت کی بنیاد پر جبکہ انکے ساتھ کوئی مرد نہو۔ نیز اینٹوں کے رخ اور رسیوں کی گرہوں کی مدد سے بھی فیصلہ کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی بہت سے مناہج ہیں جو ایک جج کو مقدمات میں فیصلہ کرنے میں مدد دے سکتے ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ملتا اب اگر ان حضرات کے زعم کے مطابق ایک شاھد اور مدعی کے حلف کی بنیاد پر فیصلہ کرنا قرآن کے خلاف ہے تو مندرجہ بالا طریقے بدرجہ اولیٰ قرآن کے خلاف ہیں۔ اگر آپ کہتے ہیں کہ ان مذکورہ طریقوں میں کوئی ایسی چیز نہیں جو کتاب اللہ کی مخالفت کرتی ہو تو ہم کہتے ہیں کہ ایک شاھد اور مدعی کے حلف کے اصول میں بھی کوئی ایسی علت نہیں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جو قرآن مجید کے خلاف ہو۔

فیصلہ کرنے کا طریقہ و منہاج اور حقوق کی حفاظت دو مختلف چیزیں ہیں۔ ان دونوں میں کوئی تلازم نہیں۔ حقوق بسا اوقات ان طریقوں سے محفوظ ہو جاتے ہیں جن کے مطابق قاضی اور حاکم فیصلہ نہیں کرتا۔ مگر صاحب حق جانتا ہے کہ اس طریقہ سے اسکا حق محفوظ ہو جائیگا۔ حکام بعض اوقات ایسے اصولوں کے مطابق فیصلہ کر سکتے ہیں جن کے ذریعے صاحب حق اپنا حق محفوظ نہیں کر سکتا اور نہ وہ اسکے متعلق سوچ سکتا ہے۔ مثلاً انکارِ حلف اور ردِّ حلف وغیرہ۔

ایک گواہ اور مدعی کے حلف پر فیصلے کا اصول تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو خود بتایا ہے۔ چنانچہ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّآ اَنۡزَلۡنَآ اِلَیۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَقِّ لِتَحۡكُمَ بَیۡنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ۔ (النساء ۱۰۵)	ہم نے تیری طرف حق کے ساتھ کتاب نازل کی ہے تاکہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تجھے دکھایا ہے تو اسکے مطابق لوگوں میں فیصلہ کرے۔

تعجب ہے کہ یہ لوگ ایک گواہ اور مدعی کے حلف کو تو ناقابل اعتبار ٹھہرا دیتے ہیں اور محض انکارِ حلف کی بنیاد پر جو سکوت کی ایک قسم ہے فیصلے کرتے ہیں۔ حالانکہ سکوت اختیار کرنیوالے کے "سکوت" کو قول نہیں کہا جا سکتا۔

کسی باغ کی ملکیت کے مدعی کے حق میں محض اس بناء پر فیصلہ کر دیتے ہیں کہ باغ میں داخل ہونے اور نکلنے کا راستہ اسکی طرف ہے۔ انکے نزدیک اینٹوں کے رخ اور رسّی کی گرہوں کی بنیاد پر فیصلہ بھی درست ہے، جیسا کہ قاضی ابو یوسف رح کا مذہب ہے۔

کیا یہ چیزیں ایک گواہ جسکی عدالت روز روشن کیطرح واضح ہے جسکی گواہی سے علم یقینی کے حصول کا امکان ہے۔ مقابلہ کر سکتی ہیں۔؟ خاص طور پر جبکہ ایسے گواہ کی گواہی کے ساتھ مدعی حلف بھی دے رہا ہے۔

مجرّد عقد نکاح کی بناء پر نسب کیسے صحیح ہو سکتا ہے جبکہ یہ چیز ہمیں قطعی طور پر معلوم ہے کہ مرد اور عورت ایک دوسرے سے ملے ہی نہیں؟ اور کیا یہ فیصلہ ایک گواہ اور مدعی کے حلف کی بنیاد پر فیصلے کا مقابلہ کر سکتا ہے۔؟

دو مجہول الحال گواہوں کی شہادت پر فیصلہ کرنا کہاں کا انصاف ہے، جنکے حالات سے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قاضی واقف نہیں۔ یہ دو مجہول الحال گواہ ایک معروف عادل اور ثقہ گواہ اور اسکے ساتھ مدعی کے حلف کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔

یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ایک طرف تو دیوار کے جھگڑے میں مدعی کے حق میں صرف اس وجہ سے فیصلہ کر دیا جائے کہ لکڑی کے چند شہتیر اسکے موقف کو صحیح ثابت کرتے ہیں مگر ایک گواہ اور مدعی کے حلف کو ٹھکرا دیا جائے۔ علم ہونا چاہئیے کہ ایک ثقہ گواہ اور مدعی کا حلف دلالت اور ثبوت کے اعتبار سے درخت کے ان تنوں سے قوی ہیں۔ پس اگر مدعی کا پڑوسی ایک گواہ پیش کر دے اور اس پر حلف اٹھائے تو درخت کے تنوں کی گواہی سے یہ گواہی زیادہ قوی ہے۔

یہ ہر اُس شخص کا حال ہے جو سنتِ صحیحہ کی مخالفت کرتا ہے اور وہ بھی ایسی سنت کہ کوئی چیز اسکی معارض نہیں۔ وہ درحقیقت ایسا مسلک اختیار کرتا ہے جسکے متعلق اسے علم ہے کہ سنت کی دلیل اس سے زیادہ قوی ہے۔

ایک گواہ اور مدعی کے حلف کے اصول کو نا قابلِ اعتبار ٹھہرانے کے قول کو امام بخاری رح کی طرف منسوب کیا جاتا ہے کیونکہ انہوں نے "کتاب الشہادات" میں ایک باب باندھا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں " باب یمین المدعیٰ علیہ " (مدعا علیہ کے حلف کا باب) اور اس باب کے تحت رقم طراز ہیں۔

ابن شبرمہ رح کہتے ہیں کہ ابو الزناد رح کے ایک گواہ اور مدعی کے حلیف کے بارے میں میرے ساتھ تبادلہ خیال کیا۔ میں نے کہا اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِن رِّجَالِكُمْ	اور اپنے مردوں میں سے دو گواہ مقرر کر لو اگر
فَإِن لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ	دو مرد نہ ملیں تو جن کو تم پسند کرتے ہو ان میں سے
مِمَّن تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَن تَضِلَّ	ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنالو تاکہ اگر ان میں سے
إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَىٰ	ایک عورت بھول جائے تو دوسری اسکو یاد دلا دے

میں نے کہا جب ایک گواہ اور مدعی کے حلف پر اکتفا کیا جا سکتا ہے تب دو عورتوں کی گواہی کی کیا ضرورت ہے کہ ان میں سے ایک دوسری کو یاد دلاتی پھرے۔ یہاں دوسری کی یاد دہانی کا کیا فائدہ ؟

باب کا عنوان تو مدعا علیہ کے حلف کے متعلق ہے مگر نیچے مذکورہ مکالمہ منقول ہے گواہ اور حلف کے بارے میں کوئی حدیث نقل نہ کرنے سے بظاھر یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری رح

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا یہ مذہب نہیں ہے اور اس بات کی تصریح نہیں ملتی کہ ایک گواہ و مدعی کا حلف انکا مذہب ہے۔ اگر صریحاً ثابت ہوتا تو تب بھی انکی روایت حجت ہے انکی اپنی رائے حجت نہیں ہے
مذکورہ مکالمے کے مقام پر علامہ اسمٰعیلی رحمہ فرماتے ہیں۔

ابن شبرمہ رحمہ کے اس قول کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ دو عورتوں میں سے ایک کو یاددہانی کی ضرورت اس وقت پیش آئے گی جب وہ گواہی دیں گی۔ اگر وہ گواہی نہ دیں تو طالب حق کا حلف اس گواہی کے قائم مقام ہوگا کیونکہ یہ ثابت شدہ سنت ہے کہ حلف خواہ منفرد ہی کیوں نہو۔ ابراء اور ادا میں ثبوت کے مقام پر ہوتا ہے۔ یہاں استحقاق میں حلف ایک مرد یا دو عورتوں کی گواہی کے برابر ہے۔ اگر ابن شبرمہ رحمہ کے قول سے ایک گواہ اور مدعی کے حلف کے بارے میں ایک ثابت شدہ سنت کا اسقاط واجب لازم آتا ہے تو ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی بھی ساقط الاعتبار ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "شاهداك او يمينه (یا تو تم گواہ پیش کرو یا میں مدعا علیہ سے حلف لونگا) پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مردوں کی شہادت کی عدم موجودگی میں دو عورتوں کی شہادت کا مطالبہ کرنے کی بجائے فریقِ ثانی سے حلف کا مطالبہ کیا"۔ [۲]

میں (ابن قیم رحمہ) کہتا ہوں کہ اگر اللہ تعالےٰ کا ارشاد واستشهدوا شهيدين من رجالكم ایک گواہ اور مدعی کے حلف کے اصول کے خلاف ہے اور اس کے مطابق فیصلہ کرنے سے مانع ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد شاهداك او يمينه ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے متعارض اور اسکے مطابق فیصلہ کرنے سے مانع ہے ——— حالانکہ معاملہ درحقیقت یوں نہیں ہے۔ کتاب اللہ اور سنتِ رسول کے درمیان کسی صورت میں بھی اختلاف، تعارض اور تناقض واقع نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ کتاب و سنت دونوں اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ ارشاد فرماتا ہے

وَلَوْكَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا (النساء ۸۲) اگر یہ قرآن اللہ تعالےٰ کی بجائے کسی اور کیطرف سے ہوتا تو اس میں کثیر تناقض پاتے

---

[۱] صحیح بخاری جلد ۵ صنہ ۲۸ ۔ [۲] امام اسماعیلی رحمہ کی اس تنقیح کو علامہ ابن حجر رحمہ نے فتح الباری میں نقل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو فتح الباری جلد ۵ صنہ ۲۸۱ ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس باب میں صحیح ترین حدیث وہ ہے جو حضرت عبداللہ بن عباس رض کیواسطے سے نقل کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گواہ کی گواہی اور مدعی کی قسم کی بنیاد پر فیصلہ کیا ہے۔ اور اس حدیث کے متعلق الدّوریؒ حضرت یحییٰ رح سے نقل کرتے ہیں کہ یہ حدیث محفوظ نہیں ہے۔

اسکا جواب اس کے علاوہ اور کیا ہوسکتا ہے کہ یہ اعتراض قابل التفات نہیں ابو عبداللہ حاکم رح کہتے ہیں کہ ہمارے شیخ ابو زکریا رح فرماتے ہیں۔ کہ یحییٰ کے اس تبصرے کا اطلاق سیف بن سلیمان عن قیس بن سعد عن عمرو بن دینار عن ابن عباس کی سند سے کی گئی روایت کی گئی حدیث پر نہیں ہوتا۔ نیز اس کا اطلاق اس سند پر بھی نہیں ہوتا جسمیں ابراہیم بن محمدؒ امام ابن ابی ذئبؒ سے روایت کرنے میں منفرد ہیں۔ سیف بن سلیمانؒ والی حدیث میں کوئی جرح نہیں اور نہ ہمیں اس میں کسی ایسی علّت کا علم ہے جو اسکی صحت میں قادح ہو۔

حضرت یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ کا علمی مرتبہ اتنا بلند ہے کہ انکے متعلق یہ گمان نہیں کیا جاسکتا کہ وہ ایسی حدیث کو ضعیف قرار دینگے جنکو ثقہ اور قابل اعتماد راوی نے بیان کیا ہو۔ علی بن المدینی رح فرماتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن سعیدؒ سے سیف بن سلیمانؒ کے متعلق پوچھا تو انہوںؒ نے فرمایا۔

سیف بن سلیمانؒ ہمارے نزدیک ان تمام لوگوں میں سب سے زیادہ معتمد ہیں جن کی احادیث یاد کی جاتی ہیں۔ اور قابل تصدیق ہیں۔[1]

علامہ ابوبکر رح[2] الشافی میں باب قضاء القاضی بالشاھد والیمین کے تحت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرد کی گواہی اور صاحب حق کے حلف پر فیصلہ دیا۔ اور اسکے مطابق حضرت علی رض عراق میں فیصلے کیا کرتے تھے۔ اس کے بعد علامہ ابوبکر رح علامہ حنبل رح کی روایت نقل کرتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل رح سے سنا ہے انہوں نے فرمایا "گواہ اور حلف پر فیصلے کرنا جائز ہے"۔

---

[1] میزان الاعتدال للذہبی جلد ۲ صفحہ ۲۵۵ [2] ابوبکر عبدالعزیز بن جعفر غلام الخلال رح "الشافی" "التنبیہ" "المقنع" اور "زاد المسافر" جیسی گرانقدر کتابوں کے مصنف ہیں۔ مذہب امام احمد رح میں سند کا درجہ رکھتے ہیں۔ ۳۶۳ھ میں وفات پائی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام احمد رحمہ سے پوچھا گیا ہے "حلف کے کیا معنی ہیں"؟ انہوں نے جواب دیا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گواہ اور مدعی کے حلف پر فیصلہ دیا ہے"۔

امام احمد بن حنبل رحمہ فرماتے ہیں وہ خود شاید بہت سے مواقع پر کسی شاہد کی شہادت کے بغیر بھی فیصلہ کرتے ہوں مثلاً ایک شخص ایک مکان کرایہ پر لیتا ہے صاحب مکان مکان کے اندر کوئی چیز دیکھتا ہے اور اس پر اپنی ملکیت کا دعوٰے کرتا ہے اور رہائش پذیر کرایہ دار اسی پر اپنی ملکیت کا دعوٰے کرتا ہے مثلاً ایک شخص ایک مکان کرایہ پر لیتا ہے۔ اس مکان میں سے دفینہ نکل آتا ہے۔ اس دفینہ پر اپنی ملکیت کا دعوے کرتا ہے اور مکان کا مالک کہتا ہے کہ یہ دفینہ اسکا ہے۔ ان سے پوچھا گیا کہ اس دفینہ کا مالک کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا۔ تمام دفینہ صاحب مکان کا ہے۔

ابوطالب رحمہ نقل کرتے ہیں کہ امام احمد رحمہ سے جب ایک گواہ اور مدعی کے حلف کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے جواب میں فرمایا

وہ لوگ ایک گواہ اور مدعی کے حلف کو تو جائز قرار نہیں دیتے مگر صرف ایک عورت کی شہادت کو قبول کر لیتے ہیں۔ بلکہ بسا اوقات شہادت کے بغیر بھی فیصلے کرتے ہیں۔

میں نے عرض کی اسکی کون سی مثال ہے

انہوں نے جواب دیا اسکی مثال وہ جھونپڑی ہے جسکی ملکیت کے دو دعویدار ہیں۔ یہ حضرات جھونپڑی ان دونوں میں سے اسکو دیتے ہیں جسکی گرہیں جھونپڑی کی گرہوں سے مشابہت رکھتی ہیں۔ سلف میں سے کس نے اسطرح فیصلہ کیا ہے؟ دوسری مثال دیوار کے جھگڑے کی ہے۔ اس دیوار پر دو پڑوسیوں کا دعوٰے ہے۔ ان حضرات نے صرف اینٹوں کے رُخ کو دیکھ کر دونوں میں سے کسی ایک کے حق میں فیصلہ دیا ہے۔ آخر انہوں نے یہ فیصلہ بغیر کسی گواہی کے دیا ہے۔

---

۵۱ حنبل بن اسحاق بن حنبل رحمہ امام احمد بن حنبل رحمہ کے بھتیجے۔ امام احمد رحمہ کے مذہب کے ثقہ راوی ہیں۔ امام احمد رحمہ سے مسند کی مکمل سماعت کی۔ ۲۷۳ھ میں وفات پائی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تیسری مثال یہ ہے کہ ایک گھر میں گوبر وغیرہ کا ڈھیر پڑا ہوا ہے۔ مالک مکان کرایہ دار سے کہتا ہے کہ جب اس نے یہ مکان کرائے پر دیا تھا۔ اس وقت گوبر کا ڈھیر نہ تھا مگر کرایہ دار اس بات پر مصر ہے کہ ڈھیر موجود تھا یہاں بھی بغیر کسی گواہ کے فیصلہ کرنا ہو گا۔

چوتھی مثال دایہ کی ہے۔ یہ حضرات نومولود کی زندگی کے بارے میں دایہ کی شہادت کو تسلیم کرتے ہیں۔ —— یہ تمام مثالیں اُنکے خلاف دلیل ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آٹھواں ضابطہ

گواہ کے پھر جانے پر مدعی کا حلف

جب ایک گواہ اور مدعی کے حلف کی بنیاد پر فیصلہ کیا جاتا ہے تو یہ فیصلہ دراصل شہادت ہی کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ حلف تو صرف شہادت کی تقویت کیلئے ہوتا ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے یہی رائے منصوص ہے۔ [1]

اگر شاہد اپنی شہادت سے پھر جائے۔ مالی ضمان وغیرہ اسی کے ذمہ ہوگا۔ [2] علامہ خلال رحمہ اللہ [3] "کتاب الجامع الکبیر" میں رقمطراز ہیں۔

جج جب ایک گواہ اور مدعی کے حلف کی بنیاد پر فیصلہ کر دے۔ اور اس کے بعد گواہ اپنی گواہی سے پھر جائے۔ اس بارے میں ابن مشیش رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ امام احمد رحمہ اللہ سے ایک گواہ اور مدعی کے حلف کے بارے میں سوال کیا گیا کہ آپ اسکے مطابق فتویٰ دیتے ہیں؟

انہوں نے جواب دیا۔ "ہاں"

ان سے پوچھا گیا۔ "اگر گواہ اپنی گواہی سے پھر جائے"؟

انہوں نے فرمایا۔ "تمام مالی نقصان اور تاوان گواہ کے ذمے پڑے گا۔" [4]

---

[1] و [2] المغنی جلد ۱۰ صـ ۳۱۸ [3] علامہ ابوبکر احمد بن محمد بن ہارون الخلال رحمہ اللہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے خاص شاگردوں میں شمار ہوتے ہیں۔ انہوں نے امام احمد رحمہ اللہ کی فقہی آراء کو جمع کرنے اور انکے فتاویٰ کو مدوّن کرنے کا کارنامہ سر انجام دیا۔ امام احمد رحمہ اللہ کی نصوص اور فتاویٰ کو "الجامع الکبیر" کے نام سے مدوّن کیا۔ سنہ ۳۱۱ھ میں وفات پائی۔

[4] المغنی جلد ۱۰ صـ ۳۱۸

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عرض کی گئی۔ یہ مالی ضمان آخر طالب حق پر کیوں نہیں وہ بھی تو اپنے حلف کی وجہ سے مستحق ہے۔ اسکا حلف اور گواہ دونوں مل کر دو گواہوں کے قائم مقام نہیں "؟

امام صاحبؒ نے فرمایا "نہیں! یہ سُنّت ہے" یعنی حلف

علامہ اثرم رحمۃ اللہ علیہ[۱] کہتے ہیں۔ میں نے ابوعبداللہ (امام احمدؒ بن حنبل) سے سُنا ہے ان سے ایک ایسے شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس پر دو گواہوں نے شہادت دی تھی۔ پھر ان دو گواہوں میں سے ایک گواہ اپنی گواہی سے پھر گیا۔

امام احمدؒ نے فرمایا۔ ضمان پھرنے والے گواہ کے ذمے ہوگا اور فیصلہ واپس لے لیا جائے گا۔

جناب امامؒ سے سوال کیا گیا۔ اگر فیصلہ ایک گواہ اور مدعی کے حلف کی بنیاد پر کیا گیا ہو اور پھر گواہ اپنی گواہی سے رجوع کرے تو؟"

انہوںؒ نے جواب دیا "اگر مقدمہ کسی تلف اور نقصان وغیرہ کا ہے تو اس میں مالی ضمان گواہ پر عائد ہوگا کیونکہ اسی کی گواہی نے تو یہ ضمان مدعا علیہ کے ذمہ ثابت کیا تھا۔ حلف شہادت کے مقام پر نہیں ہے۔"

ابوالحارثؒ کہتے ہیں "میں نے امام احمدؒ سے سوال کیا کہ اگر گواہ گواہی دینے کے بعد اپنی گواہی سے پھر جائے؟"

جناب امامؒ نے فرمایا "تمام مالی ضمان گواہ پر عائد کیا جائیگا۔ کیونکہ فیصلہ اسی کی گواہی کی بنیاد پر ہوا تھا"

ابن مشیشؒ روایت کرتے ہیں "میں نے ابوعبداللہؒ سے پوچھا ایک گواہ کی گواہی اور مدعی کے حلف کی بنا پر جب مدعی کا حق ثابت ہو جائے اور اس کے بعد گواہ اپنی گواہی سے پھر جائے؟"

انہوںؒ نے جواب میں فرمایا "اگر گواہ دو ہوں اور ان میں سے ایک پھر جائے تو اس پر نصف ضمان عائد ہوگا۔ اور اگر فیصلے کی بنیاد ایک گواہ اور مدعی کا حلف تھا۔ تب اس

---

[۱] ابوبکر احمد بن محمد الاثرم رحؒ اپنے عالیمقام استاد امام احمدؒ کا سا زھد اور تقویٰ رکھتے تھے۔ انہیں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے بےحد عقیدت تھی۔ انہوں نے امام احمدؒ کی فقہی آراء کو جمع کیا۔ انہوں نے امام احمدؒ کی فقہ کے ساتھ ساتھ بہت سی احادیث بھی روایت کی ہیں۔ علامہ ابن حجرؒ کے مطابق ۲۶۱ھ میں وفات پائی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صورت میں تمام تاوان اس پھرنے والے گواہ کے ذمے ڈالا جائے گا"

میں نے عرض کی "تمام مال کا تاوان؟"

انہوں نے فرمایا "ہاں!"

یعقوب بن بختان رح کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل رح سے سوال کیا کہ ایک مدعی ایک گواہ کی گواہی اور اپنے حلف سے اپنا حق ثابت کر دیتا ہے اسکے بعد گواہ اپنی گواہی سے پھر جاتا ہے تو ایسی صورت میں کیا کیا جائے گا؟"

امام صاحب رح نے فرمایا "مال لوٹایا جائے گا"

میں نے عرض کی۔ "حلف کی کیا دلیل ہے؟"

فرمایا "رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیصلہ"

احمد بن قاسم رح روایت کرتے ہیں میں نے ابو عبداللہ رح سے پوچھا کہ اگر گواہ اپنی گواہی سے پھر جائے تو اس پر کیا تاوان ہوگا؟

انہوں رح نے جواب دیا "تمام تاوان گواہ کے ذمے ہوگا۔ کیونکہ اسی کی شہادت کی بنا پر فیصلہ ہوا تھا۔"

پھر امام احمد رح نے پوچھا مجھ سے پوچھا۔ اس بارے میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی کیا رائے ہے؟"

میں نے عرض کی۔ "مجھے یاد نہیں"

پھر اس مجلس کے بعد میں نے انکو امام مالک رح کی رائے کے متعلق بتایا کہ اگر گواہ اپنی گواہی سے پھر جائے تو اس پر نصف ضمان عائد ہوگا کیونکہ فیصلہ دو چیزوں کی بنیاد پر ہوا ہے۔ ایک شہادت اور ایک طالب حق کا حلف ـــــ اور میرا خیال ہے امام مالک رح نے اپنے اس قول سے رجوع نہیں کیا۔

امام شافعی رح کی رائے بھی امام مالک رح کے قول کی طرح اسی بنیاد پر ہے کہ مدعی کا حلف ایک گواہ کے قائم مقام ہوتا ہے۔ بنا بریں ان دونوں کی بنیاد پر فیصلہ کیا جاتا ہے مگر امام احمد بن حنبل رح حلف کو گواہ کے قائم مقام تسلیم نہیں کرتے درج ذیل وجوہ سے امام احمد رح کے موقف کی تائید ہوتی ہے۔ [1]

ا۔ گواہ دعویٰ کی حجت ہے۔ لہذا وہ ضمان میں منفرد ہے۔

---

[1] المغنی جلد ۱۰ ص ۳۱

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲۔ حلف درحقیقت مقدمے کے ایک فریق کا قول ہے۔ یہ قول فریق ثانی پر حجت نہیں ہو سکتا۔ یہ حلف تو فیصلے کیلئے محض ایک شرط کا حکم رکھتا ہے لہٰذا یہ فیصلے کے مطابق مطالبے کا قائم مقام ہے۔

۳۔ اگر حلف کو حجت قرار دیں۔ تب بھی یہ ایک گواہ کی موجودگی کیوجہ سے حجت ہوگا۔

۴۔ اگر حلف گواہ کی شہادت کے قائم مقام ہوتا تو اسکو دوسرے گواہ کی شہادت پر مقدم کرنا جائز ہوتا۔ اس بارے میں ہمارے اور شوافع کے دو قول ہیں۔

قاضی رح[1] التعلیق میں رقم طراز ہیں

فریق مخالف ایک گواہ اور مدعی کے حلف کے رد میں دلیل دیتا ہے اگر مدعی کا حلف دوسرے گواہ کے قائم مقام ہوتا تو اس کے حلف کو گواہ پر مقدم کرنا جائز ہوتا۔ گویا مدعی کے پاس دو گواہ ہیں۔ ان میں سے جسکو چاہے پہلے پیش کر دے۔

قاضی ابو یعلیٰ رح کہتے ہیں ہم یہ نہیں کہتے کہ مدعی کا حلف دوسرے گواہ کے قائم مقام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم ضمان گواہ کے ذمّے عائد کرتے ہیں ہم محض احتیاط کے طور پر مدعی سے حلف لیتے ہیں

قاضی ابو یعلیٰ رح کہتے ہیں۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ہم نے جو مسلک اختیار کیا ہے اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایک گواہ کی گواہی کی بنا پر فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ تو اسکا جواب یہ ہے کہ ایسا ہونا ناممکن نہیں۔ آخر فریق مخالف بھی تو رویت ہلال میں ایک گواہ کی شہادت کا اعتبار کرتا ہے۔ اسی طرح یہ حضرات رح دایہ کی تنہا شہادت کو قبول کرتے ہیں۔ یہاں بھی ضرورت کے تحت صرف ایک گواہ کافی ہے۔ کیونکہ ایسے معاملات تو کثرت سے پے درپے ہوتے ہیں ہمیشہ دو گواہوں کا میسّر ہونا لازمی نہیں۔

قاضی ابو یعلےٰ کہتے ہیں کہ "حلف کو گواہ کی گواہی پر مقدم کرنے کے عدم جواز کے

---

[1] حنابلہ میں "القاضی" علی الاطلاق قاضی ابو یعلیٰ محمد بن الحسین الفراء کو کہا جاتا ہے۔ رح

(المدخل الی لمذہب الامام احمد بن حنبل ص ۲۰۹)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

متعلق امام احمد بن حنبل رح سے کوئی روایت منقول نہیں "

قاضی ابو یعلےٰ کہتے ہیں احتمال یہ ہے کہ ہم تقدیم حلف کو جائز قرار دیں اور اسکے بعد شہادت کی سماعت ہو۔ یہ حضرت ابو ھریرہ رض کا قول ہے۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ شہادت پر تقدیم حلف جائز نہیں اور ابو الحارث کی روایت کے مطابق امام احمدؒ کے کلام سے یہی ظاھر ہوتا ہے۔ اس روایت میں منقول ہے جب گواہ کی شہادت ثابت ہو جائے تب مدعی سے حلف لیا جائے۔ پس امام صاحبؒ نے حلف کو شہادت کے بعد ثابت کیا ہے۔ کیونکہ حلف تو درحقیقت فریقین میں سے اس فریق کا حق ہوتا ہے جسکا موقف زیادہ قوی ہو۔ گواہ کی وجہ سے یہ حلف مدعی کو اٹھانا ہوگا۔ نیز حلف تو وہاں بھی مترتب ہو سکتا ہے جہاں شہادت مترتب نہیں ہوتی۔

پس حلف کی شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ شہادت کو مقدم رکھا جائے۔ اور اس معنیٰ کا اعتبار دو گواہوں میں نہیں ہوتا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نواں ضابطہ

دو گواہ اور مُدعی کا حلف

وہ مقدمات جن میں دو گواہوں اور مُدعی کے حلف کی بنیاد پر فیصلہ کیا جاتا ہے۔ مندرجہ ذیل ہیں۔

مالی جھگڑے، مال سے متعلق معاملات مثلاً خرید و فروخت اور اس کے توابع جیسے فروخت کے لئے جانے والے مال میں بعض اوصاف کی شرط، غیر ملکی نقدی کی شرط، اجارہ، مزدوری، مساقات، مضاربت، شراکت اور ہبہ وغیرہ ہیں۔ صاحبِ "محرّر" نے کسی معیّن آدمی کے لئے وصیّت اور وقف وغیرہ کو بھی اس میں شامل کیا ہے۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اگر وصیّت اور وقف میں جہتِ عام مقصود ہو۔ جیسے فقرا و مساکین تو اس میں مدعا علیہ کی طرف سے امکانِ حلف کی وجہ سے ایک گواہ اور مدعی کا حلف کافی نہیں۔ اگر جہت مطلق ہو تو پھر حلف ممکن نہیں، اگر ان میں سے کسی دُوسری طرف منتقل نہ ہو گا۔ اِسی طرح اگر ایک جماعت نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ فلاں شخص کے ذمے جو قرض ہے وراثتہً ہم اس کے مستحق ہیں۔ اگر ان کے دعویٰ کی تائید میں ایک گواہ موجود ہو تو وہ اس کی گواہی پر اُس شخص سے اُس وقت تک قرض وصُول نہیں کر سکتے۔ جب تک کہ وہ سب حلف نہ اُٹھائیں۔ ان میں سے جو حلف اُٹھائے گا وہ اپنا حصّہ وصُول کرنے کا مستحق ہو گا۔ ورثاء میں سے کوئی دُوسرا شخص اس حصّے میں شریک ہونے کا مجاز نہ ہو گا۔ جو حلف نہ اُٹھائیگا اپنا حق وصُول کرنے کا حق دار نہ ہو گا۔

اسی طرح وصیّت اور وقف کے مقدمات میں اگر تمام مدعیوں سے حلف لینا ممکن ہو۔ مثلاً کوئی چیز کسی مخصوص محلہ کے فقراء و مساکین پر وقف کی گئی ہے اور اُن سب کو اکٹھے کرنا آسان ہے تو اُن کے حق میں کی گئی وصیت اور وقف وغیرہ ایک گواہ اور اُن کے حلف کی بنیاد پر ثابت ہو جائے گی اور اگر وقف اُن کے بعد آنے والے فقراء و مساکین کی طرف بھی منتقل ہوتا ہو تو اُن کے ثبوت کے باعث کوئی چیز اُن کی طرف اس انتقال سے مانع نہ ہو گی۔

مثال : کوئی چیز زید پر وقف کی گئی ہے اور زید کے بعد دیگر فقراء اور اس کے بعد اسی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ثبوت کی بُنیاد پر دیگر فقرا و مساکین کی طرف منتقل ہو جائے گا کیونکہ احکام میں ایک چیز کو دُوسری کے تابع کر دینا ثابت شدہ امر ہے اور اُن میں وہ گنجائش ہوتی ہے جو کہ اصل مقاصد میں نہیں ہوتی۔ اور شواہد مشہور و معروف ہیں۔

ایک گواہ اور مُدعی سے حلف کی بُنیاد پر جو دعوے ثابت ہوتے ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

غصب شدہ مال، مستعار دی ہوئی اشیاء، امانت، صلح، مال کا اقرار، یا ایسا قول و فعل جو وجُوبِ مال کا باعث ہو، حوالگی قرض، شفعہ کا مطالبہ، اسقاطِ قرض، مہر، عوضِ خلع، مجہُول النسب شخص کی غلامی کا دعویٰ اور مہر کا تقرر وغیرہ۔

جنایاتِ مالیہ کے مقدمات[1]

یہ وہ جنایات ہیں جو موجب مال ہیں۔ مثلاً قتل خطا یا ایسی جنایاتِ عمد جن میں قصاص وغیرہ نہیں۔ مثلاً سر کی ہڈی توڑنے والا زخم، گدی کی چوٹ، جوف کی گہرائی تک پہنچنے والا زخم، مسلمان کا کسی کافر کو قتل کر دینا۔ کسی آزاد مسلمان کا کسی غلام کو قتل کر دینا۔ کسی پاگل یا بچے کا کسی کو قتل کر دینا۔ غلام کی آزادی، مال کی وکالت اور اس پر وصیت جنگ میں استحقاق سلب کے لئے کسی کافر کے قتل کا دعویٰ یا کسی جنگی قیدی کا یہ دعویٰ کہ وہ قید ہونے سے پہلے مسلمان ہو چکا تھا مذکورہ بالا جنایات میں امام احمدؒ سے دو قول مروی ہیں۔

اوّل: مُدعی کا دعویٰ ایک گواہ اور مُدعی کے حلف یا ایک مرد اور دو عورتیں کی گواہی سے ثابت ہو جائے گا۔

ثانی: مدعی کا دعویٰ دو مردوں کی گواہی کے بغیر ثابت نہ ہو گا۔ نیز حلف اُٹھانے والے کیلئے مُسلمان ہونا ضروری نہیں۔ بلکہ حلف اُٹھانے والے کے کفر کے باوجُود اُس کے حلف کو قبول کیا جائے گا۔ بالکل ایسے ہی جیسے اگر وہ مدعا علیہ ہوتا تو اس کے حلف کو قبول کر لیا جاتا۔

ابو الحارثؒ روایت کرتے ہیں کہ امام احمدؒ سے پُوچھا گیا کہ فاسق یا غلام کی شہادت کے ساتھ اُن کا حلف قبول کر لیا جائے گا۔؟

امام صاحب نے فرمایا "ہاں! میں اس سے حلف لے کر اس کا دعویٰ قبول کر لوں گا۔"

میں نے عرض کی "اگر گواہ عادل ہو مگر مُدعی عادل نہ ہو تب"؟

---

[1] جنایت سے مراد ایسا فعل محظور ہے جو خود فاعل یا کسی دوسرے کو ضرر پہنچانے کا متضمن ہو جنایاتِ مالیہ سے قتل و جراحات کے ایسے مقدمات مراد ہیں جن میں قصاص نہیں لیا جاتا بلکہ دیت ادا کی جاتی ہے جیسے قتل خطا وغیرہ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آپؒ نے فرمایا: "مدعی غیر عادل ہو۔ عورت ہو، یہودی، نصرانی یا مجوسی ہو۔ اگر وہ ایک گواہ پیش کر دے تو اس کا حلف قبول کر لیا جائے گا۔ اور وہ چیز اُس کو دے دی جائے گی جس پر اس نے دعویٰ کیا تھا۔"

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا یہ شرط ضروری ہے کہ مُدعی اپنے گواہ کی صداقت کا حلف اُٹھائے مثلاً وہ اپنے حلف میں یہ بھی کہے کہ اس کا گواہ سچا ہے؟

امام احمدؒ کا صحیح اور مشہور مذہب یہی ہے کہ اِس شرط کو واجب ٹھہرانے والی دلیل کے عدم وجود کی بنا پر یہ شرط صحیح نہیں نیز مُدعی کا اپنے استحقاق کے ثبوت کے لئے حلف اُٹھانا۔ اُس کے گواہ کی صداقت پر دلالت کرتا ہے۔ البتہ امام احمد اور امام شافعی رحمہما اللہ کے بعض اصحاب مدعی پر یہ شرط لازم کرتے ہیں کہ وہ اپنے گواہ کی صداقت کا حلف بھی اُٹھائے۔ اُن کی دلیل یہ ہے کہ ایک گواہ ایک کمزور ثبوت ہے۔ بنابریں اس کو مدعی کے حلف کے ذریعے تقویت دی جاتی ہے۔ اس لئے گواہ کی شہادت کی صداقت کو بھی مُدعی کے حلف سے تقویت دی جانی چاہئے۔

امام احمدؒ اور امام شافعیؒ کے اصحاب کا منقولہ بالا قول بعض مقامات پر تو درست ہے اور بعض مقامات پر محلِ نظر ہے۔ مثلاً اگر جج خود تشکک اور ارتیاب میں مبتلا ہو اور دعویٰ میں گواہ کی شہادت صاف نہ ہو اور اس پر حق واضح نہ ہو رہا ہو تو اس صُورت میں گواہ کی صداقت کا حلف ثبوت کی تقویت کا باعث ہو گا۔ اگر معاملہ ایسا نہ ہو تو یہ شرط درست نہیں ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دسواں ضابطہ

گواہوں سے حلف لینا

امام ابو محمدؒ ابن حزم ابن وضاحؒ[1] اور قرطبہ کے قاضی محمد بن بشیرؒ کے متعلق روایت کرتے ہیں کہ وہ دونوں گواہوں سے حلف لیا کرتے تھے۔ محمد بن بشیر نے وراثت کے ایک مقدمے میں گواہوں سے حلف لیا کہ وہ جو کچھ گواہی دے رہے ہیں وہ بالکل حق ہے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں۔

"ابن وضاحؒ سے منقول ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ میری رائے یہ ہے کہ لوگوں کے کردار کی خرابی کے باعث اب یہ ضروری ہے کہ جج گواہوں سے حلف بھی لے"

یہ اصول بعید از قیاس نہیں، اللہ تعالیٰ نے یہ طریقہ مقرر کر دیا ہے کہ سفر کے دوران وصیت میں اگر گواہ غیر مسلم ہوں تو اُن سے حلف لیا جائے گا۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن عباس سے ثابت ہے کہ انہوں نے رضاعت کی گواہی دینے والی عورت سے حلف لیا تھا۔ امام احمد بن حنبلؒ سے بھی ایک روایت ایسی ہی منقول ہے۔

قاضی (ابو یعلیٰ) کہتے ہیں کہ اصولی طور پر ہمارے ہاں ان دو مقامات کے علاوہ کسی پر گواہ سے حلف لینا مشروع نہیں۔

ہمارے اُستاد شیخ الاسلام ابن تیمیہ قدس اللہ روحہ فرماتے ہیں"۔ ان دونوں مواقع پر کافر اور اکیلی عورت کی شہادت ضرورۃً قبول کی گئی ہے لہٰذا اسی پر قیاس کرتے ہوئے ایسی شہادت میں جو ضرورۃ قبول کی گئی ہو اس پر شاہد سے حلف بھی لیا جائے گا"

میں (ابن قیمؒ) کہتا ہوں کہ جب جج شک و ارتیاب کی صورت میں گواہوں کو علیحدہ کر سکتا ہے تو یہ بدرجہ اولیٰ صحیح ہے کہ وہ گواہوں کی صداقت مشکوک ہونے پر ان سے حلف اُٹھوا سکتا ہے۔

---

[1] ابو عبداللہ محمد بن وضاح قرطبہ کے رہنے والے بہت بڑے محدث تھے یحییٰ بن یحییٰ اللیثی جیسے محدثین سے حدیث سُنی۔ دو دفعہ حجاز کا سفر کیا۔ امام بقی بن مخلد کے ہمعصر تھے۔ امام بقی بن مخلد اور ان کی مساعی سے اندلس دارالحدیث بن گیا۔ ۲۸۹ھ میں وفات پائی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حلف کی اقسام

مطالبۂ حلف کی تین اقسام ہیں۔

۱۔ مُدعی سے حلف لینا۔ ۲۔ مدعا علیہ سے حلف لینا۔ ۳۔ گواہ سے حلف لینا۔

مُدعی سے حلف لینا

مُدعی سے حلف لینے کی بھی متعدد اقسام ہیں۔

اول: قسامہ کے باب میں مُدعی سے حلف لینا۔ پھر اس کی دو قسمیں ہیں

قسامۂ خون: اس ضمن میں سُنّت کی دلالت یہ ہے کہ پہلے مُدعیوں سے حلف کا مطالبہ کیا جائے گا اور اُن کے حلف کی بنیاد پر قصاص کا فیصلہ کیا جائے گا۔ یہ امام مالکؒ کا مذہب ہے اور ایک روایت کے مُطابق امام احمد بن حنبلؒ کی رائے بھی یہی ہے۔ یہ بہت مشہور اختلافی اور نزاعی مسئلہ ہے۔

قسامہ مال: خصومات مالیہ میں مؤقف کی مضبوطی کے باعث حلف لینے پر قرآن دلالت کرتا ہے۔ ہم انشاء اللہ آئندہ صفحات میں اس کا ذکر کریں گے۔

امام مالکؒ کے اصحاب کہتے ہیں۔ اگر ڈاکوؤں کی ایک جماعت کسی شخص کے گھر پر دھاوا بول دے اور ڈاکو اس کا تمام مال ومتاع لُوٹ کرلے جائیں۔ لوگ یہ سب کچھ دیکھتے ہوں۔ مگر انہوں نے یہ نہ دیکھا ہو کہ ڈاکو کیا کچھ اُٹھا کرلے گئے ہیں ـــــ تو علامہ ابن قاسمؒ اور ابن ماجشونؒ[1] کہتے ہیں۔

"لُوٹنے والے سے حلف لے کر اس کے قول کا اعتبار کیا جائے گا۔ کیونکہ امام مالکؒ نے بٹوے کے لُٹنے پر بٹوا اُٹھا لینے والے سے حلف لے کر اُس کے قول کا اعتبار کیا۔"

علامہ مطرفؒ[2]، ابن کنانہ اور ابن حبیبؒ[3] کہتے ہیں۔ "لٹنے والے کے دعوے میں ظالم کے حال کے ساتھ مطابقت کا احتمال موجود ہو تو لٹنے والے کے قول کا اعتبار کرنا ہوگا۔"

مطرف کہتے ہیں۔ "ڈاکوؤں کے گروہ میں سے جس نے جو کچھ لوٹا ہے اُس سے اُسی کا تاوان لیا جائے گا۔ کیونکہ وہ چوروں اور محاربین کے گروہ کی طرح ایک دوسرے کے معاون تھے۔ اگر

---

[1] عبدالملک ابن ماجشونؒ کے والد عبدالعزیز امام مالک کے دوست اور صاحب فتویٰ شخص تھے۔ اُنہوں نے امام مالکؒ سے روایت کی ہے۔ امام مالک کے شاگردوں میں علم ودانائی کے اعتبار سے سب پر فوقیت رکھتے تھے بہت سے لوگوں نے اُن سے اکتساب علم کیا۔ [2] مطرف بن عبداللہ امام مالکؒ کے شاگرد اور کبار فقہاء میں شمار ہوتے ہیں۔ ۲۲۰ھ میں وفات پائی۔ [3] عبدالملک بن حبیب بن سلیمان نے پہلے اندلس میں تعلیم حاصل کی پھر حصول تعلیم کیلئے سفر کیا۔ ابن ماجشون، عبداللہ بن الحکم اور مطرف سے حدیث سُنی۔ امام مالکؒ کی فقہ کے حافظ اور ماہر تھے" الواضحۃ" اُن کی گراں قدر تصنیف ہے ۲۳۸ھ میں وفات پائی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لوٹنے والے سب مالدار ہوں تو اُن سب پر اُن کے اپنے حصے کے مطابق تاوان لیا جائے گا۔ تاوان کے بارے میں ابن ماجشونؒ اور اصبغؒ کی بھی یہی رائے ہے۔ ان کا قول ہے کہ دھاوا کرنے والوں نے اگر دشمنی یا عناد کی وجہ سے ہتھیار بند ہو کر حملہ کیا ہو تو یہ ایک سازش اور منصوبہ بندی کے تحت ہوا۔ اور اس صورت میں حملہ آوروں کو محاربین پر محمول کیا جائے گا۔

"اسی طرح اگر شہر کا والی اپنی رعایا پر حملہ کر کے لوٹ مچا دے تو اس کو بھی محاربین میں شمار کیا جائے گا"

ابن قاسم کہتے ہیں "اگر یہ ثابت ہو جائے کہ دو آدمیوں نے کسی سازش کے تحت ایک غلام کو غصب کیا ہے پھر وہ غلام مر گیا۔ اس کی قیمت اُن دونوں میں اِس شخص پر عائد کی جائے گی جو مالدار ہے۔ وہ اپنے ساتھی کے حصے کا تاوان بھی ادا کرے گا"

ہمارے استاد شیخ امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں۔

"سہمی کے ورثاء نے جب سونے چاندی کے بیل بوٹوں والے پیالے کا مطالبہ کیا اور وصیوں نے جو کہ گواہ بھی تھے۔ اس پیالے کا انکار کر دیا۔ پیالہ تلاش کر لیا گیا۔ پیالہ خریدنے والے شخص نے بتایا کہ اس نے پیالہ مذکور وصیوں سے خرید لیا ہے۔ یہ صورت حال مُدعی کے دعوے کو تقویت دیتی ہے۔ اگر میت کے اولیاء اِس پیالے کی ملکیت کا حلف اُٹھالیں تو یقیناً وہ سچے ہیں۔

مالی جھگڑوں میں موقف کی قوت قتل کے جھگڑوں کی نظیر ہے۔ مگر یہاں مُدعا علیہ کے حلف اُٹھانے کے بعد حلف کو مُدعی کی طرف لوٹایا گیا ہے۔ پس یہاں مُدعا علیہ کا حلف کالعدم ہو گیا۔ جیسے قتل کے مقدمات میں مُدعا علیہ سے حلف کی ابتداء نہیں کی جاتی۔ دونوں مثالوں میں مُدعی کے دعویٰ اور مجرد حلف کی بنا پر اس کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا خواہ مُدعا علیہ حلف اُٹھائے یا اُٹھانے پر تیار ہو۔

مُدعیوں سے حلف کی ابتداء کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اسی قسم کے مقدمات قتل میں حلف کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے۔ یہاں مُدعیوں کا حلف مُدعا علیہ کے حلف کے مقابل ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی حدیث میں آتا ہے کہ دونوں اشخاص نے حلف اُٹھایا کہ پیالہ اُن کے ساتھی کا ہے۔ عکرمہ کی حدیث میں آتا ہے کہ دونوں مُدعا علیہ اشخاص نے حلف اُٹھایا کہ انہوں نے تو یہ پیالہ میت سے خریدا ہے۔ انہوں نے نہ اسے چھپایا ہے اور نہ اسے غائب کیا ہے۔

اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب دونوں مدعا علیہ اشخاص کا جھوٹ ظاہر ہو گیا تو حلف کو پورے دعوے میں مُدعیوں کی طرف لوٹا دیا گیا۔

اس پورے باب کا لب لباب یہ ہے کہ مُدعا علیہ کے حلف اُٹھا لینے کے بعد اگر یہ ظاہر ہو جائے کہ اس کا حلف جھوٹا ہے تو گویا مُدعی کے حلف پر اس کے دعوے کے مطابق اس کے حق میں فیصلہ کیا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جا سکتا ہے ؟ کیونکہ حلف اس جانب مشروع ہے جس کا موقف زیادہ مضبوط ہے۔ جب دعوے کے بعض حصے میں مُدعی کی صداقت ظاہر ہو جاتی ہے اور مُدعا علیہ کا جھوٹ ثابت ہو جاتا ہے تو اس دعوے میں مدعی کا موقف مضبوط ہو جاتا ہے تب مُدعی گویا اس طرح حلف اُٹھائے گا جس طرح ایک گواہ کی گواہی کے ساتھ حلف اُٹھاتا ہے

یا جس طرح صاحب قبضۂ عرفی کا حلف صاحب قبضۂ حسّی پر مقدم ہوتا ہے۔

مالی جھگڑوں میں قوتِ موقف کی بنا پر فیصلہ کرنا قتل کے جھگڑوں میں موقف کی قوت کی بنیاد پر فیصلہ کرنے کی نسبت زیادہ مناسب ہے۔ کیونکہ مالی جھگڑوں میں اثباتِ دعویٰ کا دائرہ مقدماتِ قتل میں اثباتِ دعویٰ کے دائرے سے زیادہ وسیع ہے۔ مال کے دعاوی تو محض ایک گواہ اور مُدعی کی قسم انکارِ حلف کے بعد حلف کو مُدعی پر لوٹانے یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے ثابت ہو جاتے ہیں۔ جب ہم عمامے کا فیصلہ اُس شخص کے حق میں کرتے ہیں جو ننگے سر دوسرے شخص کے پیچھے بھاگ رہا ہے جس کے سر پر عمامہ ہے اور ایک عمامہ ہاتھ میں ہے تو یہ فیصلہ دراصل اس ظاہر و قائم موقف کی قوت کی بنا پر ہے جو گواہوں کے قائم مقام ہے بلکہ اس سے بھی قوی تر ہے۔ موقف کی مضبوطی مدعی کے دعوے کی صداقت کی واضح علامت ہے۔ شارع نے اس کو لقطہ، نسب اور استحقاقِ سلب وغیرہ میں معتبر قرار دیا ہے۔

اس اصول پر جب مُدعی مُدعا علیہ پر کسی چیز کی چوری کا الزام لگاتا ہے اور اس چوری کا انکار کرتے ہوئے اپنی برأت کے اظہار کے لئے حلف اُٹھالیتا ہے اس کے بعد مُدعی کا مالِ مسروقہ مُدعا علیہ کے پاس سے برآمد ہوتا ہے تب مُدعی حلف اُٹھائے گا اور اس کا حلف مُدعا علیہ کے حلف سے زیادہ معتبر ہوگا اس کا فیصلہ قسامہ کی طرح استحقاقِ خون کے فیصلے کی بنیاد پر ہے۔ اسی اصول کے مطابق مُدعا علیہ کے جھوٹا ثابت ہو جانے کے بعد مُدعی حاکم سے مدعا علیہ کو تعذیب دینے کا مطالبہ کر سکتا ہے تاکہ وہ باقی ماندہ مال بھی برآمد کر دے اور حاکم کو یہ مطالبہ پورا کرنا ہوگا۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن ابی الحقیق کا مال برآمد کروانے کے لئے حیی بن اخطب کو جسمانی اذیت دی تھی۔

ثانی جب حلف کو مُدعی پر لوٹا دیا جائے۔

ثالث جب مُدعی کے پاس ایک گواہ ہو تو وہ گواہ کی گواہی کے ساتھ حلف اُٹھا کر اپنا استحقاقِ دعویٰ ثابت کرے گا۔

رابع مالی جھگڑوں میں جب میاں بیوی یا دو مختلف کاریگر کسی چیز پر اپنی اپنی ملکیت کا دعویٰ کریں تو اس چیز کی ملکیت کا فیصلہ اس فریق کے حق میں حلف لے کر کیا جائے گا جس کے مناسب اور مطابق حال

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ چیز ہے۔

خامس دو گواہوں کی گواہی کے ساتھ مُدعی سے حلف لینا۔

اس مسئلہ میں سلف کی آراء میں اختلاف پایا جاتا ہے چنانچہ شریح بن یونسؒ کتاب القضا میں رقمطراز ہیں کہ شعبیؒ روایت کرتے ہیں کہ قاضی شریحؒ مدعی کے گواہوں کی شہادت کے ساتھ مدعی سے حلف بھی لیتے تھے۔ گویا اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر مدعی حلف اُٹھانے سے انکار کر دیتا تو اس صورت میں قاضی شریح فرماتے ہیں "میں تیرے حق میں اس وقت فیصلہ کروں گا جب تو حلف اٹھائے گا"[1]

امام ابو عبیدؒ کہتے ہیں "ہمارا خیال ہے کہ قاضی شریحؒ نے جب یہ دیکھا ہو گا کہ لوگوں کا کردار معاملات میں خراب ہو رہا ہے تو انہوں نے مُدعی پر حلف کو لازم کر دیا۔ اس بارے میں یہ اُن کی اپنی احتیاط ہے۔ قاضی شریحؒ سے پوچھا گیا کہ قضا میں آپ نے یہ کیا نئی چیز شروع کر دی ہے؟ اُنہوں نے جواب دیا "لوگوں نے (حقوق غصب کرنے کے لئے) نئے نئے طریقے ایجاد کر لیتے ہیں۔ لہٰذا ہم نے بھی یہ نیا طریقِ کار شروع کر دیا ہے۔"

امام اوزاعیؒ اور حسن بن حیؒ[2] کا قول ہے کہ مُدعی اپنے ثبوت کے ساتھ حلف بھی اُٹھائے گا علامہ طحاویؒ[3] روایت کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے عبداللہ بن حسن سے ثبوت کی فراہمی کے باوجود حلف اُٹھوایا تھا۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت علیؓ نے ایک شخص سے اس کے ثبوت کی موجودگی کے باوجود حلف کا مطالبہ کیا۔ اس نے حلف اُٹھانے سے انکار کر دیا تو حضرت نے فرمایا۔

"جب تک تم حلف نہیں اُٹھاؤ گے میں تمہارے حق میں فیصلہ نہیں کروں گا۔"

اسلامی قانون کے قواعد اور اصُولوں کو مدّنظر رکھا جائے تو حضرت علیؓ اور قاضی شریحؒ کی یہ رائے بعید از قیاس نہیں۔ خاص طور پر جبکہ تہمت کا احتمال موجود ہو۔

امام احمد بن حنبلؒ کے مذہب میں دو قول ہیں۔ امام احمدؒ سے اس بارے میں سوال کیا گیا تو اُنہوں نے جواب دیا "اس پر صحابہ کرامؓ اور حضرت علیؓ نے عمل کیا ہے ــــــ امام احمدؒ سے جب کبھی پُوچھا جاتا تو

---

[1] المغنی جلد ۱۰ صـ ۳۳۹

[2] ابو عبداللہ حسن بن صالح بن حی محدث اور فقیہہ تھے۔ بہت عبادت گذار شخص تھے۔ امام یحیٰی بن معین فرماتے ہیں۔ کہ امام اوزاعی اور حسن بن صالح کے اجتہادات لکھنے کے قابل ہیں۔ ۱۶۷ھ میں فوت ہوئے۔

[3] ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامہ مصر کی بستی طحا میں پیدا ہوئے۔ بنا بریں طحاوی کہلائے۔ بہت بڑے عالم بلند پایہ محدث اور بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں۔ مصر میں حنفی مذہب کے سرخیل تھے۔ شرح معانی الآثار ان کی گراں قدر تصنیف ہے۔ ۳۲۱ھ میں وفات پائی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہ جواب میں فرماتے "یہ صحابہ کرام کا عمل ہے" ـــــ اس بارے میں یہ امام صاحب کی رائے ہوتی تھی، اسے ابنِ حامد نے ذکر کیا ہے۔

علامہ خلالؒ کتاب الجامع میں رقم طراز ہیں۔ "مہنا کہتے ہیں کہ میں نے امام احمدؒ سے ایک شخص کے بارے میں سوال کیا جو عدالت میں اپنے گواہوں کی شہادت پیش کرتا ہے تو کیا جج کے لئے یہ بات درست ہے کہ وہ اس شخص سے حلف کا مطالبہ کرے"؟

امام احمدؒ نے فرمایا۔ "حضرت علیؓ نے ایسا کیا ہے"۔

میں نے پُوچھا "آپ سے یہ بات کس نے بیان کی"؟

اُنہوں نے فرمایا ہم سے حفص بن غیاث نے، اُن سے ابنِ ابی لیلیٰ نے بیان کیا۔ ابن لیلی الحکمؒ سے اس کی روایت کرتے ہیں اور وہ حُبیش سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے عُبید اللہ بن حُر سے اسکے گواہوں کی شہادت کے باوجُود حلف کا مطالبہ تھا۔ میں نے عرض کی "تو کیا یہ فیصلہ صحیح ہے"؟

امام احمدؒ نے فرمایا "ہاں! یہ فیصلہ حضرت علیؓ نے کیا ہے"۔

مطالبۂ حلف کا یہ قول اس وقت صحیح ہے جب تہمت کا احتمال موجُود ہو۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے واضح طور پر مدعی سے ارشاد فرمایا "یا تو تم گواہ پیش کرو ورنہ مدعا علیہ حلف اُٹھائے گا"۔

مُدعی نے عرض کی "یارسُول اللہ وہ جھوٹا شخص ہے۔ اُسے کوئی پرواہ نہیں وہ تو حلف اُٹھالے گا"۔

آپؐ نے فرمایا "اس کے علاوہ تمہارے حق میں کچھ نہیں"۔ (صحیح البخاری جلد ۵ ص ۲۸۰)

مُدعا علیہ سے حلف لینا

مطالبۂ حلف کی دُوسری قسم مُدعا علیہ سے حلف لینا ہے۔ اس پر مفصل بحث گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہے۔ (البتہ اس امر کا خیال رہے کہ) امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ کا اصُول یہ ہے کہ حلف صرف مُدعا علیہ پر ہے۔ اس کے علاوہ کسی اور جانب حلف مشروع نہیں ہے۔ چُنانچہ بنا بریں اُنہوں نے ایک گواہ اور مُدعی کے حلف، حلف کو مدعی کی طرف لوٹانے اور قسامہ میں حلف کی مُدعی کی طرف سے ابتدا کرنے کو رد کر دیا ہے وہ قسامہ میں حلف مُدعا علیہم سے شروع کرواتے ہیں۔

گواہ سے حلف لینا

مطالبۂ حلف کی دُوسری قسم گواہ سے حلف لینا ہے۔ گواہ سے حلف لینے کے بارے میں مفصل بحث گذشتہ صفحات میں گزر چکی ہے۔ اس میں ایک بات کا اضافہ ضروری ہے کہ اگر گواہ سے کسی گواہی کا مطالبہ کیا جائے اور وہ گواہی دینے سے انکار کر دے تو کیا اس سے حلف لیا جائے گا اور پھر اس شہادت کی بنیاد پر دعویٰ صحیح ہوگا؟

ہمارے اُستاد شیخ الاسلام علامہ ابنِ تیمیہؒ فرماتے ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"یہ کہنا درست ہے کہ اس سے شہادت کا مطالبہ صحیح ہے کیونکہ شہادت ایک ایسا سبب ہے جو ایجاب حق کا باعث ہے اگر کوئی شخص کسی پر یہ دعویٰ کرے کہ وہ اس کا گواہ ہے اور گواہی دینے کے لئے حلف کا مطالبہ کرے تو اُسے ایسا کرنے کا حق حاصل ہے۔ اگر گواہ حلف اُٹھانے سے انکار کر دے تو اسے وہ تاوان ادا کرنا ہوگا جس کا مُدعی نے دعویٰ کیا تھا۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ کتمانِ شہادت ضمان اور تلف کا مُوجب ہے تو یہ کوئی بعید بات نہیں۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے ہم کہتے ہیں کہ نان ونفقہ واجب کے ترک کرنے پر تاوان واجب ہے۔ کیونکہ ترکِ واجب اگر کسی تلف کا مستلزم ہو تو فعل محرم کی طرح ضمان واجب ہوجائیگا۔ البتہ یہ اصول اس امر سے متعارض ہے کہ ترکِ واجب سے گواہ تہمت کی زد میں آجاتا ہے اور اس سے اس کی عدالت مجروح ہوجاتی ہے۔ لہٰذا اس سے مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ گویا مُدعی یہ کہتا ہے "میرے اس دعوے پر ایک شخص گواہ ہے جو کتمانِ شہادت کے باعث فسق کا مرتکب ہے"۔ مگر فی نفسہ یہ چیز ضمان کی نفی نہیں کرتی۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد میں گواہی پر گواہی کے ضمن میں قاضی ابویعلیٰؒ فرماتے ہیں "شہادت کی ادائیگی گواہ پر واجب نہیں ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ فلاں شخص میرا گواہ ہے اور وہ شخص گواہی دینے سے انکار کر دے تو حاکم اس سے جبری گواہی کا مطالبہ نہیں کرسکتا۔ اور نہ گواہی کے لئے اسے عدالت میں طلب کرسکتا ہے۔ اگر شہادت کی ادائیگی اس پر واجب ہوتی تو حاکم اُسے عدالت میں طلب کرسکتا تھا۔ جس طرح دیگر حقوق کے بارے میں اسے عدالت میں طلب کرسکتا ہے"

البتہ قاضی "ابویعلیٰؒ" ایک بات تسلیم کرتے ہیں کہ جب استقرار اور اعدار جائز نہ ہو یا دعویٰ قابلِ سماعت نہ ہو تو تب اس پر شہادت کی سماعت نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح اصل گواہ پر فرع کے گواہ کے مسئلے میں پھر اسی بات کا اعادہ کرتے ہیں کہ شہادت کی ادائیگی کسی شخص پر حق واجب نہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر کوئی یہ دعویٰ کرے کہ اس کی شہادت فلاں شخص کے ذمے ہے تو اس بنیاد پر فیصلہ نہیں کیا جاسکتا"۔

اِس اصول کو علی الاطلاق اختیار کرنا ممکن نہیں۔

شہادتِ متعینہ کی ادائیگی گواہ پر واجب ہے۔ جس کے ترک کرنے پر وہ گنہگار ٹھہرے گا چنانچہ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَن يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ (البقرۃ۔ ۲۸۵)	تم گواہی نہ چھپاؤ اور جو کوئی گواہی کو چھپائے تو اس کا دل گنہگار ہے۔

اور اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا۔ (البقرۃ۔ ۲۸۲)	اور گواہ شہادت کی ادائیگی سے انکار نہ کریں۔ جب اُن کو گواہی کے لئے بلایا جائے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیا اس آیت میں تحمّل شہادت کے لئے بلانا مُراد ہے یا ادائیگی کے لئے؟ سلف سے دونوں قول منقول ہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ سے بھی دو اقوال مروی ہیں ـــــ اور صحیح یہ ہے کہ اِس آیت سے دونوں معنی مُراد ہیں۔ شہادت مُدعی کا حق ہے اور اِس کے ترک کرنے سے گواہ گنہگار ہوگا۔ اور فسق و وعید کا مستوجب ہوگا۔ مگر یہ ایسی بات نہیں کہ جس پر دعوے کی صحت اور ثبوت کا دارومدار ہو اور بنا بریں گواہ سے مطالبہ حلف واجب ہو۔ نیز اس سے شہادت کا اصل مقصد فوت ہو جاتا ہے اور کتمانِ شہادت سے گواہ پر تہمت لازم آئے گی۔

مذہب کا قیاس یوں ہوگا کہ اگر گواہ شہادت کو چھپائے تو اس پر ضمان واجب ہے کیونکہ وہ مُدعی کے حق کے حصول پر قدرت رکھنے کے باوجُود اس سے باز رہا۔ گویا کسی کو ہلاکت سے بچانے پر قادر ہونے کے باوجُود اس نے اس کو بچانے سے پہلوتہی کی ـــــ مگر اس قیاس کو اس طرح رد کیا جاتا ہے کہ جب جج پر یہ امر واضح ہو جائے کہ کون سا فریق حق پر ہے اور وہ اس کے مُطابق فیصلہ نہ کرے تو اس پر بھی ضمان واجب ہونا چاہئے تھا۔ کیونکہ جج بھی حق کے مُطابق فیصلہ نہ کرنے کے باعث مُدعی کے حق کے اتلاف کا مُوجب بنتا ہے۔

اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ تمہاری اس رائے میں تناقض ہے مثلاً ایک شخص کسی متاع کو جلتے یا غرق ہوتے دیکھتا ہے یا وہ اسے چوری ہوتے دیکھتا ہے یا وہ اسے تلف ہونے سے بچا لینے کی قدرت رکھتا ہے یا وہ ایک بکری کو مرتے ہوئے دیکھتا ہے اور اس کو ذبح کرنا ممکن ہوتے ہوئے بھی اسے ذبح نہیں کرتا۔ ان مذکورہ صورتوں میں کسی ایک صورت میں بھی اس شخص پر ضمان واجب نہ ہوگا۔

اِس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ سے تو منصوص ہے کہ ایک شخص نے کچھ لوگوں سے پینے کے لئے پانی مانگا اُن کے پاس پانی موجُود تھا۔ مگر اس کے باوجود انہوں نے اسے پانی نہ پلایا وہ پیاس کی وجہ سے مرگیا۔ حضرت عمرؓ نے ان لوگوں پر اس کی دیت لازم کردی تھی حضرت عمرؓ کے اِس فیصلے سے ہمارے اصحاب نے یہ اصول استنباط کیا ہے۔ اگر ایک امر سے کسی انسان کو ہلاکت سے بچایا جا سکتا ہو اور اس سے گریز کیا جائے تو ایسے شخص پر ضمان واجب ہوگا۔ مگر زیر بحث مسئلہ اور گواہ اور حاکم میں فرق یہ ہے کہ گواہ اور جج دونوں شہادت کی عدم ادائیگی اور حق کے مُطابق فیصلہ نہ کرنے کی وجہ سے اتلاف کا سبب بنے اس پر ضمان واجب ہے اور زیر بحث مسئلہ میں مال کو بچانے سے گریز کرنے والے شخص میں کوئی ایسا سبب نہیں پایا جاتا جو اتلاف کا مقتضی ہو۔ واللہ اعلم

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گیارھواں ضابطہ

ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت

اللہ تعالےٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔

وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِن رِّجَالِكُمْ فَإِن لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّن تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَن تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَىٰ۔ (البقرۃ۔ ۲۸۲)

اور اپنے میں دو مردوں کو گواہ کر لو۔ اگر دو مرد مہیا نہ ہو سکیں تو ایک مرد اور دو عورتیں اپنے گواہوں میں سے جن کو پسند کرتے ہو گواہ مقرر کر لو تاکہ ان دو عورتوں میں سے ایک بھول جائے تو دوسری یاد کرا دے۔

اگر یہ کہا جائے کہ قرآن کے الفاظ تو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی درحقیقت دو مردوں کی گواہی کے تبادل ہے۔ نیز اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی پر دو مردوں کی گواہی کی عدم موجودگی ہی میں فیصلہ ہو سکتا ہے۔ تو اس کا جواب ہے کہ قرآن کریم اُن کے اس مفہوم پر دلالت نہیں کرتا۔ کیونکہ یہ حکم تو اللہ تعالیٰ نے اصحاب حقوق کو دیا ہے کہ وہ اس طریقے سے اپنے حقوق کی حفاظت کریں۔ دراصل اللہ تعالیٰ نے اُن کو حقوق کی حفاظت کے لئے قوی ترین ذریعہ کی طرف راہ نمائی فرمائی ہے۔ اگر وہ قوی ترین ذریعہ کے حصول پر قادر نہ ہوں تو اس سے کم تر طریقہ کو اختیار کریں۔ کیونکہ ایک مرد کی شہادت دو عورتوں سے زیادہ قوی ہے۔ نیز عورتیں عام تر حکام کی کچہریوں میں حاضر ہونے سے معذور ہوتی ہیں۔ گواہی کے سلسلے میں مردوں کے حفظ و ضبط کے تناسب سے عورتوں کا حفظ و ضبط کم تر ہوتا ہے۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ان آیتوں میں یہ حکم نہیں دیا کہ تم دو مردوں کی گواہی پر فیصلے کیا کرو۔ اگر دو مرد مہیا نہ ہو سکیں تو ایک مرد اور دو عورتیں کافی ہیں۔ متعدد احکام ہیں، دو عورتیں ایک مرد کے برابر ہیں ان میں سے بعض درج ذیل ہیں۔

۱۔ مسئلہ زیر بحث میں دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہے۔

۲۔ احکام میراث۔ ۳۔ احکام دیت۔ ۴۔ عقیقہ۔ ۵۔ غلاموں کی آزادی۔

غلاموں کی آزادی کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص ایک

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مُسلمان غلام کو آزاد کرتا ہے تو اللہ تعالےٰ اُس غلام کے ایک ایک عضو کے بدلے آزاد کرنے والے کا ایک ایک عضو آگ سے نجات پاتا ہے۔"[1]

اللہ تعالےٰ کے ارشاد "اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى" میں اس بات کی دلیل ہے کہ اگر ایک شاہد کو نسیان لاحق ہو جائے تو دوسرا شاہد اسے یاد دہانی کرائے مگر اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ وہ بھولنے والے گواہ کو یاد کروا کے چھوڑے اور نہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس کی تقلید کرے کیونکہ ارشاد صرف یہ ہے۔ فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى اور یہ ارشاد نہیں فرمایا "فَتُخْبِرَهَا" نیز فَتُذَكِّرَ" میں دو قراتیں ہیں تخفیف اور تشدید کے ساتھ صحیح بات یہ ہے دونوں مفہوم "یاد دہانی کروانا" ہی ہے بعض اہل علم اسے تشدید کے ساتھ پڑھتے ہیں اور اس کا مفہوم "فَيَجْعَلُهَا ذَكَرًا" لیتے ہیں (تاکہ وہ اسے مذکر بنا دے) مگر یہ مفہوم لفظاً اور معنیً بہت بعید ہے۔ اللہ تعالےٰ نے اسے "ضلال" (یعنی بھول جانے) کے لئے علّت قرار دیا ہے جو "ذکر" کے مقابل ہے۔ جب ان میں سے ایک غلط بیانی کرے یا بھول جائے تو دوسری یاد دہانی کرا دے تاکہ اُس کو یاد آجائے اور "اَنْ تَضِلَّ" کی تقدیر کوفیوں لِئَلَّا تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا ہے۔ مگر وہ اسی قسم کی دوسری آیات میں اس تقدیر کو نظر انداز کر دیتے ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا۔

ان کے اس مفہوم کو آیت فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى میں فَتُذَكِّرَ کا نصب رَدّ کرتا ہے تب اس کو یوں مقدر کرنا ہوگا۔ لِئَلَّا تُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى

بصریوں نے یہاں مصدر محذوف مقدر کیا ہے۔ بصریوں کا مفہوم یہ ہوگا۔ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ حَذَرَ اَنْ تَضِلُّوْا وَكَرَاهَةَ اَنْ تَضِلُّوْا (یعنی اللہ تعالےٰ کھول کھول کر بیان کرتا ہے تمہیں گمراہ ہونے سے بچانے اور تمہارے گمراہ ہونے کو ناپسند کرتے ہوئے) مگر اس تقدیر میں بھی ایک اشکال ہے کَرَاهَةَ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا کے مفہوم میں معطوف اور معطوف علیہ کا ایک حکم ہوگا۔ یعنی وہاں بھی کراہت کا حکم لازم ہوگا اور اگر وہ اس کو یوں مقدر کریں۔ اِرَادَةَ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا تو اس سے "ضلال" مراد ہوگی اور اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ایسا کلام ہے جو اپنے معنی پر محمول ہے تو گویا اس کی تقدیر حسب ذیل ہوگی۔

اَنْ تُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى اِنْ ضَلَّتْ اور یہ مراد قطعی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

[1] سنن ابن ماجہ جلد ۲ ص ۸۴۳

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہمارے شیخ علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: "اللہ تعالیٰ کا یہ قول (یعنی أَنْ لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَىٰ) دلالت کرتا ہے کہ ایک مرد کی گواہی کی جگہ دو عورتوں کی گواہی سے استشہاد کیا جا سکتا ہے اور دو عورتیں اس لئے مقرر کی گئی ہیں تاکہ نسیان کی صورت میں ایک دوسری کو یاد کروا سکیں مگر یہ ان معاملات میں ہے جن میں عادۃً نسیان کا احتمال ہو اور قرآن مجید میں مذکور ہے "ضلال" سے مراد نسیان اور عدم ضبط ہے اس معنی کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے۔ أَمَّا نُقْصَانُ عَقْلِهِنَّ فَشَهَادَةُ امْرَأَتَيْنِ بِشَهَادَةِ رَجُلٍ (یعنی ان کا ضعف عقل یہ ہے کہ دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کی شہادت کے برابر ہے۔

معلوم ہوا کہ عورت کی شہادت کا نصف شہادت کے برابر ہونا ضعف دین کی وجہ سے نہیں بلکہ ضعف عقل کی بنا پر ہے۔ عورتیں بھی اسی طرح عدل ہیں جس طرح مرد عدل ہیں۔ البتہ سمجھ بوجھ کے اعتبار عورتیں قدرے کمتر ہوتی ہیں۔ مگر ایسی گواہی جہاں عادۃً نسیان وغیرہ کا خدشہ نہیں ہوتا وہاں عورتوں کی شہادت مردوں کی شہادت کے برابر ہے۔ جہاں کہیں عورتوں کی منفرد گواہی قبول کی جاتی ہے وہ ایسے امور ہیں جن کو وہ بلا توقف اپنی آنکھوں سے دیکھ کر، ہاتھوں سے چھو کر اور کانوں سے سن کر مشاہدہ کر سکتی ہیں۔ ایسے معاملات میں محض عقل پر بھروسہ نہیں کیا جاتا مثلاً بچے کی ولادت، بچے کا زندہ یا مردہ پیدا ہونا، رضاعت، حیض اور کپڑوں کے نیچے پوشیدہ عورتوں کے عیوب وغیرہ اس قسم کی چیزیں عام طور پر بھلائی نہیں جا سکتیں۔ اور ان کے پہچاننے کیلئے کوئی بہت عقل کی ضرورت نہیں ہوتی۔ البتہ قرض وغیرہ کے اقرار سے متعلق اقوال کے معانی و تعبیر ایسا امر ہے جس کے لئے عقل و فہم کی ضرورت ہے۔

ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت کے مواقع

جب عورتوں کی شہادت کی حیثیت متعین ہو گئی تو معلوم ہوا کہ ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت ہر اس جگہ قبول کی جائے گی جہاں ایک مرد کی گواہی اور اس کے ساتھ مدعی کا حلف قبول کیا جاتا ہے۔ عطاء بن ابی رباحؒ اور حماد بن ابی سلیمانؒ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ حدود اور قصاص میں بھی دو عورتوں اور ایک مرد کی گواہی قابل قبول ہے۔

ہمارے ہاں ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ایک روایت کے مطابق صرف نکاح اور عتاق (یعنی غلاموں کی آزادی) میں معتبر ہے یہی قول جابر بن زیدؒ، ایاس بن معاویہؒ، شعبیؒ، سفیان ثوریؒ اور اصحاب رائے کا ہے اور دوسری روایت کے مطابق ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ان جنایات

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں بھی معتبر ہے جو موجب مال ہیں۔

"المحرر" میں لکھا ہے کہ موجب قصاص مقدمے میں اگر مدعی ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ کے طور پر پیش کرتا ہے یا ایک گواہ حلف اٹھاتا ہے تو اس سے مال یا قصاص ثابت نہیں ہو سکتا۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ اگر مجنی علیہ غلام ہو تو مال ثابت ہو جائے گا۔ اسے ابن منصور نے نقل کیا ہے۔ اگر چوری کے مقدمے میں یہی شہادت پیش کی جائے تو اس سے مال تو ثابت ہو جائے گا مگر اس شہادت کی بنا پر ہاتھ نہیں کاٹے جا سکتے۔"

ابوبکر کہتے ہیں۔ اس شہادت سے مطلقاً کوئی چیز ثابت نہیں ہوتی۔" اگر خاوند دعویٰ کرے کہ خلع واقع ہو چکا ہے تو ایسی صورت میں ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی پر فیصلہ کیا جا سکتا ہے مگر بیوی وقوع خلع کا دعویٰ کرے تو اس دعویٰ کی تائید کے لئے دو مردوں کی گواہی ضروری ہے۔ ان دونوں صورتوں میں فرق یہ ہے کہ اگر مدعی خاوند ہے تو خلع کے مال کا مدعی ہے یہ مال اسے ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے مل سکتا ہے۔ اگر مدعی بیوی ہے تو یہ فسخ نکاح کا دعویٰ ہے جس سے وہ عورت اپنے خاوند پر حرام ہو جائے گی اور یہ دعویٰ دو مردوں کی گواہی کے بغیر ثابت نہیں ہو سکتا۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے بعض راویوں نے یہ روایت نقل کی ہے کہ نکاح اور طلاق میں عورتوں کی شہادت معتبر نہیں اس کی تائید میں فرماتے ہیں۔" اگر قرض وغیرہ کا مطالبہ ہو تو اس میں ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی قابل قبول ہے اور اس کے علاوہ کسی اور جگہ یہ شہادت معتبر نہیں۔

امام زفر[1] نکاح، طلاق اور عتاق کے مقدمات میں ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کو معتبر قرار دیتے ہیں۔

عورتوں کی شہادت کی اقسام

عورتوں کی گواہی کی دو قسمیں ہیں۔ پہلی قسم وہ ہے جس میں عورتوں کی گواہی مردوں کی معیت کے بغیر معتبر ہے۔

دوسری قسم وہ ہے جس میں مرد جب تک گواہ کے طور پر ساتھ موجود نہ ہوں قابل قبول نہیں ہوتی۔

چند مقامات پر سلف میں اختلاف ہے:۔ ابن ابی شیبہ[2] مکحول[3] کا مسلک نقل کرتے ہیں کہ قرض کے مقدمات کے سوا کسی جگہ عورتوں کی گواہی معتبر نہیں۔

---

[1] امام زفر بن ہذیل عنبری بہت بڑے فقیہ تھے۔ بہت عبادت گزار تھے۔ مگر ابن سعد کے مطابق فن حدیث میں مہارت نہ رکھتے تھے۔ ثقہ اور صدوق تھے ۱۵۸ھ میں وفات پائی۔ [2] حافظ ابوبکر عبداللہ بن ابی شیبہ بلند پایہ محدث تھے اپنے زمانے کے بلند پایہ اصحاب حدیث سے اخذ کی اور بہت سے آئمہ حدیث آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں۔ ۲۳۵ھ میں کوفہ میں وفات پائی۔ "المصنف" اور "المسند" ان کی مشہور تصنیفات ہیں۔ [3] ابو عبداللہ ابن ابی مسلم مکحول شامی بلند پایہ محدث اور فقیہ تھے۔ بہت سے صحابہ سے تدلیس کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔ بہت سے علمائے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابن ابی شیبہؒ امام شعبیؒ سے نقل کرتے ہیں کہ عورتوں کی شہادت صرف وہاں قابلِ قبول ہے۔ جہاں اُن کی شہادت کے سوا کوئی چارۂ کار نہ ہو[۱]

امام زہریؒ[۲] سے منقول ہے کہ سنت یہ ہے کہ اُن معاملات میں جن کی عورتوں کے سوا کسی اور کو خبر نہیں ہوسکتی۔ وہاں عورتوں کی گواہی جائز ہے[۳]

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں "عورتوں کی شہادت انفرادی طور پر ـــ صرف عورتوں کی پوشیدہ باتوں یعنی حمل اور حیض وغیرہ ہی میں معتبر ہے۔ اس کے علاوہ اور کہیں نہیں[۴]"

حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں "جب تک کوئی مرد گواہی میں شامل نہ ہو عورتوں کی گواہی انفرادی حیثیت سے قابلِ قبول نہیں[۵]" یہی عطاء بن ابی رباح اور عمر بن عبدالعزیز کا قول ہے۔

سعید بن مسیبؒ اور عبداللہ بن عتبہؒ فرماتے ہیں "وہ معاملات جو عورتوں کے سوا کسی کے علم میں نہیں آسکتے۔ اُن کے علاوہ دیگر مقدمات میں عورتوں کی گواہی مقبول نہیں[۶]"

حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ فرماتے ہیں "نکاح و طلاق قتل اور حدود کے مقدمات میں عورتوں کی گواہی معتبر نہیں[۷]"

قاضی شریحؒ سے صحت کے ساتھ منقول ہے کہ انہوں نے عتاق میں ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی قبول کی تھی[۸]

شعبیؒ سے مروی ہے کہ انہوں نے طلاق اور جراحاتِ خطا میں ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت کو معتبر قرار دیا[۹]

جابر بن زیدؒ سے مروی ہے کہ وہ نکاح اور طلاق کے مقدمات میں ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی قبول کر لیتے تھے[۱۰]

قاضی ایاس بن معاویہؒ "طلاق کے مقدمات میں دو عورتوں کی گواہی پر فیصلہ کر دیا کرتے تھے[۱۱]"

ان سے اکتساب علم کیا جن میں امام اوزاعیؒ بھی شامل ہیں ۱۱۳ھ میں وفات پائی۔ [۱] المحلی جلد ۹ ص ۳۹۶۔ [۲] ابوبکر محمد بن مسلم ابن شہاب ... قریش کے مشہور قبیلہ بنو زہرہ سے نسبت کی وجہ سے زہری کہلاتے۔ بعض صحابہ اور کبار تابعین سے علم حاصل کیا اور ان سے امام مالک سفیان بن عُیینہ اوزاعی لیث بن سعد اور ابن ابی ذئب جیسے کبار آئمہ نے علم اخذ کیا۔ امام زہری ان علماء میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے حدیث کو کتابی صورت میں جمع کیا ۱۲۰ھ میں وفات پائی۔ [۳] مصنف عبدالرزاق جلد ص ۳۳۳

[۴] مصنف عبدالرزاق جلد ۸ ص ۳۳۳۔ [۵] مصنف عبدالرزاق جلد ۸ ص ۳۳۳۔ [۶] المحلی جلد ۹ ص ۳۹۷

مصنف عبدالرزاق جلد ۸ ص ۳۲۹، ص ۳۳۰، [۷] المحلی جلد ۹ ص ۳۹۷ مصنف عبدالرزاق جلد ۸ ص ۳۳۲، المحلی

[۸] المحلی جلد ۹ ص ۳۹۶۔ [۹] المحلی جلد ۹ ص ۳۹۷۔ [۱۰] المحلی جلد ۹ ص ۳۹۷

www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام عبدالرزاق[۴] طاؤسؒ سے روایت کرتے ہیں کہ زنا کے علاوہ دیگر معاملات میں عورتوں کی شہادت مردوں کی شرکت کے ساتھ قابلِ قبول ہے اور زنا کے مقدمات میں اس لئے معتبر نہیں کہ عام طور پر ایسے معاملات دیکھ نہیں سکتیں۔"[۱]

امام ابو عبیدؒ روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک مرد نے نشے کی حالت میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں۔ جھگڑا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش ہوا۔ حضرت عمرؓ نے چار عورتوں کی گواہی کی بنا پر ان دونوں کے درمیان تفریق کروا دی۔[۲]

امام عبدالرحمٰن بن مہدی[۵] روایت کرتے ہیں کہ عمان میں ایک شخص نے شراب کے نشہ میں مست ہو کر اپنی بیوی کو طلاق دے دی اُس عورت نے حضرت عمرؓ سے خط کے ذریعے اِس بارے میں استفسار کیا تو آپؓ نے طلاق کو نافذ فرما دیا۔[۳]

امام سفیان بن عیینہ[۶] روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت نے ایک بچہ روند ڈالا اور اُس پر چار عورتوں نے گواہی دی۔ حضرت علیؓ نے ان کی شہادت کے مطابق فیصلہ سُنا دیا۔[۷]

ابوبکر ابن ابی شیبہؒ ہندہ بنت طلق سے نقل کرتے ہیں کہ وہ عورتوں کی ایک مجلس میں موجود تھے وہاں ایک بچہ لیٹا ہوا تھا جو کپڑوں میں لپٹا ہوا تھا وہاں سے ایک عورت گزرنے لگی۔ تو وہ اس بچے پر گر پڑی اور اسے روند ڈالا۔ حضرت علیؓ کے پاس دس عورتوں نے گواہی دی ــــ دسویں میں تھی ــــ حضرت علیؓ نے اس کے خلاف دیت کا فیصلہ دے دیا۔ اور اس کو دیت کی اعانت کی غرض سے دو ہزار درہم عنایت فرمائے۔[۸]

عطا بن ابی رباح[۹] سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا" اگر آٹھ عورتیں میرے سامنے کسی عورت

---

[۱] المحلی جلد ۹ ص ۳۹۷ ، [۲] المحلی جلد ۹ ص ۳۹۷ مصنف عبدالرزاق جلد ۸ ص ۳۳۱ ، [۳] المحلی جلد ۹ ص ۳۹۷

[۴] المحلی جلد ۹ ص ۳۹۷ ، [۴] امام عبدالرزاق بن ہمام بن نافع حمیری صنعانی یمن کے جلیل القدر محدثین میں شمار ہوتے ہیں۔ معمرؒ اور ان کے طبقہ کے محدثین سے حدیث سُنی اور اُن سے امام احمد جیسے آئمہ کبار نے حدیث سنی۔ ان کی مشہور تصنیف "مصنف عبدالرزاق" طبع ہو چکی ہے ۲۱۱ھ میں وفات پائی

[۵] ابو سعید عبدالرحمٰن بن مہدی بصری جلیل القدر محدث ہیں۔ امام شعبہ امام ثوری اور امام مالک جیسے جہابذۂ حدیث سے اکتساب علم کیا۔ عبداللہ بن مبارک، احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین جیسے آئمہ حدیث آپ کے شاگرد ہیں۔ ابن سعد کے مطابق ۱۹۸ھ میں وفات پائی۔

[۶] محدث حرم ابو محمد سفیان بن عیینہ ہلالی بہت بڑے عالم اور نامور حافظ حدیث تھے۔ عمرو بن دینار، ابن شہاب زہریؒ، زید بن اسلم اور عبدالرحمٰن بن قاسم جیسے آئمہ حدیث سے علم اخذ کیا۔ امام شافعی، امام اسحاق بن راہویہ اور یحییٰ بن معین جیسے جہابذہ آپ کے شاگرد ہیں ۱۹۸ھ میں وفات پائی۔ [۷] المحلی جلد ۹ ص ۳۹۸ ۔ [۸] المحلی جلد ۹ ، [۹] المحلی جلد ۹ ص ۳۹۸

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سکے زنا کی شہادت دیں تو میں اس کی شہادت پر اس عورت کو رجم کروا دوں گا[1]

عبدالرزاق عطا بن ابی رباح[2] سے روایت کرتے ہیں۔ مردوں کے ساتھ عورتوں کی گواہی ہر معاملے میں درست اور معتبر ہے ــــ زنا کے مقدمے میں بھی تین مردوں اور دو عورتوں کی گواہی ہر معاملے میں درست اور قابل قبول ہے[2]۔

ابوبکر ابن شیبہؒ روایت کرتے ہیں کہ قاضی شریحؒ کے پاس ایک شخص نے اثاث البیت کا دعویٰ کیا۔ چار عورتوں نے گواہی دی کہ اس شخص نے مہر دیا تھا گھر کا یہ اثاثہ اسی مہر سے بنا تھا۔ قاضی شریحؒ نے مرد کے خلاف فیصلہ دے دیا۔

امام ثوریؒ فرماتے ہیں کہ قصاص، نکاح، طلاق اور حدود کے سوا دیگر تمام مقدمات میں عورتوں کی گواہی مقبول ہے۔ وہ معاملات جن کا علم عورتوں کے سوا کسی کو نہیں ہو سکتا ان میں مردوں کی معیت کے بغیر عورتوں کی گواہی قابل قبول ہے[3]۔

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں[4]۔ حدود اور قصاص کے علاوہ ہر جگہ مثلاً نکاح، طلاق اور رجعت میں ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی معتبر ہے۔ رضاعت اور دلالت کے باعث اختتام عدت اور نومولود بچے کے زندہ پیدا ہونے کے سلسلے میں عورتوں کی گواہی مردوں کی گواہی کی معیت میں تو مقبول ہے۔ مگر انفرادی طور پر نہیں۔

صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ ولادت کی بنا پر اختتام عدت اور نومولود کی پیدائش کے وقت اس کی زندگی میں عورتوں کی گواہی مردوں کی معیت کے بغیر معتبر ہے[5]

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ قصاص، حدود، نکاح، طلاق، رجعت، عتاق[6]، اثبات نسبت، ولاء[7] اور احصان[8] وغیرہ میں عورتوں کی شہادت مردوں کی معیت میں یا مردوں کی معیت کے بغیر

---

[1] ابو محمد عطاء بن ابی رباح عظیم محدث اور مفسر تھے ان کی ساری زندگی مکہ مکرمہ میں کتاب و سنت کی اشاعت میں گزری محدثین کے پیشوا اور چوٹی کے عالم ہیں حضرت ابوسعید خدریؓ حضرت ابوہریرہؓ حضرت عائشہؓ حضرت ام سلمہؓ اور دوسرے صحابہ سے علم حاصل کیا۔ ابن اسحاق، امام ابوحنیفہ اور اوزاعی اُن کے شاگرد ہیں ۱۱۴ھ میں وفات پائی [2] المحلی جلد ۹ صفحہ ۳۹۸

[3] المحلی جلد ۹ صفحہ ۳۹۸ ۔ [4] المحلی جلد ۹ صفحہ ۳۹۸ [5] المحلی جلد ۹ صفحہ ۳۹۹ [6] عتق یا عتاق کا لغوی معنی قوت ہے اور شرعی اصطلاح میں وہ قوت حکمیہ ہے جس کی بنا پر غلام تصرفات شرعیہ کا اہل ہو جاتا ہے (یعنی غلام کی آزادی) "التعریفات" [7] ولا ایسی میراث کو کہا جاتا ہے جو کسی شخص کو اپنے غلام کو آزاد کرنے یا عقدِ موالات کے سبب سے حاصل ہوتی ہے (التعریفات) ۔ [8] ایک شخص کا جو عاقل بالغ آزاد اور مسلمان عورت کے ساتھ نکاح صحیح سے مجامعت کرنا احصان کہلاتا ہے (التعریفات) قرآن مجید میں احصان دو معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ شادی شدہ اور مسلمان آزاد مرد و زن کے لئے اور لونڈیوں کے مقابلے میں آزاد عورت کیلئے خواہ وہ شادی شدہ اور مسلمان

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قابل قبول نہیں[1]۔ قرض اور مالی مقدمات، وکالت اور وصیت وغیرہ جس میں غلام کی آزادی کا ذکر نہ ہو۔ عورتوں کی شہادت مردوں کی معیت میں مقبول ہے۔ عورتوں کے پوشیدہ عیوب ولادت، رضاعت، نومولود بچے کی زندگی کے بارے میں نیز وہ مقدمات جہاں ایک گواہ اور مدعی کا حلف قابل قبول ہیں۔ عورتوں کی شہادت مردوں کی معیت کے بغیر بھی معتبر ہے۔ چنانچہ امام مالکؒ ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی پر تمام مالی مقدمات اور عتاق وغیرہ میں فیصلہ دیتے ہیں کیونکہ عتاق بھی تو مالی معاملہ ہے۔ اسی طرح قتل خطا اور وصیت مالیہ میں ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت کو جائز قرار دیتے ہیں۔ اصل وصیت میں عورتوں کی شہادت انفرادی طور پر یا مردوں کی معیت میں جائز نہیں۔

---

[1] المحلی، جلد ۹ ص ۳۹۹۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بارھواں ضابطہ

عورتوں کی شہادت

مردوں کی معیت کے بغیر

جہاں عورتوں کی شہادت مردوں کی معیت کے بغیر منفرد حیثیت سے قبول کی جاتی ہے وہاں اس کے نصاب کے بارے میں فقہاء میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

قتادہؒ، عطاء بن ابی رباحؒ، ابن شبرمہؒ، امام شافعیؒ، امام داؤد ظاہری اور ایک روایت کے مطابق شعبیؒ[۱] اور ابراہیم نخعیؒ کا بھی یہی قول ہے کہ چار سے کم عورتوں کی گواہی قابل قبول نہیں۔ البتہ امام داؤد ظاہری نے رضاعت کے معاملات کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ اس بارے میں وہ صرف ایک عورت کی گواہی بھی قبول کر لیتے ہیں[۲]۔

عثمان البتیؒ[۳] کہتے ہیں کہ جہاں کہیں عورتوں کی شہادت منفرد حیثیت سے مقبول ہے، وہاں کم سے کم تین عورتوں کی گواہی قابل قبول ہے[۴]۔

سلف کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ جہاں عورتوں کی منفرد حیثیت سے گواہی کا اعتبار کیا جاتا ہے وہاں دو عورتوں کی گواہی معتبر ہے۔ زہری کا بھی یہی قول ہے۔ البتہ وہ نومولود کی زندگی کے بارے میں صرف ایک عورت کی گواہی قبول کر لیتے ہیں[۵]۔

حکم بن عتبہ[۶] کہتے ہیں کہ نومولود کی زندگی کے بارے میں دو عورتوں کی شہادت قبول کی جائے گی۔ یہی رائے ابن لیلیٰؒ، مالکؒ اور ابو عبیدؒ رحمہم اللہ کی ہے۔ مگر جیسا کہ گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے کہ حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اکیلی دایہ کی شہادت کو معتبر قرار دیا ہے[۷]۔

ابن حزمؒ رقمطراز ہیں۔ "حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ نومولود کی ولادت کے وقت اسکی

---

[۱] مصنف عبدالرزاق جلد ۷ صفحہ ۴۸۳، [۲] السنن الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۱۵۱ مصنف عبدالرزاق جلد ۷ صفحہ ۴۸۳، [۳] مصنف عبدالرزاق جلد ۷ صفحہ ۴۸۴، [۴] المحلی جلد ۹ صفحہ ۳۹۹، [۵] حضرت عثمان البتیؒ کا شمار تابعین میں ہوتا ہے۔ مشہور صحابی حضرت انس بن مالکؓ کی زیارت سے مستفیض ہوئے۔ حسن بصریؒ سے اکتساب علم کیا۔ [۶] المحلی جلد ۹ صفحہ ۳۹۹۔ [۷] مصنف عبدالرزاق جلد ۷ صفحہ ۴۸۲ المحلی جلد ۹ صفحہ ۳۹۹۔ [۸] مصنف عبدالرزاق جلد ۷ صفحہ ۴۱۴، صفحہ ۴۸۵ المحلی جلد ۹ صفحہ ۳۹۹

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زندگی کے بارے میں دایہ کی شہادت کو قبول کرتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے تو اس شہادت کی بنیاد پر فیصلہ بھی کیا ہے۔ حسن بصریؒ، قاضی شریحؒ، ابوالزنادؒ، یحییٰ بن سعید انصاریؒ، ربیعہ بن عبدالرحمٰن الرائے، حماد بن ابی سلیمان اور ایک روایت کے مطابق شعبیؒ اور ابراہیم النخعی کا بھی یہی قول ہے اور دایہ اگرچہ یہودیہ ہی کیوں نہ ہو[1]۔

نیز شعبیؒ اور حمادؒ بن سلیمان کہتے ہیں کہ ایک عورت کی گواہی ان معاملات میں قبول کی جائے گی جن معاملات کا عورتوں کے سوا کسی کو علم نہیں ہو سکتا۔ یہی مذہب امام لیث بن سعد کا ہے۔ امام ثوریؒ کہتے ہیں کہ عورتوں کے پوشیدہ عیوب کے متعلق ایک عورت کی شہادت بہتر ہے۔ امام ابوحنیفہ اور اُن کے اصحاب یہی رائے رکھتے ہیں[3]۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ[4] سے بھی یہی قول صحت کے ساتھ مروی ہے۔ رضاعت کے بارے حضرت عثمانؓ[5]، حضرت علیؓ[6]، حضرت عبداللہ بن عمرؓ[7]، حسن بصریؒ[8]، زہریؒ[9]، ربیعہ الرائے[10]، یحییٰ[11] بن سعیدؒ، ابوالزنادؒ[12]، ابراہیم نخعیؒ[13]، قاضی شریحؒ[14]، طاؤسؒ[15] اور شعبیؒ سے منقول ہے کہ ایک عورت کی گواہی پر رضاعت کا فیصلہ دیا جا سکتا ہے۔ نیز یہ بھی منقول ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عثمانؓ[15] رضاعت کے مقدمات میں ایک عورت کی شہادت پر میاں بیوی کے درمیان تفریق کروا دیا کرتے تھے۔ زہری کہتے ہیں کہ اسی مسلک کو فقہاء نے اختیار کیا ہے۔ شعبیؒ نے اسی رائے کو جملہ قاضی صاحبان سے نقل کیا ہے[16]۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ اس شہادت کے ساتھ عورت سے حلف بھی لیا جائیگا[17]۔

حضرت امیر معاویہؓ نے ایک مکان کے جھگڑے میں صرف ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ کی گواہی پر فیصلہ دے دیا تھا[18]۔

ابن حزم رقمطراز ہیں " حضرت عمرؓ، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے رضاعت کے مقدمے میں صرف ایک عورت کی شہادت پر میاں

---

[1] المحلی جلد ۹ صفحہ ۳۹۹۔ [2] مصنف عبدالرزاق جلد ۷ صفحہ ۴۸۳، المحلی جلد ۹ صفحہ ۳۹۹، [3] المحلی جلد ۹ صفحہ ۳۹۹، [4] مصنف عبدالرزاق جلد ۷ صفحہ ۴۸۲۔ [5] مصنف عبدالرزاق جلد ۷ صفحہ ۴۸۲۔ [6] مصنف عبدالرزاق جلد ۷ صفحہ ۴۸۵، [7] مصنف عبدالرزاق جلد ۷ صفحہ ۴۸۴، [8] مصنف عبدالرزاق جلد ۷ صفحہ ۴۸۳، [9] مصنف عبدالرزاق جلد ۷ صفحہ ۴۸۳، [10] مصنف عبدالرزاق جلد ۷ صفحہ ۴۸۵۔ [11] مصنف عبدالرزاق جلد ۷ صفحہ ۴۸۵۔ [12] مصنف عبدالرزاق جلد ۷ صفحہ ۴۸۵، [13] مصنف عبدالرزاق جلد ۷ صفحہ ۴۸۳
[14] مصنف عبدالرزاق جلد ۷ صفحہ ۴۸۲۔ [15] مصنف عبدالرزاق جلد ۷ صفحہ ۴۸۴، [16] مصنف عبدالرزاق جلد ۷ صفحہ ۴۸۴، [17] مصنف عبدالرزاق جلد ۷ صفحہ ۴۸۲۔ [18] المحلی جلد ۹ صفحہ ۴۰۰

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیوی کے درمیان تفریق نہیں کرائی یہی مذہب ابو عُبَید قاسم بن سَلام کا ہے۔ فرماتے ہیں میں ایک عورت کی گواہی پر تفریق نہیں کروا سکتا[۱]

ابن حزمؒ روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا: اگر ہم نے میاں بیوی کے درمیان تفریق کا یہ دروازہ کھول دیا تو جو عورت چاہے گی خاوند اور بیوی کے درمیان جُدائی ڈال دیا کرے گی[۲]

امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں: نکاح سے پہلے تو میں رضاعت کے بارے میں ایک عورت کی گواہی پر امتناعِ نکاح کا فیصلہ کرتا ہوں لیکن نکاح کے بعد اس شہادت پر میاں بیوی کے درمیان تفریق نہیں کروا سکتا[۳]

امام عبدالرزاق روایت کرتے ہیں کہ ایک کالی کلوٹی سی عورت تین اہلِ خانہ کے پاس آئی جنہوں نے آپس میں مناکحت کی ہوئی تھی اور کہا: "یہ سب میاں بیوی تو میرے رضاعی بچے ہیں" حضرت عثمانؓ نے ان کے درمیان تفریق کروا دی تھی[۴] ہم گزشتہ صفحات میں ذکر کر چکے ہیں۔ کہ امام زہریؒ کہتے ہیں کہ رضاعت کے مقدمات میں لوگ حضرت عثمانؓ کے قول پر عمل کرتے ہیں بشرطیکہ شہادت دینے والی عورت متہم نہ ہو۔

ابن حزمؒ کہتے ہیں: "زنا کے مقدمات میں چار عادل مسلمان مردوں سے کم افراد کی شہادت جائز نہیں۔ مگر ابن حزم نے المحلیٰ میں امام ابو عبید کا یہ قول اس طرح نقل کیا ہے: "میں ایک عورت کی گواہی پر تفریق کا فتویٰ دے سکتا ہوں فیصلہ نہیں دے سکتا" یا ہر مرد کی جگہ دو عورتوں کی شہادت قبول کی جا سکتی ہے یعنی تین مرد اور دو عورتیں یا دو مرد اور چار عورتیں یا ایک مرد اور چھ عورتیں یا آٹھ عورتیں چار مردوں کی جگہ شہادت دے سکتی ہیں۔ نکاح، طلاق، مقدماتِ مالیہ، زنا، قصاص اور جُملہ حدود میں دو عادل مسلمان ہی گواہی دے سکتے ہیں یا ایک عادل مسلمان اور دو عورتیں یا دو مسلمان عادل مردوں کی جگہ چار مسلمان عادل عورتیں گواہی دے سکتی ہیں۔ اسی طرح حدود کے مقدمات کے سوا دیگر تمام مقدمات میں ایک عادل مسلمان مرد کی گواہی یا دو عورتوں کی گواہی مُدعی کے حلف کی معیت میں قابلِ قبول ہے۔ البتہ صرف رضاعت کے مقدمات ایک عادل مرد یا ایک عادل عورت کی گواہی معتبر ہے[۵]

---

[۱] المحلیٰ جلد ۹ صفحہ ۴۰۲ [۲] المحلیٰ جلد ۹ صفحہ ۴۰۲ [۳] المحلیٰ جلد ۹ صفحہ ۴۰۲ [۴] مصنف عبد الرزاق جلد ۷ صفحہ
[۵] المحلیٰ جلد ۹ صفحہ ۳۹۵

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تیرھواں ضابطہ

مُدعی کا گواہ اور مُدعا علیہ کا انکارِ حلف

ابن وضاحؒ ایک حدیث کا ذکر کرتے ہیں کہ رسُول اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "اگر عورت یہ دعوےٰ کرے کہ اُس کے خاوند نے اسے طلاق دے دی ہے اور ثبوت کے طور پر ایک عادل گواہ بھی پیش کر دے تو اس کے خاوند سے حلف لیا جائے گا۔ اگر وہ حلف اُٹھالے تو اس کے خلاف شہادت باطل ہو جائے گی اور اگر وہ حلف اُٹھانے سے انکار کر دے تو اس کا یہ انکارِ حلف دُوسرے گواہ کے قائم مقام ہوگا"۔

رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے اِس ارشاد میں چار قانونی نکات کا استنباط ہوتا ہے۔

اوّل طلاق میں ایک گواہ کافی نہیں ہوتا اور نہ ایک گواہ کے ساتھ عورت کا حلف معتبر ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ ایک گواہ اور حلف پر صرف مالی جھگڑوں میں اکتفا کیا جاتا ہے حدُود نکاح، طلاق، عتاق، سرقہ اور قتل میں ایک گواہ اور حلف معتبر نہیں۔

امام صاحب سے ایک قول منقول ہے کہ اگر کوئی غلام یہ دعویٰ لے کر آئے کہ اُس کے آقا نے اُسے آزاد کر دیا ہے اور اپنے دعوے کے ثبوت میں ایک گواہ پیش کر دے تو اس گواہ کے ساتھ اُس سے حلف لیا جائے گا۔ اور آزاد ہو جائے گا۔ علامہ خرقیؒ نے اِسی قول کو اختیار کیا ہے، اور امام احمد بن حنبلؒ کا قول نقل کیا ہے کہ اگر ایک غلام کے دو آقاؤں میں سے ایک یہ دعوےٰ کرے کہ اس کے دُوسرے ساتھی نے غلام میں سے اپنا حصّہ آزاد کر دیا ہے اور دونوں مالک تنگدست ہوں تو غلام دونوں کے دعوے کے ساتھ حلف اُٹھائے گا اور آزاد ہو جائے گا اور اگر اس نے صرف ایک کے دعوے کے ساتھ حلف اُٹھایا تو نصف آزاد ہوگا۔

مگر احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے یہ روایت معروف نہیں کہ طلاق ایک گواہ اور حلف کے ساتھ ثابت ہو جاتی ہے۔

مذکورہ حدیث جو عمرو بن سلمۃ عن زھیر بن محمّد عن ابن جریج عن عمرو بن شعیب کے واسطے سے نقل کی گئی ہے اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مُدعی کے ایک گواہ اور خاوند کے انکارِ حلف سے طلاق ثابت ہو جائے گی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عمرو بن شعیب سے آئمہ اربعۃ (ترمذی، نسائی، ابوداؤد، ابن ماجہ) کے علاوہ بعض دیگر آئمہ حدیث خصوصاً امام بخاریؒ جیسے اہلِ فن نے بھی استناد کیا ہے۔ علی بن المدینی، احمد بن حنبل اور حمیدیؒ جیسے جہابذہ سے بھی عمرو بن شعیب کا مستند ہونا منقول ہے۔ ان آئمہ حدیث کے بعد کون ایسا رہ گیا ہے جس کا قول فنِ حدیث میں مستند اور حجت ہو۔ زُہیر بن محمدؒ ثقہ راوی ہے اور ابن جریجؒ سے اس کا روایت کرنا بھی مستند ہے۔ صحیحین میں اس کی روایات منقول ہیں۔ عمرو بن سلمہؒ بھی صحیحین کا راوی ہے۔ جو عمرو بن شعیبؒ کی احادیث کو قابلِ استناد سمجھتا ہے اس کے نزدیک تو یہ حدیث عمرو بن شعیبؒ کی صحیح ترین حدیث میں شمار ہوتی ہے۔

ثانی: دُوسرا نکتہ یہ ہے کہ اگر عورت طلاق کا ثبوت مہیّا نہ کر سکے تو خاوند سے حلف کا مطالبہ کیا جائے گا اور خاوند سے حلف کا مطالبہ اِس بنا پر ہے کہ شاہد کی شہادت سے یہ گمان حاصل ہو جاتا ہے کہ ممکن ہے دعویٰ صحیح ہو۔ عورت کے مجرد دعوے سے اس کی صداقت کا گمان غالب نہیں ہوتا۔ اب گواہ کی شہادت اور خاوند کے حلف کے تعارض کا مسئلہ ہے چونکہ وجودِ نکاح کے ثبوت کی وجہ سے خاوند کی جانب زیادہ قوی اور راجح ہے، اِس لئے حلف اس کی جانب مشروع ہوگا۔ کیونکہ وہ مُدعا علیہ ہے اور عورت مُدعی ہے۔

اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ ایک گواہ کی موجُودگی کے باوجُود عورت سے حلف کیوں نہیں لیا گیا؟ — اس کا جواب یہ ہے کہ ایک گواہ کی شہادت کے ساتھ مُدعی کا حلف دُوسرے گواہ کے قائم مقام نہیں ہے۔ گزشتہ صفحات میں اس کے دلائل گزر چکے ہیں۔

حلف مجرد عورت کا قول ہے طلاق میں دو مردوں سے کم افراد کی گواہی معتبر نہیں۔ جس طرح ثبوتِ نکاح کے لئے دو مردوں کی گواہی ضروری ہے یا ایک روایت کے مُطابق ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی بھی کافی ہے۔ اسی طرح ثبوتِ طلاق کے لئے دو مردوں کی گواہی ضروری ہے۔ چنانچہ وجُودِ نکاح کا ثابت ہونا اور اس کا رفع ہونا ایک جیسے ہیں۔ بلکہ نکاح کا رفع ہونا اس کے ثابت ہونے سے زیادہ قوی ہے۔ لہٰذا رفعِ نکاح دو فاسق یا مجہول الحال مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے ثابت نہیں ہوگا۔

ثالث: اس حدیث میں تیسرا قانونی نکتہ یہ ہے کہ طلاق کے جھگڑوں میں ایک گواہ مدعا علیہ کے انکارِ حلف کی بنا پر مدعی کے حق میں فیصلہ ہو جائے گا۔

امام احمد بن حنبلؒ سے ایک دُوسری روایت منقول ہے کہ مُدعا علیہ کے مجرد انکارِ حلف سے طلاق ثابت ہو جائے گی یعنی جب عورت یہ دعویٰ کرے کہ اُس کے خاوند نے طلاق دے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دی ہے تو ایک روایت کے مطابق مجرّد اس دعویٰ کی بنیاد پر ہم خاوند سے حلف کا مطالبہ کریں گے اور اگر وہ حلف اُٹھانے سے انکار کر دے تو اس کے خلاف فیصلہ دے دیں گے۔

اگر ایک عورت طلاق کا دعویٰ کرتی ہے اِس دعویٰ کے ثبوت میں اس کے پاس ایک گواہ بھی ہے۔ خاوند حلف کے مطالبہ پر عورت کے دعویٰ کی تردید میں حلف اُٹھانے سے انکار کر دیتا ہے تو اس صورت میں اس کے انکارِ حلف پر اس کے خلاف فیصلہ دینا تو زیادہ اولیٰ ہے۔

حدیث سے ظاہری طور پر اگرچہ یہی ثابت ہوتا ہے کہ خاوند کے انکارِ حلف پر فیصلہ اسوقت ہوگا جب عورت کے دعوائے طلاق پر ایک گواہ موجود ہو، عورت کے مجرّد پر دعویٰ اور خاوند کے انکارِ حلف پر فیصلہ نہیں کیا جا سکتا جیسا کہ امام مالکؒ کا یہی مذہب ہے مگر وہ فقہا، جو مجرّد حلف پر خاوند کے خلاف فیصلہ کرتے ہیں۔ ان کا قول ہے کہ انکارِ حلف یا تو اقرار کے قائم مقام ہے یا "بینہ" کے قائم مقام ہے اور انہی دونوں اصولوں کی بنیاد پر فیصلہ کیا جاتا ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ قصاص کے دعویٰ میں انکارِ حلف پر فیصلے کا یہ اصول کیوں ٹوٹ جاتا ہے؟

اِس کا جواب یہ ہے کہ انکارِ حلف ایک بدل ہے اور بدل میں جو چیز مباح ہے اسمیں اسی سے مدد لی جاتی ہے جیسے حقوقِ مالیہ مگر نکاح اور اُس کے توابع میں اس سے مدد نہیں لی جاتی۔

رابع: اِس حدیثِ طیبہ سے چوتھا قانونی نکتہ یہ مستنبط ہوتا ہے کہ جب مُدعی کا ایک گواہ موجُود ہو تو انکارِ حلف بَینہ کے قائم مقام ہے۔ نصف بَینہ گواہ ہے اور اِس طرح انکارِ حلف سے بَینہ کی تکمیل ہو جاتی ہے۔

اب ہم فقہاء کے ان اقوال کا ذکر کریں گے جو اُنہوں نے اِس حدیث سے اخذ کئے ہیں۔

علامہ ابن الجلاب اپنی کتاب "التفریع" میں رقم طراز ہیں: "اگر عورت اپنے خاوند پر طلاق کا دعویٰ کرے تو اُس کے مُجرد دعویٰ پر خاوند سے حلف کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔ اگر مدعیہ کے پاس گواہ ہو تو اس گواہ کی موجودگی کی وجہ سے مدعیہ سے حلف نہیں لیا جائے گا اور مجرّد ان امور کی بنا پر خاوند کی طلاق ثابت نہیں ہوگی۔

یہ وہ قول ہے جو ہمارے علم کے مُطابق فقہائے اربعہ کے نزدیک متفق علیہ ہے۔ ابن الجلابؒ کہتے ہیں کہ عورت کے خاوند سے حلف لیا جائے گا۔ اگر وہ حلف اُٹھا لیتا ہے تو وہ عورت کے دعوے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے بری ہے۔

میں (ابن قیمؒ) کہتا ہوں اس بارے میں فقہاء کے نزدیک دو قول ہیں اور دونوں قول امام احمد بن حنبلؒ سے بھی منقول ہیں۔

اوّل: خاوند سے حلف لیا جائے گا۔ یہ امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور ابو حنیفہؒ کی رائے ہے۔

ثانی: خاوند سے حلف کا مطالبہ نہیں کیا جا سکتا۔

اب اگر ہم یہ کہیں کہ حلف نہیں لیا جائے گا تو اس میں تو کوئی اشکال نہیں اور اگر ہم یہ کہیں کہ خاوند سے حلف کا مطالبہ کیا جائے گا تو کیا خاوند کے انکارِ حلف کی صورت میں اس کے خلاف وقوعِ طلاق کا فیصلہ ہو جائے گا؟

اس بارے میں امام مالکؒ سے دو اقوال منقول ہیں۔

اوّل: اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے مدعیہ کے گواہ اور خاوند کے انکارِ حلف کی بنا پر وقوعِ طلاق کا فیصلہ دیا جائے گا۔ اسی رائے کو مالکیہ میں سے علامہ اشہبؒ نے اختیار کیا ہے۔ یہ موقف قوی ہے۔ کیونکہ دو جہتوں سے شہادت اور انکارِ حلف کے مختلف اسباب ہیں جن کی وجہ سے مدعیہ کی جانب قوی اور راجح ہو جاتی ہے۔ بنابریں مدعیہ کے حق میں فیصلہ ہو جائے گا۔ حدیث اور قیاس کا یہی تقاضا ہے۔

ثانی: امام مالکؒ سے ایک دوسری روایت منقول ہے کہ اگر خاوند حلف اٹھانے سے انکار کر دیتا ہے تو اس کو قید کر دیا جائے گا۔ اور اگر قید لمبی ہو جائے (اور وہ اپنے انکار پر مصر رہے) تو اس کو رہا کر دیا جائے گا۔

امام احمدؒ سے منقولہ روایت میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ آیا عورت کے دعویٰ اور خاوند کے انکارِ حلف کی بنا پر فیصلہ دے دیا جائے گا یا نہیں؟ ــــ یہ دو آراء ہیں اور ایک گواہ کی گواہی کے بارے میں ان کا قول ثابت نہیں۔

قید کی مدت کے بارے میں امام مالکؒ سے مختلف اقوال منقول ہیں۔

اوّل: مدعا علیہ کو اس وقت تک قید میں رکھا جائے گا۔ جب تک کہ وہ انکارِ حلف پر مصر ہے۔

ثانی: ایک سال کی قید کے بعد اسے چھوڑ دیا جائے گا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چودھواں ضابطہ

دو عورتوں کی شہادت اور مدعی کا حلف

امام مالکؒ کے مذہب میں مالی مقدمات میں دو عورتوں کی گواہی اور مدعی کے حلف کی بنیاد پر فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ امام احمد کے دو اقوال میں سے ایک قول یہی ہے اور اسی کو ہمارے استاد شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اختیار کیا ہے۔ قرآن و سنت بھی اسی قول کی صحت پر دلالت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دو عورتوں کو ایک مرد کے قائم مقام بنایا ہے۔ ایک صحیح حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[1]

"کیا عورت کی شہادت مرد کی شہادت کے نصف نہیں"؟

عورتوں نے عرض کی "ہاں یا رسول اللہ"!

منطوقِ حدیث میں واضح دلیل ہے کہ اکیلی عورت کی گواہی نصف کے برابر ہے اور مفہوم حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر اس عورت کے ساتھ ایک اور عورت کو شامل کر لیا جائے۔ تو دونوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہو جائے گی۔ قرآن، سنت اور اجماع میں کوئی ایسی چیز نہیں جو اس سے مانع ہو۔ بلکہ قیاس صحیح کا تقاضا ہے کہ اگر دو عورتوں کو ملا لیا جائے تو اُن کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہے کیونکہ یہ امر تو بہر حال مسلّم ہے کہ ایک مرد کی معیت میں دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے قائم مقام ہے۔ اِسی طرح مرد کی عدم موجودگی میں بھی ان کو ایک مرد کے قائم مقام ہونا چاہیے کیونکہ ان کی شہادت کو تسلیم کرنا اس بنا پر نہیں کہ اُن کی معیت میں مرد کی گواہی ہے بلکہ اُن کی ذات میں موجود وصف کی بنا پر اُن کی شہادت کو تسلیم کیا گیا ہے یہ وصف اُن کی عدالت ہے جو مرد کی عدم موجودگی کی صورت میں بھی اُن کی ذات میں موجود رہے گی۔ زیادہ سے زیادہ ضعف حفظ و ضبط کی بنا پر گواہی کے بدل جانے کا خدشہ لاحق ہو سکتا ہے مگر دوسری عورت کو شامل کر کے گواہی کو تقویت دے دی گئی ہے۔

اعتراضات اس مؤقف پہ ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اگر مالی مقدمات میں مرد کی گواہی موجود نہ ہو تو بیّنہ قابل قبول نہیں ہے۔ کیونکہ آپ لوگوں ہی کی رائے کے مطابق اگر چار عورتیں گواہی دیں تو یہ گواہی مذکورہ صورت کے خلاف ہے کیونکہ

---

[1] صحیح البخاری جلد ۱ صفحہ ۲۶۶

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر دو عورتوں کو ایک مرد کے قائم مقام مان لیا جائے تو ہر لحاظ سے چار عورتوں کی گواہی کو دو مردوں کی گواہی کے برابر ہونا چاہیئے اور مالی مقدمات کے علاوہ دیگر مقدمات میں بھی ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کو قبول کیا جانا چاہیئے۔

اس پر دُوسرا اعتراض یہ ہے کہ دو عورتوں کی گواہی کمزور ہے اس لئے اس کو مرد کی گواہی سے تقویت دی گئی ہے۔ نیز حلف تو بذاتِ خود ایک کمزور ثبوت ہے۔ کمزور کو کمزور کیساتھ ملا کر قبول نہیں کیا جا سکتا۔

اس پر تیسرا اعتراض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے۔ وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ فَإِنْ لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَأَتَانِ۔

" اور اپنے میں سے دو مردوں کو گواہ بنالو اور اگر دو مرد مہیا نہ ہو سکیں تو ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنالو"

اگر دو عورتوں کی گواہی اور مدعی کے حلف کی بنیاد پر فیصلہ درست ہوتا تو یہ تیسری نوع بھی مذکور ہوتی۔

جوابات: ان کے پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اعتراض اور مدعا بذاتِ خود محلِ نزاع ہے اس کو دلیل کیسے بنایا جا سکتا ہے۔ رہا چار عورتوں کی گواہی کا دو مردوں کی گواہی کے برابر ہونا تو اس میں بھی علماء کا اختلاف ہے اگرچہ بعض علماء نے ان میں عدمِ مساوات پر اجماع نقل کیا ہے ــــ مثلاً قاضیؒ وغیرہ ــــ مگر امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی وصیت کرتا ہے اور وصیت کے وقت صرف عورتیں ہی موجود ہیں اس صورت میں عورتوں کی شہادت قبول کی جائے گی۔

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جناب امامؒ نے مردوں کی عدم موجودگی میں عورتوں کی گواہی کو جائز قرار دیا ہے۔

علامہ خلالؒ امام احمدؒ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ایک دفعہ اُن سے ایک ایسے شخص کے متعلق سوال کیا گیا جو اپنے بعض اقارب کے نام وصیت اور اپنے غلام کو آزاد کرنا چاہتا ہے، اس وقت صرف عورتیں ہی موجود ہیں۔ کیا عورتوں کی شہادت قبول کی جائے گی؟ انہوں نے فرمایا" ہاں! حقوق میں عورتوں کی شہادت جائز ہے"۔

گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے کہ کن موقعوں پر عورتوں کی گواہی معتبر ہے۔ نیز یہ بھی واضح ہو چکا ہے کہ "بینہ" کا اطلاق ہر اُس چیز پر ہوتا ہے جو حق کو واضح کرے اور یہ اپنے مفہوم

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں مردوں کی گواہی یا عورتوں کی گواہی حلف اٹھانے، انکار حلف اور دیگر ظاہری علامات سے زیادہ عمومیت کی حامل ہے ـــــ آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی تو رضاعت جیسے اہم مسئلے میں ایک عورت کی گواہی قبول کی ہے اور بعض دیگر مواقع پر صحابہ و تابعین نے ایک عورت کی شہادت کو جائز قرار دیا ہے۔

جہاں مالی خصومات کے علاوہ دیگر جھگڑوں میں ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنانے کا تعلق ہے تو اس بارے میں ہم کہتے ہیں کہ غیر مالی خصومات میں جیسے نکاح، طلاق، رجعت، نسب، ولاء، وصیت اور نکاح کی وکالت وغیرہ کے مسئلہ کی تائید میں بھی امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت موجود ہے۔

رہا عورت کی شہادت کا ضعیف ہونا پھر تقویت کے لئے مرد کو شامل کرنا، حلف کا ضعیف ہونا اور ضعیف کو ضعیف کے ساتھ ملا کر بھی قبول نہ کرنا ـــــ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم دو عورتوں کی اجتماعی شہادت کے ضعف کو تسلیم نہیں کرتے۔ اسی وجہ سے دو عورتوں کی شہادت کو مرد کی شہادت کے ساتھ قبول کرتے ہیں۔ خواہ مدعی دو مردوں کی شہادت مہیا کرنے پر قادر رہی ہو۔ ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت اصل ہے کسی کا بدل نہیں ایک عادلہ خاتون صدق، امانت اور دیانت میں مرد کے برابر ہے۔ زیادہ سے زیادہ سہو نسیان کا خدشہ لاحق ہو سکتا ہے اس لئے دوسری عورت کی شہادت کے ذریعے تقویت دے کر اس خدشے کو رفع کر دیا گیا ہے۔ بسا اوقات دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کی شہادت سے زیادہ قوی ہوتی ہے۔ اور بلاشبہ ایک مرد کی شہادت سے جو ظن مستفاد ہوتا ہے وہ دو عورتوں کی شہادت سے مستفاد ہونے والے ظن سے کمزور تر ہے۔

رہا معترضین کا یہ اعتراض کہ آیت مذکورہ میں ایک مرد اور دو عورتوں کا ذکر موجود ہے۔ مگر دو عورتوں اور مدعی کے حلف کا کہیں ذکر نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ایک گواہ اور حلف، انکار حلف، رد حلف، ایک عورت کی گواہی، دو عورتوں کی گواہی اور چار عورتوں کی گواہی کا بھی کہیں ذکر نہیں کیا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی تصریح نہیں کی ایک جج کو کن اصولوں پر فیصلہ کرنا چاہئے۔ اس آیت کریمہ میں صرف اس بات کا ذکر ہے کہ حقوق کی حفاظت کیسے کی جائے۔ عدالتی فیصلوں کا طریق کار حفاظت حقوق کے طریق کار سے زیادہ وسیع ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پندرھواں ضابطہ

دُو عورتوں کی شہادت

امام احمدؒ سے منقول دو روایتوں میں سے ایک روایت یہ ہے کہ ہر وہ معاملہ جو مردوں کی معلومات سے باہر ہو مثلاً کپڑوں میں پوشیدہ عورتوں کے عیوب، بکارت وثیوبت، ولادت، حیض اور رضاعت وغیرہ میں دو عورتوں کی شہادت قابلِ قبول ہے۔

دُوسری اور زیادہ مشہور روایت یہ ہے کہ مذکورہ بالا امور میں صرف ایک عورت کی شہادت کافی ہے یہاں عورت کی شہادت مرد ہی کی مانند ہے۔ راویوں نے عورت کی شہادت کے ساتھ کسی حلف وغیرہ کا ذکر نہیں کیا۔ امام احمدؒ سے تصریح کے ساتھ منصوص ہے کہ یہاں حلف وغیرہ کی ضرورت نہیں ہے۔ حلف کے بارے میں امام احمدؒ سے جو روایات منقول ہیں وہ رضاعت کے باب میں ہیں اور وہ بھی صرف اس صورت میں کہ جب ہم رضاعت میں ایک عورت کی گواہی پر اکتفا کرتے ہوں۔

دو عورتوں کی مجرّد شہادت اور ایک گواہ اور مُدعی کے حلف میں فرق یہ ہے کہ دو عورتوں کی مجرّد گواہی میں غالب پہلو یہ ہے کہ یہ دراصل ان اُمورِ غائبہ کی خبر ہے جو مردوں کے دائرۂ اطلاع سے باہر ہیں۔ اِس لئے یہاں صرف عورتوں کی شہادت پر اکتفا کیا جا سکتا ہے۔ ایک گواہ اور مدعی کے حلف کا باب درحقیقت ان امور پر شہادت ہوتی ہے جو غالب حالات میں مردوں کے دائرۂ اطلاع میں واقع ہوتے ہیں۔ اس صُورت میں اگر شاہد شہادت میں منفرد ہو تو اِس شہادت کی تقویت کے لئے حلف کی حاجت ہوگی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سولھواں ضابطہ

تین مردوں کی شہادت

ایسا شخص جو مالدار ہونے کی حیثیت سے معروف ہو اور وہ فقر اور محتاجی کا دعویٰ کرے تو اس شخص کے دعویٰ پر تین مردوں سے کم گواہ قبول نہیں کئے جائیں گے۔ امام احمدؒ سے یہی منصوص ہے۔ ہمارے بعض اصحاب کہتے ہیں کہ دو گواہ کافی ہیں۔

امام احمدؒ نے قبیصہ بن مخارقؓ کی حدیث سے استدلال کیا ہے چنانچہ قبیصہ رضی اللہ عنہ، سے روایت کرتے ہیں۔

"مجھے دیت کا مال ادا کرنا تھا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تاکہ اس سلسلے میں آپؐ سے مدد کی درخواست کروں آپؐ نے فرمایا "اے قبیصہؓ! صدقات آنے تک ہمارے پاس ٹھہرو۔ پھر ہم تمہارے معاملے میں فیصلہ کریں گے"۔ پھر آپؐ نے فرمایا "اے قبیصہ سوال کرنا صرف تین اشخاص کے لئے جائز ہے پہلا شخص وہ ہے جس پر دیت کا بوجھ ہو۔ دوسرا شخص وہ ہے جس پر کوئی آفت آپڑی ہو اور اس کا تمام مال تباہ ہو گیا ہو وہ صرف اتنے مال کا سوال کر سکتا ہے جس سے اس کو سہارا مل جائے۔ تیسرا شخص وہ ہے جو فاقے میں مبتلا ہو جائے اور تین اہل الرائے اس کی محتاجی پر گواہی دیں وہ بھی صرف اس قدر مانگ سکتا ہے جس سے اس کو سہارا مل جائے۔ اے قبیصہ! اس کے علاوہ سوال کرنا حرام ہے اور مانگنے والا حرام کھاتا ہے"۔[1]

امام احمدؒ کی نص کے بارے میں ہمارے اصحاب میں اختلاف ہے کہ آیا یہ عام ہے یا خاص؟۔

قاضی ابو یعلی کہتے ہیں کہ تین گواہ تو صرف حلت سوال کے لئے ضروری ہیں ورنہ اعسار (دیوالیہ) کے لئے تو دو گواہ ہی کافی ہیں۔

علامہ ابو محمد ابن قدامہؒ فرماتے ہیں "امام احمدؒ سے دیوالیئے کے بارے میں جو کچھ منقول ہے وہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ دیوالیہ تین گواہوں کی شہادت کے بغیر ثابت نہیں ہو سکتا۔

میں (ابن قیمؒ) کہتا ہوں "زکوٰۃ کا مستحق ثابت کرنے کے لئے اور سوال کی حلت کے لئے گواہی کے مذکورہ نصاب ہی کا اعتبار کافی ہے اور دیوالیئے میں جو قرض وغیرہ کو ساقط کر دیتا ہے۔ اس

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱، ص ۳۴۳

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نصاب کا اعتبار کیا گیا ہے۔ اقارب اور بیویوں کے نفقہ وغیرہ سے بری الذمہ ہونے کے لئے بدرجہ اولیٰ شہادت کے اسی نصاب کا اعتبار ہونا چاہئے۔ کیونکہ یہ مال کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کا بھی معاملہ ہے ــــ رہا سوال کرنا اور زکوٰۃ کا مستحق ہونا تو اس سے مقصد دراصل یہ ہے کہ جو چیز اس کے لئے لینا جائز نہ ہو وہ نہ لے۔ بنابریں یہاں تبینہ کے طور پر تین گواہوں کا اعتبار کیا گیا ہے۔ تاکہ کہیں وہ واجب کی ادائیگی سے رُک نہ جائے اور حرام کھانے پر کمر نہ باندھ لے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سترہواں ضابطہ

چار مردوں کی شہادت

زنا اور عمل قوم لوط

حد زنا اور سدومیت (عمل قوم لوط) میں چار آزاد مردوں کی گواہی پر فیصلہ کیا جاتا ہے۔ زنا پر شہادت کا نصاب نص اور اجماع سے ثابت ہے۔

سدومیت کے بارے میں فقہاء کا ایک گروہ کہتا ہے کہ جس طرح حد کے سلسلے میں اس کو زنا پر قیاس کیا گیا ہے۔ اسی طرح نصاب شہادت میں بھی اس کو زنا پر قیاس کیا جائیگا۔

فقہاء کا دوسرا گروہ اس طرف گیا ہے کہ اگرچہ سدومیت مسمّیٰ کے اعتبار سے زنا میں داخل ہے کیونکہ یہ فرج حرام میں مجامعت ہے۔ مگر یہ تصور عرب میں معروف نہیں تھا۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ سدومیت شرعاً زنا کے مسمّیٰ میں داخل ہے۔ ایک اسم کبھی کبھی لغت میں اسم کے لئے استعمال ہوتا ہے اور کبھی اصطلاح کے طور پر۔

فقہاء کی ایک جماعت کہتی ہے کہ سدومیت میں حد جاری کرنا زیادہ ضروری ہے چونکہ یہ ایک ایسی فرج حرام میں مجامعت ہے جو کسی حال اور کسی صورت میں بھی اس کے لئے مباح نہیں ہو سکتی۔ نیز اس پر قوی داعیہ بھی موجود ہے۔ اس لئے اس پر وجوب حد نہایت ضروری ہے اور اس کا نصاب بھی وہی ہونا چاہیئے جو زنا کی حد کا نصاب ہے۔

بعض فقہاء جو سدومیت میں حد کے قائل نہیں بلکہ تعزیر کے قائل ہیں کہتے ہیں کہ دیگر معاصی کی طرح جن میں حد واجب نہیں اس میں بھی شہادت کے لئے دو گواہوں کا نصاب کافی ہے۔ حنفیہ نے اس کی تصریح کی ہے اور امام ابن حزمؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔

وہ علماء جو ہر حالت میں سدومیت کی حد قتل قرار دیتے ہیں ـــــ خواہ مجرم شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ ـــــ اس میں دو گواہوں کی شہادت پر اکتفا کرتے ہیں جیسے مرتدین اور اہل محاربہ کے لئے صرف دو گواہ کافی ہیں اور امام احمد بن حنبلؒ سے منقول دو روایتوں میں سے ایک روایت یہ ہے اسی طرح امام شافعیؒ سے منقول دو اقوال میں سے ایک قول یہ ہے۔ امام مالکؒ کا بھی یہی مسلک ہے البتہ انہوں نے تصریح کر دی ہے کہ سدومیت کی حد میں شہادت کا نصاب چار مرد ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سدومیت کی سزا شادی شدہ زانی کی سزا کے برابر ہے اور ہر حال میں سنگساری ہے۔ سدومیت اور زنا کے نصاب شہادت کے برابر ہونے پر کبھی کبھی دلیل کے طور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پر قرآن مجید کی یہ آیت پیش کی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم یعنی سدومیوں کے بارے میں فرماتا ہے۔

أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ وَأَنتُمْ تُبْصِرُونَ (النمل ۲۷:۵۴) کیا تم دیکھتے ہوئے بھی فحش کا ارتکاب کرتے ہو

اور زنا کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَاللَّاتِي يَأْتِينَ الْفَاحِشَةَ مِن نِّسَائِكُمْ تمہاری عورتوں میں سے جو فحش کام یعنی زنا کا ارتکاب فَاسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِّنكُمْ (النساء ۱۵) کریں تو اُن پر اپنے میں سے چار مردوں کو گواہ بنا لو۔

سدومیت میں اگر کوئی زنا کی حد واجب کرتا ہے یا ہر حال میں اس کی سزا رجم قرار دیتا ہے۔ بالجملہ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ ہر صورت میں ثبوتِ جُرم کے لئے چار گواہوں کی شہادت پیش کرنا ہوگی۔ یا ملزم کے اقرار کی بنیاد پر فیصلہ کرنا ہوگا۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابن حزمؒ اپنے اصولوں کے مُطابق اس پر دو گواہوں کی شہادت پر اکتفار کرتے ہیں۔

رہا ملزم کے اقرار پر فیصلہ کرنا تو آیا اس اقرار پر دو گواہ کافی ہیں یا چار گواہ ضروری ہیں؟ اس بارے میں امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے مذہب میں دو قول ہیں۔ امام احمدؒ سے بھی دو روایتیں منقول ہیں۔

وہ فقہار جو ثبوتِ جُرم کے لئے چار گواہوں کی شرط عائد نہیں کرتے۔ کہتے ہیں کہ محض اقرار پر حد قائم ہو جاتی ہے اور اقرار دو گواہوں سے ثابت ہو جاتا ہے۔ وہ فقہار جو ثبوتِ جرم کے لئے چار گواہوں کی شہادت ضروری قرار دیتے ہیں اُن کی دلیل یہ ہے کہ اقرارِ فعل اپنے نتائج و عواقب کے اعتبار سے فعل کی مانند ہوتا ہے، اور جس طرح ہم ارتکابِ فعل پر چار سے کم گواہوں کی شہادت پر اکتفار نہیں کرتے اسی طرح جب اقرارِ فعل پر شہادت لی جائے گی تو چار سے کم نہ ہوگی۔ اس کی توضیح یوں ہے کہ قول و فعل دونوں وجوبِ حد کا باعث بنتے ہیں۔ جب وجوبِ حد کا باعث بننے والے فعل پر آپ چار مردوں کی گواہی ضروری سمجھتے ہیں تو قول کو ثابت کرنے کے لئے چار مردوں کی گواہی ضروری ہے۔

چار گواہوں کے عدمِ اشتراط کے قائلین کہتے ہیں کہ فعل فی نفسہٖ حد واجب کرتا ہے اور اقرار حد واجب کرنے والے فعل کی طرف دلالت کرتا ہے۔ دونوں کے درمیان فرق ہے۔

دُوسرے فقہار جواب دیتے ہیں کہ یہ فرق مؤثر نہیں ہے۔ اقرار پر بھی ہم اس وقت حد جاری کریں گے جب وہ ارتکابِ فعل کا چار مرتبہ اقرار کرے گا۔ اِسی طرح جب تک اقرار پر چار گواہ موجود نہ ہوں ~~یہ~~ اقرار ثابت نہ ہوگا اور ہم حد جاری نہیں کریں گے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بہائم کے ساتھ بدفعلی

بہائم کے ساتھ بدفعلی کرنے والے کو اگر ہم مستوجب حد قرار دیں تو اس کو ثابت کرنے کے لئے کم از کم چار گواہ ضروری ہیں اور اگر اس کو مستوجب تعزیر قرار دیں جیسا کہ امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کی رائے ہے تو اس بارے میں بھی دو اقوال پائے جاتے ہیں۔

اوّل: ہر حالت میں ثبوت کے لئے چار گواہ ضروری ہیں کیونکہ یہ فحش کام ہے اور فرج کا فرج حرام میں دخول ہے جو بہر حال زنا کے مشابہہ ہے۔ اس رائے کو قاضی ابویعلی نے اختیار کیا ہے۔

ثانی: اس کے ثبوت کے لئے دو گواہ کافی ہیں چونکہ یہ ایسا فعل ہے جس پر حد واجب نہیں اس لئے دیگر جملہ حقوق کی طرح یہ بھی صرف دو گواہوں کی شہادت سے ثابت ہو جائے گا۔

علامہ ابن قدامہ "المغنی" میں رقمطراز ہیں۔

اسی پر ہم ایسے زنا کو قیاس کرتے ہیں جس میں حد واجب نہیں ہوتی جیسے مشترکہ یا شادی شدہ لونڈی کے ساتھ مجامعت وغیرہ اس قسم کی دیگر مثالیں۔

وہ مجامعت جو کسی عارضی امر کے باعث حرام کر دی گئی ہے اس کو ثابت کرنے کے لئے دو گواہ کافی ہیں کیونکہ اس میں حد واجب نہیں۔

مثلاً رمضان کے دنوں میں روزے کے ساتھ بیوی سے مجامعت کرنا احرام اور حالت حیض میں مجامعت وغیرہ ___ نیز بیوی کے ساتھ دُبر میں مجامعت کرنے کے بارے میں بھی یہی حکم ہے۔

ہر وہ فعل جو قتل کی سزا کا موجب ہے شہادت کے اعتبار سے امام حسن بصریؒ نے اس کو زنا سے ملحق کیا ہے۔ ایک روایت کے مطابق یہ قول امام احمدؒ سے بھی منقول ہے۔

اگر یہ قتل حد کے طور پر ہے تو اس کے ضعف کے باوجود یہ ایک پہلو ہو سکتا ہے اور اگر یہ قصاص کے طور پر ہے تو یہ رائے فاسد ہے اسے زنا پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی پردہ پوشی کے لئے فواحش کے باب میں بیّنہ اور اقرار نصاب بہت سخت رکھا ہے اور ان فواحش کی سزا قتل مقرر فرماتی ہے جو سخت ترین سزا ہے اور نفوس انسانی کو سب سے زیادہ ناپسند ہے۔ لہٰذا اسے دوسرے جرائم کی سزاؤں سے ملحق کرنا صحیح نہیں ہے۔ واللہ اعلم

قذف کی سزا اللہ تعالیٰ نے کم تر رکھی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اٹھارواں ضابطہ

غُلاموں کی شہادت

وہ تمام خصُومات و مقدمات جہاں آزاد مرد اور مرد اور عورت کی شہادت کافی ہے وہاں غُلام اور لونڈی کی شہادت بھی قابلِ قبول ہے۔ یہ امام احمدؒ کا صحیح ترین مذہب ہے[1]۔

امام احمدؒ سے یہ روایت بھی منقول ہے کہ حُدود اور قصاص کے علاوہ دیگر ہر جگہ لونڈی اور غلام کی شہادت مقبول ہے[2]۔ چونکہ ان کی شہادت کے اعتبار کے بارے میں علماء میں اختلاف ہے۔ لہٰذا احتیاط کے طور پر کوئی ایسا سبب قائم نہیں ہو سکا جس سے حد واجب ہو۔

پہلا قول صحیح ہے اِس مسئلے میں متقدمین کے اجماع کا بھی ذکر کیا جاتا ہے چُنانچہ امام احمد بن حنبلؒ روایت کرتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا۔

"میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جو غلام کی شہادت کو ردّ کرتا ہو[3]"۔ اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ غلاموں کی شہادت کو ردّ کیا جانا عصرِ صحابہ کے بعد شروع ہوا۔ پھر یہ قول امام مالکؒ امام شافعیؒ اور امام ابو حنیفہؒ کے اختیار کر لینے کے بعد مشہور ہو گیا۔ پھر ان ائمہ کرام کے پیرو آئے اور اُن کے اقوال پر فتوے دیئے اور اُن کے اقوال کے مُطابق عدالتوں میں فیصلے ہونے لگے۔ اور لوگوں میں یہی مذہب معروف ہو گیا۔ مدینہ میں اس قول کی شہرت کی بنا پر امام مالکؒ نے فرمایا۔

"میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جو غلام کی شہادت کو قبول کرتا ہو"۔ حالانکہ حضرت انسؓ بن مالک کا قول اس کے مخالف ہے۔

غلام کی شہادت کو قبول کرنا قرآن و سنّت اور اقوالِ صحابہ کی موجبات کے مُطابق ہے اور جو لوگ غلام کی شہادت کو ردّ کرتے ہیں۔ ان کے پاس کتاب اللہ، سُنّت، اجماع اور قیاس میں سے کوئی دلیل نہیں ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

---

[1] نیز مذہب امام احمدؒ کے علاوہ اسحاق بن راہویہؒ، عثمان البتیؒ، ابو سلیمانؒ اور ابو ثورؒ کا ہے۔ امام بخاریؒ صحیح بخاری میں لونڈی غلام کی شہادت کے باب میں نقل کرتے ہیں کہ حضرت انس نے غلام کی شہادت کو جائز قرار دیا ہے۔ زُرارہ بن اوفیؒ اور قاضی شریح بھی غلام کی شہادت کو جائز سمجھتے تھے۔ ابن سیرینؒ بھی آقا کے سوا دیگر اشخاص کے بارے میں غلام کی شہادت کو صحیح سمجھتے تھے اسی طرح حسن بصریؒ اور ابراہیم نخعیؒ معمولی معاملات میں لونڈی غلام کی گواہی کو صحیح قرار دیتے تھے۔ امام بخاریؒ کا بھی یہی مذہب ہے،

[2] المغنی جلد ۱۰ صفحہ ۲۶۱، [3] المغنی جلد ۱۰ صفحہ ۲۶۱، [4] المغنی جلد ۱۰ صفحہ ۲۶۱

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (البقرۃ۔ ۱۴۳)
اس طرح ہم نے تمہیں "امتِ وسط" بنایا ہے۔ تاکہ تم لوگوں پر گواہ رہو اور رسول تم پہ گواہ رہے۔

"وسط" لغوی اعتبار سے عادل اور خیار کو کہتے ہیں اور اس میں قطعاً کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اس خطاب میں مسلمان غلام بھی شامل ہیں۔ نص قرآن غلام کی عدالت پر شاہد ہے لہٰذا وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں شامل ہے۔

وَاَشْهِدُوْا ذَوَىْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ۔
اور تم اپنے میں سے دو عادل گواہ مقرر کرلو۔

اللہ تعالیٰ سورۃ النساء اور سورۃ المائدہ میں فرماتا ہے۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلّٰهِ (النساء۔ ۱۳۵)
اے ایمان والے لوگو انصاف پر اللہ تعالیٰ کیلئے گواہی دیتے ہوئے پوری طرح قائم رہو۔

اور یہی قطعی بات ہے کہ غلام بھی اہل ایمان میں شمار ہوتا ہے۔ اس لئے وہ بھی اللہ کی اس گواہی میں شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ (البقرۃ۔ ۲۸۲)
اور اپنے مردوں میں سے دو گواہوں کی گواہی ثبت کروالو۔

اور بلاشبہ مسلمان غلام بھی "ہمارے مردوں" میں شمار ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ (البینۃ۔ ۷)
بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے تو یہی لوگ ہیں جو تمام مخلوق میں اچھے ہیں

مومن اور صالح غلام بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی بہترین مخلوق میں شمار ہوتا ہے اس کی شہادت کو کیسے رد کیا جاسکتا ہے درآں حالیکہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول نے اس کو عادل قرار دیا ہے ایک مشہور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

يحمل هذا العلم من كل خلف عدوله ينفون عنه تحريف الغالين وانتحال المبطلين وتاويل الجاهلين۔ خلف میں سے عادل لوگ اس علم کے حامل ہوں گے جو غلو پسندوں کی تحریف کو ختم کریں گے۔ باطل پسندوں کے انتساب کو دور کریں گے۔ اور جاہلوں کی تاویل کا سدِباب کریں گے ـــــ اور غلام بھی ان حاملین علم میں شامل ہے اس کی عدالت قرآن اور سنت سے ثابت ہے۔ تمام اہل علم اس امر پر متفق ہیں کہ اگر ایک غلام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کرتا ہے تو بلاریب اس کی حدیث مقبول ہے اگر ایک مومن اُد

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صالح غلام کی شہادت ایک عام آدمی کے بارے میں قابل اعتبار نہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بارے میں اسے کیونکر قابل اعتبار ہو سکتی ہے۔

یہ نہیں کہا جا سکتا کہ روایت حدیث کا باب شہادت کے باب سے زیادہ وسیع ہے۔ لہٰذا شہادت کے ضمن میں نسبتاً زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ اس قسم کی باتیں عام طور پر لوگوں کی زبان پر رہتی ہیں مگر ان کو تحقیق و صواب سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کے سب سے زیادہ مستحق ہیں کہ آپؐ کے بارے میں روایت و شہادت میں انتہائی ضبط و احتیاط کو مدنظر رکھا جاتے۔ کیونکہ آپؐ پر جھوٹ باندھنا عام لوگوں پر جھوٹ باندھنے کے مقابلے میں بہت بڑا گناہ ہے۔

شہادت تو عداوت اور قرابت وغیرہ کی بناء پر رد کر دی جاتی ہے مگر روایت رد نہیں کی جاتی۔ کیونکہ دشمن کی شہادت اور بیٹے کی شہادت میں تہمت کا احتمال موجود ہوتا ہے۔ عورت کی شہادت میں عدم ضبط و حفظ کا خدشہ لاحق ہو سکتا ہے لیکن غلام کی شہادت میں اس قسم کے تمام خدشات اگر واقع ہو سکتے ہیں تو آزاد کی شہادت میں بھی یہی خدشات لاحق ہیں۔ فی نفسہٖ ان دونوں کی شہادت میں کوئی فرق نہیں۔ وہ علل جو دشمن قرابت دار اور عورت کی شہادت کو رد کرنے کا باعث بنتی ہیں۔ غلام کی شہادت میں موجود نہیں ہیں۔

مسلمان کی شہادت کو قبول کرنے کا جو چیز تقاضا کرتی ہے وہ ہے اس کی عدالت اس کی صداقت کا ظن غالب اور تہمت سے اس کا مبرّا ہونا۔ یہ تمام شرائط ایک مومن صالح غلام میں بھی بعینہٖ موجود ہوتی ہیں۔ اس کی شہادت کو قبول کرنے کا تقاضا کرنے والے تمام عوامل موجود ہیں اور کوئی ایسا امر مانع نہیں ہے جو اس کی شہادت کو رد کرنے کا تقاضا کرے۔ نفس غلامی ایسا مانع نہیں ہے جو اس کی شہادت کو رد کر دینے کا متقاضی ہو۔ غلامی نہ تو باعث تہمت ہے اور نہ عدالت کی صفت کو زائل کر سکتی ہے اور یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے؟

ایسا غلام جو بیک وقت اللہ تعالیٰ اور اپنے مالک کے حقوق ادا کرتا ہے اس کے لئے دہرا اجر ہے۔ یہ غلام ان تین قسم کے لوگوں میں شامل ہیں جو سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین نے غلام کی شہادت کو قبول کیا ہے اور صحابہ کرام ہمارے مقتدا ہیں۔

ابوبکر ابن شیبہؒ شعبیؒ کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ قاضی شریحؒ نے کہا۔

"میں غلام کی شہادت کو صحیح نہیں سمجھتا۔"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت علیؓ نے فرمایا "مگر میں تو صحیح سمجھتا ہوں"۔ اور اس کے بعد قاضی شریحؒ آقا کے سوا دیگر تمام اشخاص کے حق میں غلام کی شہادت قبول کرنے لگے۔[1]

مختار بن فلفل کہتے ہیں کہ اُنہوں نے حضرت انس بن مالکؓ سے غلام کی شہادت کے بارے میں پوچھا تو اُنہوں نے جائز قرار دیا۔[2]

امام ثوریؒ عمار دہنیؒ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ وہ قاضی شریحؒ کی عدالت میں موجود تھے کہ ایک غلام نے ایک مکان کے مقدمے میں آکر شہادت دی۔ قاضی شریحؒ سے کہا گیا کہ یہ تو غلام ہے۔ قاضی شریحؒ نے کہا۔ "کلّنا عبیدٌ واماءٌ" (ہم سب لونڈی اور غلام ہیں[3])

امام احمدؒ ابن سیرین سے روایت کرتے ہیں کہ اگر غلام میں عدالت کی صفت موجود ہو تو وہ غلام کی شہادت میں کوئی عیب نہیں سمجھتے تھے۔[4]

امام احمد روایت کرتے ہیں کہ ایاس بن معاویہؒ سے غلام کی شہادت کے بارے میں سوال کیا گیا قاضی ایاس نے جواب دیا "کیا میں عبدالعزیز بن صہیب کی شہادت رد کر سکتا ہوں"؟[5]

امام احمد روایت کرتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک نے فرمایا "میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جس نے غلام کی شہادت کو ردّ کیا ہو"۔

غلام کی شہادت کے بارے میں فقہاء میں اختلافاتِ رائے پایا جاتا ہے۔ فقہاء کی ایک جماعت جس میں امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ شامل ہیں۔ غلام کی شہادت کو مطلقاً رد کر دیتی ہے۔ فقہاء کی دُوسری جماعت غلام کی شہادت کو آقا کے سوا دیگر ہر جگہ مطلقاً قبول کرتی ہے۔[6]

امام ثوری روایت کرتے ہیں کہ ابراہیم نخعیؒ اور شعبیؒ نے فرمایا ہے کہ غلام کی شہادت اپنے آقا کے بارے میں قبول نہیں کی جائے گی۔ دیگر ہر مقام پر اس کی شہادت جائز ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔

بعض فقہاء معمولی معاملات میں تو غلام کی شہادت کر لیتے ہیں۔ مگر بڑے معاملات میں نہیں۔

---

[1] فتح الباری جلد ۵ صفحہ ۲۶۷ بحوالہ ابن ابی شیبہؒ [2] فتح الباری جلد ۵ صفحہ ۲۶۷ بحوالہ ابن ابی شیبہ [3] اس اثر کو امام بخاری نے تعلیقاً نقل کیا ہے۔ امام ابوبکر ابن ابی شیبہؒ اور امام سعید بن منصورؒ نے اسے موصولاً روایت کیا ہے۔ فتح الباری جلد ۵ صفحہ ۲۶۷، [4] فتح الباری جلد ۵ صفحہ ۲۶۷ بحوالہ مسائل عبداللہ بن احمد بن حنبل [5] المحلّی جلد ۹ صفحہ ۴۱۳ بحوالہ عبداللہ بن احمد نیز المغنی جلد ۱۰ صفحہ ۲۶۴، [6] نیز ابن ابی لیلیٰؒ، حسن بن حیؒ، ابوعبیدؒ اور ایک روایت کے مطابق ابن شبرمہ کا بھی یہی مذہب ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ قول ابراہیم نخعیؒ کا ہے[1] دو روایتوں میں سے ایک روایت قاضی شریحؒ اور شعبیؒ سے بھی یہی منقول ہے۔

وہ فقہاء جو ہر حالت میں غلام کی شہادت کو رد کرتے وہ درحقیقت غلام کو کافر پر قیاس کرتے ہیں۔ کافر کفر کی وجہ سے منقوص ہوتا ہے اور غلام اپنی غلامی کی وجہ سے منقوص ہوتا ہے مگر یہ دنیا میں بدترین قیاس ہے اور اس قیاس کے فاسد ہونے کا علم ضروریات دین میں شامل ہے۔

بعض اہل علم غلام کی شہادت کو رد کرتے ہوئے دلیل کے طور پر قرآن مجید کی یہ آیت پیش کرتے ہیں۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ (النحل۔۷۵) اللہ تعالیٰ ایک غلام کی مثال دیتا ہے جو کسی چیز پر قادر نہیں۔

شہادت بھی ایک چیز ہے اور غلام اس پر کیسے قادر ہو سکتا ہے؟

علامہ ابو محمد ابن حزمؒ اس کے جواب میں رقمطراز ہیں[2]

"کلام اللہ کی تحریف دنیا و آخرت میں ہلاکت کا باعث بنتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ تمام غلام کسی چیز پر قادر نہیں ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے غلاموں میں سے صرف ایک غلام کی مثال دی ہے جس کی صفت ذکر فرمادی ہے اور صفت مذکورہ تو بے شمار آزاد مردوں میں بھی پائی جاتی ہے اور مشاہدے سے ہمیں معلوم ہے کہ غلام بعض ایسے معاملات کی قدرت رکھتے ہیں جن پر بہت سے آزاد آدمی بھی قادر نہیں ہوتے۔ ہم ان لوگوں سے پوچھتے ہیں کیا غلاموں پر نماز روزہ اور طہارت وغیرہ لازم نہیں جو آزاد مردوں پر لازم ہیں؟ کیا ان پر کھانے پینے کی اشیاء اور شرم گاہیں حرام ہیں جو آزاد مردوں پر حلال ہوتی ہیں؟ جو اس قول کو اللہ تعالےٰ کی طرف منسوب کرتا ہے۔ وہ واضح طور پر اللہ تعالےٰ پر کذب و افترا کا مرتکب ہوتا ہے۔

بعض فقہاء دلیل دیتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا۔ (البقرہ۔۲۸۲) اور گواہوں کو جب گواہی کے لئے بلایا جائے تو انہیں انکار نہیں کرنا چاہیے۔

پس گواہوں کو گریز اور انکار سے منع کیا گیا ہے۔ غلام کی منفعتیں اپنے آقا کے لئے مختص ہوتی ہیں۔ اس لئے اس کو اپنے آقا کی خدمت کے سوا کسی چیز پر دلالت نہیں کرتا۔ البتہ جب مالک کی خدمت میں تعطل پیدا نہ ہو اور مالک اس کو شہادت کے تحمل اور ادائیگی کی اجازت دے دے تو کوئی حرج نہیں۔

[1] المغنی جلد ۱ صفحہ ۲۶۱ ، [2] المحلی جلد ۹ صفحہ ۴۱۴

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مذکورہ دلیل کی بنا پر کسی شخص کا یہ سمجھنا مناسب نہیں ہے کہ عادل گواہوں کی شہادت کو رد کیا جاسکتا ہے اگر آیت کا یہ تقتضیٰ ہے تو پھر یہ آیت غلاموں کی روایت کو بھی رد کرنے کا تقاضا کرتی ہے۔

بعض فقہاء مندرجہ ذیل آیت کو دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهَادَاتِهِمْ قَائِمُوْنَ (اور وہ لوگ جو اپنی گواہیوں پر قائم ہیں المعارج ۳۳) اور غلام اہل قیام میں شمار نہیں ہوتے۔

درحقیقت یہ اُن لوگوں کی دلیل ہے جو شہادت کو ولایت کی جنس قرار دیتے ہیں اور غلام کسی کا ولی نہیں بن سکتا۔ مگر یہ انتہائی کمزور دلیل ہے۔ ان سے پُوچھا جائے کہ وہ ولایت سے کیا مُراد لیتے ہیں؟ کیا ولایت سے اُن کی مُراد مشہود علیہ پر غلام کی شہادت کی مقبولیت ہے یا غلام کو وہ مشہود علیہ پر حاکم تصور کرتے ہیں جو فیصلہ کرتا ہے؟ اگر وہ پہلی چیز مُراد لیتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ شہادت، شہادت۔ شہادت ہے اور غلام شہادت کا اہل نہیں اور یہ ہے اُن کی دلیل کا حاصل۔ اگر اُن کی مُراد دُوسری ہے تو اس کا بطلان قطعی طور پر معلوم ہے اور شہادت کیلئے ایسی ولایت لازم نہیں۔

بعض اہل علم کہتے ہیں کہ غلامی نشانات کفر میں سے ایک نشان ہے۔ بنا بریں اس کی شہادت ممنوع ہے جیسے فسق کی بنا پر اہل فسق کی شہادت مردود ہوتی ہے۔ یہ بات بُطلان کی انتہا کو پہنچی ہوئی ہے۔ اگر اس بات کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی روایت بھی قابل قبول نہیں وہ فتویٰ دینے کا بھی مجاز نہیں اس کے پیچھے نماز بھی نہیں ہوسکتی، اور وہ دُہرے اجر کے حصُول کا بھی مستحق نہیں (جیسا کہ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے)

غلام کی شہادت کی عدم مقبولیت پر ایک دلیل یہ دی جاتی ہے کہ غلام ہمیشہ اپنے آقا کی خدمت میں مشغول رہتا ہے اور اس کو فرصت ہی نہیں ہوتی کہ شہادت کی ادائیگی بجالائے اور نہ وہ اس پر قادر ہوتا ہے ـــــ ان کی یہ دلیل پہلی دلیل سے بھی زیادہ بودی اور پوچ ہے کیونکہ یہی چیز اس کی روایت اور افتاء وغیرہ میں بھی نقص کا تقاضا کرتی ہے۔ نیز اس سے یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ ایک آزاد عورت بھی ان وجُوہات کی بنا پر ادائے شہادت کی مستحق نہیں ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر غلام کو اس کا آقا اجازت دے دے۔ تب وہ شہادت دے سکتا ہے۔ اس دلیل سے یہ مفہوم بھی لازم آتا ہے کہ ایک اجیر جو معاہدۂ اجارہ کی بنا پر دن رات مصرُوف رہتا ہے گواہی نہیں دے سکتا۔ یہ دلیل اس لئے بھی بے وزن ہے کہ غلام کی ادائیگی شہادت سے اس کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آقا کا حق باطل نہیں ہوتا۔

غلام کی شہادت کو رد کرنے کے لئے ایک دلیل یہ بھی دی جاتی ہے کہ غلام تو متاع تجارت ہے وہ شہادت کیسے دے سکتا ہے۔

یہ دلیل بھی انتہائی کمزور ہے کیونکہ وہ اس "سامان تجارت" کی روایت اور فتویٰ کو قبول کر لیتے ہیں۔ اس کی امامت کی صحت کو تسلیم کرتے ہیں۔ اس "سامان تجارت" پر نماز روزہ اور طہارت بھی لازم کرتے ہیں (مگر اس کی شہادت قبول نہیں کرتے)

ان کی ایک دلیل یہ ہے کہ غلام میں دنارت[1] ہوتی ہے اور شہادت ایک اعلیٰ و ارفع منصب ہے اس لئے ایک غلام اس منصب کا اہل نہیں۔

سبحان اللہ! کتنا بودا اعتراض ہے اگر دنارت سے ان کی مراد ایسی دنارت ہے جو اس کی عدالت اور تدین میں قادح ہے تو ہم ایسے غلام کی بات نہیں کر رہے۔ اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے ہاں نافعؒ اور عکرمہؒ بہت سے آزاد مردوں سے زیادہ عزت و شرف اور جلالت و قدر کے حامل ہیں۔ اگر دنارت سے ان کی مراد یہ ہے کہ وہ غیر کی غلامی میں مبتلا ہے تو اس کی ابتلاء قبول شہادت سے مانع نہیں ہے بلکہ اس سے تو اللہ تعالیٰ نے اس کا درجہ بلند کیا ہے اور اس کو دہرا اجر عطا کیا ہے۔

یہ ہیں وہ دلائل جو غلام کی شہادت کو غیر معتبر قرار دینے کے لئے دیئے جاتے ہیں۔ آپ نے ان دلائل کی کمزوری بھی ملاحظہ کر لی ہے جب آپ اُن کے دلائل کا تقابل ان لوگوں کے دلائل سے کریں گے جو غلام کی شہادت کو معتبر قرار دیتے ہیں تو آپ پر حق مخفی نہیں رہ سکتا۔

---

[1] دنارت سے مراد خساست اور ذلالت ہے بعض دفعہ کمینے پن کو دنارت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تیسواں ضابطہ

ممیّز بچّوں کی شہادت

بچّوں کی شہادت کے بارے میں فقہا میں اختلاف واقع ہوا ہے۔ ایک گروہ نے بچّوں کی شہادت کو مطلقاً رد کر دیا ہے یہ موقف امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کا ہے اور ایک روایت کے مطابق امام احمد کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام احمدؒ سے مروی دوسری روایت یہ ہے کہ ممیّز بچے[1] میں اگر دیگر شرائط موجود ہوں تو اس کی شہادت قبول کی جا سکتی ہے۔ امام احمدؒ سے منقول تیسری روایت یہ ہے کہ بچّوں کے آپس کے لڑائی جھگڑوں میں اُن کے ایک دوسرے سے جُدا ہونے سے قبل اُن کی شہادت قبول کی جا سکتی ہے۔ امام مالکؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔

علامہ ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے صحت کے ساتھ مروی ہے کہ وقوعِ حادثہ کے وقت وہ اکٹھے ہوں تو اُن کی شہادت جائز ہے۔ ابن ابی مُلیکہؒ کہتے ہیں کہ قاضی حضرات نے حضرت ابن زبیرؓ کے قول کو اختیار کیا ہے[2]

قتادہ حسن بصریؒ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے فرمایا "بچے کی شہادت جائز ہے اور غلام پر غلام کی شہادت جائز ہے[3]"

حسن بصریؒ روایت کرتے ہیں کہ امیر معاویہؓ نے فرمایا "بچّوں پر بچّوں کی شہادت اپنے اپنے گھروں میں جانے سے پہلے جائز ہے۔ گھروں میں جانے کے بعد اُن کو سکھایا جا سکتا ہے[4]"

شعبیؒ روایت کرتے ہیں کہ چھ بچے تیرنے کیلئے گئے ان میں سے ایک ڈوب گیا۔ باقی بچّوں میں سے تین دُوسرے ساتھیوں پر ڈبونے کی گواہی دے رہے تھے دُوسرے دو کہہ رہے تھے کہ بچے کو ان تینوں نے ڈبویا ہے۔ حضرت علیؓ نے دیت کے پانچ حصّے کر کے دو حصّے تین ساتھیوں پر عائد کر دیئے۔ تین حصّے باقی دو ساتھیوں پر عائد کر دیئے[5]

سفیان ثوریؒ روایت نقل کرتے ہیں کہ تین لڑکوں نے چار لڑکوں کے خلاف گواہی دی۔ اور

---

[1] فقہاء کے نزدیک ممیّز بچے سے مُراد وہ بچّہ ہے جو سن تمیز کو پہنچ چکا ہو۔ جو واقعہ کو سمجھ کر یاد رکھ سکتا ہو۔ بعض فقہا نے سن تمیز کے لیے کم از کم دس سال کی عمر کی قید لگائی ہے [2] مصنف عبدالرزاق جلد ۸ صفحہ ۳۴۹ المحلی ابن حزمؒ جلد ۹ صفحہ ۴۲۰
[3] المحلی جلد ۹ صفحہ ۴۲۰ مصنف عبدالرزاق جلد ۸ صفحہ ۳۵۰ [4] المحلی جلد ۹ صفحہ ۴۲۰، [5] المحلی جلد ۹ صفحہ ۴۲۲ بحوالہ ابن ابی شیبہؒ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان چاروں نے ان تینوں کے خلاف گواہی دی حضرت مسروقؒ نے دیت کے سات حصے کر کے تین حصے چار لڑکوں پر عائد کر دیئے اور چار حصے باقی تین لڑکوں پر عائد کر دیئے [1]

ابوالزنادؒ کہتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ جراحات کے مقدمات میں مدعی کے حلف کے ساتھ بچوں کی شہادت قابل قبول ہے [2]

جراحات میں عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے بچوں کی شہادت کو ایک دوسرے پر جائز قرار دیا ہے اور معاملہ جب بڑوں تک پہنچ جائے تو مدعیوں کے حلف کے ساتھ بچوں کی شہادت جائز ہے [3]

ربیعہ [4] الرائیؒ کہتے ہیں "جب تک بچے ایک دوسرے سے علیحدہ نہ ہوں ان کی شہادت ایک دوسرے کے بارے میں قبول کی جا سکتی ہے [5]۔

قاضی شریح کہتے ہیں کہ اگر بچوں کے بیانات متفق ہوں تو ان کی شہادت قبول کر لی جائے گی۔ اگر بیان مختلف ہوں تو ان کی شہادت قابل قبول نہیں ہے [6] یہی قول ابوبکر ابن حزمؒ سعید بن المسیبؒ اور زہری کا ہے۔

ابن ابی ملیکہ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ سے بچوں کی شہادت کے بارے میں سوال کیا تو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ گواہوں میں سے جو لوگ تمہیں پسند ہوں اور بچے ایسے گواہ ہیں جو ہمیں پسند نہیں۔ مگر عبداللہ بن زبیرؓ نے فرمایا۔" اس بات کا زیادہ امکان ہے کہ جب بچوں سے اصل واقعہ کے متعلق پوچھا جائے کہ انہوں نے دیکھا ہے تو وہ ٹھیک ٹھیک بتا دیں [7]۔

ابن ابی ملیکہؒ کہتے ہیں کہ میں نے کوئی ایسا جج نہیں دیکھا جس نے ابن زبیرؓ کے قول کو اختیار نہ کیا ہو ——— مالکیہ کہتے ہیں۔

شریعت نے بچوں کو تیر اندازی، نیزہ بازی اور کشتی سکھانے کی حوصلہ افزائی کی ہے اور اسے مستحسن قرار دیا ہے اسی طرح دیگر تمام کھیل اور کرتب جو ہتھیار اٹھانے ضرب لگانے، حملہ کرنے اور بچوں کے اعضاء کو مضبوط کرنے ان کے اقدام کو قوی کرنے میں مدد دیں۔ شرعی لحاظ سے مندوب اور قابلِ تحسین ہیں۔ اسی طرح ان کو حملہ کرنے کے طریقے سکھانا نیز میدانِ جنگ سے فرار

---

[1] المحلی جلد ۹ صفحہ ۴۲۰، [2] المحلی جلد ۹ صفحہ ۴۲۰، [3] المحلی جلد ۹ صفحہ ۴۲۱، [4] ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن التیمی جو ربیعہ الرائی کے نام سے مشہور ہیں۔ حضرت انسؓ، یزید بن سائب اور سعید بن المسیبؒ سے اکتسابِ علم کیا۔ امام مالک کے استاد تھے ۱۳۶ھ میں انبار کے مقام پر وفات پائی [5] المحلی جلد ۹ صفحہ ۴۲۱، [6] المحلی جلد ۹ صفحہ ۴۲۱، [7] مصنف عبدالرزاق جلد ۸ صفحہ ۳۴۹

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور دیگر عار کے کاموں سے نفرت اور غیرت وحمیت سکھانا انتہائی محمود اور مندوب کام ہے اور ہمیں یہ بھی معلوم ہے اِن تمام کاموں میں بچّوں کو اکثر اکیلے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ کبھی کبھار یوں بھی ہوتا ہے کہ بچّوں کی آپس میں لڑائی ہو جاتی ہے۔ اگر ایک دُوسرے کے متعلّق ان کی شہادت قبول نہ کی جائے تو اُن کے خون ضائع ہو جائیں گے اور خون کے متعلق تو شارع نے بے حد احتیاط کی تاکید کی ہے حتّٰی کہ اِس میں لوث[1] اور حلف کو تسلیم کیا ہے۔ مگر اسی لوث اور حلف کو ایک درہم کے مالی جھگڑے میں تسلیم نہیں کیا۔ بچّوں کی شہادت کو قبول کرنے کے بارے میں سلف صالح کی آرا کثرت سے ملتی ہیں یہ مذہب حضرت علیؓ امیر معاویہؓ عبداللہ بن زبیرؓ۔

تابعین میں سے سعید بن المسیّبؒ، عروہ بن زبیرؒ عمر بن عبدالعزیزؒ، شعبیؒ، ابراہیم نخعیؒ، قاضی شریحؒ، ابن ابی لیلیٰؒ، ابن شہاب زہریؒ اور ابن ابی ملیکہؒ سے منقول ہے۔ ابن ابی ملیکہؒ کہتے ہیں "میں نے کسی ایسے قاضی کو نہیں پایا جس نے ابن زبیرؓ کے قول کو اختیار نہ کیا ہو"۔

ابو الزنادؒ کہتے ہیں کہ بچّوں کی شہادت قبول کرنا سنّت سے ثابت ہے۔

بچّوں کی شہادت کے معتبر ہونے کی شرائط

فقہائے مالکیہ نے بچّوں کی شہادت قبول کرنے کیلئے درج ذیل شرائط سے مشروط کیا ہے۔

۱۔ آزاد ہوں۔ ۲۔ لڑکے ہوں ۔۳۔ مسلمان ہوں ۴۔ کم از کم دو یا اس سے زیادہ ہوں۔ ۵۔ اپنے اپنے گھروں میں داخل ہونے سے پہلے ہو۔ ۷۔ یہ شہادت اُن کی آپس میں ہو۔ ۸۔ خاص طور پر قتل اور جراحات میں ان کی گواہی کا اعتبار ہوگا۔ ۹۔ بڑوں کے متعلق ان کی شہادت قابل قبول نہیں ہوگی۔ مثلاً اگر وہ کسی بڑے کے متعلق گواہی دیں کہ اس نے ایک بچّے کو قتل کر دیا ہے یا کسی بچّے نے کسی بڑے کو قتل کر دیا ہے۔ اس قسم کی شہادت کا اعتبار نہ ہوگا۔ ۱۰۔ اگر وہ شہادت دے کر اپنی شہادت سے رجوع کر لیں تو اُن کی پہلی شہادت کا اعتبار کیا جائے گا اور اُن کا دُوسرا قول قابل التفات نہ ہوگا۔

مالکیہ کہتے ہیں "ہمارے ہاں اِس امر میں کوئی اختلاف نہیں کہ بچّوں کی شہادت کے سلسلے میں ان پر جرح و تعدیل کا کوئی اعتبار نہیں"۔ وہ کہتے ہیں۔

"البتہ قرابت اور عداوت میں ہمارے اصحاب اختلاف رکھتے ہیں کہ آیا یہ امور قبول شہادت میں قادح ہیں یا نہیں؟ اسی طرح ہمارے اصحاب اس بارے میں بھی اختلاف رکھتے ہیں کہ آیا لڑکیوں کی شہادت قابل قبول ہے یا نہیں"؟

---

[1] "لوث" کے لئے ملاحظہ ہوں۔ حواشی صـــــ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیسواں ضابطہ

اہلِ فِسق کی شہادت

اہلِ فِسق کی شہادت کی مختلف صورتیں ہیں۔

اوّل : ایک شخص اپنے اعتقاد کے باعث ہمارے نزدیک فاسق ہوتا ہے مگر وہ اپنے دین کی حفاظت کرنے والا ہے ہم اگرچہ اس پر فسق کا حکم لگاتے ہیں مگر اس کی شہادت مقبول ہے۔ مثلاً ایسے اہلِ بدعت جن کی ہم تکفیر نہیں کرتے جیسے روافض[1]، خوارج[2] اور معتزلہ[3] وغیرہ۔ آئمہ سے یہی منصوص ہے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں "میں اہلِ بدعت کی ایک دوسرے پر شہادت قبول کرتا ہوں مگر خطابیہ[4] کی شہادت قبول نہیں کرتا۔ کیونکہ یہ لوگ اپنے موافقین کے حق میں اور مخالفین کے خلاف گواہی دینا روا سمجھتے ہیں"۔

بلاریب ایسے لوگوں کی شہادت جو گناہِ کبیرہ اور جھوٹ پر تکفیر کرتے ہوں۔ دوسرے لوگوں کی شہادت سے اولیٰ ہے۔ سلف و خلف ہمیشہ سے اُن کی شہادت اور روایت قبول کرتے چلے آئے ہیں۔ آئمہ کرام ——— مثلاً امام احمد بن حنبل اس وجہ سے صرف ایسے بدعتی کے پیچھے نماز پڑھنے اور اس کی روایت قبول کرنے سے منع کیا ہے جو کھلے بندوں بدعات کا ارتکاب کرتا ہے اور اسں کو دین بنا کر لوگوں کو اس کی طرف دعوت دیتا ہے۔ تاکہ مسلمان اس کی بدعات کے ضرر سے محفوظ رہیں۔ کیونکہ اہلِ بدعت کی شہادت اور روایت کو قبول کرنا ان کے پیچھے نماز پڑھنا، اُن کو قاضی بنانا اور اُن کے فیصلے نافذ کرنا دراصل ان کی بدعات پر

---

[1] روافض اہلِ تشیع میں سے ان غالی لوگوں کو کہا جاتا ہے جو صحابہ کرام کے بغض میں حد سے بڑھ گئے ہیں اور ان کو سبّ و شتم کا نشانہ بناتے ہیں۔ [2] خارجی فرقے کا شمار اسلام کے سیاسی فرقوں میں ہوتا ہے۔ یہ لوگ پہلے حضرت علیؓ کے ساتھیوں میں سے تھے مگر حضرت علیؓ کے تحکیم قبول کر لینے کی وجہ سے اُن سے علیحدہ ہو گئے اور اُن کو کافر گرداننے لگے۔ خوارج بھی بہت سے فرقوں میں منقسم ہیں یہ لوگ اپنے نظریات میں بہت متشدد ہیں۔ [3] اسلام کے اعتقادی فرقوں میں سے ایک فرقہ "قدریہ" ہے ان کا نظریہ تھا کہ انسان کے تمام افعال اختیاری پر اُس سے صادر ہوتے ہیں۔ یہی لوگ تاریخ اسلام میں "معتزلہ" کے نام سے مشہور ہوتے ہیں۔ [4] ابوالخطاب محمد بن ابی زینب الاسدی الاجدع کے پیروکار خطابیہ کہلاتے ہیں۔ یہ اہلِ تشیع کا ایک فرقہ ہے ان کا عقیدہ تھا کہ آئمہ نبی ہوتے ہیں۔ ابوالخطاب بھی نبی تھا وہ اپنے مخالفین کے خلاف اور موافقین کے حق میں جھوٹی شہادت دینے کے قائل تھے۔ (التعریفات۔ فرق الشیعہ۔ الملل والنحل)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اظہارِ رضامندی ہے۔ یہ ان کی بدعات کا کھلم کھلا ثبوت ہے اور اُن کی بدعات کو قبول کرنے کے مواقع فراہم کرنا ہے۔

علامہ حربؒ[1] کہتے ہیں کہ امام احمدؒ نے فرمایا" قدریہ۔ روافض اور ایسے بدعتی کی شہادت ناقابلِ قبول ہے جو اپنے بدعات کی طرف لوگوں کو دعوت دیتا ہے اور اِس بارے میں لوگوں سے جھگڑتا اور بحثیں کرتا ہے"۔

علامہ میمونیؒ[2] نقل کرتے ہیں کہ ابوعبداللہ (امام احمدؒ) نے روافض کے متعلق فرمایا" اللہ تعالےٰ ان پر لعنت کرے ان کی شہادت قابلِ قبول نہیں اور نہ اُن کے لئے کوئی عزت و تکریم ہے"۔

اسحاق بن منصورؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام احمدؒ سے عرض کی کہ امام ابن ابی لیلیٰؒ ہر بدعتی کی شہادت قبول کر لیتے تھے مگر اس شرط کے ساتھ کہ اس میں عدل ہو اور وہ جھوٹی گواہی کے جائز ہونے کا اعتقاد نہ رکھتا ہو"۔

امام احمدؒ بن حنبل نے جواب میں فرمایا" مجھے جہمیہ، رافضہ، قدریہ اور بدعات کا پرچار کرنیوالوں کی شہادت پسند نہیں"۔

میمونی کہتے ہیں" میں نے ابوعبداللہ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ جہمیہ اور روافض پر مجھے کفر کا خدشہ ہے ان کی شہادت معتبر نہیں اور اُن کے لئے کوئی عزت و تکریم نہیں ہے"۔

یعقوب بن بختاں کی روایت کے مطابق امام احمدؒ نے فرمایا" جب قاضی جہمی ہو تو ہم اس کے پاس شہادت نہیں دیتے"۔

احمد بن حسن ترمذی کہتے ہیں کہ امام احمد کے پاس حاضر ہؤا۔ امام احمد نے فرمایا" تمہارے قاضی کا کیا حال ہے"؟ اس کی عمر میں ڈھیل دے دی گئی ہے"۔

میں نے عرض کی" میرے ذمے بعض لوگوں کی شہادتیں ہیں اور جب میں شہر لوٹوں گا۔ تو مجھے ڈر ہے کہ اگر میں نے شہادت دی تو وہ میری فضیحتی کرے گا"۔

امام صاحب نے فرمایا" تم اس کے پاس شہادت نہ دینا۔ میں نے عرض کی" مگر جس کی

---

[1] حرب بن اسمٰعیل حنظلی کرمانی پہلے پہل تصوف کی راہ پر گامزن رہے امام احمد کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ امام اسحٰق بن راہویہؒ سے بھی تلمذ کا شرف حاصل ہے انہوں نے امام احمد سے بہت سے فقہی مسائل نقل کئے ہیں ابن ابی یعلیٰ نے تاریخ وفات نہیں لکھی۔ البتہ علامہ ذہبیؒ کے مطابق ۲۸۰ھ میں وفات پائی۔ [2] عبدالملک بن عبدالحمید بن مہران میمونیؒ نے امام احمدؒ کے بہت سے مسائل تحریر کئے۔ حالانکہ امام احمد اپنے فتاویٰ لکھنے سے منع فرمایا کرتے تھے میمونی تقریباً بیس سال امام احمد کی صحبت میں رہے اور انہوں نے امام احمد کی فقہ کا بیشتر حصہ قلمبند کیا۔ امام احمد کے اقوال و فتاویٰ کے بارے میں اُن کی روایت پر بہت اعتماد کیا جاتا ہے ۲۷۴ھ میں فوت ہوئے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خاطر شہادت دینی ہے وہ مجھ سے شہادت دینے کے لئے کہے گا۔"

جناب امام نے فرمایا" اس کے پاس شہادت نہ دینا یہ تمہارا حق ہے۔"

میں (ابن قیم) کہتا ہوں ایسے تمام لوگوں کی شہادت قابل قبول نہیں جن کی فاسد نظریات وعقائد کی بنا پر تکفیر کی گئی ہو مثلاً حدوث عالم کا انکار، حشر اجساد کا انکار، اللہ تعالیٰ کے علم کا تمام کائنات پر حاوی ہونے اور اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ کا انکار وغیرہ ـــ کیونکہ یہ لوگ مسلمان نہیں مگر ایسے اہل بدعت جو اسلام کے بنیادی عقائد میں مسلمانوں سے متفق ہیں۔ البتہ بعض اصولوں میں ان سے اختلاف رکھتے ہیں جیسے روافض، قدریہ، جہمیہ اور غالی مرجیہ اور اسی قسم کے دیگر بدعتی فرقے۔

اہل فسق کی اقسام

فساق کی کئی قسمیں ہیں۔

اوّل: ایسا جاہل اور مقلد جس کو دینی بصیرت حاصل نہیں ہے اور وہ حصول علم پر بھی قادر نہیں۔ اس کی نہ تو تفسیق و تکفیر کی جائے گی اور نہ اس کی شہادت کو رد کیا جائے گا۔ ایسا شخص مستضعفین کے زمرے میں آتا ہے۔

إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا فَأُولَٰئِكَ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَعْفُوَ عَنْهُمْ وَكَانَ اللَّهُ عَفُوًّا غَفُورًا۔ (النساء-۹۸)

مگر مردوں، عورتوں اور بچوں میں سے ایسے ناتوان لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں جو کوئی راہ نہیں پاتے اور نہ کسی حیلے پر قادر ہیں یہ ایسے لوگ ہیں کہ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کو معاف کر دے اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا بخشنے والا۔

ثانی: دوسرا وہ شخص ہے جو طلب ہدایت، معرفت حق اور اس کے متعلق تحقیق کرنے پر قادر ہے مگر وہ لذات دُنیا اور ریاست وجاہ میں مشغول ہو کر اس کو ترک کر دیتا ہے۔ ایسا شخص افراط میں مبتلا ہے اور یقیناً وعید کا مستحق ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو فرائض اس کے ذمے ہیں۔ اُن کو ادا نہ کرنے پر گنہگار ہے ایسے آدمی کا معاملہ ان لوگوں کا سا ہے جو واجبات و فرائض کے تارک ہیں۔ اگر اس میں بدعت اور ہوائے نفس اتباع سنت پر غالب ہے تو اس کی شہادت مردود ہے اور اگر اس پر اتباع سنت غالب ہے تو اس کی شہادت قبول کر لی جائے گی۔

ثالث: ایسا شخص جس میں طلب و تحقیق کی استطاعت موجود ہے اور راہ حق اس پر واضح ہے مگر وہ محض تعصب، تقلید، بغض اور اپنے مذہب کی بے جا حمایت کی بنا پر اسے ترک کر دیتا ہے اس کا کم ترین درجہ یہ ہے کہ فاسق ہے البتہ اس کی تکفیر محل اجتہاد اور تفصیل کی محتاج ہے اگر وہ اپنے مذموم مسلک کا برسر عام پرچار کرتا ہے اور لوگوں کو اپنے مسلک کی طرف دعوت دیتا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے تو اس کی شہادت، اس کے فیصلے اور اس کے فتوے سب مردود ہیں۔ اس کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی اور نہ اس کے فتوے اور فیصلے کو صحیح تسلیم کیا جائے گا۔ اِلّا یہ کہ اس قماش کے لوگ غالب آجائیں۔ اقتدار ان کے قبضے میں ہو۔ جج صاحبان، مفتی حضرات اور شاہد انہی میں میں سے ہوں۔ تب ایسے حالات میں اُن کی شہادت اور اُن کے فیصلوں کو رد کرنا بہت بڑے فساد کا باعث ہوگا۔ مجبوراً ایسے لوگوں کی شہادت کو قبول کرنا پڑے گا۔

امام مالکؒ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:" اہلِ بدعت مثلاً قدریہ اور روافض وغیرہ کی شہادت مردود ہے۔ خواہ وہ ہماری نماز ہی کیوں نہ پڑھتے ہوں اور ہمارے قبلے کی طرف منہ کر کے نماز کیوں نہ پڑھتے ہوں۔

علامہ لخمیؒ[1] کہتے ہیں:" یہ اس بنا پر ہے کہ وہ فاسق ہیں اور یہ فسق اگرچہ ان کی غلط تاویل ہی کی وجہ سے کیوں نہ ہو۔"

جب معاملہ یہ ہے کہ محض تاویل کی غلطی کی بنا پر اہلِ علم نے قدریہ اور خوارج کی شہادت مردود قرار دے دی ہے تب جہمیہ کے متعلق ان علماء کی رائے کیا ہوگی۔ کیونکہ سلف میں سے اکثر لوگوں نے جہمیہ کو بہتر فرقوں سے خارج قرار دیا ہے۔

علیٰ ہذا القیاس معدودے چند افراد کو چھوڑ کر اکثر لوگ عموماً فاسق ہوتے ہیں۔ لہٰذا ایک دوسرے پر اُن کی اپنی شہادتوں کی بنا پر فیصلہ کیا جائے گا۔ یہی قرینِ صحت ہے اور اس پر عمل بھی کیا گیا ہے۔ البتہ بعض فقہاء نظری اعتبار سے اس کا انکار کرتے ہیں۔ اور یہ ایسے ہی ہے، جیسے وہ نظری اعتبار سے فاسق و فاجر کی ولایت و امامت سے انکار کرتے ہیں مگر عملاً نظریہ ضرورت کے تحت اس کے فیصلوں کی صحت کو تسلیم کرتے ہیں۔ اسی طرح اگر نکاح کا ولی یا مال کا وصی فاسق و فاجر ہو تو وہ اس کی ولایت کو عملاً تسلیم کرتے ہیں۔

تعجب ہے یہ لوگ فاسق و فاجر سے تو شہادت کا حق چھین لیتے ہیں مگر اس جیسے بلکہ اس سے بھی زیادہ فاسق و فاجر کے ہاتھ میں ولایت و امامت کی باگ ڈور دے دیتے ہیں ایسے عادل لوگ جو اصولاً ولایت کے مستحق ہیں، آج کل نایاب ہیں۔ آج کل تو رشتہ دار فاسق و فاجر ہی شفقتِ قرابت کی بنا پر ممتاز ہے۔ لہٰذا وصیت کرنے والا اسی کو دوسرے لوگوں پر ترجیح دے کر وصی مقرر کرتا ہے۔ تب وہ فاسق و فاجر جس کو وصیت کرنے والے نے وصی مقرر کیا ہے اور محض قرابت کی وجہ سے ممتاز ہے اس فاسق و فاجر سے بہتر ہے جس میں مذکورہ صفات موجود نہیں ہیں۔

---

[1] علامہ ابوالحسن علی بن محمد لخمی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر ایک فاسق کی خبر میں صدق کا گمان غالب ہو تو اس کی شہادت قبول کر لی جائے گی۔ اور اس شہادت کی بنیاد پر فیصلے کئے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں فاسق و فاجر کی خبر کو مطلقاً رد کرنے کا حکم نہیں دیا[1]۔ اور نہ اس خبر کو رد کر دینا جائز ہے۔ بلکہ اس کی خبر کی تحقیق کی جائے تاکہ اس کا صدق و کذب واضح ہو جائے۔ اگر فاسق کی خبر سچی ہے تو اس کو قبول کیا جائے گا۔ فسق کے گناہ کا وہ خود ذمہ دار ہے۔ اور اگر وہ اپنی خبر میں جھوٹا ہے تو اس خبر کو رد کر دیا جائے گا۔ اور اس کی طرف التفاف نہیں کیا جائے گا۔

فاسق کی شہادت کو رد کرنے کی وجہ دو وجوہات کی بنا پر فاسق و فاجر کی شہادت کو رد کیا جاتا ہے۔

اوّل: دین میں اس کی لاپرواہی عمداً جھوٹ بولنے پر دل میں اللہ تعالیٰ کی ہیبت کی کمی کی بنا پر اس کی بات پر عدم اعتماد۔

ثانی: اعلانیہ اپنے فسق کا پرچار کرنا اور اس پر ڈٹے رہنا۔

اس قسم کی چیزوں کے ابطال اور رد کے لئے ان کی شہادت کو قبول کرنا مقاصدِ شریعت میں شمار ہوتا ہے۔ اور جب فاسق کی زبان کی صداقت کا یقین ہو اور یہ بھی معلوم ہو کہ وہ لوگوں میں سب سے زیادہ سچا آدمی ہے۔ اس کا فسق جھوٹ کے علاوہ کچھ اور ہو تو ایسے لوگوں کی شہادت کو رد کر دینے کی کوئی وجہ نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے وقت مدینہ کا راستہ دکھانے کے لئے جو رہبر معاوضے پر ساتھ لیا تھا وہ مشرک تھا اور اپنی قوم کے دین پر قائم تھا۔ مگر آپؐ کو جب اس کی صداقت کا یقین ہو گیا تو آپؐ نے اپنی سواری اُس کے حوالے کر دی اور اس کی رہبری قبول فرمائی۔

علامہ ابن اصبغ بن فرج فرماتے ہیں کہ جب کسی جج کے پاس کوئی شخص گواہی دے تو جج پر توقف اور غور و فکر واجب ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اس پر دلیل ہے۔ اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا (یعنی اگر تمہارے پاس کوئی فاسق کسی قسم کی خبر لے کر آئے تو اس کی پڑتال کر لو۔ الحجرات۔ ۶)

حرفِ آخر زیرِ بحث مسئلہ میں حرفِ آخر یہ ہے کہ فاسق و فاجر کی شہادت کے رد و قبول کا دارو مدار اس کے صدق اور عدمِ صدق کے متعلق غلبۂ ظن پر ہے اور اس بارے میں قطعی صواب یہ ہے کہ درحقیقت افرادِ عدالت کے مراتب میں مختلف ہوتے ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ ایک شخص ایک پہلو سے تو عادل ہو مگر دوسرے پہلو سے فسق اُس پر غالب ہو۔ بنا بریں جب جج کو

---

[1] اشارہ ہے سورۃ الحجرات کی آیت نمبر ۶ کی طرف۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پورا یقین ہو جائے کہ شاہد اپنی شہادت کی ادائیگی میں عادل ہے تو اس کی شہادت کو ناقابلِ اعتبار نہیں ٹھہراتے۔

جو عدالت کی شرائط کو پہچان لیتا ہے اور اس پہلو سے لوگوں کے رویوں کا بھی اچھی طرح مطالعہ کر لیتا ہے تو اس مسئلہ میں اِس پر حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اکیسواں ضابطہ

کفّار کی شہادت

اِس مسئلے کی دو صُورتیں ہیں۔
اوّل :- کفّار کی کفّار پر شہادت۔
ثانی :- مسلمانوں پر کفّار کی شہادت۔

کفّار کی شہادت کفّار پر

اس بارے میں سلف اور خلف میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ حنبل امام شعبیؒ سے روایت کرتے کہ یہودی کی نصرانی پر گواہی جائز ہے[1]۔ پھر حنبلؒ کہتے ہیں کہ اُنہوں نے امام احمد بن حنبلؒ کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے۔
"کفّار کی آپس میں ایک دُوسرے پر شہادت جائز ہے مگر مسلمانوں کے خلاف جائز نہیں۔ البتہ ان کے خلاف مسلمانوں کی شہادت جائز ہے"۔
امام احمد بن حنبلؒ سے جو روایت ابوداؤد مروزیؒ، حربؒ، میمونیؒ، ابو حارثؒ، جعفر بن محمد یعقوب بن بختانؒ، ابو طالبؒ، صالح بن احمد بن حنبلؒ، ابو حامد الخفافؒ، اسمٰعیل بن سعید شالنجیؒ، اسحاق بن منصورؒ اور مہناؒ نے نقل کیا ہے وہ اس کے خلاف ہے۔ اس میں منصوص ہے کہ کفار کی شہادت ایک دُوسرے کے خلاف یا کسی اور کے خلاف جائز نہیں"۔ امام احمدؒ اس مسئلہ میں قرآن مجید کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں وَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ (المائدہ-۱۴) (یعنی ہم نے اُن کے درمیان دُشمنی اور بغض ڈال دیا ہے) مہنا بن یحییٰؒ نے امام احمد بن حنبل سے پُوچھا۔
" اگر ان کو عادل قرار دیا گیا ہو تب ان کی گواہی کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے"؟
آپؒ نے جواب میں فرمایا" ان کو کون عادل قرار دے سکتا ہے۔ کیا کوئی عجمی کافر؟ ان کا بہترین آدمی شراب پیتا ہے، خنزیر کھاتا ہے۔ اس کو کیسے عادل قرار دیا جا سکتا ہے"؟
اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔" مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ (ان لوگوں کو گواہ بنا لو جن کو تم پسند کرتے ہو) اور یہ لوگ تو پسندیدہ گواہ نہیں ہیں۔

---

[1] مصنف عبدالرزاق جلد ۸ صفحہ ۳۵۵۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علامہ خلالؒ کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے بیس کے لگ بھگ راویوں نے جو روایت نقل کی ہے وہ حنبلؒ کی نقل کردہ روایت کے خلاف ہے میں نے جب حنبل کی روایت پر غور کیا تو مجھ پر حقیقت واضح ہوگئی کہ حنبلؒ کو روایت میں توھم لاحق ہوا ہے۔ شاید حنبلؒ "لَا تَجُوْزُ (یعنی جائز نہیں) کہنا چاہتے تھے۔ مگر غلطی سے "تَجُوْزُ" (جائز ہے) کہہ دیا۔ ہمارے پاس عبداللہ بن احمد بن احمد حنبلؒ نے روایت کی ہے کہ امام احمد نے فرمایا "کفار کی ایک دوسرے پر شہادت جائز نہیں۔"

"البتہ عبداللہ بن احمدؒ کہتے ہیں کہ امام احمد نے امام شعبیؒ سے نقل کیا ہے کہ کفار کی شہادت ایک دوسرے کے خلاف جائز ہے۔" اور میرے والد کہتے ہیں کہ اُن کی شہادت جائز نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔" مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اور یہ وہ لوگ نہیں جن کو ہم پسند کرتے ہیں۔ یہاں حنبل کی روایت کی غلطی واضح ہوگئی۔ امام شعبیؒ سے مروی روایت میں اختلاف پایا جاتا ہے [1] سفیانؒ اور وکیعؒ سے بھی اختلاف کے ساتھ مروی ہے [2]۔

امام احمد بن حنبلؒ سے منقول روایات میں حنبلؒ کی روایت کے سوا کوئی اختلاف نہیں اور حنبل سے بلاشبہ روایت نقل کرنے میں غلطی ہوگئی ہے۔ امام احمد بن حنبل سے بلاشبہ روایت نقل کرنے میں غلطی ہوگئی ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ اہل کتاب کی شہادت کو جائز قرار نہیں دیتے، اور اللہ تعالےٰ کے ارشاد مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ سے استدلال کرتے ہیں نیز اہل کتاب کے گواہ عادل بھی نہیں۔ حالانکہ اللہ تعالےٰ کا حکم ہے۔ وَاَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ (اور اپنے میں سے دو عادل گواہ مقرر کرلو)

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ یہودیوں اور نصرانیوں کے آپس کے جھگڑوں میں غیر عادل گواہوں کی شہادت کی بنیاد پر کیسے فیصلے کئے جاسکتے ہیں؟ انہوں نے درج ذیل آیت سے بھی استدلال کیا ہے۔

وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ (ہم نے ان کے درمیان بغض اور عداوت ڈال دی ہے)

گزشتہ بحث میں علامہ خلالؒ نے علامہ حنبلؒ کی روایت کا انکار کرنے اور اسے امام احمدؒ کی رائے تسلیم نہ کرنے میں مبالغے سے کام لیا ہے۔ ہمارے بعض اصحاب اس روایت کو

---

[1] ان حضرات کے دونوں اقوال کیلئے ملاحظہ ہو۔ المحلّی لابن حزم جلد ۹ صنا ۴۱۰، ۴۱۱، [2] المحلّی جلد ۹ صنا ۴۱۰

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تسلیم کرکے اس مسئلہ میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے دو قول مانتے ہیں۔ وہ علماء جو شہادت کے جواز کے قائل ہیں ان کے نزدیک اس گواہ کو گواہی کے لئے مجبور کرنا معتبر ہے۔

اس مسئلہ میں دو آراء ہیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے سوا تقریباً تمام حنابلہ عدم جواز کے قائل ہیں۔ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے جواز کو اختیار کیا ہے۔

امام ابو محمد ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ سے نہایت صحت کے ساتھ مروی ہے کہ اُنھوں نے نصرانی کی شہادت کو مجوسی پر یا مجوسی کی شہادت کو نصرانی پر جائز قرار دیا ہے[1]۔

حماد بن ابی سلیمانؒ سے بھی صحت کے ساتھ مروی ہے کہ انہوں نے نصرانی پر یہودی کی اور یہودی پر نصرانی کی شہادت کو جائز قرار دیا ہے[2] کیونکہ یہ سب اہل شرک ہیں یہی رائے صحیح طور پر امام شعبیؒ قاضی شریحؒ اور ابراہیم نخعیؒ سے منقول ہے[3]۔

امام ابوبکر ابن ابی شیبہؒ روایت کرتے ہیں کہ ابراہیم صائغؒ نے حضرت نافع مولیٰ ابن عمر سے اہل کتاب کی آپس کی شہادت کے بارے میں پوچھا تو اُنھوں نے جواب دیا کہ جائز ہے[4]۔

امام عبد الرزاق روایت کرتے ہیں کہ معمرؒ نے امام زہریؒ سے اہل کتاب کی ایک دوسرے پر شہادت کے متعلق سوال کیا تو اُنھوں نے جواز کا فتویٰ دیا[5] یہی قول امام ثوریؒ امام وکیعؒ، امام ابو حنیفہؒ اور اُن کے اصحاب رحمہم اللہ کا ہے[5]۔

امام ابو عبیدؒ ذکر کرتے ہیں کہ نصرانی پر نصرانی کی اور یہودی پر یہودی کی شہادت جائز ہے۔ مگر ایک دُوسرے کے خلاف اُن کی شہادت جائز نہیں[6]۔

ابن ابی شیبہؒ حضرت حسن بصریؒ سے نقل کرتے ہیں کہ جب مذاہب و ملل کا اختلاف واقع ہو جائے تو پھر ایک دُوسرے کے خلاف اُن کی شہادت جائز نہیں[7]۔

اسی طرح حضرت عطا ابن ابی رباحؒ کا قول ہے کہ ایک ملت کی شہادت دُوسری ملت کے خلاف جائز نہیں سوائے مسلمانوں کی شہادت کے[8]۔

امام شعبیؒ سے منقول روایات میں سے ایک روایت وہ ہے جو عطا ابی رباح سے مروی ہے دُوسری روایت جواز میں ہے تیسری روایت میں وہ مطلقاً منع کرتے ہیں۔

---

[1] المحلّٰی ابن حزم جلد ۹ صفحہ ۴۱۴ نیز مصنف عبد الرزاق جلد ۸ صفحہ ۳۵۸ اور جلد ۶ صفحہ ۱۲۹، [2] المحلّٰی جلد ۹ صفحہ ۴۱۴، [3] المحلّٰی جلد ۹ صفحہ ۴۱۴، [4] المحلّٰی جلد ۹ صفحہ ۴۱۴ بحوالہ ابی بکر ابن ابی شیبہؒ [5] المحلّٰی جلد ۹ صفحہ ۴۱۴ مصنف عبد الرزاق جلد ۸ صفحہ ۳۵۷، [6] المحلّٰی جلد ۹ صفحہ ۴۱۴، [7] المحلّٰی جلد ۹ صفحہ ۴۱۴، [8] المحلّٰی جلد ۹ صفحہ ۴۱۴ بحوالہ ابن ابی شیبہؒ [9] المحلّٰی جلد ۹ صفحہ ۴۱۴

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسی طرح ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ مختلف ملتوں کے لوگوں کی شہادت اپنی ملت کے سوا دُوسری ملت کے آدمی کے خلاف جائز نہیں۔ یہودی کے خلاف یہودی کی اور نصرانی کیخلاف نصرانی کی شہادت جائز ہے۔[1]

امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں" کافر طبیب کی شہادت جائز ہے حتیٰ کہ بوقت ضرورت اس کی شہادت مسلمانوں کے خلاف بھی جائز ہے۔ وہ اہلِ علم جو کفار کی شہادت کو جائز قرار دیتے ہیں۔ ان کے دلائل یہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُؤَدِّهٖ اِلَيْكَ (آل عمران۔ ۷۵)

اور اہلِ کتاب میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن کے پاس اگر تو ایک خزانہ بھی امانت رکھ دو تو وہ تجھے لوٹا دیں گے

آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اِس بات کی خبر دی ہے کہ اہلِ کتاب میں ایسے امانت دار لوگ موجود ہیں جن کے پاس خزانہ بھی امانت رکھا جاتا ہے اور بلا ریب ایسے لوگ اپنے اہلِ ملت لوگوں کے بارے میں شہادت کے وقت زیادہ امین ثابت ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ۔ (الانفال۔ ۷۳)

وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ایک دوسرے کے دوست ہیں۔

مندرجہ بالا آیتِ کریمہ میں تو اللہ تعالیٰ نے تو ان کی ایک دُوسرے پر ولایت کا اثبات کیا ہے۔ اور ولایت مرتبے کے اعتبار سے شہادت سے زیادہ بُلند درجے پر ہے۔ شہادت کی غرض وغایت تو محض یہ ہے کہ جب وہ اپنی بیٹی یا بہن کا نکاح کرنا یا اپنے بیٹے کے مال کا والی بننا چاہے تو شہادت اولیٰ اور افضل ہے۔

اس موقف کے قائل فقہاء دلیل دیتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدود کے مقدمات میں ان کی شہادت کی بنیاد پر فیصلے کئے ہیں۔ چنانچہ ابوخلیثمہؒ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کے حوالے سے حدیث نقل کرتے ہیں کہ یہودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مرد اور ایک عورت کو لے کر آئے جنہوں نے زنا کا ارتکاب کیا تھا۔ آپؐ نے اُن سے فرمایا۔

" تم لوگ اپنے میں سے چار گواہ مہیّا کرو۔" اُنہوں نے جواب دیا وہ کیونکر؟

مگر اصل واقعہ صحیح احادیث میں آیا ہے۔[2] وہ یوں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

---

[1] المحلّی جلد ۹ صـ ۴۱۱ ، [2] سنن ابی داؤد مع عون المعبود جلد ۴ صـ ۲۶۳ [3] سنن ابی داؤد مع عون المعبود جلد ۴ صـ ۲۶۳

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پاس ایک یہودی کو لایا گیا۔ جس کا منہ کالا کیا ہوا تھا۔ آپؐ نے فرمایا اسے کیا ہوا"۔

لوگوں نے عرض کی"۔ اس نے زنا کا ارتکاب کیا ہے"۔

آپؐ نے فرمایا" تمہاری کتاب میں اس کے متعلق کیا حکم ہے"۔؟

چنانچہ آپؐ نے ان کے کہنے کے مطابق یہودی اور یہودیہ پر حد جاری کر دی۔ آپؐ نے یہودی اور یہودیہ کے اعتراف اور اقرارِ جرم کے بغیر اور اُن سے پوچھ گچھ کئے بغیر اُن پر حد جاری کر دی۔

اگر قصہ کے تمام طرق کو جمع کیا جائے تو اس کی یہ تصویر سامنے آتی ہے کہ حدیث میں قطعاً کوئی ایسی چیز نہیں جس سے یہ اشارہ ملتا ہو کہ آپؐ نے اُن کو اُن کے اعترافِ جُرم کی بناء پر رجم کروایا تھا[۱]۔ جیسا کہ آپؐ نے ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ اور غامدیہ رضی اللہ عنہا کو رجم کروایا تھا۔ ان دونوں حضرات کے قصوں میں وارد دونوں احادیث کے تمام طرق میں ان کے اعترافِ جرم کا ذکر موجود ہے۔

وہ دلیل دیتے ہیں:۔

"حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک یہودی کو لایا گیا جس کا مُنہ کالا کیا ہوا تھا۔

آپؐ نے پُوچھا" اسے کیا ہوا ہے"۔؟

لوگوں نے جواب دیا" اس نے زنا کیا ہے"۔

آپؐ نے فرمایا" میرے پاس اپنے میں سے چار گواہ لے کر آؤ جو اس کے زنا پر شہادت دیں"

وہ یہ دلیل بھی دیتے ہیں کہ سفر میں وصیت کے بارے میں ضرورت کے وقت مسلمانوں پر کفار کی شہادت کو جائز قرار دیا ہے اور ہمیں معلوم ہے کہ وہ ایک دُوسرے پر شہادت کے سلسلے میں مسلمانوں کی نسبت زیادہ ضرورت مند ہیں کیونکہ کفار ایک دُوسرے کے ساتھ لین دین اور معاوضہ وغیرہ کے معاہدے کرتے رہتے ہیں پھر اُن میں فوجداری کے جھگڑے بھی ہوتے رہتے ہیں۔ اور غالب حالات میں اس قسم کے معاملات اور واقعات کے وقت ان کے پاس مسلمان موجود نہیں ہوتے، تب وہ اپنے جھگڑوں میں فیصلہ کروانے کے لئے ہمارے پاس آتے ہیں۔ اگر ایک دُوسرے پر اُن کی گواہی کو قبول نہ کیا جائے تو وہ آپس میں ایک دُوسرے پر ظلم کرنے لگیں گے اور ان کے حقوق ضائع ہوں گے اور اس طرح بہت بڑا فساد برپا ہو جائے گا۔ سفر میں بوقتِ ضرورت

---

[۱] ملاحظہ ہو فتح الباری جلد ۱۲ صفحہ ۱۶۷ تا صفحہ ۱۷۲

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسلمانوں پر اُن کی شہادت کی حاجت کا سفر و حضر میں اُن کی ایک دوسرے پر شہادت کی حاجت سے کیا مقابلہ؟

وہ کہتے ہیں۔

بسا اوقات ایک کافر اپنے دین و مذہب کے اعتبار سے اپنی قوم میں "عدل" سمجھا جاتا ہے اور اس کے ہم قوم اسے سچا سمجھتے ہیں اس صورت میں اس کا کفر اس کی شہادت سے مانع نہیں ہو سکتا جبکہ اس کے ہم قوم اسے پسند بھی کرتے ہوں۔ ہم نے کفّار میں بہت سے لوگوں کا مشاہدہ کیا ہے۔ جو ہمیشہ سچ بولتے ہیں اور امانت لوٹا دیتے ہیں جیسا کہ اس کی طرف اشارہ بھی کیا جا چکا ہے۔ ان کی صداقت و دیانت اُن کی اپنی قوم اور مسلمانوں میں مشہور بھی ہوتی ہے۔ اس کی صداقت اس کی خبر اور شہادت قبول کرنے پر دل کو وہ اطمینان اور سکون حاصل ہوتا ہے جو ان بے شمار لوگوں کی خبر و شہادت پر بھی حاصل نہیں ہوتا جو اپنے آپ کو اسلام سے منسوب کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ معاملات کرنے، اُن کے ساتھ کھانے پینے اور اُن کی عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے کو جائز ٹھہرا دیا ہے اس سے قطعی طور پر اُن کی خبر کی طرف رجوع کرنا لازم آتا ہے۔ اور جب اُن کی ایسی خبر کے بارے میں اُن پر اعتماد کرنا ہمارے لئے جائز ہو گیا جس کا تعلق ہمارے حلال و حرام کے معاملات کے ساتھ ہے تو ان کے آپس کے معاملات میں اُن کی خبر پر اعتماد کرنا بدرجۂ اَولیٰ جائز ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حاجت ایسا کرنے کا تقاضا کرتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اُن کے آپس کے معاملات میں اُن کی آپس کی شہادت پر اعتماد کرنے کی اس سے بھی زیادہ حاجت ہے۔

کفّار کی آپس کی شہادت کے جواز کے قائلین ایک دلیل یہ بھی دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اُن کے درمیان ایجابی طور پر یا اختیاری طور پر فیصلے کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ فیصلہ عام طور پر دو چیزوں کی بنیاد پر ہوا کرتا ہے۔ اقرار یا ثبوت! ـــــ یہ بات بالکل واضح ہے کہ اقرار کی صورت میں فیصلوں کے لئے ان کو ہمارے پاس آنے کی ضرورت نہیں۔ وہ لوگ فیصلے کیلئے ہمارے پاس اس وقت آتے ہیں جب اُن کے درمیان جھگڑا ہوتا ہے اور وہ ایک دوسرے کے دعوے کا انکار کرتے ہیں۔ تب شہادت کی ضرورت پڑتی ہے اور غالب حالت میں موقع پر مسلمان گواہ موجود نہیں ہوتے نیز ہمیں یہ بھی علم ہے کہ ان کے مقدمات اور جھگڑوں میں فیصلوں کا اصل مقصد عدل و انصاف کا قیام اور اہل حقوق کے حقوق کی حفاظت ہے۔ جب کا فرعی کے اپنے گواہوں کی گواہی سے اس کی صداقت کا گمان غالب ہو جائے۔ خاص طور پر جبکہ گواہ کثیر تعداد میں ہوں تو اُن کی شہادت کی بنیاد پر فیصلہ کرنا اُن کے مجرد انکار، حلف یا حلف لے کر فیصلہ کرنے

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے زیادہ قوی وجوہ رکھتا ہے۔ اور یہ بات بالکل واضح ہے۔

وہ اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَاَشْہِدُوا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْکُمْ — اپنے میں سے دو عادل گواہ مقرر کرلو۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّھَدَاءِ — اپنی پسند کے گواہ مقرر کرلو۔

اور یہ ارشاد

وَاسْتَشْھِدُوا شَھِیْدَیْنِ مِنْ رِّجَالِکُمْ — اپنے مردوں میں سے دو گواہ مقرر کرلو۔

مسلمانوں کے فیصلوں کے متعلق ہے کیونکہ سیاق اسی بارے میں ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

وَاللَّاتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَۃَ مِنْ نِّسَاءِکُمْ — اور تمہاری عورتوں میں جو عورتیں زنا کا ارتکاب کریں،

فَاسْتَشْھِدُوا عَلَیْھِنَّ اَرْبَعَۃً مِّنْکُمْ۔ — تم اُن پر اپنے میں سے چار گواہوں کی شہادت لو۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ سے لے کر وَاسْتَشْھِدُوْا شَھِیْدَیْنِ مِنْ رِّجَالِکُمْ تک تمام آیات میں اہلِ کتاب کے فیصلوں کے متعلق کوئی تعرض نہیں ہے۔

اور رہی یہ آیت وَاَلْقَیْنَا بَیْنَھُمُ الْعَدَاوَۃَ وَالْبَغْضَاءَ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ،

(اور ہم نے قیامت تک کے لئے اُن کے درمیان عداوت اور بغض ڈال دیا ہے) تو اس سے مراد یا تو یہود نصاریٰ کی آپس کی دشمنی ہے یا اُن کے ایک ملت ہونے کے باوجود اُن کے فرقوں کی آپس کی دشمنی ہے اور یہ چیز اُن کی ایک دُوسرے کے بارے میں شہادت دینے سے مانع نہیں کیونکہ یہ مذہبی عداوت ہے اور اس قسم کی مذہبی عداوت تو مسلمان فرقوں کے اندر بھی پائی جاتی ہے۔ ان میں بھی ایسے فرقے ہیں جو آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ دلیل دیتے ہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ پر افترا اور جھُوٹ باندھ سکتا ہے تو وہ اپنے ہم ملت یا اس سے قریب تر لوگوں کے متعلق بھی جھُوٹی گواہی دے سکتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ تمام اہلِ بدعت نے کسی نہ کسی صُورت میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر جھُوٹ باندھا ہے۔ اہلِ بدعت میں سے خوارج ایسے لوگ ہیں جن میں سب سے زیادہ صداقت پائی جاتی ہے مگر اُنہوں نے بھی اللہ اور اس کے رسُول پر جھُوٹ باندھنے سے گریز نہیں کیا۔ یہی حال قدریہ اور معتزلہ کا ہے وہ بھی اپنے آپ کو سچا سمجھتے ہیں مگر اسی جھُوٹ کو اپنائے ہوئے ہیں اور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کو سب سے بڑی بیتجائی کہتے ہیں۔

مانعینِ شہادت دلیل دیتے ہیں کہ قبولِ شہادت درحقیقت شاہد کی تکریم و رفعت اور قدر و منزلت ہے۔ حالانکہ کفر کی رزالت بوقتِ ضرورت مسلمانوں کے بارے میں بھی گواہی سے مانع نہیں ہے۔

اُن کے کفر کی رزالت ان کی ایک دُوسرے کی ولایت، سفروں میں ایک دُوسرے کی راہ نمائی اور انہی میں سے کسی ایک کے ان پر حاکم یا جج مقرر ہونے سے مانع نہیں تو ایک دُوسرے پر شہادت سے کیسے مانع ہوسکتی ہے؟ یہ ان کی عزت و تکریم اور رفعتِ قدر و منزلت وغیرہ بھی نہیں بلکہ یہ تو اُن کے آپس کے فساد کو رفع کرنا اور اہلِ حقوق کو ان کے اپنے گواہوں کی شہادت کی بنیاد پر ان کے حقوق دلانا ہے اور یہ ان کے مصالح کی حفاظت کے لئے نہایت ضروری ہے۔ جس کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہیں۔

بات بالکل واضح ہے کہ اگر وہ چاہیں کہ ہم ان کا فیصلہ کریں اور وہ آپس میں ایک دُوسرے کی گواہی کو پسند کریں تو ہم ان کی پسند کے مُطابق فیصلہ کریں گے اس میں کوئی ایسا امر نہیں جو اللہ اور رسولؐ کے حکم کے خلاف ہو۔

بہرحال یہ نہایت ضروری چیز ہے کہ اُن کے گواہ اُن میں سے ہوں اور وہ ایسے گواہ ہوں، جن پر اُن کو کامل اعتماد ہو۔ اگر یہ گواہ اپنے جھُوٹ جھُوٹی شہادت دینے میں مشہُور ہوں تو ہم اُن کی شہادت قبول نہیں کریں گے اور نہ اُن کی گواہی کے مُطابق فیصلہ کریں گے۔

کُفّار کی شہادت مسلمانوں پر

دُوسری صُورت یہ ہے کہ دورانِ سفر مسلمانوں پر کفّار کی شہادت قابلِ قبول ہے۔ قرآن کریم کی صریح نص اس پر دلالت کرتی ہے۔ اسی پر صحابہ کرام کا تعامل ہے اور فقہائے حدیث بھی اسی طرف گئے ہیں، چُنانچہ صالح بن احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں کہ میرے والدِ محترم (امام احمد) نے فرمایا "ذمیوں کی شہادت سفر کے موقع کے علاوہ کہیں بھی جائز نہیں اور یہ قرآن مجید کی اس آیت کے مُطابق ہے۔

أَوْ آخَرَانِ مِنْ غَيْرِكُمْ إِنْ أَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ۔ (المائدہ۔ ۱۰۸)

یا دُوسرے دو گواہ غیر مسلموں میں سے جبکہ تم سفر میں ہو۔

اِس گواہی کو ابو موسیٰ اشعریؓ نے جائز قرار دیا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے یوں مروی ہے۔ أَوْ آخَرَانِ مِنْ غَيْرِكُمْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ (یا دو گواہ غیر مسلموں یعنی اہلِ کتاب میں سے) حالتِ سفر میں یہ امر مجبُوری ہے اور کوئی مسلمان شاہد مہیا نہیں ہوسکتا۔ یہ آیتِ کریمہ انہی معنوں میں آئی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسمٰعیل بن سعید شالنجیؒ کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبلؒ سے پُوچھا تو اُنہوں نے یہی بات فرمائی۔ میں نے عرض کی۔

"اگر یہ مُسلمانوں کی وصیت کا معاملہ ہو تو کیا اُن کی شہادت جائز ہو گی"؟ انہوں نے جواب میں فرمایا۔ "ہاں! اگر مجبُوری ہے تو اُن کی شہادت جائز ہے"۔

میں نے عرض کی۔ "کیا اِس آیت کے متعلق یہ نہیں کہا جاتا کہ یہ آیت منسُوخ ہے"؟

اُنہوں نے اِس بات کی تردید کرتے ہوئے فرمایا "کون کہتا ہے"۔؟ نیز انہوں نے فرمایا یہ ابراہیم نخعیؒ کے سوا کسی کا قول نہیں"۔ حنبلؒ اور عبداللہ بن احمد بن حنبلؒ روایت کرتے ہیں کہ امام احمدؒ نے فرمایا۔ "نصرانی اور یہودی کی شہادت میراث میں جائز ہے"۔

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے نصرانی اور یہُودی کی شہادت کو سفر میں جائز قرار دیا ہے اور اُن سے حلف لیا ہے۔[1]

ابو حارثؒ روایت کرتے ہیں کہ امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا۔ "یہُودی اور نصرانی کی شہادت سفر میں وصیت کے علاوہ کہیں بھی جائز نہیں اور سفر میں بھی صرف اس وقت جائز ہے۔ جبکہ مسلمان گواہ مہیا نہ ہوسکیں"۔ اللہ تعالےٰ ارشاد فرماتا ہے۔ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ لہٰذا اِس موقع کے سوا ان کی شہادت کہیں بھی جائز نہیں"۔ قاضیٔ علم و عدل شریح رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مذہب ہے۔[2] یہی قول سعید ابن المسیبؒ کا ہے[3] حضرت عبداللہ بن عباس اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما سے بھی یہی قول مروی ہے۔

چنانچہ مروزیؒ نقل کرتے ہیں کہ اہلِ دقوقا میں سے دو آدمیوں نے ایک مسلمان کی وصیت پر شہادت دی۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے عصر کی نماز کے بعد ان دونوں سے ان الفاظ میں حلف لیا۔ مَا اشْتَرَيْنَا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا وَّلَا كَتَمْنَا شَهَادَةَ اللّٰهِ اِنَّا اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ (ہم نے اس شہادت کو دنیاوی فائدے کے لئے بیچا نہیں اور نہ ہم نے اللہ تعالیٰ کی شہادت کو چھپایا ہے ورنہ ہم گنہگار ہیں۔ پھر فرمایا۔

"یہ ایسا مقدمہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت سے لے کر اب تک کسی نے ایسا فیصلہ نہیں کیا"۔[4]

---

[1] المحلی جلد ۹ صفحہ ۴۰۸، [2] مصنف عبدالرزاق جلد ۸ صفحہ ۳۵۹، المحلی جلد ۹ صفحہ ۴۰۷، [3] مصنف عبدالرزاق جلد ۸ صفحہ ۳۶

[4] اس اثر کو امام ابن حزمؒ اور بیہقیؒ نے بھی قدرے مختلف الفاظ میں روایت کیا ہے ملاحظہ ہو۔ المحلی جلد ۹ صفحہ ۴۰۷ اور السنن الکبریٰ جلد ۱۰ صفحہ ۱۶۵،

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محمدؒ بن اسحاقؒ تمیم داریؓ کی حدیث اس آیت کے ضمن میں روایت کرتے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اے ایمان والے لوگو جب تم میں سے کسی کو موت
إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ (المائدۃ۔۱۰۶) آئے تو تمہاری آپس کی گواہی۔

تمیم داریؓ کہتے ہیں "یہ آیت میرے اور عدی بن بدّاء کے سوا کسی کے متعلق نازل نہیں ہوئی تمیم داری اور عدی بن بدّاء نصرانی تھے اور وہ شام آیا جایا کرتے تھے ایک بار شام گئے تو ان کے پاس بنوسہم کا غلام زید بن ابی مریم آیا۔ اس کے پاس چاندی کا ایک بڑا پیالہ تھا اور اس کا سب سے بڑا تجارتی سامان تھا۔ وہ بیمار پڑ گیا۔ اس نے ان دونوں کو بلا کر اپنے مال کے متعلق وصیت کی تمیم داریؓ کہتے ہیں کہ جب وہ مر گیا تو ہم نے اس کا پیالہ ایک ہزار درہم میں بیچ کر رقم آپس میں برابر برابر تقسیم کر لی۔ جب ہم سفر سے واپس لوٹے تو باقی مال زید بن ابی مریم کے گھر والوں کے حوالے کر دیا۔ جب انہوں نے اس پیالے کے متعلق ہم سے پوچھا تو ہم نے جواب دیا کہ متوفی نے اس مال کے علاوہ کوئی چیز ہمارے حوالے نہیں کی۔ جب میں مسلمان ہوا تو مجھے اپنے اس گناہ کا بُری طرح احساس ہوا۔ چنانچہ میں زید بن ابی مریم کے گھر والوں کے پاس آیا اور اُن کو تمام واقعہ کہہ سُنایا اور اُن کو پانچ سو درہم لوٹا دیئے اور انہیں یہ بھی بتا دیا کہ پانچ سو درہم میرے ساتھی کے پاس ہیں۔ وہ لوگ دعوے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے آپؐ نے اُن سے ثبوت طلب کیا مگر وہ ثبوت مُہیا نہ کر سکے۔ آپؐ نے ان کے دین کے مُطابق اُن سے حلف کا مطالبہ کیا۔ اُس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ ..... آخر تک، عمرو بن العاص اور سہمیوں نے حلف اُٹھایا اور عدی بن بداء سے پانچ ہزار درہم لئے گئے[۱]

یہی حدیث یحیٰی بن ابی زائدہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے حوالے سے ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں۔

"تمیم داریؓ اور عدی بن بداء مکہ میں تجارت وغیرہ کے لئے آیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ بنوسہم کا ایک آدمی بھی تجارت کی غرض سے اُن کے ساتھ نکلا۔ اور وہ کسی ایسے علاقے میں فوت ہو گیا جہاں کوئی مسلمان نہ رہتا تھا۔ بنابریں اس نے ان دونوں کو وصیت کر دی انہوں نے اس کا ترکہ اُس کے گھر والوں کے حوالے کر دیا مگر چاندی کا بڑا پیالہ جس پر سونے کے نقش و نگار بنے ہوتے تھے چُھپا لیا۔ متوفی کے گھر والوں نے جب سامان میں وہ پیالہ نہ پایا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے اُن سے حلف لیا کہ اُنہوں نے نہ تو کچھ چھپایا اور نہ کچھ

---

[۱] المحلیٰ جلد ۹ صفحہ ۴۰۶

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ضائع کیا ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد اس پیالے کو مکّہ میں پہچان لیا گیا۔ پیالہ خریدنے والوں نے کہا کہ انہوں نے یہ پیالہ تمیم داری اور عدی سے خریدا ہے۔ چنانچہ بنو سہم میں سے متوفی کے دو ورثا نے کھڑے ہو کر حلف اٹھایا کہ یہ پیالہ مرنے والے سہمی کا ہے اور ان کی شہادت تمیم داری اور عدی کی شہادت سے زیادہ قرین صحت ہے۔ نیز انہوں نے زیادتی کا ارتکاب نہیں کیا اور اگر وہ ایسا کریں تو وہ سخت ظالم ہیں۔ اور بعد ازاں انہوں نے یہ پیالہ لے لیا اور تمیم داریؓ اور عدی بن بدّاء کے بارے میں مندرجہ بالا آیت نازل ہوئی[۱]

جمہور سلف کا مسلک اس آیت کے فحویٰ کے مطابق ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں سورہ مائدہ سب سے آخر میں نازل ہوئی پس جو تم اس میں حرام پاؤ اسے حرام سمجھو۔[۲] حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے صحت کے ساتھ منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا۔ "یہ آیت ایسے شخص کے بارے میں نازل ہوئی ہے جس کی موت کے وقت مسلمان موجود ہوں اللہ تعالیٰ نے اس کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنی وصیت پر دو عادل مسلمانوں کو گواہ بنالے اور آخَرَانِ مِنْ غَيْرِكُمْ إِنْ ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ والی آیت کا تعلق اس شخص کے ساتھ ہے جس کی موت کے وقت کوئی مسلمان موجود نہ ہو۔ تب اس صورت میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ غیر مسلموں میں سے دو اشخاص کو گواہ بنالے۔ اگر ان کی شہادت مشکوک ہو جائے تو نماز عصر کے بعد ان سے حلف لیا جائے کہ انہوں نے اپنی شہادت کے بدلے کوئی مالی منفعت حاصل نہیں کی[۳] اور گذشتہ سطور میں گزر چکا ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے اس کے مطابق فیصلہ کیا ہے۔

امام سفیان ثوریؒ عمرو بن شرحبیلؒ سے روایت کرتے ہیں کہ سورۃ المائدہ کا کوئی حکم منسوخ نہیں ہوا۔[۴] وکیعؒ سعید بن المسیبؒ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد أَوْ آخَرَانِ مِنْ غَيْرِكُمْ سے مراد اہل کتاب ہیں۔[۵]

امام سعید بن المسیبؒ سے صحیح سند کے ساتھ منقول ہے کہ اس آیت کریمہ کا مفہوم ہے۔ "مِنْ غَيْرِ أَهْلِ مِلَّتِكُمْ"[۶]

قاضی شریحؒ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا۔ "مسلمانوں پر مشرکین کی شہادت سوائے وصیت کے معاملے میں کہیں بھی جائز نہیں اور وصیت میں بھی اس وقت جائز ہے جبکہ سفر میں ہو۔"[۷]

---

[۱] سنن ابی داؤد جلد ۳ صفحہ ۳۰۷ [۲] المحلی جلد ۹ صفحہ ۴۰۶ [۳] المحلی جلد ۹ صفحہ ۴۰۷، [۳] المحلی جلد ۹ صفحہ ۴۰۷
[۴] المحلی جلد ۹ صفحہ ۴۰۷، [۵] المحلی جلد ۹ صفحہ ۴۰۷ مصنف عبدالرزاق جلد ۸ صفحہ ۳۶۰، [۶] المحلی جلد ۹ صفحہ ۴۰۷، [۷] مصنف عبدالرزاق جلد ۸ صفحہ ۳۶۰ المحلی جلد ۹ صفحہ ۴۰۸، [۵] المحلی جلد ۹ صفحہ ۴۰۸

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آیت طیبہ "وَاٰخَرَانِ مِنْ غَیْرِکُمْ" کا مفہوم سعید بن جبیرؒ نے یُوں بیان کیا ہے: جب متوفی مشرکین کے علاقے میں ہو تب وہ اہلِ کتاب میں سے دو آدمیوں کو وصیت کرے۔ وہ دونوں نمازِ عصر کے بعد حلف اُٹھائیں۔ اگر اُن کے حلف اُٹھانے کے بعد پتہ چل جائے کہ ان دونوں نے اس وصیت کے بارے میں خیانت کی ہے تو وصیت کرنے والے کے ولی حلف اُٹھائیں گے کہ یہ معاملہ دراصل اس طرح ہے اور وہ اس کا استحقاق رکھتے ہیں[۱]

امام شعبیؒ کے نزدیک اس آیت میں مراد لوگ یہود و نصاریٰ ہیں[۲]

حضرت مجاہدؒ، یحییٰ ابن یعمرؒ اور محمد بن سیرینؒ "مِنْ غَیْرِکُمْ" سے مِنْ غَیْرِ اَهْلِ الْمِلَّةِ یعنی غیر مُسلم مُراد لیتے ہیں[۳]

اہلِ علم کی آراء یہ ہیں آئمۃ المسلمین جن میں ابو موسیٰ اشعریؓ، عبداللہ بن عبّاسؓ، علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالےٰ عنہم جیسے صحابہ کا نام آتا ہے۔ ان کا ذکر علامہ ابن حزمؒ نے المحلّٰی میں کیا ہے[۴]

نیز علامہ ابو یعلیٰؒ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا بھی یہی بتایا ہے۔ اور ان کی رائے کے خلاف کسی صحابیؓ کی رائے منقول نہیں۔

تابعین میں سے عمرو بن شرجیلؒ، قاضی شُریح، عبیدہ سلمانیؒ، ابراہیم نخعیؒ، شعبیؒ، سعید بن المسیبؒ، سعید بن جُبیرؒ، محمد بن سیرین اور یحییٰ بن یعمرؒ جیسے بزرگ اسی رائے کے حامل ہیں۔

تبع تابعین میں سے سفیان ثوریؒ، یحییٰ بن حمزہؒ، اوزاعیؒ جیسے ائمہ فقہ اس قول کی تائید کرتے ہیں اور اُن کے علاوہ امام ابو عبید امام احمد بن حنبل اور جمہور فقہائے اہلِ حدیث اور تمام اہلِ ظاہر کا یہی مذہب ہے[۵]

بعض دیگر اہلِ علم ان سے اختلاف کرتے ہیں پھر ان میں بھی اس آیت کی تخریج کے ضمن میں اختلاف پایا جاتا ہے اور ان میں تین اقوال پائے جاتے ہیں۔

اوّل مِنْ غَیْرِکُمْ سے مُراد ہے مِنْ غَیْرِ قَبِیْلَتِکُمْ (یعنی تمہارے قبیلے کے علاوہ دُوسرے قبیلے میں سے) یہ مفہوم حضرت حسن بصریؒ اور زہریؒ سے منقول ہے[۶]

ثانی دُوسری رائے یہ ہے کہ آیت منسوخ ہے اس رائے کے حامل[۷] زید بن اسلمؒ ہیں۔

---

[۱] المحلّٰی جلد ۹ صفحہ ۴۰۸، [۲] المحلّٰی جلد ۹ صفحہ ۴۰۸ [۳] المحلّٰی جلد ۹ صفحہ ۴۰۸ [۴] المحلّٰی جلد ۹ صفحہ ۴۰۸

[۵] المحلّٰی جلد ۹ صفحہ ۴۰۸، [۶] المحلّٰی جلد ۹ صفحہ ۴۰۹، [۷] المحلّٰی جلد ۹ صفحہ ۴۰۹،

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ثالث تیسری رائے یہ ہے کہ آیت مذکورہ میں شہادت سے مراد وہ معروف شہادت نہیں ہے۔ بلکہ اس سے مراد ورثاء کے لئے وصی کا حلف ہے۔

ان تینوں آراء کا جواب یوں دیا جاتا ہے۔

نسخ کا دعویٰ تو صحیح نہیں ہے کیونکہ دعویٰ نسخ سے مراد تو یہ ہوگی کہ اب اس آیت کا حکم منسوخ اور باطل ہے اور اب اس پر عمل کرنا جائز نہیں اور اب یہ دین کا جزو نہیں۔ یہ رائے کسی ایسی صحیح دلیل کے بغیر جس کی متعارض کوئی اور دلیل نہ ہو۔ قبول نہیں کی جاسکتی اور قطعاً ممکن نہیں، کہ کوئی شخص ایسی صحیح نص مہیا کرسکے جو زمانی اعتبار سے اس سے متأخر اور اپنے مفہوم میں اس کے مخالف ہو اور ان دونوں میں تطبیق بھی ممکن نہ ہو۔ اگر اس قسم کی کوئی دلیل موجود تب تو نسخ صحیح ہے ورنہ نسخ کے قائل کے پاس مجرّد دعویٰ باطل کے سوا کچھ بھی نہیں۔

صحابی خواتین میں جو سب سے زیادہ قرآن کا فہم رکھنے والی خاتون ہیں[1] وہ فرماتی ہیں کہ سورہ "المائدہ" میں سے کوئی چیز منسوخ نہیں"۔ سلف میں کچھ اور اہل علم بھی یہی رائے رکھتے ہیں نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد صحابہ کرام نے اس پر عمل بھی کیا ہے اگر نسخ کے دعوے کو کسی دلیل کے بغیر قبول کرلیا جائے تو ہر شخص اپنے مخالف کی دلیل کو منسوخ کہہ کر رد کر دے گا۔ گویا نسخ کا قائل یہ نہیں جانتا کہ نسخ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس حکم پر عمل کرنا حرام قرار دے دیا ہے اب یہ حکم دین اور شریعت کا حصہ نہیں رہا۔

دوسری رائے کہ مِنْ غَيْرِكُمْ سے مراد "مِنْ غَيْرِ قَبِيلَتِكُمْ" ہے تو اس کا بطلان صاف واضح ہے کیونکہ آیت کی ابتداء میں کسی قبیلے کو مخاطب نہیں کیا گیا بلکہ تمام اہل ایمان مخاطب ہیں۔ مِنْ غَيْرِكُمْ سے مراد "غَيْرُ مُؤْمِنِيْنَ" (یعنی کفار) کے سوا کوئی اور نہیں۔ اور اس مفہوم میں کوئی شک نہیں۔ اور جس کسی نے اس آیت سے مراد "مِنْ غَيْرِ قَبِيلَتِكُمْ" لیا ہے تو یہ محض ایک عالم کی لغزش ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ وہ آیت پر غور کرنے سے قاصر رہا ہے۔

رہا تیسرا قول کہ یہاں "شہادت" سے مراد اوصیاء کا حلف ہے تو یہ درج ذیل وجوہات کی بناء پر باطل ہے۔

۱۔ اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید میں شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ کہا ہے أَيْمَانُ بَيْنِكُمْ نہیں ہے۔

۲۔ آیت کریمہ میں "اِثْنَانِ" (یعنی دو) کا ذکر کیا گیا ہے اور حلف دو کے ساتھ مخصوص نہیں ہے

[1] مراد ہیں ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا۔ ان کا قول گزشتہ سطور میں گزر چکا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۳۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے "ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ" کی قید لگائی ہے۔ مگر حلف میں عدالت کی شرط نہیں ہوتی۔

۴۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اَوْ اٰخَرَانِ مِنْ غَيْرِكُمْ اور حلف میں اس قسم کی شرط بھی نہیں ہوتی۔

۵۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں حالت سفر کی لگائی ہے۔ مگر حلف میں اس قسم کی قید نہیں ہوتی۔

۶۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ مگر حلف اٹھاتے وقت اس قسم کے الفاظ نہیں کہے جاتے۔ بلکہ قرآن مجید میں اس کی ایک اور نظیر بھی ہے، جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آیت کریمہ میں شہادت مراد ہے۔ ارشاد ہے۔

وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ (البقرۃ۔۲۸۳) اور گواہی کو مت چھپاؤ اور جو کوئی گواہی کو چھپائے اس کا دل گناہ آلود ہے۔

۷۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَاۤ۔ (المائدۃ۔۱۰۸) اس طرح اس بات کا زیادہ امکان ہے کہ یہ لوگ شہادت کو صحیح طور پر ادا کریں۔

حلف کے معاملے میں اس قسم کے الفاظ کہیں نہیں آتے۔

۸۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

اَوْ يَخَافُوْۤا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ (المائدۃ۔۱۰۸) یا ان کو خدشہ ہو کہ ان کے حلف کے بعد حلف کو رد کر دیا جائے گا۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے حلف کو شہادت کے بالمقابل ذکر کیا ہے اور یہ اس بات کی تصریح ہے کہ یہاں حلف اور شہادت میں تغایر ہے۔

۹۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَاۤ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا (المائدۃ۔۱۰۷) وہ اللہ کی قسم کھائیں کہ ان کی گواہی فریق ثانی کی گواہی سے سچی ہے۔

یہاں شہادت اور حلف کو علیحدہ علیحدہ بیان کیا ہے۔ اگر حلف مدعا علیہ کے ذمہ ہوتا تو ان دونوں کی گواہی کی ضرورت نہ ہوتی اور قسم اٹھا کر یہی کہہ دینا کافی ہوتا کہ انہوں نے خیانت نہیں کی

۱۰۔ اس آیت کریمہ کے مطابق گواہ اللہ تعالیٰ کے نام پر حلف اٹھا کر کہتے ہیں لَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ (ہم اللہ تعالیٰ کی گواہی کو نہیں چھپائیں گے) اور اگر یہاں شہادت سے مراد قسم ہوتی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تو آیت کا مفہوم یوں ہوتا ۔ یَحْلِفَانِ بِاللّٰہِ لَا نَکْتُمُ الْیَمِیْنَ (یعنی وہ قسم اُٹھائیں کہ وہ قسم کو نہیں چھپائیں گے) اور اس فقرے کا کوئی معنیٰ نہیں ۔ یہ کہنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے ۔" اِحْلِفْ اِنَّکَ لَا تَکْتُمُ حَلْفَکَ (تو حلف اُٹھا کہ تو حلف کو نہیں چھپائے گا)

۱۱۔ قرآن اور سنت میں "شہادت" کا لفظ اپنے معروف معنوں میں مستعمل ہے مثلاً اَقِیْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ (اللہ تعالیٰ کے لئے گواہی قائم کرو) وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ (اپنے میں سے دو مردوں کو گواہ بنالو)

وَاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ (اور اپنے میں سے دو عادل اشخاص کو گواہ بنالو)

اِس کی اور بھی نظائر ہیں ۔

مخالفین کی جانب سے اِس بارے میں یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سُورۂ نور میں لعان کی قسموں کو "شہادت" سے موسوم کیا ہے ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ۔

فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللّٰهِ (النور-٦) پس ان میں سے ایک شخص کی شہادت یہ ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر گواہی دیں ۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ۔

وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللّٰهِ ۔ اور اس عورت سے سزا صرف اس صُورت میں ٹل سکتی ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر گواہی دے

اِس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ "لعان" کے سلسلے میں خاوند کی قسموں کو "شہادت" کا نام اس لئے دیا گیا کہ وہ بیّنہ (ثبوت) کے قائم مقام ہیں یہی وجہ ہے کہ اگر عورت اپنی صفائی میں حلف اُٹھانے سے انکار کر دے تو اُس کو رجم کر دیا جائے گا ۔ اور عورت کی قسموں کو شہادت اس لئے کہا گیا ہے کیونکہ وہ خاوند کی قسموں کے بالمقابل ہیں ۔

نیز یہی ایک حلف ہے جو تمام حلفوں میں سے ایک مخصوص طریقے سے اُٹھایا جاتا ہے اور معاملے کی اہمیت کی بنا پر اس کو شہادت کا نام دیا گیا ہے ۔

۱۲۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ۔

شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ ۔ (المائدۃ-١٠٦) جب تم میں سے کسی کے مرنے کا وقت آن پہنچے تو تمہاری آپس کی شہادت ۔

مندرجہ بالا آیتِ مُبارکہ سے ظاہر ہوا کہ آیت کا وہ مفہوم صحیح نہیں جو یہ حضرات لیتے ہیں ۔ یعنی آیت کریمہ کا معنی اَيْمَانُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ لینا صحیح نہیں ۔ کیونکہ ایسے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وقت میں وصیت کرنے والا دو گواہوں کا محتاج ہوا کرتا ہے۔

۱۴۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے اسی مفہوم کے مطابق فیصلے کیے ہیں۔ آپؐ کا عمل اور آپؐ کے بعد صحابہ کرام کا تعامل اس آیت کی قطعی تفسیر ہے۔ اور اس کے علاوہ باقی تمام آرا باطل ہیں جن سے اجتناب ضروری ہے۔

دیگر اعتراضات: بعض اہلِ علم کا خیال ہے کہ ہماری رائے درج ذیل وجوہ کی بنا پر اصول و قیاس کے خلاف ہے۔

۱۔ اس میں کافر کی شہادت کو وقعت دی گئی ہے۔ حالانکہ کفار کی شہادت سرے سے معتبر ہی نہیں۔

۲۔ اس سے گواہ کو محبوس کرنا لازم آتا ہے۔ حالانکہ گواہ کو محبوس نہیں کیا جا سکتا۔

۲۔ اس سے لازم آتا ہے کہ گواہ سے حلف لیا جائے۔ حالانکہ گواہ پر حلف نہیں۔

۴۔ اس سے دونوں فریقوں کے گواہوں میں سے ایک فریق کے گواہوں سے یہ حلف لینا متضمن ہوتا ہے کہ ان کی شہادت دوسرے فریق کے گواہوں کی شہادت سے سچی ہے۔

۵۔ اس سے مدعیوں کی خود اپنے لئے شہادت لازم آتی ہے اور مجرّد حلف کی بنا پر اُن کا استحقاق ثابت ہوتا ہے۔

۶۔ اس میں اپنے حق کا دعویٰ کرنے والوں کے حلف کو دو گواہوں کی شہادت پر متقدم کیا گیا ہے یہ اس صورت میں ہے جبکہ گواہوں کی خیانت ظاہر ہو گئی ہو۔ اگر اس حلف کو شہادت تسلیم کر لیا جائے تو مدعی اپنے آپ پر کیسے گواہی دے سکتے ہیں؟ اور اگر اس کو حلف مان لیں تب صرف مدعی کے حلف پر کسی گواہ یا حلف کو مُدعا علیہ پر لوٹائے بغیر کیسے فیصلہ کیا جا سکتا ہے؟

۷۔ اگر اس مؤقف کو تسلیم کر لیا جائے تو اموال میں قسامہ کا پہلو نکل آئے گا نیز مدعی کے حلف پر فیصلہ کرنا ہو گا جس کا کوئی قائل نہیں۔

یہ ہیں وہ اعتراضات جو عام طور پر پیش کئے جاتے ہیں ہم ان اعتراضات سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں اور اس سے عافیت طلب کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ اعتراضات تو اللہ تعالیٰ کے فیصلوں، اس کی شریعت اور اس کی کتاب پر وارد ہوتے ہیں۔

جواب: تمام اعتراضات نصِ آیت کے خلاف اس سے متعارض اور محض باطل رائے کا نتیجہ ہیں جس سے سلف پناہ مانگتے تھے۔ چونکہ باطل رائے سے اللہ تعالیٰ کی حرام ٹھہرائی ہوئی چیزوں کی تحلیل اور اس کی حلال کی ہوئی چیزوں کی تحریم متضمن ہوتی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور اس سے فرائض و واجبات کا اسقاط لازم آتا ہے۔ اس لئے سلف اس کی مذمت پر متفق ہیں۔ دین میں اس رائے کی بنیاد پر احکام اخذ کرنا حرام ہے۔ ہر چند کہ ان اعتراضات کا جواب دینا ضروری نہیں تاہم اس آیت میں پوشیدہ حکمت اور مصلحت کو واضح کرنے کے لئے ہم ان کا جواب دے رہے ہیں۔ کیونکہ قرآن کے مطابق فیصلے کرنا دیگر تمام فیصلوں سے بہتر ہے۔

وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ۔ اہلِ ایمان کے لئے اللہ تعالیٰ سے بہتر فیصلے کرنے والا کون ہے۔

نیز یہ باطل مسلک رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی سنّت کے بھی خلاف ہے اور حدیث کے بارے میں ان حضرات کا رویّہ ہے کہ جب کبھی کوئی حدیث ان کے مسلک کے خلاف آ جاتی ہے تو اپنی رائے کو چھوڑنے کی بجائے فوراً کہہ دیتے ہیں کہ حدیث اصول و قیاس کے خلاف ہے اس لئے ناقابلِ عمل ہے۔

کتاب و سنّت کے مطابق فیصلے کرنے والوں کی رائے یہ ہے کہ اس قسم کی آراء درحقیقت سب سے بڑا باطل ہیں (جن کی بنیاد پر قرآن و سنّت کی نصوص کو ردّ کیا جاتا ہے) کیونکہ یہ آرا اصولوں کے خلاف ہیں۔ وہ اصول کیا ہیں؟ کتاب و سنّت۔ چونکہ یہ آراء واضح طور پر کتاب و سنّت کی مخالفت کرتی ہیں۔ اس لئے قطعی طور پر باطل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ بنفسہٖ اصل کی حیثیت رکھتا ہے اور اس سے بالاتر ہو کر اس کی تائید کے لئے کوئی نظیر تلاش کی جائے۔

آئیے اب (اس کی تمہید کے بعد) ہم آپ کی خدمت میں ان تمام اعتراضات کا مفصل جواب پیش کرتے ہیں۔

آپ کا اعتراض ہے کہ اس سے کافر کی شہادت کی وقعت لازم آتی ہے۔ حالانکہ کافر کی شہادت سرے سے معتبر ہی نہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ یہ اعتراض امام ابوحنیفہؒ کے اصحاب کیسے کر سکتے ہیں حالانکہ خود ان کا مذہب یہ ہے کہ کفار کی شہادت آپس میں ہر معاملے میں جائز ہے؟

امام مالکؒ کے اصحاب کے لئے یہ اعتراض کرنا کیونکر روا ہے حالانکہ وہ خود مسلمان طبیب کی عدم موجودگی میں دو کافر طبیبوں کی شہادت کو قبول کر لیتے ہیں اور یہ چیز قرآن مجید میں بھی موجود نہیں پھر سفر میں وصیت کے سلسلے میں مسلمان گواہوں کی عدم موجودگی میں دو کافر گواہوں کی شہادت کو کیوں قبول نہیں کرتے۔ درآں حالیکہ یہ چیز تو قرآن مجید میں موجود ہے۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اور صحابہ کرام نے اس کے مطابق فیصلے بھی کئے ہیں؟

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اصحاب امام شافعیؒ کے اعتراضات کس طرح صحیح ہو سکتے ہیں جبکہ انہیں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد کا واضح طور پر علم ہے۔ اِذَا صَحَّ الْحَدِیْثُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَخُذُوْا بِہٖ وَدَعُوْا قَوْلِیْ (جب حدیث صحیح ثابت ہو جائے تو اس کے مطابق عمل کرو اور میرا قول چھوڑ دو) ایک روایت میں آتا ہے کہ یہی میرا مذہب ہے اور ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ منقول ہیں۔ فَاضْرِبُوْا بِقَوْلِیْ عَرْضَ الْحَائِطِ (میرا قول دیوار پر دے مارو)

اس ضمن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ثابت ہو چکی ہے۔ اس پر کتاب اللہ کی قوی نص بھی موجود ہے اور صحابۂ کرام کا تعامل بھی شاہد ہے۔

آپ کا اعتراض ہے کہ اس سے گواہ کو محبوس کرنا لازم آتا ہے۔ مگر اس "حبس" سے مراد حوالات یا جیل خانہ نہیں ہے جس میں مجرموں کو قید کیا جاتا ہے بلکہ یہاں حبس سے مراد "امساک" ہے یعنی نماز کے بعد حلف کے لئے اُن کو روک لینا۔

کہا جاتا ہے فُلَانٌ یُصْبَرُ لِلْیَمِیْنِ (یعنی فلاں کو حلف دینے کے لئے روک لیا گیا) حدیث میں آتا ہے۔ ولا تصبر یمینہ حیث تصبر الایمان (یعنی اس کو قسم وہاں نہ روک رکھے جہاں قسمیں روکا کرتی ہیں)۔

آپ کا اعتراض ہے کہ اس سے لازم آتا ہے کہ گواہ سے حلف لیا جائے۔ حالانکہ گواہ پر حلف نہیں — آپ کے پاس اس بات کی کیا دلیل ہے کہ ایسی شہادت جو مسلمان گواہوں کی عدم موجودگی کی مجبوری کے باعث اِن کی گواہی کی بدل ہے۔ اس پر گواہ سے حلف نہ لیا جائے؟

کیا آپ کے پاس کتاب و سنت کی کوئی دلیل ہے؟ — حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے تو ایسی عورت سے بھی حلف لیا تھا جس نے رضاعت کی گواہی دی تھی۔ اور امام احمدؒ سے منقول دو روایتوں میں سے ایک روایت کے مطابق اُن کا مذہب یہی ہے۔ گزشتہ صفحات میں یہ بحث گزر چکی ہے کہ رضاعت کے مقدمات میں نیز شبہ کی صورت میں جج گواہوں سے حلف لے سکتا ہے۔ اور ہم آپ کی خدمت میں پیش کر چکے ہیں کہ سلف میں سے کون سے قاضی ہیں جو اس طرف گئے ہیں۔

آپ کا اعتراض ہے کہ اس سے مدعیوں کی خود اپنے لئے شہادت لازم آتی ہے اور مجرد دعویٰ کی بنا پر ان کا استحقاق ثابت ہوتا ہے۔ مگر آپ کا یہ اعتراض صحیح نہیں کیونکہ اللہ تعالےٰ نے اوصیاء کی خیانت سے ظاہر ہونے والے "لوث" کی بنا پر مدعیوں پر حلف کو لازم کیا ہے۔ چنانچہ دعویٰ کرنے والوں کے لئے مشروع کر دیا کہ وہ حلف اُٹھا کر اپنا حق ثابت کریں۔ جیسے قسامۂ قتل میں ظہور لوث (یعنی موقف کی مضبوطی) کے باعث اللہ تعالیٰ نے مدعی کے حق میں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حلف کو مشروع کیا ہے۔ یہاں دونوں مقامات پر حلف دراصل مُدعی کے موقف کی قوت کے ظاہر ہونے کے باعث ہے۔ لہٰذا یہ مدعی کی خود اپنے آپ پر اپنی شہادت کے ضمن میں نہیں آئیگا۔ بلکہ اس کے حلف کو اس کے موقف کی مضبُوطی کے باعث شہادت کے قائم مقام تصوّر کیا جائے گا۔ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مُدعی کے پاس ایک گواہ کی بناء پر اس کے موقف کی مضبُوطی کی وجہ سے اس سے حلف لیا ہے۔ یہاں بھی اوصیاء کی خیانت کے ظاہر ہو جانے کے بعد مُدعیوں کا موقف قوی ہو گیا ہے۔ جس طرح مُدعی کے پاس ایک گواہ ہونے کی وجہ سے مُدعی کی جانب مضبُوط ہوتی ہے۔

یا مدعا علیہ کے انکارِ حلف کے باعث مدعی کی جانب کو قوت کا فائدہ حاصل ہوتا ہے جس طرح میاں بیوی اگر کسی متاع پر اپنا اپنا دعویٰ کریں تو شہادتِ عرف کے مُطابق ان دونوں میں ایک کا موقف قوی ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کی بعض دُوسری مثالیں بھی ہیں۔

آپ کا اعتراض ہے کہ اس سے قسامہ اموال کا پہلو نکل آئے گا ـــــ ہم کہتے ہیں خدا کی قسم یہ قسامہ اموال ہے جو قسامۂ قتل سے زیادہ قابلِ قبول ہے۔ خاص طور پر لوٹ کے ظاہر ہونے کے بعد ـــ دعویٰ قتل میں لوٹ کے ظاہر ہونے اور دعویٰ مال میں لوٹ کے ظاہر ہونے میں آخر فرق کیا ہے؟ کیا کوئی قیاس اس سے بھی زیادہ صحیح ہو سکتا ہے؟

امام مالکؒ کے اصحاب نے تو اموال میں قسامہ کا ذکر کیا ہے چنانچہ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص کے گھر ڈاکہ پڑتا ہے اور لوگوں کے سامنے ڈاکو سب کچھ لوٹ کر لے جاتے ہیں مگر لوگ عینی شہادت دینے سے قاصر رہتے ہیں کہ ڈاکو کیا کچھ لے گئے ہیں البتہ یہ سب کو معلوم ہے کہ ڈاکہ پڑا ہے اور ڈاکو گھر کا سامان لوٹ کر لے گئے ہیں۔ علّامہ ابن القاسمؒ اور علّامہ ابن الماجشونؒ کہتے ہیں کہ لوٹنے والے سے حلف لے کر اس کے قول کا اعتبار کیا جائے گا۔ علّامہ مطرفؒ علّامہ ابن کنانہؒ اور علّامہ ابن حبیبؒ کی رائے یہ ہے کہ لُٹنے والے کے قول کا اعتبار کیا جائے گا جیسا کہ گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے اور ہم ذکر کر چکے ہیں کہ اس رائے کو شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے بھی اختیار کیا ہے۔ اور نیز ان کا تبصرہ بھی گزشتہ صفحات میں ہم نقل کر چکے ہیں۔

کسی صاحبِ علم کے دل میں اس بارے میں کسی شک و شبہ کا گزر نہیں ہو سکتا کہ اموال میں قوّتِ موقف کا اعتبار کرنا جو بدل سے مباح نہیں ہیں۔ اولیٰ ہے ـــــ اگر یہ کہا جائے کہ قتل کے جھگڑوں میں احتیاط قسامہ کے اصول کو اختیار کرنے سے مانع نہیں۔ اگرچہ یہ قسامہ کے باعث مقسم علیہ کے خون کا مستحق ہی کیوں نہ ہو۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پھر وہ فقہاء جو قسامہ میں دیت واجب کرتے ہیں ان کے قول کی حقیقت یہ ہے کہ قتل اور مال ہیں اس کو واجب کرنے کا ذریعہ قسامہ ہے۔ اسی طرح یہاں بھی قسامہ مال دیت کے برابر ہے۔ یہ خصومات قتل ہیں صحیح اور واضح ترین قیاس ہے۔

واضح ہو گیا کہ حق دراصل اس آیت کریمہ کے موجبات کو اختیار کرنے ہی میں مضمر ہے اور اس سے کوئی مفر نہیں نص، قیاس اور مصلحت کا تقاضا بھی یہی ہے۔

وباللہ التوفیق

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کفّار کی شہادت اور نظریۂ ضرورت

ہمارے استاد شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ امام احمد بن حنبلؒ کا قول نقل کرتے ہیں کہ اس مقام پر کفار کی شہادت قبول کرنا ضرورت کے تحت ہے ـــــ پھر ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ یہ علت تقاضا کرتی ہے کہ خواہ سفر ہو یا حضر ضرورت کے وقت کفار کی شہادت قبول کی جائے گی۔

بنابریں اگر یہ کہا جائے کہ کفار ایک دوسرے کے متعلق شہادت میں حلف اٹھائیں۔ جس طرح وہ سفر وغیرہ میں مسلمانوں کی وصیت کے متعلق شہادت میں حلف اٹھاتے ہیں تو یہ صحیح ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ ان کی شہادت اُن کے حلف کے ساتھ ہر اس جگہ قابل قبول ہے جہاں مسلمانوں کی شہادت مہیا نہیں ہو سکتی تو اس کا پہلو بھی نکل سکتا ہے۔ اور یہ بدل مطلق بن سکتا ہے۔

شیخ الاسلام فرماتے ہیں۔

اس کی تائید وہ واقعہ بھی کرتا ہے جو قاضی (ابو یعلیٰؒ) نے استدلال کرتے ہوئے نقل کیا ہے۔ اور یہ واقعہ امام ابو عبیدؒ کی کتاب "الناسخ والمنسوخ" میں موجود ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں ایک شخص سفر پر نکلا اس کے ساتھ دو اور مسلمان بھی تھے۔ جب وہ ایک بستی میں پہنچے تو وہ شخص بیمار پڑ گیا۔ اُس نے اپنا تمام مال ان دونوں ساتھیوں کے حوالے کر دیا اور وصیت کی کہ وہ اس مال کو اس کے وارثوں تک پہنچا دیں نیز اس نے ان دونوں سے درخواست کی کہ وہ چند آدمی بلوا دیں تاکہ اُن کو اس وصیت پر گواہ بنایا جا سکے مگر اُن کو اس بستی سے کوئی مسلمان نہ ملا۔ وہ یہود و نصاریٰ میں سے چند لوگوں کو لے آئے اور اُن کو اس وصیت پر گواہ بنایا

اس کے بعد تمام قصہ بیان کیا ہے۔ اس کے بعد کا واقعہ یوں ہے کہ وہ سب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے نصرانیوں اور یہودیوں سے کہا کہ وہ حلف اٹھائیں کہ متوفی نے یہ ترکہ چھوڑا ہے اور یہ کہ اس کی شہادت ان دو مسلمانوں کی شہادت سے سچی ہے۔ پھر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ متوفیٰ کے وارثوں سے فرمایا کہ وہ حلف اٹھائیں کہ ان یہودی اور نصرانی گواہوں کی شہادت سچی ہے۔ ان لوگوں نے حلف اٹھایا اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے یہود و نصاریٰ کی شہادت پر ان دو مسلمانوں سے ترکہ لے کر ورثاء کے حوالے کر دیا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ میت کی وصیت پر شہادت کی ایک نظیر ہے جس میں عبداللہ بن مسعودؓ نے ورثاء سے حلف لے کر ان کے حق میں فیصلہ دے دیا کیونکہ وہ مدعی تھے۔ حالانکہ اگر میت کی وصیت پر شہادت موجود ہو تو مدعی سے حلف لینے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ شاید حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا خیال یہ ہو کہ وصیت پر ذمیوں کی شہادت کی وجہ سے مدعی سے حلف لینا بہتر ہے۔

قاضی (ابویعلیٰ) نے اس ضمن میں ایسے رکے دعویٰ اسلام کا ذکر کرتے ہوئے امام احمد بن حنبلؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اگر کوئی جنگی قیدی اپنے مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے اور کفار میں سے گواہ پیش کرے تو اُن کی گواہی قبول کی جائے گی۔

امام احمد بن حنبلؒ کا یہ قول علامہ حنبلؒ، صالح بن احمد بن حنبلؒ اور اسحٰق بن ابراہیمؒ نے روایت کیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ عادل گواہ مہیا کرنے سے معذور ہے۔ مگر علامہ عبداللہ بن احمد بن حنبل اور ابوطالبؒ نے عدم جواز روایت کیا ہے۔

ہمارے استاد شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں۔

بنابریں ہر وہ موقعہ جہاں نص موجود نہ ہو وہاں امام احمد سے عام طور پر دو قول منقول ہوتے ہیں۔ مگر راویوں نے مطالبۂ حلف کا ذکر نہیں کیا۔ لہٰذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ حلف کا مطالبہ اس وقت کیا جاتا ہے جب شہادت شہادتِ بدل ہو۔ جیسا کہ مسئلۂ وصیت میں اس پر بحث گزر چکی ہے۔ اس کے برعکس اگر وہ اصل شاہد ہوں تو اُن سے حلف کا مطالبہ نہیں کیا جاسکتا۔ واللہ اعلم۔

کفار کے اہل کتاب ہونے کی شرط

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں "کیا وصیت کی شہادت میں کفار کے اپنے دین کے مطابق اُن کی عدالت کا اعتبار ہوگا؟ ہمارے اصحاب کے عموم کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُن کی عدالت معتبر نہیں۔ مگر جب ہم ایک دوسرے پر اُن کی شہادت کو قبول کرلیتے ہیں تو اُن کے دین کے مطابق اُن کی عدالت کا بھی اعتبار کرنا ہوگا۔ قاضی (ابویعلیٰ) نے تصریح کی ہے کہ ان حالات میں اُن کی عدالت غیر معتبر ہے ــــــ حالانکہ قرآن اُن کی عدالت پر دلالت کرتا ہے۔ نیز قاضی (ابویعلیٰ) نے یہ تصریح بھی کی ہے کہ ان حالات میں فاسق مسلمانوں کی شہادت بھی قابلِ قبول نہیں۔ انہوں نے اس کو محل وفاق قرار دیتے ہوئے اس کو معذور سمجھا ہے۔

ان غیر مسلم گواہوں پر اُن کے اہل کتاب ہونے کی شرط عائد کرنے کے بارے میں دو روایتیں منقول ہیں مگر ظاہری قرائن عدمِ اشتراط پر دلالت کرتے ہیں۔ اور یہی صحیح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے فرمایا ہے اَوْ اٰخَرَانِ مِنْ غَيْرِكُمْ اور مِنْ غَيْرِكُمْ سے مُراد

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غیر مومن ہیں۔ اور غیر مومن کا اطلاق تمام کفار پر ہوگا۔ نیز یہ مقام ضرورت ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ بعض مواقع پر اہل کتاب میں سے بھی کوئی گواہ مہیا نہ ہوسکے اور غیر مسلم گواہوں پر اہل کتاب کی ہونے کی قید لگانے پر کوئی دلیل نہیں نیز یہ کہ نص اپنے عموم کی متقاضی ہونے کے ساتھ ساتھ محل رخصت کو بھی مستلزم ہے۔

کافر عورتوں کی شہادت

اگر اس سے فروعی مسائل کی تخریج کی جائے تو کیا ایک کافر مرد اور دو کافر عورتوں کی شہادت قابل قبول ہے؟

اس مسئلہ میں ہمارے علم کے مطابق امام احمدؒ سے کوئی رائے منقول نہیں۔ البتہ مالی خصومات میں ایک مسلمان مرد اور دو مسلمان عورتوں کو گواہی پر قیاس کرتے ہوئے اس کے جواز کا احتمال موجود ہے۔ امام ابو محمد ابن حزمؒ یہی رائے رکھتے تھے۔ ابن حزمؒ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔

"اَلَيْسَتْ شَهَادَةُ الْمَرْءَةِ مِثْلُ نِصْفِ شَهَادَةِ الرَّجُلِ" (کیا عورت کی شہادت مرد کی شہادت کے نصف کے برابر نہیں؟) حدیث کا عموم اس امر کا بھی جواز مہیا کرتا ہے کہ چار کافر عورتوں کی شہادت قبول کی جاسکتی ہے۔ اور بوقت ضرورت یہ جواز بعید از قیاس بھی نہیں۔ کیونکہ ہوسکتا ہے کہ اس موقع پر صرف عورتیں ہی مہیا ہوسکتی ہوں ـــــــ یہ تو تفقہ کا اعلیٰ درجہ ہے۔

کیا وہ فیصلہ جو اس آیت کے بغیر کیا جائے اس کے متناقض تصور کیا جائے گا؟ ـــــــ اس کا جواب یہ ہے کہ حنبلی مذہب کے اصول اس کے تناقض کا تقاضا کرتے ہیں کیونکہ یہ کتاب اللہ کے خلاف ہے۔ ہمارے استاذ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ "المحررؒ" تعلیقات میں فرماتے ہیں۔

"اگر کوئی جج اس آیت کی منشاء کے خلاف فیصلہ کرتا ہے تو اس کا فیصلہ صحیح نہیں کیونکہ اس نے کمزور دلائل کی بناء پر قرآن کی صریح نص کی مخالفت کی ہے۔"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بائیسواں ضابطہ

اقرارِ الزام

ملزم کے اقرارِ الزام کی بنا پر فیصلہ بلا اختلاف معتبر ہے۔ ملزم کے اقرار سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے۔ اس کے متعلق مزید پوچھ گچھ نہ کی جائے گی اور تہمت قائم رہے گی۔

اس کی توجیہ یہ ہے کہ ملزم جب انشاء پر قدرت رکھتا ہے تو اخبار پر بھی قادر ہے' آگے چل کر اس بارے میں دو قول ہو گئے ہیں کہ کوئی والی اپنے زمانۂ ولایت میں جو کچھ جانتا ہے۔ اپنے مرتبہ اور عہدہ کی بنا پر تو فیصلہ کر سکتا ہے۔ کیا اس کے علاوہ بھی اپنے علم کے مطابق فیصلہ کر سکتا ہے۔

ہمارے فقہاء کہتے ہیں کہ اگر ہم یہ کہیں کہ جج یا والی مجرّد اپنی معلومات کی بنیاد پر فیصلہ نہ کرے جب دو گواہ جن کی عدالت سے وہ مطمئن ہیں گواہی دیں' تب وہ فیصلہ کر سکتا ہے۔ گواہوں کی عدالت کے متعلق جج کی معلومات اسے ان کے تزکیہ سے مستغنی کر دیتی ہیں۔

ایک ضعیف قول یہ بھی ہے کہ تہمت کے باعث گواہوں کا تزکیہ ضروری ہے۔ فقہا کہتے ہیں' اگر مُدعا علیہ مُدعا بہ کا اقرار جج کی عدالت میں کرتا ہے تو صرف اسی صورت میں جج اس کے اقرار کی بنیاد فیصلہ کر سکتا ہے اور یہ فیصلہ ملزم کے اقرار کی بنیاد پر فیصلہ ہوگا۔ جج کی اپنی معلومات کی بنیاد پر نہیں۔ اگر ملزم خفیہ طور پر جج کے پاس الزام کا اقرار کرتا ہے تو اس بارے میں ہمارے فقہاء کے دو قول ہیں۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ قطعی طور پر فیصلہ کر سکتا ہے۔

اگر جج کے پاس صرف ایک گواہ شہادت دیتا ہے تب کیا جج کی ذاتی معلومات اسے دوسرے گواہ سے مستغنی کرتی ہیں یا نہیں؟

اس ضمن میں حنبلی مذہب میں راجح قول یہ ہے کہ وہ اس صورت میں بھی فیصلہ نہیں کر سکتا۔ اس کے دونوں پہلو ہیں۔ امام شافعیؒ اور اُن کے اصحاب کے مذہب کا حاصل بھی یہی ہے۔

اس سلسلے میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب قدرے زیادہ سخت ہے۔ مالکی فقہاء کے نزدیک جج کسی حال میں بھی مدعا بہ کے متعلق اپنی ذاتی معلومات کے مطابق فیصلہ کرنے کا مجاز نہیں خواہ یہ معلومات اسے عہدہ کے دوران حاصل ہوئی ہوں یا اس عہدہ پر فائز ہونے سے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پہلے، خواہ عدالت کے اجلاس کے دوران حاصل ہوئی ہوں یا اس سے پہلے، خواہ عدالت کے محاکمہ کی کاروائی شروع ہونے سے پہلے یہ معلومات حاصل ہوتی ہوں یا اس کے بعد۔

علّامہ عبدالملک اور علّامہ سحنونؒ کہتے ہیں کہ سماعت اور محاکمہ شروع ہونے کے بعد جج کو مدعا بہ کے متعلق جو معلومات حاصل ہوں وہ ان کے مطابق فیصلہ کرنے کا مجاز ہے۔

فقہائے مالکیہ کہتے ہیں۔

جب ہم یہ کہتے ہیں کہ جج کو اپنی معلومات کی بنیاد پر فیصلہ نہ کرنا چاہیئے تب اگر جج اپنی معلومات کے مطابق فیصلہ کر دیتا ہے (تو آیا اس کا فیصلہ نافذ کیا جائے گا؟) علّامہ ابوالحسن لخمیؒ[1] فرماتے ہیں "ہمارے بعض اصحاب کے نزدیک یہ فیصلہ ردّ نہ ہوگا مگر میں اسے تسلیم نہیں کرتا۔"

مالکیہ کہتے ہیں کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اگر جج عدالت کے اجلاس کے علاوہ اور کہیں کسی چیز کا مشاہدہ کرتا ہے یا سنتا ہے تو وہ ان معلومات کی بنا پر فیصلہ کرنے کا مجاز نہیں اور اگر وہ ان معلومات کی بنا پر فیصلہ کر دیتا ہے تو یہ فیصلہ کالعدم تصور کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ دوسری عدالت بھی اس فیصلے کو کالعدم قرار دے سکتی ہے۔ البتہ اختلاف صرف اس امر میں ہے کہ اگر فریقین عدالت کے اجلاس میں اقرار کریں تو ان معلومات کی بنا پر کیا ہوا فیصلہ کالعدم ہو جائے گا۔ مگر کوئی دوسری عدالت اس فیصلے کو کالعدم قرار نہیں دے سکتی۔

علّامہ لخمیؒ فرماتے ہیں کہ اگر فریقین عدالتی کاروائی کے لئے حاضر ہو کر کسی بات کا اقرار کر کے انکار کر دیں تو تب فیصلے کی نوعیت کیا ہو گی؟

امام مالکؒ اور علّامہ ابن القاسم کہتے ہیں کہ اس بنیاد پر فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ علّامہ عبدالملکؒ اور علّامہ سحنون کے نزدیک جج اس بنیاد پر فیصلہ کرنے کا مجاز ہے۔ کیونکہ جب فریقین محاکے کیلئے حاضر ہوئے تھے تو وہ اس بات پر رضامند تھے کہ ان کے اقرار کے مطابق فیصلہ ہو جائے اور اسی لئے انہوں نے اقرار کا قصد کیا تھا۔

یہ ہے امام مالکؒ کے مذہب کا لبّ لباب۔

فقہائے حنفیہؒ کہتے ہیں کہ اگر حاکم اپنے زمانۂ ولایت یا محلِّ ولایت میں کسی ایسی چیز کا مشاہدہ کرتا ہے جس کا تعلق حقوق العباد سے ہو تو وہ اس کے مطابق فیصلہ کرنے کا مجاز ہے۔ کیونکہ حاکم کی ذاتی معلومات دو گواہوں کی مانند ہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ہیں کیونکہ شہادت کا حاصل تو محض غلبۂ ظن ہے اور مشاہدہ، معائنہ اور سماع سے حاصل شدہ علم یقین کا باعث ہوتا ہے۔ اور اگر حاکم

[1] علّامہ ابوالحسن علی بن محمد لخمی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گو یہ معلومات اس کے زمانہ ولایت یا محل ولایت سے پہلے حاصل ہوئی ہوں تو امام ابوحنیفہؒ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ وہ ان معلومات کی بنیاد پر فیصلہ کرنے کا مجاز نہیں اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ حاکم ان معلومات کی بنیاد پر اسی طرح فیصلہ کر سکتا ہے جس طرح وہ دوران ولایت یا محل ولایت میں حاصل ہونے والی معلومات کی بنیاد پر فیصلہ کرنے کا مجاز ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کے قول کے حامی فقہاء کہتے ہیں کہ حاکم اپنے شہر سے باہر ہو یا وہ اپنے عہدے پر مامور نہ ہو تو وہ محض ایک گواہ ہے اس کی حیثیت حاکم کی نہیں ہے اور صرف ایک گواہ کی شہادت قابل قبول نہیں۔ اس کی مثال ایسے ہی ہے۔ جیسے وہ کسی مقدمے میں "بیّنہ عادلہ" کا علم رکھتا ہے پھر اس کو جج بنا دیا جائے تو وہ اس "بیّنہ" کے مطابق فیصلہ کرنے کا مجاز نہیں۔

فقہائے حنفیہ کہتے ہیں کہ حدود کے مقدمات میں جج اپنی معلومات اور علم کی بنیاد پر فیصلہ کرنے کا مجاز نہیں کیونکہ وہ حدود میں ایک فریق کی حیثیت رکھتا ہے نیز حدود اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ اس صورت میں جج اللہ تعالےٰ کا نائب ہے۔ البتہ قذف کا تعلق چونکہ حقوق العباد سے بھی ہے اس لئے وہ اس میں اپنی معلومات کے مطابق فیصلہ کر سکتا ہے۔

یہی صورت منشیات کی ہے۔ ملزم کو نشے کی حالت میں پایا گیا ہو یا اس پر نشہ کی علامات ظاہر ہوں۔

یہ حنفی مسلک کا ماحصل۔

رہا ظاہریہ کا مذہب تو علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جج پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ قتل، مال، قصاص، زنا اور دیگر حدود کے مقدمات میں اپنے علم اور معلومات کے مطابق فیصلہ کرے۔ خواہ یہ معلومات اسے اپنے عہدے پر فائز ہونے سے پہلے حاصل ہوئی یا بعد[1] میں بلکہ ابن حزم تو یہاں تک کہتے ہیں کہ بہترین فیصلہ وہ ہے جو جج اپنی ذاتی معلومات کی بنیاد پر کرتا ہے۔ پھر اقرار کی بنیاد پر اور بعد ازاں ثبوت اور گواہی کی[2] بنیاد پر۔

صحابہ کرامؓ کا تعامل صحت کے ساتھ ثابت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

"اگر میں کسی کو حدود اللہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے دیکھوں تو میں اس کو اس وقت تک نہیں پکڑوں گا جب تک کہ میں اپنے علاوہ ایک گواہ مہیا نہ کر لوں[3]"

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے عبدالرحمن بن عوفؓ سے فرمایا۔

۱۔ المحلی جلد ۹ صفحہ ۴۲۶، ۲۔ المحلی جلد ۹ صفحہ ۴۲۶، ۳۔ المحلی جلد ۹ صفحہ ۴۲۶، السنن الکبری بیہقی جلد ۱۰ صفحہ ۱۱۴

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"آپ کی کیا رائے ہے کہ اگر میں کسی شخص کو دیکھتا ہُوں کہ اُس نے کسی کو قتل کر دیا ہے یا اس نے شراب پی ہے یا اس نے زنا کا ارتکاب کیا ہے (کیا میں اپنی معلومات کی بنیاد پر فیصلہ کر سکتا ہوں) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عرض کی۔

"آپ کی شہادت بس ایک آدمی کی شہادت ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا" آپ ٹھیک کہتے ہیں"۔[۱]

حضرت امیر معاویہؓ اور عبداللہ بن عبّاس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی یہی قول منقول[۲] ہے۔

ضحاکؒ کے واسطے سے حضرت عمرؓ سے منقول ہے کہ اُن کے پاس ایک ایسا مقدمہ لایا گیا جس کے بارے میں وہ خود کچھ معلومات رکھتے تھے۔ اُنہوں نے مدعی سے فرمایا۔

"اگر تم چاہو کہ میں شہادت دُوں تب تو میں فیصلہ نہیں کروں گا۔ اور اگر تم چاہتے ہو کہ فیصلہ میں کروں تو پھر میں شہادت نہیں دُوں گا"۔[۳]

تابعین کے فیصلوں کی نظیریں

صحت کے ساتھ ثابت ہے کہ قاضی شریحؒ کے پاس دو آدمی ایک جھگڑا لے کر آئے اُن میں سے ایک شخص کے پاس ایک گواہ تھا۔ اُس نے قاضی شریحؒ سے عرض کی کہ دُوسرا گواہ آپ ہیں۔ قاضی شریحؒ نے اُس کے گواہ اور حلف کی بنیاد پر فیصلہ دے دیا[۴] ——— مگر اس میں جواز اور عدم جواز دونوں کا احتمال موجُود ہے۔

امام شعبیؒ سے منقول ہے کہ اُنہوں نے فرمایا "میں بیک وقت قاضی اور شاہد نہیں بن سکتا"۔

اہلِ ظاہر کے دلائل

وہ اہلِ علم جو اس بات کے قائل کہ قاضی اپنی معلُومات کی بنیاد پر فیصلہ کر سکتا ہے۔ استدلال میں ہند بنت عتبہ (حضرت ابوسفیان کی بیوی) کے قِصّے کی مثال پیش کرتے ہیں۔ جسے امام بخاریؒ اور امام مسلم نے (حضرت عائشہؓ کے حوالے سے) روایت کیا ہے کہ ایک دفعہ ہندؓ نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہو کر ابوسفیانؓ کی شکایت کی۔ آپؐ نے فیصلہ فرمایا کہ وہ اپنے اور اپنی اولاد کے لئے ابوسفیانؓ کے مال میں سے بقدر کفایت لے سکتی ہیں۔ آپؐ نے نہ تو ہند زوجہ ابی سفیانؓ سے کوئی ثبوت طلب فرمایا۔ اور نہ ابوسفیانؓ کو مجلس میں حاضر ہونے کا حکم دیا۔[۵]

یہ استدلال بہت کمزور ہے۔ کیونکہ یہ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا عدالتی فیصلہ نہ تھا

۱۔ المحلّی جلد ۹ صفحہ ۴۲۶ مصنف عبدالرزاق جلد ۸ صفحہ ۳۴۰ السنن الکبریٰ جلد ۱۰ صفحہ ۱۴۴، ۲۔ المحلّی جلد ۹ صفحہ ۴۲۶، المحلّی جلد ۹ صفحہ ۴۲۷۔
۳۔ المحلّی جلد ۹ صفحہ ۴۲۶، ۴۔ المحلّی جلد ۹ صفحہ ۴۲۷، ۵۔ صحیح بخاری جلد ۹ صفحہ ۵۰۷، صحیح مسلم جلد ۱۲ صفحہ ۵

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بلکہ اس کی حیثیت ایک فتوے کی سی تھی یہی وجہ ہے کہ آپؐ نے مُدعا علیہ کو عدالت میں پیش ہونے کا حکم نہیں دیا۔ خاوند شہر سے کہیں باہر بھی نہیں گیا تھا۔ کہ اس صورت میں مُدعا علیہ کی عدم موجودگی میں فیصلہ کرنا بالاتفاق جائز نہیں۔ نیز ہند زوجہ ابی سفیان نے آپؐ سے فیصلے کی استدعا نہیں کی تھی۔ بلکہ اُن کا سوال تو یہ تھا۔

"هَلْ يَجُوزُ لَهَا أَنْ تَأْخُذَ مَا يَكْفِيهَا وَيَكْفِي بَنِيهَا (یعنی کیا اس کے لئے جائز ہے، کہ وہ ابوسفیان کے مال سے اتنا لے لے جو اسے اور اس کی اولاد کو کفایت کرے؟)

یہ تو محض ایک استفسار ہے۔ اس سے فیصلے پر استدلال کرنا سہو ہے۔

اہلِ ظاہر ایک اور حدیث بطورِ دلیل پیش کرتے ہیں۔ جیسے امام ابن ماجہؒ اور بیہقیؒ نے حماد بن سلمہؒ کے واسطے سے سعد بن اطولؓ سے نقل کیا ہے کہ اُنھوں نے کہا اُن کا بھائی فوت ہو گیا اس نے ترکہ میں تین سو درہم چھوڑے اور اس کے اہل وعیال بھی تھے۔ میرا خیال تھا کہ وہ مال میں متوفّٰی کے اہل وعیال پر خرچ کروں"۔

رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا" تیرا بھائی مقروض ہے لہٰذا تم اس کا قرض ادا کرو"۔ میں نے عرض کی" یا رسول اللہ! میں نے اس کا تمام قرض چکا دیا ہے۔ البتہ دو دینار ابھی باقی ہیں۔ ان کے متعلق ایک عورت دعویٰ کرتی ہے کہ اس نے لینے ہیں۔ مگر اس کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے"۔

آپؐ نے فرمایا" اس عورت کا قرض ادا کر دو وہ سچ کہتی ہے" ـــــ دلالت کے اعتبار سے یہ حدیث پہلی حدیث سے زیادہ واضح ہے۔

حمّاد صحابہؓ میں سے کسی صحابی سے اسی طرح کی ایک حدیث روایت کرتے ہیں۔ مگر اس میں اس بات کا ذکر نہیں کہ متوفّٰی نے کتنا ترکہ چھوڑا تھا[1]۔

اِس حدیث سے یہ استدلال کرنا صحیح نہیں کہ حاکم اپنی معلُومات کے مطابق فیصلہ کر سکتا ہے۔ کیونکہ جج کو اپنی معلُومات کی بنیاد پر فیصلہ کرنے سے محض اس وجہ سے روکا گیا ہے کہ تہمت سے محفوظ رہ سکے۔ مگر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق ہمیں معلوم ہے کہ آپؐ ہر قسم کی تہمت سے بالاتر تھے۔

اہلِ ظاہر اس حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں جیسے امام بخاریؒ اور مسلمؒ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حوالے سے روایت کیا ہے۔ اس حدیث میں آتا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ

---

[1] سنن ابن ماجہ جلد ۲ صفحہ ۸۱۳ حدیث رقم ۲۴۳۳۔ ۲۔ السنن الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۱۴۲، ۲۔ السنن الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۱۴۲

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عنہا نے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ترکہ میں سے اپنا حق طلب کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "ہماری (یعنی انبیاء کرام کی) وراثت نہیں ہوتی۔ ہم جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے"۔

لہٰذا آل محمدؐ اس مال سے کھائیں گے۔ خدا کی قسم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں ذرہ بھر تبدیلی نہیں کروں گا۔ میں اس کو اسی طرح عمل میں لاؤں گا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمل میں لایا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت فاطمہؓ کو آنحضرتؐ کا ترکہ دینے سے انکار کر دیا[1]۔

اس حدیث سے استدلال کرنا بھی سہو ہے چونکہ حضرت ابوبکرؓ جانتے تھے کہ دین کے اصول کے مطابق یہ دعویٰ غلط ہے۔ لہٰذا اس دعویٰ کے موجبات کے مطابق فیصلہ کرنا جائز نہ ہوگا بلکہ یہ حضرت فاطمہؓ کا دعوائے استحقاق تھا۔ اور حضرت ابوبکرؓ کو علم تھا کہ وہ اس کی مستحق نہیں ہیں۔ بلکہ یوں کہا جاسکتا ہے کہ اس دعویٰ کی حیثیت ان دعاوی کی سی تھی جن کا بطلان واضح طور پر معلوم ہوتا ہے سیدۃ النساء رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر اس دعویٰ کا بطلان مخفی رہ گیا مگر اس کا باطل ہونا تمام خلفاء راشدین اور صحابہ کرام جانتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی دلیل موجود تھی۔ بنابریں انہوں نے اس دعویٰ کی سماعت ہی نہیں کی اور اس واضح دلیل کی موجبات پر عمل کیا۔ جو ان کے علم میں تھی۔ پھر حضرت عمرؓ اور دیگر اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کے موقف کی تائید کی۔

یہ جج کی اپنی معلومات کے مطابق فیصلہ کرنا کیسے شمار کیا جاسکتا ہے؟ یہ معلومات فریق ثانی پر کوئی حجت نہیں رکھتیں۔

علامہ ابن حزمؒ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث مبارکہ بَيِّنَتُكَ أَوْ يَمِينُهُ[2] (یا تو ثبوت پیش کرے یا مدعا علیہ حلف اٹھائے گا) ____ سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایک جج جو باطل میں سے اصل حقائق کو معلوم کرسکتا ہے اس کی صداقت پر اس سے واضح اور کون سی دلیل ہوسکتی ہے؟ محولہ بالا حدیث ظاہریہ کی تائید کرنے کی بجائے ان کے موقف کی تردید کرتی ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "بَيِّنَتُكَ" (ثبوت پیش کر) اور "بَيِّنَه" اس چیز کا نام ہے جو حق کو واضح کر دے۔ اور وہ اس طرح کہ حق باطل میں سے صاف طور پر واضح اور ممیز ہو کر لوگوں پر عیاں ہو جائے۔ مگر حاکم اور جج کی ذاتی معلومات "بیّنہ" نہیں بن سکتیں۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ۶ ص ۱۹۶، [2] صحیح بخاری جلد ۵ ص ۲۸۰

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ظاہریہ اپنے موقف کی تائید میں قرآن مجید کی یہ آیت بھی بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ (النساء۔ ۱۳۵)
اے ایمان والے لوگو انصاف کو قائم رکھنے والے بن جاؤ۔

اور یہ ہرگز انصاف نہیں ہے کہ حاکم یہ جانتے ہوتے بھی کہ فریقین میں سے کون ظالم اور کون مظلوم ہے۔ ان کو اپنے حال پر چھوڑ دے۔

مخالفین اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ ایسا کئے بغیر کوئی چارہ نہیں کیونکہ مظلوم کے پاس اپنی مظلومیت کا کوئی ثبوت نہیں۔ اس صورت میں جج اس کی دادرسی کرنے سے معذور ہے۔ اس کے پاس کوئی دلیل نہیں جس کی بنا پر وہ صاحبِ حق کو اس کا حق دلا سکے۔

سیدالحکام صلوٰۃ اللہ علیہ وسلامہ فرماتے ہیں "تم لوگ میرے پاس اپنے جھگڑے لے کر آتے ہیں۔ تم میں سے ایک اپنی دلیل پیش کرنے میں دوسرے سے زیادہ چرب زبان واقع ہوتا ہے۔ اور میں گمان کرلیتا ہوں کہ وہ سچا ہے۔ میں اس کے حق میں فیصلہ کردیتا ہوں پس جس کسی کو میں فیصلے کے ذریعے اس کے بھائی کے حق میں سے کوئی چیز دوں تو وہ اس کو نہ لے۔ کیونکہ میں جہنم کا ٹکڑا اسے کاٹ کر دیتا ہوں"[1]

اہلِ ظاہر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم میں سے کوئی شخص برائی دیکھے تو اس کو ہاتھ سے بدلنے کی کوشش کرے ہاتھ سے نہ بدل سکتا ہو تو زبان سے اور اگر زبان سے بھی نہ بدل سکتا ہو تو دل میں اس کو برا سمجھے"[2]

اگر حاکم کسی شخص کو کسی دوسرے شخص پر ظلم کرتے ہوئے دیکھتا ہے یا وہ کسی شخص کا اپنی بیوی کو طلاق دینا یا اپنے غلام کو آزاد کرنا خود اپنے کانوں سے سنتا ہے پھر وہی شخص اگر اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھنے اور اپنے غلام کو آزاد کرنے کی بجائے اُسے فروخت کرنے پر مُصر ہے تو درحقیقت وہ اس بُرائی کا ارتکاب کر رہا ہے جس کو ہاتھ سے بدلنے کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے۔

دیگر اہلِ علم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بُرائی کو بدلنے کا حکم دیا ہے۔ جس کا بُرائی ہونا سب پر عیاں ہو۔ اور اس کے بدلنے میں کوئی تہمت لاحق نہ ہو اگر حاکم کسی ایسے شخص کے معاملے میں دخل اندازی کرے جس نے اپنی بیوی کو طلاق دے

---

[1] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۲، صحیح بخاری جلد ۵ صفحہ ۲۸۸، سنن ابن ماجہ جلد ۲ صفحہ ۷۷۷، سنن بیہقی جلد ۱۰ صفحہ ۱۴۳، [2] سنن ابن ماجہ جلد ۱ صفحہ ۱۳۳

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دی ہے اور اپنی لونڈی کو آزاد کر دیا ہے اور اس پر اس کے پاس کوئی گواہ بھی نہیں ہے وہ اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق کروا دیتا ہے اور لونڈی کو آزاد کرنے کا حکم دیتا ہے تو یہ کام اگرچہ بظاہر برائی کو بدلنے کے زمرے میں آئے گا مگر لوگوں میں نشانہ تہمت بن جائے گا۔ اور اس کی نیک نامی کے متعلق مختلف باتیں بنیں گی۔

کیا کسی جج یا حاکم کے لئے جائز ہے کہ وہ محض اس بنا پر کسی ایسے شخص کو جو مستور الحال ہے۔ زنا میں شہرت نہیں رکھتا اس پر ایک گواہ تک نہیں پکڑ کر رجم کرا دے کہ میں نے اس کو زنا کرتے دیکھا ہے یا اس کو قتل کرا دے، اور کہے کہ میں نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دیتے ہوئے سنا ہے یا میاں بیوی میں اس بنا پر تفریق کروا دے کہ میں نے اس شخص کو طلاق دیتے ہوئے سنا ہے۔ ؟ کیا یہ محض تہمت کے علاوہ کچھ اور ہے ؟

اگر یہ دروازہ کھول دیا جائے خاص طور پر اس زمانے کے جج کے لئے ____ تو پھر ہر قاضی اور جج کو اپنے دشمن کو قتل کرنے، رجم کرنے، اس کی تفسیق کرنے اور اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق کروانے کا بہانہ مل جائے گا اور خاص طور پر جبکہ دشمن ہو اور اس کا دشمن دشمنی کا ثبوت بھی نہ دے سکتا ہو۔ بلکہ اگر یہ رائے صحیح بھی ہوتی اور قانون یہ ہوتا کہ ایک جج اپنی معلومات اور علم و مشاہدہ کی بنیاد پر فیصلہ کرنے کا مجاز ہے تب بھی اس زمانے کے ججوں سے یہ اختیار لے لیا جائے۔ البتہ اگر یہ قانون صرف قاضی شریح، کعب بن سور، ایاس بن معاویہ، حسن بصری، عمران طلحی اور حفص بن غیاث[1] اور ان جیسے دوسرے ججوں کے لئے ہو تو یہ بات قابل غور ہے

حضرت ابوبکر صدیق، عبدالرحمٰن بن عوف، عبداللہ بن عباس اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہم نے اس بنیاد پر فیصلے سے منع فرمایا۔ اور صحابہ کرام میں سے کسی نے ان کی مخالفت نہیں کی امام بیہقی وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا۔ اگر میں کسی حدود کی خلاف ورزی کرتے ہوئے دیکھوں تو میں اس وقت تک نہیں پکڑوں گا۔ جب تک اپنے علاوہ ایک اور گواہ نہ مہیا کر لوں"[2]

حضرت عمر سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے انہوں نے فرمایا۔ "آپ کی کیا رائے ہے کہ اگر میں کسی کو دیکھتا ہوں کہ اس نے کسی کو قتل کیا ہے یا اس نے

---

[1] قاضی ابو عمر حفص بن غیاث نخعی آئمہ اسلام میں شمار ہوتے تھے۔ محدثین نے ان کو حافظے کے اعتبار سے ضعیف قرار دیا ہے ۱۹۴ھ میں وفات پائی۔ [2] المحلی جلد ۹ صفحہ ۴۲۶، السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۱۰ صفحہ ۱۴۴

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شراب پی ہے یا اس نے زنا کا ارتکاب کیا ہے کیا میں اپنی ان معلومات کی بنیاد پر فیصلہ کر سکتا ہوں؟

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے عرض کی۔

"آپ کی شہادت بس ایک آدمی کی شہادت ہے۔"

حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ "آپ ٹھیک کہتے ہیں۔"[1]

حضرت علیؓ سے بھی اسی قسم کی روایت منقول ہے[2]

یہ چیز صحابۂ کرام کے کمالِ تفقہ پر دلالت کرتی ہے۔ بلاشبہ صرف صحابۂ کرام ہی اُمّت میں سب سے زیادہ فہم دین کے حامل مقاصدِ شریعت اور اس کی حکمتوں کو سمجھنے والے تھے۔

شہادات اور دیگر عدالتی فیصلوں اور مریض کی طلاق وغیرہ میں تہمت موثر ہوتی ہے۔ بنا بریں آقا کی گواہی غلام کے حق میں غلام کی شہادت آقا کے حق میں قابلِ قبول نہیں۔ اسی طرح باپ بیٹے کے حق میں اور بیٹا باپ کے حق میں گواہی نہیں دے سکتا۔ دشمن کی گواہی دشمن کے خلاف معتبر نہیں۔ جج اپنی ذات سے متعلق کسی مقدمے کا فیصلہ کر سکتا ہے۔ نہ وہ اپنے دشمن پر کوئی حکم نافذ کر سکتا ہے۔ مریض مرض الموت میں اپنے وارث کے لئے اور نہ کسی اجنبی کے لئے اقرار کر سکتا ہے۔ شواہدِ تہمت کے ثبوت کے بعد امام مالکؒ کا یہی قول ہے۔

ثبوتِ تہمت کے بعد کوئی شخص (مرض الموت میں) اپنی بیوی کو طلاق دے کر اسے وراثت سے محروم نہیں کر سکتا۔ کسی عورت کا اپنی سوت کے متعلق یہ قول قابلِ قبول نہیں کہ اس نے اپنی اس سوت کو رضاعت میں دودھ پلایا ہے۔ اسی قسم کے مقدمات کی بے شمار مثالیں ہیں۔ جن کو تہمت کے سبب رد کر دیا جائے گا۔

محض اسی تہمت کے باعث ہم ایک مظلوم کو ایسے ظالم کے مال میں سے بقدر حق مال لینے سے بھی روکتے ہیں۔ جس نے اس مظلوم کا مال غصب کیا ہو۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ مظلوم کو تو اپنا حق چاہیئے۔

سید الحکام صلی اللہ علیہ وسلم کو تو منافقین کی زیرِ زمین ایسی سرگرمیوں کا علم تھا جو اُن کا خون اور مال مباح کرنے کے لئے کافی تھیں۔ مگر اس کے باوجود آپؐ نے منافقین کے بارے میں اپنی معلومات اور اپنے علم کی بنیاد پر کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ حالانکہ آپؐ کی ذاتِ اقدس اللہ تعالیٰ فرشتوں اور تمام بندوں کے نزدیک ہر قسم کی تہمت سے بالاتر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ

---

[1] المحلی جلد ۹ ص ۴۲۷ مصنف عبدالرزاق جلد ۸ ص ۳۴۰۔ السنن الکبریٰ جلد ۱۰ ص ۱۴۴ [2] سنن بیہقی ص ۱۴۴

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دشمنوں کو یہ پروپیگنڈہ کرنے کا موقع ہاتھ نہ آتے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ساتھیوں کو قتل کروا دیتے ہیں۔[۱]

ایک دفعہ صحابہ کرامؓ نے آپؐ کو اپنی زوجہ مطہرہ صفیہ بنت حیّی کے ساتھ رات کے اندھیرے میں دیکھا۔ آپؐ نے فوراً صحابہ کرام کو روک کر کہا: "ٹھہرو! یہ صفیہؓ ہیں" ـــــ آپؐ نے یہ صرف اس لئے کیا تھا کہ کہیں کوئی بدگمانی اُن کے دل میں جاگزیں نہ ہو جائے۔[۲]

ہر وہ شخص جو اسلامی قانون، اس میں مضمر مصلحتوں اور اس اصول "سد الذرائع"[۳] پر غور و تدبر کرتا ہے تو اس پر حق و صواب واضح ہو جاتا ہے۔ وَبِاللہِ التَّوْفِیْق۔

---

[۱] صحیح بخاری جلد ۶ ص ۵۴۶، [۲] صحیح بخاری جلد ۴ ص ۲۷۸، [۳] ہر حرام اور ناجائز چیز کے حصول کا ذریعہ بھی حرام اور ناجائز قرار پائے گا کیونکہ یہ وسیلہ اور ذریعہ اس حرام چیز تک رسائی کا باعث بنتا ہے یا بن سکتا ہے۔ ذرائع تحلیل و تحریم میں عام طور پر مقاصد کے تابع ہوتے ہیں۔ اس زریں اصول کو امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے اصحاب نے بکثرت استعمال کیا ہے اور اس کو سد الذرائع کا نام دیا ہے (مستفاد از ارشاد الفحول للشوکانی، اعلام الموقعین لابن القیم اور سیرت امام احمد استاد ابو زہرہ)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تینتیسواں ضابطہ

شہادتِ متواتر[1]

شہادتِ متواتر معتبر ہوتی ہے خواہ گواہی دینے والے لوگ عادل اور مسلمان نہ ہوں[2]۔

شہادت متواتر واضح ترین ثبوت تسلیم کی گئی ہے۔ جب جج کے پاس تواتر کے ساتھ کوئی خبر پہنچے پھر ایک خبر دوسری خبر کی وضاحت کے ساتھ اس کی تائید اور تقویت کا باعث بنتی ہو اور ان اخبارِ متواترہ سے جج یا کسی اور کو علم یقینی حاصل ہوتا ہو تو اس شہادتِ متواتر کی موجبات کے مطابق فیصلہ کرنا ہوگا۔

جج کے پاس کسی شخص کا فسق یا نیکی اور دینداری، یا اسکی کسی دوسرے آدمی کے ساتھ عداوت یا کسی شخص کی محتاجی اور تنگدستی یا کسی آدمی کی موت اس کے سفر کے متعلق خبریں تواتر کے ساتھ پہنچیں تو اس کو ان کی موجبات کے مطابق فیصلہ کرنا ہوگا۔ جج کو فیصلہ کرنے کے لئے دو عادل گواہوں کی ضرورت نہیں۔ شہادتِ متواتر متعدد وجوہات کی بناء پر دو عادل گواہوں کی شہادت سے زیادہ قوی ہے کیونکہ خبر کے تواتر سے علمِ یقینی حاصل ہوتا ہے اور دو عادل گواہوں کی شہادت زیادہ سے زیادہ ظنِ غالب کا فائدہ دیتی ہے۔

ہمارے اصحاب میں سے قاضی ابو یعلی رح، ابو الخطاب رح اور ابن عقیل رح کے مقالات سے اسکی تائید ہوتی ہے چنانچہ جو لوگ کہتے ہیں کہ تواتر چار آدمیوں کی شہادت سے حاصل ہو

---

[1] خبر متواتر کسی امر حسی کے متعلق ایسی خبر کو کہا جاتا ہے جسے کثیر لوگوں نے نقل کیا ہو جن کا عادۃً جھوٹ پر متفق ہونا محال ہو۔ خبر متواتر علم یقینی کا فائدہ دیتی ہے۔

(مستفاد از نخبۃ الفکر ابن حجر اور مقدمہ ابن الصلاح)

[2] محدثین حدیثِ متواتر میں راویوں کے مسلمان ہونے کی شرط عائد کرتے ہیں (قواعد التحدیث ص۱۴۶)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جاتا ہے تو اُن کو ہمارے اصحاب نے یہ جواب دیا ہے کہ اگر چار آدمیوں کی شہادت سے تواتر حاصل ہوتا تو زنا کی شہادت کے وقت جج کو گواہوں کے تزکیہ نیز گواہوں اور ملزموں کے درمیان عداوت وغیرہ کے متعلق پُوچھ گچھ کرنے کی ضرورت کیوں ہوتی ؟

ہمارے اُستاد شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

"یہ اُصول اِس امر کا متقاضی ہے کہ جب جج کو گواہوں کی شہادت سے علمِ یقینی حاصل ہو جائے تو اسے گواہوں کے تزکئے کی ضرورت نہیں رہتی ۔"

کفار، فُساق اور بچوں کی خبر سے بھی تواتر حاصل ہو سکتا ہے جن موقعوں پر ایک گواہ اور مُدعی کا حلف، یا مدعا علیہ کے انکارِ حلف یا صِرف ایک عورت کی گواہی قابلِ قبول ہے وہاں تواتر کی بُنیاد پر فیصلہ کرنا زیادہ اولیٰ ہے۔ شہادت متواتر سے واضح ہونے والا حق نصابی شہادت سے حاصل ہونے والے ظن سے کہیں واضح اور یقین کا حامل ہوتا ہے ۔

کہا جا سکتا ہے کہ زنا میں حد جاری کرنے کے لئے عینی شہادت ضروری ہے۔ زنا کی حد جاری کرنے کے لئے ان قرائن کی دلالت پر اکتفا نہیں کیا جا سکتا جو لوگوں میں مشہور ہیں ، عام طور پر تواتر میں معائنہ اور مشاہدہ کی شرط حاصل نہیں ہو سکتی چونکہ زنا لوگوں سے چُھپ کر کیا جاتا ہے ۔اس لئے تواتر میں عینی شہادت کا حصول ممکن نہیں ۔

جی ہاں ! اگر صُورت یہ ہو کہ زانی نے عام کُھلے بندوں زنا کا ارتکاب کیا ہے اور بیشمار لوگوں نے اُسے زنا کرتے دیکھا ہے ۔ تو انکی خبر سے علم ضروری حاصل ہو جاتا ہے اور زانی پر قطعی طور پر حد جاری کر دی جائے گی شریعت اسلامی اسی چیز کا تقاضا کرتی ہے۔ اس کے علاوہ کسی چیز کا احتمال نہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چوبیسواں ضابطہ

شہادتِ مستفیض[1]

خبرِ مستفیض کا درجہ خبرِ متواتر اور خبرِ واحد کے بین بین ہے۔ خبرِ مستفیض اس خبر کو کہتے ہیں جو لوگوں میں مشہور اور عام ہو علمائے حنفیہ نے خبر کو تین مراتب میں تقسیم کیا ہے[2]۔ خبرِ واحد خبرِ متواتر اور خبرِ مستفیض۔

خبرِ مستفیض کا مرتبہ خبرِ واحد اور متواتر کے درمیان ہے حنفیہ خبرِ مستفیض کو بمنزلہ خبرِ متواتر تصوّر کرتے ہیں اس سے عمومِ قرآن کی تخصیص کر لیتے ہیں[3]۔ بعض علمائے احناف خبرِ مستفیض کو خبرِ متواتر ہی کی ایک قسم گردانتے ہیں۔

شہادت میں خبرِ مستفیض سے استناد کرنا جائز ہے خبرِ مستفیض کی بُنیاد پر خاوند اپنی بیوی سے لعان کر سکتا ہے۔ اگر اسکی بیوی کا زنا لوگوں میں مشہور ہے تو وہ اپنی بیوی پر زنا کا الزام بھی لگا سکتا ہے۔ نیز جج خبرِ مستفیض پر اعتماد کر سکتا ہے۔

شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اگر ایک ذمی کسی مسلمان عورت کے ساتھ زنا کا ارتکاب کرتا ہے تو اسے قتل کر دیا جائے۔ اس کے اسلام قبول کر لینے سے اسکی سزائے قتل معاف نہیں ہو سکتی۔ مُسلمان ملزم پر شہادت کے سلسلے میں عام ضابطہ شہادت کا اعتبار کیا جاتا ہے مگر ذمّی ملزم پر ادائے شہادت کے لئے اس قسم کی شرط لازم نہیں صرف لوگوں میں اس کے زنا کا مشہور ہونا ہی شہادت کیلئے کافی ہے"

---

[1] اہلِ علم کے نزدیک خبرِ مستفیض اس خبر کو کہا جاتا ہے جو لوگوں میں پھیل کر مشہور ہو جاتی ہے۔
(مستفاد از قواعد التحدیث اور نخبۃ الفکر)

[2] اصولِ البزدوی صفحہ ۱۵۰ تا صفحہ ۱۵۲ [3] اصول البزدوی صفحہ ۱۵۲

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہی بات صحیح ہے کیونکہ خبرِ مستفیض قوی ترین ثبوت ہے لہذا اگر ایک جج خبرِ مستفیض پر اعتماد کرتے ہوئے کوئی فیصلہ کرتا ہے تو وہ موردِ تہمت نہیں ہے اس کا یہ فیصلہ مجرد جج کی ذاتی معلومات کی بناء پر فیصلہ تصور نہیں کیا جائے گا جس میں کوئی اور شریک ہو بلکہ یہ فیصلہ دلیل و برہان کی بنیاد پر فیصلہ تصور ہوگا۔ بنابریں اگر گواہ کی صداقت و عدالت لوگوں میں مشہور ہو تو جج پہ لازم ہے کہ اس کا تزکیہ کئے بغیر اسکی شہادت کو قبول کرے۔ اگر گواہ کے فسق و فجور کی شہرت ہے تو جج پر واجب ہے کہ وہ اسکی گواہی کو رد کر دے یہ اہلِ علم کی متفقہ رائے ہے۔ جرح و تعدیل میں بھی اسی اصول کا اطلاق ہوتا ہے۔ شاہد کے فسق و فجور کی شہرت کی بنا پر اس کو مجروح قرار دیا جا سکتا ہے۔ بلا ریب ہم عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی عدالت اور حجاج بن یوسف کے فسق و فجور کی شہادت دے سکتے ہیں۔

مقصد یہ ہے کہ استفاضہ حصولِ علم کا ایسا طریقہ ہے جو جج اور شاہد سے تہمت کی نفی کرتا ہے۔ یہ طریقۂ علم دو مقبول گواہوں کی شہادت سے زیادہ قوی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پچیسواں ضابطہ

خبرِ واحد[۱]

جب ایک ایسا عادل راوی خبر دے جس کی خبر پر اعتماد کیا جا سکتا ہو۔ اسکی خبر پر اطمینان ہو۔ اسکی صداقت کا ظن غالب ہو اور دیگر قرائن سے اس خبر کی صداقت یقینِ قطعی تک پہنچ جائے تو اسکی بنیاد پر جج فیصلہ کرنے کا مجاز ہے۔

شہادت اور اِخبار

خبرِ واحد پر ترجیح اور طلبِ تائید کے لئے تو اعتماد کیا جا سکتا ہے مگر آیا محض خبرِ واحد پر اکتفاء کر کے اسے فیصلوں کا مدار بھی بنایا جا سکتا ہے ــــــ؟

یہ مقام تفصیل طلب ہے۔

اگر خبرِ واحد کے ساتھ ایسے قرائن موجود ہوں جو یقین کا فائدہ دے رہے ہوں تو اس خبر کی بنیاد پر فیصلہ کرنا جائز ہے اور اس کو "شہادت" قرار دیا جا سکتا ہے بلکہ یہ تو شہادتِ محض ہے جمہور کا یہی مذہب ہے اور یہ صحیح ترین قول ہے اس میں لفظِ "شہادت" کا ذکر کرنا بھی صحتِ شہادت کے لئے ضروری نہیں بلکہ اگر گواہ کہے کہ "میں نے اسے ایسا کرتے دیکھا ہے یا ایسا کہتے سنا ہے تو اس سے شہادت صحیح شمار ہو گی۔

کتاب و سنت میں کوئی ایسی دلیل نہیں ملتی جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ لفظِ "شہادت" کا تلفظ صحتِ شہادت کے لئے ضروری شرط ہے۔ نہ کسی صحابی کے عمل سے یہ بات ثابت ہوتی ہے اور نہ قیاس و استنباط اس کا تقاضا کرتے ہیں۔ بلکہ کتاب و سنت اقوالِ صحابہ اور

---

[۱] خبرِ واحد اس خبر کو کہتے ہیں جسے ایک یا چند راوی بیان کرتے ہوں جن کی تعداد خبرِ مشہور اور خبرِ متواتر کے راویوں کی تعداد تک نہ پہنچتی ہو۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لغتِ عرب کے بیشمار دلائل اس کی نفی کرتے ہیں، یہ مذہب امام مالک اور امام ابوحنیفہ کا ہے امام احمد کا ظاہر کلام بھی اس کی تائید کرتا ہے اور ان سے یہی مذہب منصوص ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

قُلْ هَلُمَّ شُهَدَاءَكُمُ الَّذِينَ يَشْهَدُونَ أَنَّ اللَّهَ حَرَّمَ هَٰذَا فَإِن شَهِدُوا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ۔ (الانعام ۔ ۱۵۰)

کہہ دو کہ اپنے گواہوں کو بلالو جو اس بات کی شہادت دیں کہ اسے اللہ تعالیٰ نے حرام ٹھہرایا ہے اگر وہ اس بات کی شہادت دے بھی دیں تو تم اُن کے ساتھ ہرگز شہادت نہ دینا۔

اس آیتِ کریمہ سے قطعی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یہاں "شہادت" سے مُراد لفظ شہادت کا تلفظ نہیں ہے بلکہ اس سے مجرد اخبارِ تحریم مُراد ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَٰكِنِ اللَّهُ يَشْهَدُ بِمَا أَنزَلَ إِلَيْكَ (النساء ۔ ۱۶۶)

مگر اللہ تعالیٰ اس چیز پر شہادت دیتا ہے جو اس نے تیری طرف نازل کی ہے۔

اس آیت میں صحتِ شہادت اس بات پر موقوف نہیں کہ اللہ تعالیٰ یُوں فرماتا: "میں شہادت دیتا ہوں۔"

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا يَمْلِكُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِهِ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَن شَهِدَ بِالْحَقِّ (الزخرف ۔ ۸۶)

اور وہ لوگ جن کو یہ پکارتے ہیں شفاعت کا اختیار نہیں رکھتے الّا یہ کہ کوئی حق کی شہادت دے۔

یعنی حق کی خبر دینا اور علم کی بات کرنا اور اس سے مراد ہے توحید کسی شخص کے دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے لئے ضروری نہیں کہ وہ زبان سے کلمۂ شہادت یعنی: أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ کہے، بلکہ اگر وہ لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ — کہہ دیتا ہے تو وہ بالاتفاق مسلمان ہوگا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوْا اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ [1]	مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں کے ساتھ جہاد کرتا رہوں، یہاں تک کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔

اگر لوگ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ...... کہہ دیں، "شہادت" کا تلفظ نہ کریں تب بھی ان کا جان و مال محفوظ ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :

فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ ۔ (الحج - ۳۰)	بتوں کی گندگی سے بچو اور جھوٹی بات سے اجتناب کرو اللہ کے لئے یکسو ہو کر اور شرک سے بچتے ہوئے ۔

صحیح حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"شہادتِ زُور (یعنی جھوٹی گواہی) شرک کے برابر ہے ۔" [2]

آپ نے ارشاد فرمایا :

"کیا میں تم لوگوں کو سب سے بڑے گناہ سے آگاہ نہ کروں ؟"

سب سے بڑا گناہ ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا، کسی جان کو قتل کرنا، جس کو قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام ٹھہرایا ہو اور جھوٹی بات ۔ [3]

ایک روایت میں آتا ہے ۔ خبردار ! وہ ہے جھوٹی شہادت ۔"

آپ نے "جھوٹی بات" (قول الزُّور) کو "جھوٹی شہادت (شہادۃ الزُّور) کہا ہے۔

---

[1] سُنن ابن ماجہ جلد ۱ صـ۲۸ ۔ بروایت معاذ بن جبل رض

[2] سُنن ابنِ ماجہ جلد ۲ صـ۷۹۴ [3] صحیح بخاری ۔ جلد ۵ صـ۲۶۱

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں :

میرے پاس پسندیدہ اشخاص نے شہادت دی اور اُن میں سے سب سے پسندیدہ عمرؓ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کے بعد نماز پڑھنے سے منع فرمایا، یہاں تک کہ سُورج غروب ہو جائے اور اسی طرح نمازِ فجر کے بعد نماز پڑھنے سے منع فرمایا، یہاں تک کہ سُورج طلوع ہو جائے [1]

یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت عبد اللہ بن عباس سے نہیں کہا تھا کہ "میں تیرے پاس گواہی دیتا ہوں" —— بلکہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابنِ عباسؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک قول سے آگاہ کیا تھا اور انہوں نے اسے شہادت کا نام دیا ۔

علامہ ابن تیمیہؒ ابو یعلیؒ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ ایک بار امام احمد بن حنبلؒ اور امام علی بن المدینیؒ کے درمیان بحث ہوئی ۔ یہ بحث عشرہ مبشرہ کے بارے میں تھی ۔ علی بن المدینی نے کہا : "میں یہ تو کہتا ہوں کہ وہ جنّت میں ہیں مگر اس بات کی شہادت نہیں دیتا ۔ کیونکہ اس بارے میں جو کچھ منقول ہے وہ اخبارِ آحاد ہیں اور خبر واحد سے علم یقینی حاصل نہیں ہوتا ۔ اور شہادت کی بُنیاد علم یقینی پر ہوتی ہے ۔

امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا :

"جب آپ نے یہ کہہ دیا کہ وہ جنّت میں ہیں تو یہ آپ نے شہادت ہی دی ہے ۔"

ہر وہ شخص جو کسی چیز کے متعلق کوئی خبر دیتا ہے وہ درحقیقت شہادت ہی ہوتی ہے ۔ اگرچہ وہ لفظ "شہادت" کو اپنی زبان سے ادا نہیں کرتا ۔

تعجّب ہے یہ حضرات قرآنِ مجید کی اس آیت سے اقرار کے معتبر ہونے پر استدلال کرتے ہیں ۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا — اے ایمان والے لوگو! انصاف قائم

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صـ۵۸

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قَوَّامِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰى اَنْفُسِكُمْ ۔ (النساء ۔ ۱۲۵)

کرنے والے بن جاؤ ۔ اللہ تعالیٰ کے لئے گواہی دیتے ہوئے ۔ خواہ تمہاری اپنی ذات پر ہی کیوں نہ ہو ۔

یہ حضرات کہتے ہیں کہ آیت کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے ذات کے بارے میں کوئی اقرار کرتا ہے تو اس کا اقرار معتبر ہے ان میں سے کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ اقرار اس وقت تک مُعتبر نہ ہوگا جب تک کہ اقرار کرنے والا یہ نہ کہے "میں اپنے بارے میں یہ گواہی دیتا ہوں "۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس اقرار کو شہادت کا نام دیا ہے ۔ تب معلوم ہوا کہ اسی اصول اور قاعدے کے مطابق طریقِ اخبار اور طریقِ شہادت ایک دُوسرے سے متغایر نہیں ہیں ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چھبیسواں ضابطہ

تحریر

مجرد تحریر شناسی کی بنیاد پر فیصلے کی تین صورتیں ہیں۔

اوّل: جج تحریر کو حجت سمجھتے ہوئے اپنی صوابدید کے مطابق کسی شخص کے حق میں فیصلہ کر دے۔ پس جج سے اس فیصلے کے نفاذ کا مطالبہ کیا جائے گا۔

اس سلسلے میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے تین اقوال منقول ہیں۔

۱۔ جج کو جب یہ یقین ہو جائے کہ تحریر اسی کی ہے (جس کی طرف دعوے میں اسے منسوب کیا گیا ہے) اگرچہ وہ صریحاً اسے تسلیم نہ کرتا ہو

۲۔ دوسری روایت یہ ہے کہ جب تک وہ یہ اقرار یاد کر نہ کرے کہ یہ تحریر اسی کی ہے جج حکم نافذ کرنے کا مجاز نہیں۔

۳۔ اگر وہ تحریر اسکی حفاظت میں ہے تو حکم نافذ کیا جائے گا ورنہ نہیں۔

علامہ ابوالبرکات رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ شاہد کی شہادت کے بارے میں روایت یہ ہے کہ اگر شاہد کو یاد نہ ہو تو اس کی تحریر کا اعتبار کرنا ہوگا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"شہادات اور دیگر عدالتی فیصلوں میں تحریر پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔" امام شافعی سے ایک دوسرا قول بھی منقول ہے جو امام احمد رحمہ اللہ کے تیسرے قول کے مطابق ہے یعنی اگر خط یا تحریر اس کے پاس محفوظ ہے تو اس پر اعتماد کرنا جائز ہے۔

خفاف رحمہ اللہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب نقل کرتے ہیں کہ امام صاحب نے فرمایا:

"اگر جج اپنے دیوان میں کوئی ایسی تحریر دیکھتا ہے جس کے متعلق اسے کچھ یاد نہیں۔ مثلاً حقوق کے متعلق کسی شخص کا اقرار اور اعتراف وغیرہ۔ جب جج کو اس کے متعلق کچھ یاد نہ رہے

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تو وہ اس کے مطابق فیصلہ کرنے کا مجاز نہیں اور جب یاد نہ آئے تو وہ اسے نافذ بھی نہیں کر سکتا۔

صاحبین رح کہتے ہیں۔ "کسی شخص کے حق کے متعلق گواہوں کی شہادت جو اسکی عدالت میں دی جا چکی ہے۔ اور اس شہادت کا ثبوت اُس کے دیوان میں بھی موجود ہے مگر جج کو یاد نہیں رہا اگر اس تحریر پر اسکی مہر اور دستخط موجود ہیں تو اس تحریر پر اعتماد کرتے ہوئے اِس کے مطابق فیصلہ کرے اور اِس کو نافذ کرے کیونکہ ایک جج پر لازم نہیں کہ جو کچھ اس کے دیوان میں لکھا ہوا ہے اسے یاد بھی رکھے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب "الجواہر" میں یُوں منقول ہے۔

"اگر قاضی اور جج کو اپنی تحریر کے متعلق کچھ یاد نہ رہے تو اسپر اعتماد کرنا جائز نہیں کیونکہ اس میں جھوٹ اور جعل سازی کا امکان موجود ہے۔"

قاضی ابو محمّد کہتے ہیں۔

جج اگر اپنے دیوان میں ایک تحریر پاتا ہے اور اس کو یاد نہیں کہ آیا اس نے اسکے مطابق فیصلہ کیا ہے یا نہیں اِس صُورت میں جب دو گواہ شہادت نہ دیں۔ جج اس تحریر کے مطابق فیصلہ نہیں کر سکتا۔

وہ کہتے ہیں :

اگر قاضی کو اپنے کسی فیصلے کے متعلق یہ یاد نہ رہے کہ اس نے کیا فیصلہ کیا تھا مگر دُو گواہ شہادت دیں کہ قاضی نے اِس طرح فیصلہ کیا تھا تو وہ ان گواہوں کی شہادت پر اپنے فیصلے کو نافذ کر سکتا ہے۔

جمہورِ اہلِ علم کی رائے اس کے خلاف ہے، بلکہ سوائے شاذ اختلاف کے تمام محدثین اس پر متفق ہیں کہ راوی ایسی تحریر پر اعتماد کر سکتا ہے جو شُبہ سے محفوظ ہو۔ وہ تحریر کی بنیاد پر حدیث روایت بھی کر سکتا ہے۔ اگر راویانِ حدیث کو معتبر قرار نہ دیا جاتا تو اب تک اسلام ضائع ہو گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت کہیں نہ ملتی۔ کتاب اللہ کے بعد سُنّت کے مجموعوں اور فقہ کی کتابوں کے بارے میں مختلف نسخوں پر اعتماد کیا گیا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ خطوط جو آپؐ نے مختلف بادشاہوں کے نام لکھے، تحریر کے حجت ہونے پر بیّن دلیل ہیں۔ آپؐ نے کبھی اپنے ایلچی کو اپنے خط کا مضمون پڑھ کر نہیں سنایا آپ کی تمام مدتِ حیات میں کبھی ایسا نہیں ہوا۔ آپؐ ہمیشہ اپنے ایلچی کو مہر بند خط یا تھیلی وغیرہ دیا کرتے تھے اور ایلچی کو حکم ہوتا تھا کہ وہ یہ مہر بند خط مکتوب الیہ کے حوالے کر دے تمام اہل علم اور اہل تاریخ اسے "ضرورۃ" جانتے ہیں۔

ایک صحیح حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس مسلمان کے پاس اتنا مال ہے جس میں وہ وصیت کر سکتا ہے اس کے لئے جائز نہیں کہ دو راتیں بھی ایسی حالت میں گزارے کہ اس کے پاس وصیت لکھی ہوئی موجود نہ ہو۔" [1]

اگر تحریر پر اعتماد شرعاً جائز نہ ہو تو لکھی ہوئی وصیت کا قطعاً کوئی فائدہ نہ ہوتا۔

اسحاق بن ابراہیمؒ کہتے ہیں: "میں نے امام احمدؒ سے پوچھا ایک آدمی وفات پا جاتا ہے اور ایک وصیت نامہ اس کے تکیے کے نیچے ملتا ہے مگر اس پر کوئی گواہی ثبت نہیں اور نہ اس کے متعلق کسی کو کوئی علم ہے۔ کیا اس وصیت کو نافذ کرنا جائز ہے؟"

امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا:

"وصیت نامے کی تحریر کو اگر پہچان لیا جائے اور یہ یقین ہو جائے کہ یہ تحریر واقعی وصیت کرنے والے کی ہے اور وصیت کرنے والے کی تحریر معروف ہو (یعنی اسے بہت سے لوگ پہچانتے ہوں) تو اس وصیت کو نافذ کیا جائے گا۔" [2]

شہادت کے باب میں امام احمدؒ سے منصوص [3] ہے کہ گواہ کو اگر گواہی یاد نہ رہے اور وہ اپنی تحریری یادداشتوں میں یہ گواہی دیکھتا ہے، جب تک اسے گواہی یاد نہ آئے اس کے لئے گواہی دینا جائز نہیں۔

---

[1] سنن الدارمی جلد ۲ صفحہ ۲۹۰ بروایت عبداللہ بن عمر، نیز اس حدیث کو بخاری، مسلم ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہؒ، ابن الجارود، امام مالک، امام شافعی اور امام احمدؒ نے بھی روایت کیا ہے۔

[2] المغنی جلد ۶ صفحہ ۱۳۶ [3] المغنی جلد ۶ صفحہ ۱۳۶ [4] المغنی جلد ۶ صفحہ ۱۳۷

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک شخص وصیت لکھتا ہے اور لوگوں سے کہتا ہے کہ جو کچھ اس وصیت نامے میں درج ہے اس پر میرے گواہ رہنا۔ اس کے متعلق امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ اس وصیت پر اسوقت تک گواہی دینا جائز نہیں جب تک کہ گواہ اس وصیت کو بالمشافہ اس سے سُن نہ لیں یا یہ وصیت نامہ ان گواہوں کے سامنے وصیت کرنے والے کو پڑھ کر سُنایا جائے اور وہ اس وصیت کا اقرار کرے۔[۱]

بنا بریں ہمارے اصحاب میں اسکی تخریج کے بارے میں اختلاف واقع ہوا ہے بعض اصحاب نے ہر مسئلہ میں دُوسرے حکم کی تخریج کر کے نقل و تخریج کے ذریعے ذو وجہین مسئلہ بنا دیا ہے بعض اصحاب تخریج کے قائل نہیں البتہ ذُو نصوص کے قائل ہیں یہ حضرات تخریج اور نص کے درمیان فرق کرتے ہیں۔

ہمارے اُستاد شیخ الاسلام ابنِ تیمیہؒ بھی نص اور تخریج کے درمیان تفریق کے قائل ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

دونوں میں فرق یہ ہے کہ جب وصیت لکھنے والا وصیت لکھتا ہے اور کہتا ہے کہ اس وصیت پر میرے گواہ رہنا۔ اسپر گواہوں کو شہادت نہیں دینی چاہیئے کیونکہ وصیت نامے میں کمی بیشی اور تغیر تبدل کا احتمال موجود ہے۔ اگر وصیت لکھنے والا وصیت لکھتے ہی مر جاتا ہے اور اسکی تحریر کو بھی پہچان لیا جاتا ہے تب اسپر گواہی دینا جائز ہے۔ کیونکہ اب کمی بیشی اور تغیر و تبدل کا امکان نہیں رہا۔"

وہ حدیث جو وصیت کے باب میں ابھی ہم نے بیان کی ہے اور وہ خطوط و مکاتیب جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف بادشاہوں اور عمال کو لکھے ہیں ہمارے مؤقف کی تائید کرنے میں۔ نیز اس لئے بھی کہ تحریر بہر حال اپنے مقصود پر دلالت کرتی ہے۔ تحریر تلفظ ہی کی مانند ہے یہی وجہ ہے کہ لکھ کر طلاق دینے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

قاضی (ابویعلی الخ) کہتے ہیں: "وصیت کے بارے میں وصیت کرنے والے کی تحریر کا ثبوت گواہوں کی عینی شہادت پر منحصر ہے کہ یہ وصیت جج کے سامنے لکھی گئی ہو۔ کیونکہ کتابت ایک عمل ہے اور کسی عمل پر شہادت کا طریق کا رصرف عینی مشاہدہ ہی ہو سکتا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام احمد بن حنبلؒ کا قول کہ " وصیت کرنیوالا معروف الخط ہو اور اسکی تحریر کو پہچان لیا جائے تو یہ وصیّت نافذ کی جائے گی " قاضی ابو یعلیٰ کے قول کی تردید کرتا ہے۔ کیونکہ امام احمد بن حنبلؒ نے وصیت کے نفاذ کو صرف تحریر کے پہچان لیئے جانے اور تحریر کے معروف ہونے سے مشروط کیا ہے اس میں نفسِ فعل کے مشاہدے اور معائنے کا اعتبار نہیں کیا۔

صحیح مسلک بھی یہی ہے کیونکہ اصل مقصد تو یہ ہے کہ تحریر کی اپنے کاتب کی طرف نسبت کی حقیقت معلوم ہو۔ جب اس نسبت کی حقیقت معلوم ہو جائے اور اس امر کا یقین ہو جائے کہ تحریر اسی کی ہے تو گویا اس تحریر سے حاصل ہونے والا علم اسی علم کی مانند ہے جو ہمیں کاتب کے تکلم سے حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ تحریر الفاظ پر دلالت کرتی ہے اور الفاظ لکھنے والے کے قصد و ارادہ کی طرف راہ نمائی کرتے ہیں۔

اس سلسلے میں زیادہ سے زیادہ یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ تحریروں میں مشابہت واقع ہو سکتی ہے۔ مگر یہ مشابہت اسی طرح کی ہوا کرتی ہے جو آوازوں اور چہروں میں ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر کاتب کی تحریر میں کوئی نہ کوئی علامت ضرور ودیعت کی ہوتی ہے جس کی وجہ سے اسکی تحریر دیگر لوگوں کی تحریروں سے ممیّز کی جا سکتی ہے جیسے اسکی آواز اور اس کا چہرہ دوسرے لوگوں کی آوازوں اور چہروں سے کسی نہ کسی وجہ سے ممتاز ہوتے ہیں۔

لوگ شہادت دیتے ہیں اور اس میں قطعاً کوئی شک نہیں ہوتا کہ یہ تحریر فلاں صاحب کی ہے۔ تحریروں میں خواہ کتنی ہی مشابہت کیوں نہ ہو ان میں کوئی نہ کوئی امتیازی فرق ضرور ہوتا ہے۔ یہ امتیازی خصوصیّت صرف عربی تحریر ہی کے ساتھ مخصوص نہیں اگر مشابہت کا اعتراض تحریر کی شہادت کو قبول کرنے سے مانع ہے تو یہ مانع تحریر کے لکھے جانے کے وقت اس کے مشاہدہ اور معائنہ کے باوجود اس کے قبول کرنے سے مانع ہے۔ کیونکہ تحریر کے اس کی آنکھوں سے اوجھل ہو جانے کے بعد تغیّر و تبدل کا شبہ موجود ہے کیونکہ اس کے مشابہ کوئی دوسری تحریر لائی جا سکتی ہے۔

بہت سے قطعی دلائل اس پر گواہ ہیں کہ اندھا اگر آواز پہچانتا ہو تو طریق سماعت سے اسکی شہادت جائز ہے۔ حالانکہ آوازوں میں بھی مشابہت پائی جاتی ہے اور یہ صوتی مشابہت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر تحریر کی مشابہت سے زیادہ نہیں تو کسی طرح کم بھی نہیں۔

امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے اصحاب کہتے ہیں کہ اگر وارث اپنے مورث کے ریکارڈ میں یہ تحریر پائے کہ فلاں شخص کے ذمّے اتنا قرض ہے تو وارث کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنا حق ثابت کرنے کے لئے حلف اٹھائے۔ میرا خیال ہے کہ یہ رائے امام احمدؒ اور امام شافعیؒ سے منصوص ہے۔ اسی طرح اگر وارث کو اپنے مورث کے ریکارڈ میں یہ بات ملے کہ اس نے فلاں شخص کا اتنا قرض جو اس کے ذمّے واجب الادا تھا ادا کر دیا ہے تب اگر اس کے مورث کی تحریر اور امانت اس کے پاس ہے تو اس کے لئے حلف اٹھانا جائز ہے۔

ہمیشہ سے یہی دستور چلا آتا ہے کہ خلفاء، امراء، عمال اور قاضی حضرات ایک دوسرے کی تحریروں اور خطوط پر اعتماد کرتے ہیں

وہ نہ اپنے قاصدوں کو گواہ بناتے ہیں اور نہ انکو اپنے خطوط پڑھ کر سناتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے زمانے سے لیکر آج تک لوگوں کا یہی معمول ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی "الجامع الصحیح[۱]" میں رقمطراز ہیں۔ "تحریر پر شہادت کا باب۔ اس ضمن میں کیا چیز جائز ہے اور کس میں مضائقہ ہے حاکم کا اپنے عامل کی طرف خط بھیجنا اور قاضی کا قاضی کی طرف خط بھیجنا جائز ہے بعض اہل علم کہتے ہیں کہ حدود کے علاوہ دیگر مقدمات میں حاکم کا خط بھیجنا جائز ہے۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ اگر قتل خطا ہو تب جائز ہے کیونکہ ان کے خیال میں یہ مالی مقدمہ ہے حالانکہ مالی مقدمہ تو ثبوتِ قتل کے بعد بنتا ہے۔ (خط لکھنے کے سلسلے میں) قتل خطا اور قتل عمد برابر ہیں۔ حدود کے مقدمات میں حضرت عمرؓ نے اپنے عامل کو خط لکھا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے دانت توڑنے کے ایک مقدمے میں اپنے عامل کو خط لکھا تھا ـــــــ ابراہیم (نخعیؒ) کہتے ہیں قاضی کا قاضی کو خط لکھنا اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ وہ اسکی تحریر اور مہر کو پہچانتا ہو۔ امام شعبیؒ قاضی

---

[۱] صحیح بخاری جلد ۱۳ صـ ۱۴۰

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی طرف سے مہر شدہ خط کا اعتبار کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر سے بھی یہی رائے مروی ہے۔ معاویہ بن عبدالکریم کہتے ہیں کہ میں نے بصرہ کے قاضی عبدالملک[1] بن یعلیٰ۔ ایاس بن معاویہ حسن بصری۔ ثمامہ[2] بن عبداللہ بن انس۔ بلال[3] بن ابی بردہ۔ عبداللہ بن بریدہ[4] عامر[5] بن عبیدہ اور عبّاد بن منصور رح[6] کو دیکھا ہے کہ یہ حضرات قاضیوں کے خطوط کو گواہوں کی موجودگی کے بغیر جائز قرار دیتے تھے۔ اور وہ شخص جس کے خلاف یہ خط ہوتا۔ اگر یہ اعتراض کرتا کہ یہ تو شہادتِ زور ہے تو اس کو کہا جاتا کہ اگر نجات کی کوئی اور راہ ہے تو تلاش کر لو۔ ابن ابی لیلیٰ رح اور سوّار بن عبداللہ[7] دونوں اوّلین شخص ہیں جنہوں نے تحریر پر شہادت طلب کی۔ ہمیں ابو نعیم رح نے بتایا ہے کہ مجھ سے عُبیداللہ محرز نے بیان کیا ہے کہ میں نے موسیٰ بن انس رح قاضی بصرہ کے پاس ثبوت پیش کیا کہ فلاں شخص کے ذمے میرا اتنا حق ہے اس وقت موسیٰ کوفہ میں تھے انہوں نے مجھے فیصلہ لکھ دیا اور میں وہ تحریر لے کر قاسم[8] بن عبدالرحمن

۱ھ قاضی عبدالملک بن یعلی اللیثی ثقہ تابعی تھے۔ عمر بن شبہ نے "اخبار بصرہ" میں ذکر کیا ہے کہ یزید بن ہبیرہ نے انہیں بصرہ کا قاضی مقرر کیا تھا۔ ۲ھ ثمامہ بن عبداللہ بن انس ابو بردہ کی طرف سے بصرہ کے قاضی رہے پھر ہشام بن عبدالملک کے عہدِ خلافت کے اوائل میں خالد قسری کی طرف سے قاضی رہے ۔

۳ھ بلال بن ابی بردہ بن ابی موسیٰ اشعری خالد بن عبداللہ قسری کے دوست تھے خالد نے انہیں بصرہ کا قاضی مقرر کیا اور پولیس کا شعبہ بھی ان کے حوالے کر دیا ۱۲۰ھ میں وفات پائی۔ اپنی وفات تک قاضی رہے۔

۴ھ عبداللہ بن بریدہ اسلمی مشہور تابعی ہیں مرو کے قاضی رہے ہیں ۱۱۵ھ میں وفات پائی۔

۵ھ عامر بن عبیدہ بجلی کبارِ تابعین میں شمار ہوتے ہیں۔ کوفہ کے قاضی رہے ہیں۔

۶ھ ابو سلمہ عباد بن منصور ناجی رح پانچ مرتبہ بصرہ کے قاضی مقرر ہوئے ہیں ۱۵۲ھ میں وفات پائی۔

(حاشیہ صفحہ ہذا)

۷ھ سوار بن عبداللہ عنبری فقیہہ شخص تھے۔ منصور عباسی نے انہیں ۱۳۸ھ میں بصرہ کا قاضی مقرر کیا، اپنی وفات تک قاضی رہے ۱۵۶ھ میں وفات پائی۔

۸ھ قاسم بن عبدالرحمن بن عبداللہ بن مسعود ثقہ تابعی تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانے میں کوفہ کے قاضی رہے ہیں ۱۱۶ھ میں وفات پائی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے پاس آیا انہوں نے اس فیصلے کو نافذ کر دیا۔
حسن بصریؒ اور ابو قلابہؒ پسند نہیں کرتے تھے کہ کوئی شخص وصیت کے مندرجات کو جانے بغیر اس پر گواہی دے کیا معلوم کہ اس میں کوئی ایسی وصیت لکھی ہوئی ہو جو ظلم و جور پر مبنی ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر کو تحریر فرمایا تھا:

"اِمَّا اَنْ تَدُوا صَاحِبَكُم وَاِمَّا اَنْ تَأْذَنُوا بِحَرْبٍ۔"

"یا تو تم مقتول کی دیت ادا کرو، ورنہ سمجھ لو کہ تمہارے خلاف اعلانِ جنگ ہے۔

امام مالکؒ نے خطوط پر شہادت کو جائز قرار دیا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن وہبؒ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص کسی ایسے شخص کے حق کے متعلق ذکر رہا تھا جس کے گواہ مر گئے تھے اس کے پاس دو ایسے عادل کاتب گواہ موجود تھے جو دستاویز لکھنے والے کی تحریر پر گواہی دے سکتے تھے امام مالکؒ نے فرمایا۔

"اگر دستاویز لکھنے والا عادل اور ثقہ شخص ہے تو ان کی شہادت جائز ہے۔ البتہ البتہ طالب حق کو حلف اٹھانا ہو گا۔

اور یہی قول علامہ ابن القاسمؒ کا ہے۔

ابن شعبانؒ علامہ ابن وھب سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

"میں تحریر پر شہادت کے مسئلہ میں امام مالکؒ کے قول کو اختیار نہیں کرتا۔

علامہ طحاویؒ کہتے ہیں۔" امام مالکؒ نے تحریر پر گواہی کے بارے میں تمام فقہاء کی مخالفت کی ہے اور اہل علم نے امام مالکؒ کے اس قول کو شاذ قرار دیا ہے۔

محمد بن الحرثؒ کہتے ہیں "خط پر شہادت دینا خطا ہے۔ ایسا شخص جو یہ کہے کہ میں نے فلاں شخص کو سنا ہے وہ کہتا تھا کہ اس نے فلاں شخص کو دیکھا ہے کہ وہ فلاں شخص کو قتل کر رہا تھا یا میں نے فلاں شخص کے متعلق سنا کہ اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی یا اس پر زنا کا الزام لگایا۔ اس کے متعلق امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اسکی گواہی معتبر نہیں سوائے اس چیز کے جس کا اس نے خود مشاہدہ کیا ہے۔

خط کی تحریر تو اس سے بعید تر اور بہت کمزور ثبوت ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محمدؒ بن الحرث مزید کہتے ہیں۔

میں نے ایک جج سے پوچھا۔ "کیا مُردوں کی شہادت جائز ہے ؟"

اس نے جواب دیا : "یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں ؟"

میں نے کہا : "جب آپ کسی شخص کے مرنے کے بعد کسی وثیقہ میں اس کی تحریر پاکر اس کو قبول کرتے ہیں تو درحقیقت آپ اس کے مرنے کے بعد اسکی شہادت کو جائز قرار دے رہے ہیں۔ جج صاحب چُپ ہو کر رہ گئے۔

محمدؒ بن الحکم کہتے ہیں :

ہمارے زمانے میں تحریر کی شہادت کی بنیاد پر فیصلے نہیں کئے جا سکتے کیونکہ لوگوں نے فسق و فجور کی بہت سی نئی قسمیں ایجاد کرلی ہیں۔ امام مالکؒ کا قول ہے کہ : "جس طرح لوگ قانون سے بچنے کے لئے فجور کے نت نئے حیلے ایجاد کرلیتے ہیں اسی طرح نئے نئے فیصلے جنم لیتے ہیں

عبداللہ بن نافع امام مالکؒ سے روایت کرتے ہیں کہ اُنھوں نے فرمایا : "قدیم زمانہ میں لوگ مُہر کو معتبر گردانتے تھے حتیٰ کہ ایک قاضی فیصلہ تحریر کرکے مُہر لگانے کے علاوہ کچھ نہ کرتا۔ اور اس کی اس تحریر کے مطابق عمل کیا جاتا۔ جب لوگوں کا کردار متہم ہوگیا۔ تو پھر یہ ہوا کہ دو گواہوں کے بغیر یہ تحریر قبول نہ کی جاتی۔

ایک جج کسی جج کی طرف کوئی مکتوب لکھتا ہے اس پر دو اشخاص کو گواہ بناتا ہے مگر وہ ان گواہوں کو تحریر پڑھ کر نہیں سناتا اور نہ یہ بتاتا ہے کہ اس میں کیا ہے۔ اس کی قانونی حیثیت کے بارے میں فقہاء میں اختلاف ہے۔

امام مالکؒ کہتے ہیں کہ یہ جائز ہے اور مکتوب الیہ جج پر لازم ہے کہ وہ اس کو قبول کرے ان دونوں کا یہ شہادت دینا بھی جائز ہے کہ یہ جج کی تحریر ہے اسے مُہر شدہ حالت میں ہمارے حوالے کیا تھا یہ امام احمد بن حنبل سے منقول دو اقوال میں سے ایک ہے۔

امام ابوحنیفہؒ ، امام شافعیؒ اور امام ابو ثورؒ رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ اگر تحریر بھیجنے والے جج نے گواہوں کو یہ تحریر پڑھ کر نہیں سنائی تو مکتوب الیہ جج اس مکتوب کے مندرجات

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پر عمل نہ کرے۔

امام مالکؒ اسے بھی جائز قرار دیتے ہیں کہ گواہ لپٹے ہوئے خط پر گواہی دیں اور جج سے کہیں کہ اس کے اندر جو کچھ لکھا ہوا ہے اس کے مطابق وہ اس اقرار کی شہادت دیتے ہیں اگرچہ شاہد یہ نہ جانتے ہوں کہ اس دستاویز کے اندر کیا لکھا ہوا ہے۔ مگر جمہور علماء اسے جائز قرار نہیں دیتے۔

خطوط اور تحریر کی قانونی حیثیت تسلیم نہ کرنے والے اہل علم یہ دلیل بھی دیتے ہیں کہ تحریروں میں مشابہت کا امکان بہت زیادہ ہے کیا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا باعث جعلی تحریر نہ تھی؟

سازشیوں نے آپؓ کی مُہر کی طرح ایک جعلی مُہر بنوالی تھی۔ اور اسی طرح کا ایک جعلی خط لکھا گیا جس کا انجام نہایت المناک صُورت میں ظاہر ہوا بنا بریں امام شعبیؒ کہتے ہیں۔

تم اس چیز کے متعلق ہرگز شہادت نہ دو جس کے متعلق تمہیں کچھ یاد نہیں" کیونکہ خط تو ایسی چیز ہے جو کوئی چاہے لکھ سکتا ہے۔ اور جو کوئی چاہے مُہر بنوا سکتا ہے۔

جمہور علماء کہتے ہیں۔ "آپ لوگ جن آثار و احادیث کو دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں اس قسم کے آثار و احادیث تو دُوسری جانب بھی ہیں مگر یہ اس وقت کی بات ہے جب لوگ باکردار ہوا کرتے تھے۔ مگر آج کے حالات میں تو اس پر ہرگز عمل نہیں کیا جا سکتا امام مالکؒ اور امام ابن ابی لیلیٰؒ کے زمانے ہی میں حالات اس قدر بگڑ گئے تھے کہ امام مالک کو بھی تسلیم کرنا پڑا۔

قدیم زمانے میں تو مُہر لگانے کی اجازت تھی ایک جج کسی شخص کے لئے کچھ لکھتا تو وہ صِرف مہر لگانے پر اکتفاء کرتا تھا۔ یہاں تک کہ لوگوں کے کردار بگڑ گئے اور معاملات اس ڈگر پر چلنے لگے تب دو گواہوں کی شہادت کے بغیر کوئی چارۂ کار نہ رہا۔

علامہ محمد بن الحکمؒ نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ ہمارے زمانے میں تحریر کی شہادت کی بنیاد پر فیصلے نہیں کئے جا سکتے کیونکہ لوگوں نے فسق و فجور کی بہت سی نئی نئی قسمیں ایجاد کرلی ہیں۔ زمانۂ ماضی میں اہلِ علم قاضی کی تحریر کی مُہر پر شہادت کو جائز قرار دیتے تھے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مویشیوں پر لگائے گئے نشانات کی قانونی حیثیت

الگمیہ کہا جائے کہ اس مویشی کے بارے میں کیا رائے ہے جو آوارہ پھرتا ہوا ملا ہے اسکی ران پہ "صدقہ" "وقف" یا "حبس" وغیرہ کا نشان پایا گیا ہے کیا ہم کے لئے ان نشانات کے مطابق عمل کرنا جائز ہے ——— ؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ان نشانات کے مطابق عمل کرنا جائز ہے امام مالکؒ کے اصحاب نے اس کی تصریح کی ہے کیونکہ یہ واضح نشانی ہے اور واضح علامات گواہ کی شہادت سے زیادہ قوی ہوتی ہیں حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ "ایک دفعہ میں صبح صبح عبداللہ بن ابی طلحہ کو گود میں لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تاکہ آپؐ کچھ چبا کر اسے گھٹی دیں میں آپؐ کی خدمت حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپؐ کے ہاتھ میں مویشیوں کو داغ لگانے کا آلہ ہے اور آپؐ صدقہ کے اونٹوں کو داغ لگا رہے ہیں۔" [۱]

امام مالکؒ "مؤطا" میں زید بن اسلمؒ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ اُن کے والد (یعنی حضرت اسلمؒ) نے حضرت عمر بن الخطابؓ سے عرض کی کہ بستی کے باہر ایک اندھی اونٹنی پھر رہی ہے۔"

حضرت عمرؓ نے فرمایا: "اسے دوسرے اونٹوں میں شامل کردو۔"

اسلمؒ نے عرض کی: "مگر وہ زمین سے گھاس وغیرہ کیسے چرے گی؟"

حضرت عمرؓ نے پوچھا: "یہ اونٹنی جزیہ کے اونٹوں میں سے ہے یا صدقہ کے اونٹوں میں سے ——— ؟"

اسلمؒ نے عرض کی: "جزیہ کے اونٹوں میں سے۔"

حضرت عمرؓ نے فرمایا: "کسی غریب مسلمان گھرانے کو دیدو۔"

اسلمؒ نے عرض کی: "اونٹنی اندھی ہے۔"

---

[۱] صحیح بخاری جلد ۳ صہ ۳۶۶

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت عمرؓ نے فرمایا : "خدا کی قسم! تم لوگوں نے اس اونٹنی کو کھا لینے کا تہیہ کر لیا ہے۔"

اسلم رحؒ نے عرض کی : "اس پر جزیہ کا نشان لگا ہوا ہے۔"[1]

اگر نشان صدقہ کے اونٹوں میں سے دوسروں اونٹوں کو ممیز نہ کر سکتا ہو اور اس چیز کی شہادت نہ دے سکتا ہو جس کے لئے نشان لگایا ہے تو اونٹوں کو داغ کر نشان لگانے کا فائدہ؟ بلکہ (مویشیوں کو) نشان لگانے کا اس کے علاوہ کوئی فائدہ ہے ہی نہیں۔ جو شخص نشان کو معتبر قرار نہیں دیتا اس کے نزدیک تو نشان لگانے کا قطعاً کوئی فائدہ نہیں۔

گھروں اور مساجد میں نصب کتبات کی حیثیّت

اس گھر کے متعلق کیا رائے ہے جس کی دیوار یا دروازے پر "وقف" یا "مسجد" کا کتبہ لگا ہوا ہے۔ کیا کتبے کی تحریر کے مطابق فیصلہ کیا جا سکتا ہے؟

حارثیؒ نے اپنی شرح میں ہمارے بعض اصحاب کی تصریح نقل کی ہے کہ اس کتبے کی تحریر کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا اور یہ گھر وقف تصوّر ہوگا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس امر کا قوی امکان ہو سکتا ہے کہ جعلی کتبہ نصب کر دیا گیا ہو ـــــــ تو اس کا جواب یہ ہے کہ کتبے کے جعلی ہونے کا اتنا ہی امکان ہے جتنا دو گواہوں کے جھوٹ کا امکان بلکہ کتبے کے جعلی ہونے کی نسبت گواہوں کا جھوٹ بولنا زیادہ ممکن ہے۔ کیونکہ کتبے کے جعلی اور اصلی ہونے کی تحقیق تو کی جا سکتی ہے۔ کتبے کا پتھر دیوار کا حصّہ اور اس میں داخل ہے اور کوئی ایسی علامت موجود نہیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ اس کتبے کو بعد میں منتقل کر کے یہاں دیوار میں نصب کیا گیا ہے بلکہ اس کے برعکس قطعی طور پر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کتبہ گھر کی تعمیر کے وقت لگایا گیا ہے خاص طور پر جبکہ پتھر کا حجم بہت زیادہ ہو اور اس پر دیوار کو سہارا بھی دیا گیا ہو۔ اور اسے دیوار میں

---

[1] مؤطا امام مالکؒ جلد ا صفحہ ۲۶۴

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی ایسی جگہ نصب کیا گیا جہاں بعد از تعمیر نصب کرنا ممکن نہ ہو۔ تب اس کتبہ کی شہادت دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت سے زیادہ قوی ہے۔

کتابوں پر لگی ہوئی مُہر کی حیثیت

اگر کتب علوم کے باہر اور حاشیہ پر "وقف" لکھا ہوا پایا جائے تو کیا حاکم کے لئے جائز ہے کہ وہ ان کتابوں پر وقف کا حکم لگائے؟

مذکورۂ بالا مسئلہ میں قرائن واحوال کے اختلاف کے ساتھ اسکی نوعیت بھی مختلف ہوگی اگر ہم ایسی کتابیں کسی کتب خانے میں رکھی ہوئی دیکھتے ہیں اور ان کتابوں پر "وقف" کی مہر لگی ہوئی ہے یہ کتابیں ایک طویل مدت سے اس کتب خانہ میں موجود ہیں اور ان کی یہ حیثیت مشہور ہے تب ہم ان کتابوں کے وقف ہونے میں شک نہیں کر سکتے۔ ان کتابوں کا حکم اس کتب خانے کے مطابق ہوگا جس میں یہ کتابیں رکھی گئی ہیں اگر یہ کتابیں استعمال میں آکر ختم ہوگئی ہوں یا گم ہوگئی ہوں اور لوگوں کو ان کا وقف ہونا معلوم ہو تو انکی خبر مستفیض کفایت کرے گی کیونکہ وقف خبر مستفیض سے ثابت ہوتا ہے اور یہی حکم اس کے مصرف کا ہے۔

رہی ایسی کتاب جس پر "وقف کی مہر لگی ہوئی ہے مگر یہ معلوم نہیں کہ یہ مہر کس نے لگائی ہے اور نہ ہمیں اس بات کا کچھ علم ہے کہ یہ کتاب کے معاملے میں توقف کرنا واجب ہے یہاں تک کہ اس کا حال واضح ہوجائے۔

بہر حال اس معاملہ میں قرائن پر بھروسہ کرنا پڑے گا اگر قرائن قوی ہیں تو ان کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔ اور اگر قرائن کمزور ہیں تو وہ قابلِ التفات نہیں ہیں۔ اور اگر معاملہ بَین بَین ہے تو ترجیح کے لئے کوئی اور دلیل تلاش کرنا ہوگی اور احتیاط کا راستہ اختیار کرنا پڑے گا۔

وَبِاللّٰہِ التَّوفِیق:

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب کہتے ہیں کہ اگر کسی دیوار کی ملکیت کے بارے میں دو آدمیوں کے درمیان جھگڑا ہو تو یہ دیکھا جائے گا کہ دیوار کے طاق اور محراب کس جانب ہیں اور فریقین میں سے کس نے دیوار پر شہتیر وغیرہ رکھ کر چھت ڈالی ہوئی ہے اس قسم کے دیگر شواہد جن کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے ان کی مدد سے اصل مالک کے حق میں فیصلہ کیا جائے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گا، اور عدالت مدعی سے ثبوت طلب نہیں کرے گی۔

اسی طرح پانی کے نکاس کی نالیاں جو گھروں میں سے گزرتی ہوئی بڑی نالی میں جا گرتی ہیں ان میں سے کوئی نالی جس شخص کے گھر میں سے گزرتی ہو وہ اس نالی کو بند کر کے دعویٰ کرتا ہے کہ کسی کی نالی اس کے گھر میں سے نہیں گزرتی، لوگ نالی کا مشاہدہ کر کے عدالت میں اس بات کی شہادت بھی دیں اور نالی بند کرنیوالے کے پاس اپنی مدافعت میں کوئی ثبوت موجود نہ ہو تو لوگ فیصلہ کر دیں گے کہ نالی اس کے گھر میں سے گزرنی چاہیئے اور صاحب خانہ کو نالی بند کرنے سے روک دیا جائے گا۔

فقہائے مالکیہ کہتے ہیں کہ لوگ مشاہدہ کرتے ہیں کہ نالی اس شخص کے گھر میں سے گزر کر کسی بڑے نالے میں گرتی ہے۔ یہ نالی بہت پرانی ہے اس کی بنیادیں بھی ظاہر ہیں پس حاکم کے لئے ضروری ہے کہ نالی کو اس کے گھر میں سے گزرنے کا فیصلہ دے جیسا کہ پہلے سے یہ نالی اس کے گھر سے گزر رہی ہے۔

ابن عبدالحکم ؒ کی روایت کے مطابق علامہ ابن القاسم ؒ کہتے ہیں "اگر پڑوسیوں کے درمیان دونوں گھروں کی درمیانی دیوار کی ملکیت کے بارے میں جھگڑا ہو جائے۔ اس دیوار کے دونوں طرف چونے وغیرہ کا پلستر ہو تو یہ دیوار ان دونوں کی مشترکہ ہے اور اگر ان میں ایک کے گھر کی جانب ہموار اور پلستر کے ساتھ چنی ہوئی ہے اور دوسری جانب پلستر کے بغیر کھلی چھوڑ دی گئی ہے تو یہ دیوار اس شخص کی ملکیت ہوگی جس نے پلستر کر رکھا ہے۔ اگر دیوار دونوں جانب سے کھلی چھوڑ دی گئی ہو تو دونوں اشخاص کی مشترکہ ملکیت ہے۔

اگر اس دیوار میں ایک فریق کی جانب روشندان بنے ہوئے ہیں اور دوسرے کے گھر میں کوئی ایسی چیز نہیں دیوار کی دونوں جانب چونے وغیرہ سے چنائی نہیں ہوئی تو یہ دیوار اس شخص کی ملکیت تصور کی جائے گی جس کی جانب سے دیوار کو سہارا دیا گیا ہے اگر روشندان دونوں طرف ہوں تو قانونی طور پر دیوار دونوں کی ملکیت ہوگی اگر اس دیوار پر شہتیر وغیرہ کو سہارا دے کر چھت ڈال دی اور دونوں میں سے کسی جانب بھی چونے کی چنائی نہیں تو یہ دیوار اس شخص کی ہوگی جس نے دیوار پر بوجھ رکھا ہوا ہے۔ اگر اس دیوار نے دونوں جانب

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی چھتوں کو سہارا دیا ہوا ہے تو دونوں کی ملکیت شمار ہوگی۔

مقصد یہ ہے کہ پتھر، حیوان اور کتابوں پر لکھی ہوئی تحریر دیگر تمام علامات اور نشانات سے زیادہ قوی دلیل ہے۔ بنا بریں اولیٰ یہ ہے کہ اس تحریر کے تقاضوں کے مطابق فیصلہ کیا جائے خصوصاً جبکہ اس کے معارض کوئی اور دلیل نہ ہو۔ اگر اس کے معارض اور مقابل کوئی اور دلیل ہو تب بھی تحریر کو یکسر ناقابلِ اعتبار نہیں ٹھہرایا جاسکتا اور ملک اور مطالبہ کے سبب سے مجرّد تبدیلی کو مدِنظر نہ رکھا جائے۔

اگر اس تحریر کے مقابلہ میں مجرّد قبضہ ہی ایک ثبوت ہو تو اس قبضہ کو قابلِ التفات نہ سمجھا جائے گا۔ تحریر ایسی علامات اور نشانات میں شمار ہوتی ہے جو ثبوت اور گواہ کے قائم مقام ہیں اور انکے مقابلے میں قبضہ کی کمزور دلیل رَدّ کر دی جاتی ہے۔

اس باب میں جو مسائل شامل کئے جاسکتے ہیں ان میں سے ایک مسئلہ رہن کے ضمن میں قرض کی مقدار پر شہادت کا مسئلہ ہے جب راہن اور مرتھن میں قرض کی مقدار کے سلسلے میں اختلاف واقع ہو جائے اور مدّعا بہ قرض مرہونہ شئی سے زیادہ نہ ہو تو مرتھن سے حلف لے کر اس کے قول کا اعتبار کیا جائے گا۔

امام مالکؒ اور فقہائے مدینہ کا یہی مذہب ہے مگر اکثر فقہاء کی رائے اس کے خلاف ہے۔

ہماری نظر میں امام مالکؒ کا مذہب زیادہ راجح ہے اور ہمارے شیخ علامہ ابنِ تیمیہؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رہن کو لکھت پڑھت اور گواہوں کے قائم مقام قرار دیا ہے اور اس کے ذریعے حقوق کی حفاظت کی ہے اگر مرتھن کو چھوڑ کر راہن کے قول کا اعتبار کیا جائے تو رہن کا ہرگز کوئی فائدہ نہیں اور اس کا ہونا نہ ہونا ایک برابر ہے، سوائے ایک موقعہ کے۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ رہن صرف اسی موقعہ کے لئے مشروع نہیں ہوا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اسے قرآن مجید میں لکھت پڑھت اور گواہوں کے قائم مقام ذکر کیا ہے لہذا مرہونہ چیز مقدارِ قرض کی شاہد بن سکتی ہے۔ یہ بات قابلِ تسلیم نہیں کوئی شخص ایک ہزار درہم کی قیمت کی چیز کو ایک درہم کے قرض کے بدلے رہن رکھ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سکتا ہے۔

جو یہ کہتا ہے کہ القولُ قول الراھن (یعنی راہن کے قول کا اعتبار ہوگا) تو اسے یہ بات قبول کرنا ہوگی کہ اُس نے اس قدر قیمتی شئ کو ایک درہم یا اس سے بھی کم قرض کے بدلے رہن رکھا تھا۔ اور یہ ایسی بات ہے کہ عرف اس کے بُطلان کی شہادت دیتا ہے

وہ لوگ جو راہن کے قول کا اعتبار کرتے ہیں انھوں نے اپنے مخالفین کے مؤقف پر اعتراض لازم کیا ہے اگر راہن اور مُرتھن کے درمیان اصل قرض ہی میں جھگڑا ہو جائے تو ہمیں مالک کے قول کا اعتبار کرنا ہوگا اور یہی صُورت مقدارِ قرض کے سلسلے میں ہوگی۔

مگر دُوسرے علماء نے دونوں مسئلوں کی نوعیت میں اس طرح تفریق کی ہے کہ زیرِبحث مسئلہ میں تعلقِ حق تو ثابت ہو گیا ہے۔ اب صرف مقدار متنازع فیہ ہے اور مرہونہ چیز مرتھن کی گواہ ہے۔ مرہونہ چیز مرتھن کے پاس ایسی دلیل ہے جو مسئلہ الزام کے برعکس دیئے گئے قرض کی مقدار کی تصدیق کرتی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ستائیسواں ضابطہ

ظاہری علامات ونشانات

کتاب کی ابتداء میں اس پر بحث گزر چکی ہے۔ ہم یہاں کچھ مزید تفصیلات بیان کرتے ہیں ——————

مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے اصحاب نے علامات کی بناء پر دفینے اور لقطہ کے درمیان تفریق کی ہے۔ لہٰذا وہ کہتے ہیں کہ صرف اس مال پر "دفینے" کا اطلاق ہو گا جو زمانۂ جاہلیت میں دفن کیا گیا ہو اور اس کا تعین صرف علامات کے ذریعے ہو گا، مثلاً سکوں وغیرہ پر اگر جاہلیت کے بادشاہوں کے نام انکی صورتیں اور صلیب وغیرہ کندہ ہوں تو اسے دفینہ شمار کیا جائے گا۔ اور اگر ان پر مسلمانوں کی علامات ہوں مثلاً ان کے نام قرآن مجید کی آیات وغیرہ کندہ ہوں تو اس پر لقطہ کا اطلاق ہو گا۔ کیونکہ یہ کسی مسلمان کی ملکیت ہے اور اس ملکیت کا اس سے زائل ہونا ہمیں معلوم نہیں۔ اسی طرح دفینہ جس کے درہم و دینار میں سے بعض پر مسلمانوں کی علامات ہوں اور بعض پر کفّار کی تو اس پر بھی لقطہ کا اطلاق ہو گا کیونکہ یہ کسی مسلمان کی ملکیت ہو گیا تھا اور اس نے اسے دفن کر دیا تھا اور جس پر ایسی کوئی علامت نہ ہو جس سے اسکی تشخیص ہو سکے تو اس پر مسلمانوں کے مال ہونے کا لحاظ کرتے ہوئے لقطہ کا اطلاق ہو گا۔

اگر لقطہ کے دعویدار دو ہوں اور ان میں ایک لقطہ کی کوئی پوشیدہ علامت بتا دیتا ہے تو اس کا حق مقدم ہے اور اس کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا مثلاً لقطہ میں درہم و دینار کی جگہ سونے چاندی کے زیورات ہیں اور ان میں سے ایک دعویدار ان زیورات کی بعض پوشیدہ علامات بتا دیتا ہے۔ یہ رائے امام احمد بن حنبل رح اور امام ابوحنیفہ رح

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی ہے امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ محض ان علامات کی بنیاد پر اس کے حق میں فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔

علامات کے ذریعے ترجیح دینے والے ان دونوں کے درمیان تفریق کرتے ہیں، وہ اس کو لقطہ ہی ایک قسم شمار کرتے ہیں لہذا ان کے نزدیک صفات وعلامات کے ذریعے ترجیح دی جائے گی جیسے مال کے لقطہ میں ترجیح دی ہے اور اس پر صحیح نص صریحاً دلالت کرتی ہے۔ اٹھائے ہوئے بچے کو لقطۂ مال پر قیاس کرنا اس قیاس سے بہتر اور اولیٰ ہے جو نقدی اور زیورات کی صورت میں کیا جاتا ہے (گری پڑی ملی ہوئی یا مدفونہ) نقدی کی ملکیت کا دعویٰ کرنے والوں میں سے جو کوئی اس نقدی کی ایسی علامتیں بنا دیتا ہے جو اسکی صداقت پر ظاہری دلیل ہوں وہ اس نقدی کا حقیقی مالک ہے۔

میاں بیوی کے جھگڑے میں جب دونوں کسی چیز پر اپنی اپنی ملکیت کا دعویٰ رکھتے ہوں تو حنبلی مذہب میں قیاس یہ ہے کہ ان دونوں میں سے جو اس متنازعہ فیہ چیز کی پوشیدہ علامات بتا دیتا ہے اس کو ترجیح دی جائے گی۔

اس مسئلہ میں ہمارے پاس ایک نظیر بھی ہے کہ درہموں کی ایک تھیلی کے دو شخص دعویدار تھے۔ حاکم نے اُن میں سے ایک سے تھیلی کی علامات پوچھیں اس نے بھی کچھ علامات بتائیں جب تھیلی کا معائنہ کیا گیا تو تھیلی کی علامات پہلے شخص کی بتائی ہوئی علامات کے مطابق تھیں اور یوں دوسرے دعویدار کا جھوٹ ظاہر ہو گیا۔ اس طرح حاکم اور حاضرینِ مجلس کو معلوم ہو گیا کہ اپنے دعوے میں کون سچا اور کون جھوٹا ہے چنانچہ تھیلی سچے شخص کے حوالے کر دی گئی۔

یہ علامات کبھی تو بالکل نمایاں اور قوی ہوتی ہیں اور ان سے علمِ یقینی حاصل ہوتا ہے۔ کبھی کمزور اور کبھی بین بین ہوتی ہیں۔

لُقطہ کو اس شخص کے حوالے کرنا واجب ہے جو اسکی نشانیاں بیان کرتا ہے۔ علامہ حربؒ امام احمد بن حنبلؒ سے روایت کرتے ہیں کہ اگر صاحبِ لُقطہ آئے اور وہ اس تھیلی اور اس کے بندھن وغیرہ کی علامتیں اور نشانیاں بتا دے تو تھیلی اس کو لوٹانا واجب

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ ہم امام شافعی کا قول اختیار نہیں کرتے۔ اور امام شافعیؒ کا قول یہ ہے کہ تھیلی اس وقت تک اس شخص کے حوالے نہیں کی جائے گی جب تک کہ وہ گواہ مہیا نہ کر دے۔

ابن مشیشؒ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص لُقطہ کی ملکیت کا دعویٰ کرتا ہے اور اس کی تمام نشانیاں ٹھیک ٹھیک بتا دیتا ہے تو کیا لقطہ اس کے حوالے کرنا جائز ہے؟ امام احمد نے فرمایا: "ہاں! اگر وہ شخص تھیلی اور تھیلی کے بندھن کی نشانیاں بتا دے اور یہ بھی بتا دے کہ اس تھیلی میں کتنی رقم ہے تو میں یہ تھیلی اس کے حوالے کرنے میں کوئی مضائقہ محسوس نہیں کرتا۔"

ایک مکان کے دفینے پر دو کرائے دار اپنی اپنی ملکیت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ سے منصوص ہے کہ ان دونوں میں سے جو بھی دفینے کی علامات بتا دے گا وہ اس کا مالک ہے۔

امام مالکؒ امام اسحاق بن راہویہؒ اور امام ابوعبیدؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں۔

"اگر لقطہ اُٹھانے والے پر لقطہ کی ملکیت کے مدعی کی صداقت کا ظن غالب آ جائے تو اس کے حوالے کرنا جائز ہے چونکہ لقطہ کا مطالبہ کرنے والا مدعی ہے لہذا ثبوت مہیا کرنا اس پر واجب ہے۔

پہلا مسلک صحیح ہے۔ امام مسلمؒ نے اپنی صحیح میں حضرت ابی ابن کعبؓ سے لقطہ کے متعلق جو حدیث نقل کی ہے اس میں یہ بھی مذکور ہے۔

فَاِنْ جَاءَ اَحَدٌ يُخْبِرُكَ	پھر اگر کوئی صاحب آ کر اس کے عدد
بِعَدَدِهَا وَوِعَائِهَا وَوِكَائِهَا	اس کی تھیلی اور اس کے بندھن وغیرہ
فَاَعْطِهَا اِيَّاهُ ۔[۱]	کی نشانیاں بتا دیتا ہے تو یہ تھیلی اس کے حوالے کر دے۔

زید بن خالد کی حدیث میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں۔

[۱] صحیح مسلم جلد ۲ صـ۷۷ صحیح بخاری جلد صـ۷۸

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فَاِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا فَعَرَّفَ عِفَاصَهَا وَعَدَدَهَا وَوِكَائَهَا فَاَعْطِهَا اِيَّاهُ ـــــــــ

پھر اگر اس کا مالک آجائے وہ تھیلی اور بندھن کی نشانیاں بتائے اور یہ بھی بتادے کہ اس میں کتنی نقدی وغیرہ ہے تو تھیلی اس کے حوالے کردے۔

امر کا صیغہ وجوب کے لئے ہوتا ہے لُقطہ کی نشانیاں اور اوصاف بیان کرنا تو واضح بیّنہ (ثبوت) ہے "بیّنہ" بیان سے ماخوذ ہے اور بیان کا مطلب ہے ـــــ کشف وایضاح۔ اس سے مُراد ہے حجّت و دلیل کے ذریعے دعویٰ کو واضح اور منکشف کرنا۔ اور لُقطہ کی علامات اور نشانیاں بیان کرنے سے دعویٰ ثابت ہوجاتا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اٹھائیسواں ضابطہ

قیافہ شناسی

قیافہ کے ذریعے فیصلہ کرنے کے جواز پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنت، خُلفائے راشدین اور صحابہ کرام کا تعامل دلالت کرتے ہیں۔ حضرت عمر بن الخطابؓ، علی بن ابی طالبؓ ابو موسیٰ اشعریؓ عبداللہ بن عباسؓ اور انس بن مالکؓ سے قیافہ کا معتبر ہونا منقول ہے کسی صحابیؓ نے انکی مخالفت نہیں کی۔ تابعین میں سے جن لوگوں نے قیافہ کی قانونی حیثیت کو تسلیم کیا ہے ان میں سعید بن المسیب عطاء بن ابی رباحؒ، زہریؒ، ایاس بن معاویہؒ قتادہؒ اور کعب بن سور جیسے بزرگ شامل ہیں۔

تبع تابعین میں سے امام لیثؒ بن سعدؒ بن سعد، امام مالکؒ جیسے اھلِ علم اور انکے اصحاب نے اسی مذہب کو اختیار کیا ہے۔ ان کے بعد امام شافعیؒ اور ان کے اصحاب، امام اسحاق بن راہویہؒ امام ابو ثور اور تمام اھلِ ظاہر کا یہی مسلک ہے۔

قیافہ کی بنیاد پر فیصلہ کرنا بالجملہ جمہورِ اُمت کا مذہب ہے۔

اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحابؒ نے جمہور فقہاء سے اختلاف کرتے ہوئے یہ دلیل دی ہے کہ قیافہ کے مطابق فیصلہ کرنا دراصل مجرد مُشابہت پر اعتماد کرنا ہے حالانکہ مشابہت تو بسا اوقات اجنبیوں کے درمیان واقع ہوتی ہے اور کبھی اقارب کے درمیان بھی مفقود ہوتی ہے۔

سنت قیافہ کے قانونی طور پر معتبر ہونے پر دلالت کرتی ہے چنانچہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے وہ بے حد مسرور نظر آرہے تھے، مسرت کے نور سے ان کی پیشانی مبارک جگمگا رہی تھی۔ آپ نے فرمایا : "اے عائشہ! کیا تجھے علم نہیں کہ مجززؓ مُدلجی آیا تھا زیدؓ اور اسامہؓ ایک

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہی چادر میں سوئے ہوئے تھے دونوں نے اپنے چہرے ڈھانپ رکھے تھے اور دونوں کے پاؤں ننگے تھے۔ مجزز مدلجی نے کہا: "یہ پاؤں ایک دوسرے سے ہیں۔"[1]

ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک قیافہ شناس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ اس وقت مسجد میں تھے۔ زید بن حارث اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ لیٹے ہوئے تھے قیافہ شناس نے کہا: "یہ دونوں پاؤں ایک دوسرے سے ہیں۔" یہ سن کر آپ بہت خوش ہوئے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی یہ واقعہ سنایا[2]

دونوں احادیث کو امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

اعتراض کیا جاتا ہے کہ نسب تو "فراش" کی وجہ سے ثابت تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو صرف اس بنا پر خوش ہوئے تھے کہ قیافہ شناس کا قیافہ "فراش" کے مطابق نکلا۔ آپ کی مسرت کی وجہ یہ نہیں تھی کہ قیافہ شناس نے نسب ثابت کیا تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تو ٹھیک ہے کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا نسب فراش کی وجہ سے ثابت تھا مگر چونکہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا رنگ سیاہ اور ان کے والد حضرت زید رضی اللہ عنہ کا رنگ سفید تھا اس لئے لوگ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے نسب کے بارے میں چہ میگوئیاں کیا کرتے تھے جب قیافہ شناس نے شہادت دی کہ "دونوں ایک دوسرے سے ہیں تو یہ شہادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسرت کا باعث ہوئی۔ کیونکہ اس شہادت سے تہمت زائل ہو گئی تھی۔ یہاں تک کہ مسرت کے باعث آپ کا چہرۂ مبارک جگمگا اٹھا تھا۔

جو لوگ قیافہ کا قانونی طور پر معتبر ہونا تسلیم نہیں کرتے ان کا خیال ہے کہ قیافہ شناسی امورِ جاہلیت میں سے ہے۔

اگر قیافہ شناسی جاہلیت کے نشانات میں ایک نشان ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیافہ شناس کی بات پر ہرگز مسرت کا اظہار نہ فرماتے بلکہ یہ چیز آپ کے نزدیک بدترین چیز

---

[1] صحیح بخاری جلد ۶ صفحہ ۵۶۵، جلد ۱۲ صفحہ ۵۵، صحیح مسلم جلد ۱۰ صفحہ ۴۰ سنن ابن ماجہ جلد ۲ صفحہ ۷۸۴، السنن الکبریٰ بیہقی جلد ۱۰ صفحہ ۲۶۲ سنن نسائی جلد ۶ صفحہ ۱۸۴

[2] السنن الکبریٰ جلد ۱۰ صفحہ ۲۶۲

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوتی ـــــ دراصل یہ آپؐ کی طرف سے اس بات کا اقرار تھا کہ قیافہ شناسی باطل نہیں ہے۔ اور پھر یہ کہ مُدلجی کے قیافہ پر آپؐ نے رضامندی کا اظہار فرمایا۔ اگر قیافہ شناسی ایک باطل فعل ہوتا تو یقیناً آپؐ اس پر رضامندی کا اظہار نہ فرماتے اور نہ اس کا اقرار کرتے۔

عُرینیوں کے واقعے میں امام ابوداؤدؒ[1] صحت کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قیافہ شناس کو عُرینیوں کے تعاقب میں رَوانہ کیا تھا چنانچہ ان کو ڈھونڈ لایا گیا۔ یہ حدیث فی الجملہ قیافہ شناسی پر اعتماد کا اظہار کرتی ہے۔ قیافہ شناس نے عُرینیوں کے نقوشِ پا کی پیروی کی اور ان کو ڈھونڈ نکالا۔

یہ چیز اتحادِ اصل و فرع پر بہترین دلیل ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بہرحال یہ اُصولِ عام اور عاداتِ جاریہ مقرر فرمادی ہے کہ بیٹا باپ کی نقل ہوتا ہے۔

امام عبدالرزاق نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک قیافہ شناس کو ان دُو آدمیوں کے سلسلے میں بُلایا جو ایک عورت سے ایک ہی طہر میں مجامعت کر بیٹھے تھے اس عورت کے بچّے کے یہ دونوں دعویدار تھے قیافہ شناس نے اس بچّے اور دونوں دعویداروں کو دیکھ کر بچّے کا نسب ان دونوں میں سے ایک کے ساتھ ملحق کر دیا[2]

امام زہری کہتے ہیں "حضرت عمرؓ اور ان کے بعد آنے والے خلفاء نے اس قسم کے واقعات میں قیافہ شناس کی رائے کو حجّت قرار دیا ہے"[3] مذکورہ بالا اثر سند کے اعتبار سے متصل اور صحیح ہے۔ اس اثر کے راوی عروہؒ بن زبیر ہیں اور عروہؒ کی حضرت عمرؓ سے مُلاقات ثابت ہے اور عروہؒ نے حضرت عمرؓ کی معیت میں عمرہ بھی کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک بار دُو آدمیوں نے ایک عورت سے ایک ہی طہر میں مجامعت کی اس مجامعت کے باعث اس عورت نے بچہ جنا حضرت عمرؓ نے قیافہ شناسوں کو بُلا کر پوچھا ان سب نے کہا کہ بچّے کی مُشابہت دونوں پر ہے چنانچہ حضرت عمرؓ نے بچّے کا الحاق دونوں سے کر دیا۔ یہ اثر بھی صحیح ہے[4]

---

[1] سنن ابی داؤد جلد ۴ صفحہ ۲۲۵ [2] مصنف عبدالرزاق جلد ۷ صفحہ ۳۶۰ [3] مصنف عبدالرزاق جلد ۷ صفحہ ۳۶۱ المحلی جلد ۱۰ صفحہ ۱۴۹ [4] المحلی جلد ۱۰ صفحہ ۱۵۱

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عبدالرحمٰن بن حاطب کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ دو شخص ایک بچے کے بارے میں جھگڑا لے کر حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے دونوں میں سے ہر ایک کا دعویٰ تھا کہ یہ بچہ اس کا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: "مصطلقی (بنو مصطلق کا ایک قیافہ شناس) کو میرے پاس بلا کر لاؤ۔" چنانچہ بنو مصطلق کا قیافہ شناس حاضر ہوا۔ حضرت عمرؓ نے اس سے کہا: "دیکھ کر بتاؤ کہ یہ بچہ ان دونوں میں سے کس کا ہے؟"

مصطلقی قیافہ شناس نے کہا: "یہ ان دونوں کا ہے۔"

حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ "تیری آنکھوں نے تجھے یہ راستہ دکھایا ہے۔" اور اسے درّے سے مارا پھر حضرت عمر نے بچے کی ماں کو بلایا دونوں دعویدار بیٹھے ہوئے تھے قیافہ شناس بھی موجود تھا۔

حضرت عمرؓ نے اس عورت سے پوچھا: "یہ بچہ ان دونوں میں سے کس کا ہے؟"

عورت نے ان میں سے ایک کی طرف اشارہ کرکے کہا۔

"میں اس کی عورت تھی اور یہ مجھ سے مجامعت کیا کرتا تھا پھر رک جاتا حتیٰ کہ مجھے حمل ٹھہر جاتا میں نے اس شخص کے بہت سے بچے جنے ایک بار اس شخص نے میرے ساتھ مجامعت کی پھر مجھے حیض آنا شروع ہو گیا اور مجھے یقین ہو گیا کہ کوئی چیز باقی نہیں رہ گئی۔ پھر دوسرے شخص نے میرے ساتھ مجامعت کی اور میں حاملہ ہو گئی۔"

حضرت عمرؓ نے پوچھا "کیا تو جانتی ہے کہ یہ ان دونوں میں سے کس کا ہے؟"

عورت نے کہا: "مجھے معلوم نہیں کہ یہ بچہ ان میں سے کس کا ہے۔"

حضرت عمرؓ مصطلقی کی قیافہ شناسی سے بہت حیران ہوئے اور بچے سے کہا: "جاؤ ان دونوں میں سے جس کے ساتھ جی چاہے چلے جاؤ۔" بچے نے ان میں ایک کا ہاتھ پکڑا اور چلا گیا۔ [1]

سعید بن المسیبؒ روایت کرتے ہیں دو آدمیوں نے ایک ساتھ ایک ہی طہر میں

---

[1] السنن الکبریٰ جلد ۱۰ صفحہ ۲۶۳ میں یہ اثر قدرے مختلف الفاظ سے مروی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مجامعت کی اس عورت نے ایک بچے کو جنم دیا۔ جو ان دونوں سے مشابہت رکھتا تھا۔ چنانچہ معاملہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں پیش کیا گیا حضرت عمرؓ نے قیافہ شناسوں کو بلا کر کہا وہ اس کے نسب کے بارے میں غور کریں انہوں نے جواب دیا۔

"ہمارے خیال میں بچہ دونوں سے مشابہت رکھتا ہے لہٰذا ان میں سے کسی کے ساتھ ملحق کر دیں۔ حضرت عمرؓ نے بچے کو ان دونوں سے ملحق کر دیا اور فیصلہ کیا کہ بچہ ان دونوں کا وارث ہوگا اور دونوں اس بچے کے وارث ہوں گے۔"

قتادہؒ نے سعید بن المسیبؒ سے پوچھا: "ان دونوں میں سے اس لڑکے کا عصبہ کون ہوگا؟" ——— سعید بن المسیبؒ نے جواب دیا: "جو ان دونوں میں سے زندہ ہوگا۔" [1]

قابوس بن ابی ظبیانؒ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ دو مرد ایک عورت کے ساتھ ایک ہی طہر میں مجامعت کر بیٹھے۔ اس عورت نے ایک بچے کو جنم دیا۔ حضرت علیؓ نے قیافہ شناس کے ذریعے اس بچے کو دونوں کا بیٹا قرار دیا۔ فیصلہ کر دیا کہ بچہ ان دونوں کا وارث ہوگا یہ دونوں بچے کے وارث ہوں گے۔ [2]

محمد بن سیرینؒ روایت کرتے ہیں کہ ایک عرب اور ایک دہقان ایک بچے کے بارے میں جھگڑا لے کر حضرت ابو موسیٰؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ دونوں اس بچے کی ولدیت کے دعویدار تھے۔ ابو موسیٰ اشعریؓ نے قیافہ شناسوں کو بلایا اور انہوں نے بچے کو دیکھ کر عرب سے کہا: "آپ ہمیں اس دہقان سے زیادہ پسند ہیں مگر آپ کا بیٹا نہیں بلکہ اس دہقان کا بیٹا ہے آپ اس کا راستہ چھوڑ دیں۔" [3]

حضرت عبداللہ بن عباس نے اپنے بیٹوں میں سے ایک بیٹے کو اپنا بیٹا تسلیم کرنے

---

[1] مصنف عبدالرزاق جلد، صـ۳۶۰ ، السنن الکبریٰ جلد ۱۰ صـ۲۶۴

[2] مصنف عبدالرزاق جلد، صـ۳۵۹ (قدرے مختلف الفاظ کے ساتھ)

[3] مصنف عبدالرزاق جلد، صـ۳۶۱ السنن الکبریٰ جلد ۱۰ صـ۲۶۵

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے انکار کر دیا اور تحقیق کے لیے ابن کلدہ قیافہ شناس کو بلایا گیا اُس نے آکر کہا یہ تو اپنے عباس کا بیٹا ہے چنانچہ عبد اللہ ابن عباسؓ نے اسے اپنا بیٹا تسلیم کر لیا۔[1]

حضرت انس بن مالکؓ سے صحت کے ساتھ منقول ہے کہ اُنھوں نے اپنی ایک لونڈی سے مجامعت کی اس سے ایک بچی پیدا ہوئی حضرت انسؓ گھر آئے تو انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ وہ قیافہ شناسوں کو بلائیں اگر یہ تمہاری بہن ہے تو قیافہ شناس اس کا تمہارے ساتھ الحاق کر دیں گے۔[2]

حُمید طویل کے طریقے سے بھی صحیح سند کے ساتھ منقول ہے کہ حضرت انس کو اپنی اولاد میں سے کسی کے نسب میں شک گزرا تو اُنہوں نے قیافہ شناسوں کو بلایا۔"[2]

یہ تمام فیصلے جو صحابہ کرام سے منقول ہیں شہرت یافتہ ہیں لہذا قیافہ شناسی کے معتبر ہونے پر اجماع قائم ہو گیا۔

حنبلؒ کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا:

"کیا آپ قیافہ کے مطابق فیصلے کو تسلیم کرتے ہیں۔"

انہوں نے جواب دیا۔"کیوں نہیں! ہمیشہ سے لوگ قیافہ کے مطابق فیصلے کرتے چلے آئے ہیں۔"

قیافہ پر اصول شریعت اور قیاس کی شہادت

قیاس اور اصولِ شریعت قیافہ شناسی کے قانونی طور پر معتبر ہونے کی شہادت دیتے ہیں چونکہ قیافہ کی بنیاد پر فیصلہ کرنا درحقیقت امورِ خفیہ وظاہرہ پر اعتماد ہے اور یہ اعتماد اطمینان کا موجب ہے اس لئے اس کا اعتبار کرنا بھی واجب ہے جیسے صرّاف سونا اور چاندی کا کھرا کھوٹا ہونا پہچان لیتا ہے اور قیمت لگانے والا ٹھیک ٹھیک قیمت لگاتا ہے۔

ابو محمد ابنِ قتیبہؒ کہتے ہیں کہ قیافہ شناس تو نقوشِ پا کو دیکھ کر عورت اور مرد

---

[1] المحلّٰی جلد ۱۰ ص۱۴۹ السنن الکبریٰ میں امام بیہقیؒ نے اس اثر کی طرف اشارہ کیا ہے جلد ۱۰ ص۲۶۵

[2] السنن الکبریٰ جلد ۱۰ ص۲۶۵

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تک میں امتیاز کر دیتے ہیں۔

مخالفین کا اعتراض یہ ہے کہ قیافہ میں محض مشابہت پر اعتماد کیا جاتا ہے جو قابلِ اعتبار نہیں ہے۔

بلاشبہ قیافہ شناسی میں مشابہت پر اعتماد کیا جاتا ہے اور یہ اعتماد بالکل صحیح ہے چنانچہ بخاری و مسلم میں ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے حدیث روایت کی گئی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: "یا رسول اللہ کیا عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے؟" آپؐ نے (پیار سے) کہا: "تیرے ہاتھ خاک آلودہ ہوں عورت کی اولاد کس بناء پر عورت سے مشابہت رکھتی ہے؟" [1]

صحیح مسلم میں حضرت انس مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آتا ہے کہ ام سلیم نے عرض کی۔ "کیا ایسا بھی ہوتا ہے؟" (یعنی کیا عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے؟)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ہاں! یہ مشابہت کہاں سے آتی ہے؟" پھر فرمایا: "مرد کی منی سفید اور گاڑھی ہوتی ہے۔ اور عورت کی منی زرد اور رقیق ہوتی ہے۔ دونوں میں سے جس کی منی غالب آ جاتی ہے یا سبقت کر جاتی ہے مشابہت اسی کے ساتھ ہوتی ہے۔" [2]

امام مسلمؒ روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھا: "اگر کسی عورت کو احتلام ہو جائے اور وہ (اپنے کپڑوں وغیرہ پر) منی دیکھے تو کیا اس پر غسل واجب ہے؟"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس عورت سے کہا: "تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں" (یعنی یہ کیسے ممکن ہے؟)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

"تم اس عورت سے کچھ نہ کہو کیا ماں اور اولاد میں اس کے علاوہ مشابہت کی کوئی وجہ ہے؟" مسلم جلد ۳ ص ۲۲۳

---

[1] صحیح بخاری جلد ۶ ص ۳۶۲ صحیح مسلم جلد ۳ ص ۲۲۳ [2] صحیح مسلم جلد ۳ ص ۲۲۱

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام مسلمؒ حضرت ثوبانؓ سے یہ روایت نقل کرتے ہیں۔

"میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا کہ علمائے یہود میں سے ایک عالم نے آپؐ کے پاس حاضر ہو کر "السّلام علیکم" کہا۔ اس کے بعد امام مسلمؒ نے طویل حدیث بیان کی ہے جس کے آخر میں یہ الفاظ ہیں۔

یہودی عالم نے کہا: "میں آپ کے پاس بچے کے متعلق سوال کرنے آیا ہوں"۔ آپؐ نے فرمایا: "مرد کی منی سفید اور عورت کی منی زردی مائل ہوتی ہے۔ جب دونوں کی منی اکٹھی ہوتی ہے اگر مرد کی منی عورت کی منی پر غالب آجائے تو اللہ کے حکم سے لڑکا پیدا ہوتا ہے اور اگر عورت کی منی مرد کی منی پر غالب آجائے تو اللہ کے حکم سے لڑکی پیدا ہوتی ہوتی ہے۔" [1]

میں نے اپنے استاد شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ حدیث کے ان الفاظ کی صحت محلِ نظر ہے۔

میں (ابن قیمؒ) کہتا ہوں۔ "اس بارے میں جو چیز محفوظ ہے وہ ہے وہ ہے منی کی تاثیرِ سبقت۔ اور یہی چیز امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انسؓ کی حدیث میں روایت کی ہے چنانچہ اس حدیث میں آتا ہے کہ عبد اللہ بن سلامؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ میں تشریف آوری کا علم ہوا تو آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور چند چیزوں کے متعلق آپؐ سے سوال کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"رہی بچے والی بات تو اصل معاملہ یہ ہے کہ اگر مرد کی منی عورت کی منی سے سبقت کر جائے تو لڑکا پیدا ہوتا ہے اور اگر عورت کی منی مرد کی منی سے سبقت کر جائے تو لڑکی پیدا ہوتی ہے۔" [2]

یہ سوال جو حضرت عبد اللہ بن سلام نے پوچھا اور اس کا جواب جو آپؐ نے مرحمت فرمایا درحقیقت وہی جواب ہے جو آپؐ نے یہودی عالم کو اس کے سوال کئے بغیر دیا تھا۔ جواب ایک جیسے اور قصہ بھی ایک ہے۔ وہ یہودی عالم جس کا ذکر گزشتہ سطور میں گزر چکا ہے

---

[1] صحیح مسلم جلد ۳ صـ ۲۲۶ [2] صحیح بخاری جلد ۶ صـ ۳۶۲

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دراصل عبداللہ بن سلامؓ ہی تھے۔ اُنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جس وقت سوال کیا تھا اس وقت دینِ یہود پر تھے۔ راوی کو ان کا نام یاد نہ رہا لہذا اُنہوں نے "علمائے یہود میں سے ایک عالم" کہہ کر واقعہ روایت کیا۔

اگر واقعے دو ہوتے اور دونوں میں سوالوں کی نوعیت ایک ہوتی تب بھی جواب یہی ہوتا۔ تمام واقعہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے آپ سے مشابہت کے متعلق یہی سوال کیا تھا۔ بنابریں آپؐ کا جواب بھی مشابہت ہی کے متعلق تھا آپؐ نے اپنے جواب کی دلیل بھی دی اور مشابہت کے متعلق جو شبہات تھے وہ زائل ہو گئے۔

بچے کا لڑکا یا لڑکی ہونا طبعی اسباب کی بنا پر نہیں ہے اس کا حقیقی سبب تو وہ فاعل مختار ہے جو "ذکورت" اور "انوثت" کے متعلق فرشتے کو حکم دیتا ہے اس کے علاوہ سعادت، شقاوت، رزق اور عمر وغیرہ بھی وہی مقرر کرتا ہے۔ بنابریں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چاروں چیزوں کو ایک حدیث[1] میں جمع فرما دیا ہے چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ فرشتہ عرض کرتا ہے: "اے رب لڑکا ہو یا لڑکی؟ پھر تیرا رب جو چاہتا ہے، فیصلہ کر دیتا ہے اور فرشتہ لکھ دیتا ہے" اور اس کو اللہ تعالیٰ نے محض اپنی مشیت قرار دیا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

يَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ اِنَاثًا وَّ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَاءُ الذُّكُوْرَا اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّ اِنَاثًا وَّ يَجْعَلُ مَنْ يَّشَاءُ عَقِيْمًا	وہ جسے چاہتا ہے لڑکیاں عطا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے لڑکے عنایت کرتا ہے۔ یا اُن کو لڑکے لڑکیاں دونوں عطا کرتا ہے۔ اور جسے چاہتا ہے بانجھ رکھتا ہے۔

یہ چیز اللہ تعالیٰ کی مشیت پر مبنی ہے تاہم اس سے اسباب اور علل کی نفی نہیں ہوتی خصوصاً جبکہ کسی چیز کا سبب معلوم ہو جاتا ہے اور اس کی مسببیت پر عقل اور نص دونوں دلالت کرتے ہیں۔

[1] صحیح بخاری جلد ۲ ص ۳۰۳

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"مرد کی منی گاڑھی اور سفید ہوتی ہے اور عورت کی منی رقیق اور زردی مائل۔ ان دونوں میں سے جس کی منی غالب آجاتی ہے یا سبقت کر جاتی ہے اسی کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے۔" آپ نے مشابہت کے دو سبب بتائے ہیں۔

اوّل : سبقتِ منی

ثانی : غلبۂ منی

بالجملہ تمام احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ سبقتِ منی اور غلبۂ منی دونوں مشابہت میں تاثیر رکھتے ہیں۔ ان دونوں کا ذکورت اور انوثت میں مؤثر ہونا تو صرف حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی حدیث ہی میں وارد ہوا ہے اور یہ حدیث سند کے اعتبار سے فرد[1] ہے۔ لہٰذا اس بات کا قوی احتمال ہے کہ راوی کو اشتباہ لاحق ہو گیا ہے اور اس نے مشابہت کی بجائے ذکورت اور انوثت کو ذہن میں محفوظ کر لیا۔

بفرضِ محال اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے تو بلا ریب حق ہے۔ اور حدیث کا یہ مفہوم بھی دیگر تمام احادیث کے مفہوم کے خلاف نہیں ہے۔ کیونکہ مشابہت تو سبقتِ منی کی وجہ سے ہے اور ذکورت و انوثت کا سبب غلبۂ منی ہے اور دونوں میں فرق ہے ذکورت اور انوثت کا مشیتِ باری تعالیٰ پر مبنی ہونا سبب کے منافی نہیں ہے۔ جیسے سعادت و شقاوت اور رزق وغیرہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہیں مگر اسباب سے حاصل ہوتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مقصد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے الحاق نسب کے لئے مشابہت کو معتبر قرار دیا ہے لہٰذا مشابہت کے تحقق کے لئے قیافہ شناس پر اعتماد کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

---

[1] اگر کسی حدیث کو ایک راوی کے علاوہ کوئی اور ثقہ راوی روایت کرتا ہو تو اس حدیث کو فرد کہا جاتا ہے ۔۔۔۔۔۔

(توضیح الافکار جلد ۲ ص۳ قواعد التحدیث ص۱۲۸ الباعث الحثیث ص۵۹)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

لعان کے قصّہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد منقول ہے۔

"اگر یہ عورت سُرمگیں آنکھیں، بھاری سرین اور موٹی پنڈلیوں والا بچّہ جنے تو یہ بچّہ شریک بن سحماء کا ہے۔"

چنانچہ اس عورت نے ایسے ہی بچے کو جنم دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ایک قانون مقرر نہ کر دیا ہوتا تو میں اس عورت سے سمجھ لیتا۔" [1]

اس حدیث سے یہ دلیل ملتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشابہت کو معتبر قرار دیا ہے اور بچے کو اس شخص کی اولاد قرار دیا ہے جس کے ساتھ بچہ مشابہت رکھتا ہے۔

اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ یہ حدیث تو قیافہ کے خلاف حُجّت ہے کیونکہ صریح مشابہت کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے الحاقِ نسب کا فیصلہ نہیں دیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ لعان کا واقع ہو جانا درحقیقت مشابہت کے اعتبار پر عمل سے مانع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اگر لعان کی قسمیں نہ ہو گئی ہوتیں تو میں اس عورت سے سمجھ لیتا۔" لعان مشابہت سے زیادہ قوی سبب ہے جو الحاقِ نسب سے مانع ہے اور ہم نے مشابہت کو الحاقِ نسب میں اس وقت معتبر قرار دیا ہے جب اس سے زیادہ قوی سبب موجود نہ ہو۔ بنا بریں "فراش" یعنی تعلق زن و شوہر کی موجودگی میں مشابہت معتبر نہیں ہے۔ اس میں صرف "فراش" کے مطابق فیصلہ کیا جائے خواہ مشابہت کسی اور کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد بن زمعہ کے قصے میں ایک متنازعہ فیہ بچے کے نسب کے بارے میں صاحب فراش کے حق میں فیصلہ دیا تھا اور مشابہت کے اصول کو یہاں غیر معتبر قرار دیا، مگر اسی مشابہت کی بنا پر حضرت سودہ رضؓ کو اس سے پردہ کا حکم بھی دیا تھا [2] کیونکہ حضرت سودہ رضؓ

---

[1] صحیح بخاری جلد ۹ صفحہ ۴۵۲، سنن ابی داؤد جلد ۲ صفحہ ۲۴۳، سنن ابن ماجہ جلد ۱ صفحہ ۶۶۸

[2] صحیح بخاری جلد ۱۲ صفحہ ۳۲، سنن نسائی جلد ۶ صفحہ ۱۸۰

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے بارے میں تو مشابہت کے عمل سے کوئی چیز مانع نہ تھی، مگر یہی مشابہت وجودِ فراش کے باعث الحاقِ نسب میں اپنا عمل نہ کر سکی۔

شریعت کے اُصول و قواعد اور قیاسِ صحیح الحاقِ نسب میں مشابہت کے معتبر ہونے کا تقاضا کرتے ہیں، چونکہ خود شارع کے نزدیک اتصالِ نسب اور اس کا عدمِ انقطاع مطلوب ہے اس لئے وہ اس کے اثبات میں ادنیٰ سے ادنیٰ سبب کو بھی کافی قرار دیتا ہے، مثلاً صرف ایک عورت کی شہادت کی بنا پر وجودِ فراش کے سبب سے ـــــ حتیٰ کہ محض وجودِ امکان اور مجرد دعویٰ کی بنا پر بھی اتصالِ نسب کو مؤثر قرار دیتا ہے پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مشابہت کو اس کے کسی مساوی مانع کی عدمِ موجودگی کے باوجود ثبوتِ نسب کے لئے کافی قرار نہ دیا جائے، مشابہت کی وجہ سے قوتِ الحاق سے مجرد عقد کی بنا پر ضعفِ الحاق کو کیا نسبت ہو سکتی ہے جبکہ مغرب میں رہنے والے خاوند اور مشرق میں قیام پذیر بیوی میں عدمِ اجتماع ثابت اور متحقق ہو یا خاوند نے عورت سے نکاح کے فوراً بعد اسے طلاق دیدی ہو اور پھر وہی عورت ایک بچے کو جنم دے۔

ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے الحاقِ نسب کے سلسلے میں مشابہت کے اصول کو خود بھی لغو قرار دیا ہے، چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص نے آپؐ سے عرض کی ـــــ

"میری بیوی نے سیاہ رنگ کے بچے کو جنم دیا ہے۔"

آپؐ نے فرمایا: "کیا تمہارے پاس اونٹ ہیں؟"

اس نے جواب میں عرض کی۔ "ہاں"

آپؐ نے پوچھا: "ان کے کیا کیا رنگ ہیں؟"

اس نے جواب دیا: "سُرخ رنگ کے ہیں۔"

آپؐ نے پُوچھا: "کیا کوئی خاکستری رنگ کا بھی ہے؟"

اس نے عرض کی "جی ہاں! ان میں خاکستری رنگ کے اونٹ بھی ہیں۔"

آپؐ نے فرمایا: "یہ خاکستری رنگ کہاں سے آ گیا؟"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس نے عرض کی: "کوئی رگ کھینچ لائی ہوگی۔"
آپؐ نے فرمایا: "یہاں بھی ممکن ہے کوئی رگ کھینچ لائی ہو"[۱]

اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیثِ شریفہ میں وجودِ فراش کی وجہ سے معتبر قرار دیا گیا ہے جو زیادہ قوی سبب ہے جیسا کہ زمعہ کی لونڈی والی حدیث میں وارد ہے البتہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں الحاقِ نسب کو مشابہت کی ایک دوسری نوع پر منحصر قرار دیا ہے۔ اور وہ ہے مشابہتِ نسل اور یہ مشابہت قوّتِ فراش کی بنا پر زیادہ معتبر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

قیافہ کے عدمِ اعتبار پر فقہائے حنفیہ کے دلائل

علمائے احناف کہتے ہیں۔

پہلی دلیل "بچے کی ولدیت کے بارے میں اگر کوئی دوسرا شخص مدعی سے نزاع نہ کرے تو بچہ مدعی کا ہے۔ اگر کوئی اور شخص بھی بچے کی ولدیت کا دعویدار ہو۔ تو ان دونوں میں سے جو صاحبِ فراش ہے۔ بچہ اسی کا ہے کیونکہ بچے کی نسبت فراش سے ہوتی ہے۔ اگر عدمِ فراش میں دونوں برابر ہوں تو ان میں سے جو کوئی بچے کے جسم کی خفیہ علامات بتادے تو بچہ اسی کا ہے۔ اگر ان میں سے کوئی بھی بچے کے جسم کی کوئی خفیہ علامت نہ بتا سکے اور مدعی دونوں مرد ہوں یا مرد اور عورت ہوں تو الحاقِ نسب دونوں سے ہوگا۔ اگر مدعی عورتیں ہوں تو امام ابو حنیفہؒ کے قول کے مطابق الحاقِ نسب حکماً ان دونوں کی طرف ہوگا۔ کیونکہ یہ بات یقینی ہے کہ بچہ ان دونوں میں سے کسی ایک نے جنا ہے لیکن حکم کے اعتبار سے نسب کو ان دونوں کے ساتھ ملحق کرنا ہوگا۔ جیسے مدعا بہ مال ہو تو انسان کو اموال اور حقوق کے مقام پر رکھا جاتا ہے۔

صاحبینؒ جمہور فقہاء کی موافقت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ بچے کا نسب بیک وقت دونوں عورتوں سے ملحق نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ بات بہر حال یقینی اور حتمی ہے کہ بچے کو

---

[۱] صحیح بخاری جلد ۹ صـ۴۴۲ سنن نسائی جلد ۶ صـ۱۷۸

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیک وقت دونوں عورتوں نے جنم نہیں دیا مگر اس کے برعکس بیک وقت دو مردوں کی منی سے ایک بچے کی تخلیق ممکن ہے[۱] ۔ جیسے ایک مرد اور ایک عورت کی منی سے بچے کی تخلیق ہوتی ہے ۔

دوسری دلیل حنفیہ کہتے ہیں کہ علامات کے قانونی اعتبار پر حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا واقعہ بھی دلالت کرتا ہے[۲] ۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا درج ذیل ارشاد بھی جو کہ لقطہ کے بارے میں ہے ۔ علامات ونشانات کے معتبر ہونے پر دلالت کرتا ہے ۔

اِعرِف عفاصَها وَ وِکائَهَا دَوِعَائَهَا فَاِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا فعَرَفَهَا فَادِّ اِلَیْہِ ۔	اس کے بندھن اور سربند اور اس کی تھیلی وغیرہ کو پہچان لے اگر اس کا مالک آ جائے اور اس کو پہچان لے تو اسکے حوالے کر دے

تیسری دلیل حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر قیافہ ومشابہت کا تولیدِ انسانی میں کوئی اثر ہے تو یقیناً تولیدِ حیوانی میں بھی یہ چیز مؤثر ہے ۔ انسانوں کے بارے میں جب ہم قیافہ ومشابہت کی مدد سے فیصلے کرتے ہیں تو حیوانات کے سلسلے میں بدرجۂ اولیٰ قیافہ کی مدد سے فیصلے ہونے چاہئیں اور ہماری معلومات کے مطابق کوئی بھی اس کا قائل نہیں ۔

وہ کہتے ہیں کہ مشابہت ایک محسوس امر ہے ۔ جو آنکھوں سے دیکھی جا سکتی ہے اور ہمیں مشاہدے سے معلوم ہو سکتی ہے ۔ اگر مشابہت کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے تو قیافہ شناس کا کوئی فائدہ اور اس کی کوئی ضرورت نہیں اور اگر مشاہدہ کے بعد بھی ہمارے لئے مشابہت

---

[۱] جدید طبی تحقیقات سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ مرد کی منی کا ایک قطرہ لاکھوں جرثوموں پر مشتمل ہوتا ہے ایک مرد کی منی کے دو جرثومے یا دو یا دو سے زیادہ مردوں کی منی کے جرثومے ایک بیضہ سے اختلاط پاتے ہیں بلکہ عورت کے بطن میں بچہ صرف ایک مرد کے نطفہ میں سے ایک جرثومہ اور عورت کے بیضہ کے اختلاط سے تخلیق پاتا ہے ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا ادراک ممکن نہیں تو ہم قیافہ شناس کی تصدیق کیسے کر سکتے ہیں ۔ کیونکہ قیافہ شناس اس چیز کو امر محسوس قرار دیتا ہے جس کا حس سے ادراک نہیں ہو سکتا ۔

چوتھی دلیل حنفیہ دلیل دیتے ہیں کہ حس تو کبھی کبھی اجنبیوں میں بھی مشابہت کا فیصلہ کر دیتی ہے جن کے درمیان کوئی نسبی تعلق نہیں ہوتا ۔ اور کبھی کبھی ہم نسب اصحاب میں بھی تباین اور تخالف پیدا ہوجاتا ہے حس اور مشاہدہ اسکی شہادت دیتے ہیں اور اس کا انکار ممکن نہیں ۔ ایسی صورت میں قیافہ شناسی نسب پر کیسے دلیل بن سکتی ہے ۔ اور اس سے توارث و حرمت اور نسب کے دیگر احکام کیسے ثابت ہو سکتے ہیں ؟

پانچویں دلیل حنفیہ کہتے ہیں کہ الحاق کا مطالبہ الحاق نسب کا موجب ہے اور الحاق کا مطالبہ چونکہ دو مدعیوں میں پایا گیا ہے ۔ دونوں دعوٰی میں برابر ہیں اس لئے یہ واجب ہے کہ دونوں حکم میں بھی برابر ہوں کیونکہ بچے کا ان دونوں میں سے کسی ایک کا ہونا ممکن ہے اور دونوں مطالبۂ الحاق کے مدعی ہیں اور مطالبۂ الحاق مشابہت سے زیادہ قوی دلیل ہے ۔ بنا بریں ہم کہتے ہیں کہ ایک شخص ایک بچے کے نسب کے الحاق کا دعوٰی کرتا ہے ۔ اس بچے کی کسی اور شخص کے ساتھ واضح مشابہت موجود ہے مگر اس کے باوجود ہم اس مشابہت کی طرف التفات نہیں کریں گے ۔

چھٹی دلیل فقہائے احناف یہ دلیل بھی دیتے ہیں کہ قیافہ شناس دو حیثیتوں میں سے ایک حیثیت کا حامل ہوگا وہ یا تو گواہ ہو گا یا جج ۔

اگر وہ گواہ ہے تو اسکی شہادت میں رؤیت (یعنی عینی مشاہدے) پر اعتماد ہو گا اور اس رؤیت میں قیافہ شناس اور دوسرا کوئی شخص مساوی ہیں لہذا شہادت میں اس کا منفرد ہونا ایک شخص کے شہادت کے قائم مقام ہو گا ۔ یہ ایک ایسے امر پر شہادت ہے کہ اگر یہ امر واقعی ہوتا تو سب لوگ قیافہ کی شہادت میں شامل ہوتے ۔ تب بے شمار لوگوں کو نظر انداز کر کے اس قسم کی منفرد گواہی قبول نہیں کی جا سکتی ۔

اگر وہ جج کی حیثیت میں ہے تو اسے کسی شرعی منہج پر فیصلہ کرنا ہو گا اور مشابہت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معلوم کرنے کا کوئی حتمی اور یقینی طریقہ معلوم نہیں ۔

ساتویں دلیل

وہ کہتے ہیں ، کہ اگر قیافہ شناسی فیصلے کی کوئی شرعی منہاج ہوتی تو حضرت سلیمان علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اس کو کبھی نظر انداز نہ کرتے [1] بلکہ قیافہ ہی کی بنیاد پر حضرت داؤد علیہ السّلام نے بچّہ بڑی عورت کے حوالے کر دیا تھا ۔ مگر حضرت سلیمان علیہ السّلام نے چھوٹی کی انتہائی شفقت جس کے باعث اس نے بچّے کو بڑی کا بچّہ تسلیم کر لیا تھا کو قرینے سے چھوٹی کے حقیقی ماں ہونے پر استدلال کیا جبکہ قیافہ اور مشابہت اس کی خبر دینے میں ناکام رہے ۔

آٹھویں دلیل

حنفیہ کہتے ہیں کہ امام احمدؒ ، ابو داؤدؒ ، نسائیؒ ، ابنِ ماجہؒ اور حاکمؒ [2] مختلف اسناد حضرت زید بن ارقم رضؓ کے حوالے سے حدیث نقل کرتے ہیں کہ حضرت علی رضؓ جب یمن کے گورنر تھے تو اُن کے پاس تین اشخاص کو لایا گیا جنھوں نے ایک عورت سے ایک ہی طہر میں جماع کر لیا تھا ۔ حضرت علیؓ نے ان میں سے دو دعویداروں سے پوچھا : "کیا تم اقرار کرتے ہو کہ بچّہ تیسرے شخص کا ہے "؟ انھوں نے اپنے تیسرے شخص کا بچّہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ۔ اسی طرح حضرت علیؓ باقی دو سے بھی علیٰحدہ علیٰحدہ یہی سوال کیا اور ان دونوں نے بھی وہی جواب دیا جو پہلے نے دیا تھا ۔ تب حضرت علی نے ان کے درمیان قرعہ اندازی کی اور جس کے نام قرعہ نکلا ، بچے کے نسب کا الحاق اس کے ساتھ کر دیا اور اس کے ذمے دو تہائی دیت واجب کر دی ۔ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اُنھوں نے اس فیصلے کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپؐ مسکرائے یہاں تک کہ آپؐ کے دانت مبارک ظاہر ہو گئے ۔ ایک [3] روایت میں آتا ہے کہ جس کے حق میں قرعہ نکلے بچّہ اسی کا ہو گا اور اس کے ذمے

---

[1] اشارہ ہے اس حدیث کی طرف جسے امام بخاری نے حضرت سلیمان علیہ السّلام کی فراست کے سلسلے میں کتاب الانبیاء میں نقل کیا ہے صحیح بخاری جلد ۶ ص۴۵۸ ۔ یہ حدیث کتاب کے ابتداء میں مصنف نقل کر چکے ہیں [2] سنن ابی داؤد جلد ۲ ص۲۴۸ ، سنن نسائی جلد ۶ ص۱۸۲ ، سنن ابن ماجہ جلد ۲ ص۷۸۶ ، السنن الکبریٰ جلد ۱۰ ص۲۶۷ بواسطہ حاکمؒ ۔ [3] سنن ابی داؤد جلد ۲ ص۲۴۸

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دو تہائی دیت ہو گی۔"

ایک روایت میں آتا ہے کہ میں نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپؐ نے فرمایا :

"میری رائے بھی وہی ہے جو علیؓ کی ہے۔"

امام ابنِ حزم کہتے ہیں : "اس حدیث کی سند صحیح ہے میں نے تحقیق کی ہے اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔" [۱]

بالجملہ یہ حدیث اس بات پر شہادت دیتی ہے کہ حدیث کی سند میں امیرالمؤمنین حضرت علیؓ موجود ہیں۔ اس کی سند میں امام شعبیؒ بھی ہیں اور جس حدیث کو امام شعبیؒ روایت کریں وہ باطل نہیں ہو سکتی۔

نیز اس حدیث پر اہلِ ظاہر نے بھی عمل کیا ہے بینہ میں تعارض کے وقت شوافع کا بھی ایک قول یہی ہے۔ قیافہ شناسی کے عدمِ اعتبار پر یہ حدیث صریحاً دلالت کرتی ہے کیونکہ اگر قیافہ معتبر ہوتا تو اس مقام پر حضرت علیؓ اسے ہرگز نظر انداز نہ کرتے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ آپ لوگوں کے پاس زیادہ سے زیادہ جو صحیح حدیث ہے وہ اسامہ بن زیدؓ والی حدیث ہے مگر اس میں آپ کے موقف پر کوئی دلیل نہیں۔ کیونکہ نسب تو بربنائے فراش پہلے ہی سے ثابت تھا اور جب قیافہ شناس کا قیافہ بھی اس کے مطابق نکلا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پر بہت مسرور ہوئے۔ قیافہ شناس کا قیافہ آپؐ کے مقرر کردہ اصول اِنَّ الْوَلَدَ لِلْفِرَاشِ کے مطابق نکلا۔ درانحالیکہ فراش کا یہ تعلق قیافہ شناس سے مخفی تھا۔ بھلا قیافہ شناسی کو اثباتِ نسب کے لئے ایک مستقل منہاج بنانے پر اس سے استدلال کرنا کیسے دُرست ہو سکتا ہے؟

فقہائے حدیث کا استدلال

فقہائے اہلِ حدیث کہتے ہیں کہ بچے کی ولدیت کے تنازع میں ہم اِثباتاً اور نفیاً

---

[۱] المحلی جلد ۱۰ صفحہ ۱۵۱

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قیافہ کے محتاج ہیں مثلاً دو مرد یا دو عورتیں ایک بچے کی ولدیت کے دعویدار ہیں یا دو مرد خود معترف ہوں کہ انہوں نے شبہ میں ایک عورت سے ایک ہی طہر میں جماع کیا ہے بچہ ان دونوں میں سے کسی ایک کا ہے مگر دونوں شخص بچے کے نسب کا الحاق قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں۔

اس صورت میں ہم یا تو ان دونوں میں سے کسی ایک کو بغیر کسی دلیل کے ترجیح دیں گے جس کا کوئی طریقہ نہیں یا ہم ان دونوں کے دعوے کو باطل قرار دیں گے اور بچے کا الحاق ان دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ کر دیں گے مگر یہ بھی باطل ہے کیونکہ دونوں نسب الحاق کا اعتراف کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ کوئی اور سبب نہیں ہے۔

ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ واضح اور صاف مشابہت ہونے کے باوجود ہم بچے کو نسبی طور پر دونوں سے ملحق کر دیں یہ بھی شرعی طور پر باطل ہے عرف اور قیاس دونوں اس کے بطلان کا تقاضا کرتے ہیں۔ جیسا کہ گزشتہ صفحات میں اس پر بحث ہو چکی ہے۔

ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کے خفیہ علامات بتانے پر اس کے ساتھ بچے کے الحاق کا فیصلہ کر دیں۔ جیسا کہ "لقطہ" کے ضمن میں پیچھے گزر چکا ہے۔ یہاں یہ چیز بھی معتبر نہیں۔ کیونکہ "لقطہ" اور بچے میں بہت فرق ہے۔ غیر باپ کو بچے کے جسم کی علامات وغیرہ کی اطلاع ہونا کوئی بعید بات نہیں بلکہ اکثر ایسا ہوتا ہے۔ بچے کو چھپایا تو نہیں جا سکتا اور بچہ اپنے والدین کے علاوہ دوسرے لوگوں کے پاس بھی تو آتا جاتا رہتا ہے۔ اس کے برعکس لقطہ کے عدد، اس کی تھیلی اور اس کے بندھن کی علامات وغیرہ کے بارے میں عام رواج یہ ہے کہ ان کو خفیہ رکھا جاتا ہے اور شاذ و نادر طور پر بھی اس کا اظہار نہیں ہوتا۔ لہذا دونوں صورتوں کو ایک دوسری کے ساتھ ملحق نہیں کیا جا سکتا

بچے کا نسبی طور پر دو آدمیوں کے ساتھ الحاق کرنا یقیناً باطل ہے اس کے باطل اور محال ہونے پر عقل سلیم بھی شہادت دیتی ہے۔ ایک بچے کا دو آدمیوں کا بیٹا ہونا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایسے ہی محال ہے جیسے ساٹھ سالہ بوڑھے کا بیس سالہ جوان کا بیٹا ہونا۔

وہ شخص جو بچے کو دو آدمیوں سے ملحق کرتا ہے آخر قیافہ کا انکار کیسے کرتا ہے ؟

قیافہ جس کا مدار اس مشابہت پر ہے جو اللہ تعالیٰ نے بچے اور والدین کے درمیان رکھی ہے عقل و شرع اور عرف و قیاس کے لحاظ سے دونوں فیصلوں میں سے کونسا فیصلہ درست ہے ؟ ــــــ قرآن اور سنّت کے احکام میں سے کوئی حکم ایسا نہیں جس کے بطلان کا حس اور عقل سلیم تقاضا کرتی ہوں۔ حاشا و کلاّ اللہ تعالیٰ کے احکام نقائص سے مبرا ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ تو عادل اور بہترین حکم دینے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسا حکم نہیں دیا جس کے متعلق عقل یہ کہتی ہو۔ "کاش! یہ حکم ایسے نہ ہوتا" بلکہ اللہ تعالیٰ کے احکام تو ایسے ہیں کہ اُن کے حُسن پر عقل اور فطرت سلیم گواہ ہیں۔ یہ احکام اپنے تمام پہلوؤں کے ساتھ بہترین طریقے سے وقوع پذیر ہوتے ہیں اس موقع و محل پر کوئی دوسرا حکم مناسبت ہی نہیں رکھتا ــــــ اب اگر آپ عقل سلیم کے سامنے یہ بات پیش کریں کہ ایک بچہ دو باپوں کے نطفے سے تخلیق پا سکتا ہے تو عقل اسے ہرگز قبول نہیں کر سکتی مگر وہ باپ سے بچے کی واضح مشابہت کو قبول کر کے اُس کا بیٹا ہونے کا حکم لگاتی ہے کیونکہ یہ اللہ کی سُنّت اور اسکی جاری کردہ عادت کے عین مطابق ہے۔ رہا دو باپوں کے نطفے سے ایک بچے کا پیدا ہونا تو یہ اللہ تعالیٰ کی سُنّت اور اسکی جاری کردہ عادت کے خلاف ہے۔

فقہائے حنفیہ کے دلائل کا جواب

حنفیہ کہتے ہیں کہ دونوں مدعی سببِ الحاق کے اعتبار سے برابر ہیں اور وہ ہے دونوں کا دعویٰ الحاق ــــــ لہذا دونوں کا حکم بھی برابر ہوگا اور وہ ہے الحاق نسب۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ایک مسلّمہ اصول ہے کہ دعویٰ کی صحت دیکھنے کے لئے جہاں تک ممکن ہو مدعی کی جہت کے علاوہ بھی دلیل طلب کی جاتی ہے۔ زیر بحث مسئلہ میں مشابہت صحتِ دعویٰ کی دلیل ہے اور قیافہ شناس اس مشابہت کی معرفت رکھتا ہے لہذا اس دلیل کے صحیح ہونے کا اعتبار مجرد دعویٰ کی دلیل سے قوی تر ہے وہ سبب جو مدعی کی جہت کے علاوہ صحتِ دعویٰ کی دلیل ہے جیسے فراش اور قیافہ موجود نہ ہو تو دعویٰ کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تاثیر بدل جائے گی جب دونوں مدعیوں کی دلیل برابر ہو گی تو حکم بھی برابر ہو گا یہ تفقہ خالص اور قواعد شریعت کا تقاضا ہے۔

رہی مجرّد دعویٰ کی تاثیر جبکہ واضح مشابہت دعوے کو جھٹلا رہی ہو حالانکہ ثبوت نسب کے لئے اللہ تعالیٰ نے مشابہت کو تکوینی اور تشریعی طور پر علامت مقرر کیا ہے۔ تو یہ اصول شریعت اور قیاس دونوں کے خلاف ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے: "البینۃ علی المدعی، ثبوت مہیا کرنا مدعی کی ذمّہ داری ہے" اور ثبوت (بینّہ) ہر ایسی چیز کو کہا جاتا ہے جو صحت دعویٰ پر دلیل کا کام دے سکے۔

مشابہت صحّت دعویٰ کی واضح دلیل ہے۔ لہذا مشابہت اگر لعان کے فریقین میں سے کسی ایک کا ساتھ دیتی ہے تو نسب بھی اسی کا ہو گا اگر مشابہت دونوں کے ساتھ ہے تو نسب بھی دونوں کا ہو گا۔

فقہائے حنفیہ کہتے ہیں کہ قیافہ و مشابہت اگر نسل انسانی میں اپنا اثر رکھتے ہیں تو نسل حیوانی میں بھی انکی تاثیر ہونی چاہیئے۔

اس کا جواب متعدد پہلوؤں سے دیا جاتا ہے۔

اوّل :۔ یہ تلازم ضروری نہیں جب ان کے پاس مجرّد دعویٰ کے سوا کوئی دلیل نہیں ہے تو یہ تلازم شرعاً اور عقلاً کیسے درست ہو سکتا ہے؟

ثانی :۔ جہاں بھی ممکن ہو شارع ثبوت نسب کی طرف توجّہ دیتا ہے انقطاع نسب کا ہرگز حکم نہیں لگاتا۔ الاّ یہ کہ اثبات نسب ممکن نہ ہو۔ بنا بریں فراش اور مجرّد دعویٰ سے نسب ثابت ہو جاتا ہے مگر اس قسم کے اسباب سے نسب حیوانی ثابت نہیں ہوتا۔

ثالث :۔ اثبات نسب اللہ تعالیٰ، باپ اور اولاد کا حق ہے۔ انسانی معاشرے کے اندر افراد کے معاملات میں مختلف احکام کا انحصار نسب پر ہے معاشرے کے مصالح نسب سے قائم ہیں اس لئے شریعت نے مختلف طریقوں سے نسب کو ثابت کیا ہے مگر ان طریقوں سے حیوانی نسب کو ثابت نہیں کیا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رابع :۔ نسب کا سبب مرد اور عورت کا جنسی اختلاط ہے اور یہ اختلاط چشمِ انسانی سے کامل طور پر ستر اور پردے میں واقع ہوتا ہے قریب و بعید کوئی بھی اس اختلاط کا مشاہدہ نہیں کر سکتا اگر سبب نسب کے اثبات کے لئے دلیل کا مکلف کر دیا جائے تو نسب انسانی ضائع ہو جائے گا اور صلہ رحم کے احکام میں فساد واقع ہو گا۔ بنا بریں نسب کو آسان ترین ثبوت مثلاً" فراش، مجرّد دعوای اور مشابہت وغیرہ کے ذریعے ثابت کیا ہے۔ حتیٰ کہ امام ابو حنیفہؒ نے تو اسے مجرّد عقدِ نکاح سے بھی ثابت کیا ہے درانحالیکہ میاں بیوی کی عدم ملاقات ثابت ہے اور بچے کا ان دونوں کی اولاد ہونا محال ہے۔ صرف احتیاط کے طور پر نسب کو ان دونوں سے ملحق کر دیا ہے۔ اور ہم جانتے ہیں کہ مشابہت تو اس سے بہت زیادہ قوی سببِ الحاق ہے۔

خامس :۔ نسلِ حیوانی میں اصل مقصد مال ہے اور اس کا دعویٰ ہوتا ہے تب دعوائے نسب اور دعوائے مال میں کیونکر برابری ہو سکتی ہے؟ لہٰذا دونوں کے اثبات کے اسباب بھی کیسے برابر ہو سکتے ہیں؟

سادس :۔ مال تو عطا و بخشش سے مباح ہو جاتا ہے، اس پر معاوضہ بھی جائز ہے اسے منتقل بھی کیا جا سکتا ہے اور اس سے روگردانی بھی دُرست ہے مگر اس کے برعکس نسب میں مذکورہ چیزوں میں سے کچھ بھی جائز نہیں۔

سابع :۔ اللہ تعالیٰ نے انسانی افراد میں انکی آواز اور انکی شکل و صورت میں کچھ فرق ضرور رکھا ہے جس کی وجہ سے ان میں امتیاز ممکن ہے۔ اس فرق کی وجہ سے ان میں کوئی اشتباہ واقع نہیں ہوتا۔ نوعِ انسانی کے دو افراد میں ہر لحاظ سے مشابہت ہونے کے باوجود شاذ و نادر ہی اشتباہ واقع ہوتا ہے۔ اور ان میں کوئی نہ کوئی وجہِ امتیاز ضرور رہتی ہے۔ مگر یہ فرق اور امتیاز عام طور پر حیوانات میں نہیں پایا جاتا۔ حیوانات میں مشابہت اور مماثلت کثرت سے پائی جاتی ہے۔ لہٰذا حسِّ انسانی کے لئے حیوانات میں اولاد کو ان کے ماں باپ کی طرف لوٹانا ممکن نہیں اگرچہ کبھی کبھار ایسے بھی ہوتا ہے مگر نوعِ انسانی کی نسبت انواعِ حیوانی میں یہ چیز بہت کم ہے لہٰذا دونوں مسئلوں کو

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قیاس کے ذریعے ایک دوسرے سے ملحق کرنا درست ہیں۔

حنفیہ دلیل دیتے ہیں کہ قیافہ میں مشابہت پر اعتماد کرنا ایک ایسا امر ہے جس کا ادراک حسِ انسانی کر سکتی ہے تو قیافہ شناس کا کوئی فائدہ اور اسکی کوئی ضرورت نہیں اگر مشاہدہ کے بعد بھی ہمارے لیئے مشابہت کا ادراک ممکن نہیں تو اس صورت میں قیافہ شناس کے قول پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ وہ امور جن کا ادراک حسِ انسانی کے احاطہ میں ہے، دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک قسم تو وہ ہے جس کے ادراک میں عام و خاص سب برابر ہیں۔ جیسے لمبا اور چھوٹا ہونے اور سفید و سیاہ وغیرہ رنگوں کا ادراک، اس قسم کے امور میں مُخبر اور شاہد کا تفرد قبول نہیں کیا جائے گا۔

دوسری قسم میں وہ امور شامل ہیں جن کے ادراک میں تمام لوگوں کا اشتراک لازم نہیں مثلاً رؤیت ہلال، دِن رات کے مختلف حصّوں میں وقت کی پہچان اور دن رات میں کمی بیشی کے متعلق معلومات وغیرہ جن کو صرف اہلِ خبر ہی جانتے ہیں یا مثلاً حیوان کے چھوٹا بڑا ہونے کی پہچان تقسیم میں صحیح اندازہ اور تساوی وغیرہ حسِ انسانی کے دائرۂ اختیار میں ہیں مگر ان میں تمام لوگوں کا اشتراک ضروری نہیں۔ ایسی صورت میں ایک یا دو آدمیوں کا قول قبول کر لیا جائے گا۔

انسانی شخصیّتوں میں مشابہت اور مماثلت بھی اسی نوع میں شمار ہوتی ہیں۔ باپ اور بیٹے میں مشابہت بچّے کی صورت، اسکی شکل اسکی ہیئت اور اس کے اعضاء کی بناوٹ میں کچھ ایسے مخفی انداز میں ظہور پذیر ہوتی ہے کہ اسکی پہچان صرف قیافہ شناس ہی کر سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ بنو مُدلج کی قیافہ شناسی اہلِ عرب میں معروف تھی اور تمام اہلِ عرب اس فن میں ان کی مہارت کو تسلیم کرتے تھے۔ تاہم قیافہ شناسی صرف بنو مُدلج کے ساتھ مخصوص نہ تھی اور نہ قیافہ شناس کا مُدلجی ہونا ضروری تھا۔ اسماعیل بن سعیدؒ کہتے ہیں کہ اُنہوں نے امام احمد بن حنبلؒ سے قیافہ شناس کے قول کے مطابق فیصلے کے متعلق سوال کیا۔ اُنہوں نے جواب میں فرمایا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

" جب قیافہ شناس اپنے فن میں مہارت رکھتا ہو تو قیافہ شناسی کی بنیاد پر فیصلہ کرنا جائز ہے۔ اہلِ حجاز قیافہ شناسی میں خوب ماہر تھے۔"

بعض فقہائے شافعیہ نے قیافہ شناس پر مُدلجی ہونے کی شرط عائد کی ہے۔ مگر یہ رائے اس قدر کمزور ہے کہ قابلِ التفات نہیں۔

عبد الرحمٰن بن حاطبؒ روایت کرتے ہیں: " میں حضرت عمرؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ دو شخص ایک بچے کے بارے میں جھگڑا لے کر حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ دونوں میں سے ہر ایک کا دعویٰ تھا کہ بچہ اس کا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا:

" مصطلقی (یعنی بنی مُصطلق کے قیافہ شناس) کو میرے پاس بلا کر لاؤ۔"

چنانچہ بنو مصطلق کا قیافہ شناس حاضر ہوا۔

حضرت عمرؓ نے اس سے کہا: " دیکھ کر بتاؤ کہ یہ بچہ ان دونوں میں سے کس کا ہے؟"

مصطلقی قیافہ شناس نے کہا: " یہ ان دونوں کا ہے[۱]"

پھر عبد الرحمٰن بن حاطبؒ نے بقیہ حدیث بیان کی۔

بنو مصطلق بنو خزاعہ کی ایک شاخ ہے اور بنو خزاعہ کا بنو مُدلج کے ساتھ کوئی نسبی تعلق نہیں۔

اسی طرح قاضی ایاس بن معاویہؒ کی قیافہ شناسی بھی بہت معروف ہے اور وہ بنو مُزینہ سے تعلق رکھتے تھے۔ قاضی شُریح بن حارثؒ بھی ایک بہت بڑے قیافہ شناس تھے ان کا تعلق بنو کندہ سے تھا۔

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں: " اہلِ حجاز قیافہ شناسی میں خوب ماہر تھے۔"

امام احمدؒ نے قیافہ شناسی کو بنو مدلج کے ساتھ مخصوص نہیں کیا۔ مقصد یہ ہے کہ دیگر ماہرینِ فن کی طرح قیافہ شناس بھی ماہرینِ فن میں شمار ہوتا ہے۔ امورِ مرئیہ میں اس پر اعتماد کیا

---

۱ السنن الکبریٰ جلد ۱۰ صـ۲۶۳

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جاتا ہے بعض اسباب مشابہت ایسے ہوتے ہیں جن کا علم صرف قیافہ شناسوں کو ہوتا ہے مثلاً مماثلت و اختلاف اور مقدار و خطوط وغیرہ۔

اس سے بھی بلیغ مثال یہ ہے کہ چاند دیکھنے کے لئے بے شمار لوگ جمع ہوتے ہیں مگر ان میں سے دو یا تین آدمیوں کو چاند نظر آتا ہے اور باقی جم غفیر کو نظر انداز کر کے صرف ان دو یا تین آدمیوں کے قول کے مطابق حکم لگایا جاتا ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ ہم دیکھتے ہیں کہ بسا اوقات اجنبیوں کے درمیان مشابہت پائی جاتی ہے اور ہم نسب آدمیوں میں اختلاف ہوتا ہے۔

ہم اس کا جواب یوں دیتے ہیں کہ مشاہدہ آپ کے اس قول کی تردید کرتا ہے نسبی رشتوں میں مشابہت کو اللہ تعالیٰ نے عادت جاریہ کے طور پر مقرر کیا ہے۔ نادر حالات میں نسبی رشتوں کے درمیان عدم مشابہت قیافہ شناسی کو دلیل کے زمرے سے خارج نہیں کر سکتی۔ خصوصاً جبکہ کوئی اور دلیل اسکی معارض بھی نہ ہو۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ نسب اور ولایت کے لئے فراش اس بات کی دلیل ہے کہ بچہ صاحب فراش کا بیٹا ہے۔ مگر ایسا ہونا ممکن ہے بلکہ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بچہ صاحب فراش کی بجائے کسی اور کے نطفے سے تخلیق پاتا ہے۔ لہذا یہ نادر اور شاذ احتمال فراش کو دلیل بننے سے نہیں روک سکتا۔ اسی طرح تقسیم، تقویم اور خرص کی علامات میں بعض اوقات خطا واقع ہو جاتی ہے۔ مگر یہ شاذ و نادر خطا ان کے اعتبار کو باطل نہیں کر سکتی۔

یہی حال دو گواہوں کا ہے ان سے بھی غلطی کا امکان ہے۔ براءت رحم کے لئے تین حیض یا ایک حیض اگرچہ حمل نہ ہونے کی دلیل ہے مگر اس میں بھی خطا کا شائبہ موجود ہے اور اس قسم کے واقعات کثرت سے وقوع پذیر ہوتے رہتے ہیں۔

فقہائے احناف دلیل دیتے ہیں کہ الحاق کا مطالبہ الحاقِ نسب کا موجب ہے اور الحاق کا مطالبہ چونکہ دو دعویداروں میں مشترک ہے۔ لہذا وہ دونوں اس کے حکم میں بھی مشترک ہوں گے۔

یہ اصول اس وقت تو صحیح ہے جب مجرد دعویٰ کے علاوہ کسی خارجی امر کی مدد سے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان دونوں میں سے کسی ایک کو "حقدار" کے طور پر ممیّز نہ کیا جا سکتا ہو اور اگر وجہِ امتیاز موجود ہو جیسے فراش اور مشابہت وغیرہ ـــــــ تو الحاق نسب اس کے مطابق ہوگا۔ جیسے بیّنہ وجہِ امتیاز بنتی ہے۔ بلکہ مشابہت تو فی نفسہٖ قوی ترین بیّنہ ہے۔ کیونکہ بیّنہ ہر اُس چیز کا نام ہے جو حق کو واضح اور ظاہر کر دے۔ اور یہاں ایضاحِ حق کی باعث مشابہت ہے نسب مشابہت کے باعث حق کا ظاہر ہونا ایسی شہادت کی بنیاد پر حق کے ظاہر ہونے سے زیادہ قوی ہے جس میں وہم، غلطی اور جھوٹ کا احتمال موجود ہو۔ بلکہ مشابہت اس فراش سے بھی قوی تر ہے جو اجتماعِ زوجین کی وجہ سے یقینی ہوتا ہے۔

قیافہ کے قانونی اعتبار کے سلسلے میں ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ قیافہ شناس یا تو گواہ ہوگا یا جج (دونوں صورتوں میں یہ چیز شرعی لحاظ سے صحیح نہیں)

اس کا جواب یہ ہے کہ اس بارے میں قیافہ کے قائلین میں دو قول پائے جاتے ہیں۔ امام احمدؒ سے دونوں قول روایت کئے گئے ہیں۔ امام شافعیؒ کے اصحاب نے بھی دونوں اقوال کو اختیار کیا ہے۔ ہمارے اصحاب کے نزدیک دونوں آراء قیافہ شناس کے گواہ یا جج ہونے پر مبنی ہیں دیگر فقہاء کہتے ہیں کہ یہ دونوں آراء اس بات پر مبنی نہیں بلکہ اس میں اختلاف ہے۔

بہر حال ہمارے نزدیک قیافہ شناس کا گواہ یا جج ہونا برابر ہے۔ جیسے حالتِ احرام میں شکار کی جزاء میں ہم دو حکموں کا اعتبار کرتے ہیں اسی طرح اگر ہم اکیلے قیافہ شناس کا قول قبول کر لیں تو جائز ہے۔ خواہ ہم اسے گواہ ہی کے مقام پر کیوں نہ رکھیں جیسے ہم اندازہ لگانے والے اور تقسیم کرنے والے صاحبِ تقویم اور طبیب کے قول کو معتبر قرار دیتے ہیں۔

قیافہ شناس گواہ بھی ہے اور مُخبر بھی

بعض فقہاء قیافہ شناس کے گواہ ہونے میں فرق کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اگر ہم قیافہ شناس کو مُخبر قرار دے لیں تو اس اکیلے کی خبر پر اکتفاء کیا جا سکتا ہے جیسے ہم دیگر امورِ دینیہ میں ایک شخص کی خبر پر اکتفاء کر لیتے ہیں اور اگر اس کو گواہ قرار دیں تو اس اکیلے کی شہادت کافی نہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ دلیل بہت کمزور ہے کیونکہ شاہد تو دراصل مُخبر (یعنی خبر دینے والا) ہوتا ہے اور مُخبر کی حیثیت شاہد کی سی ہوتی ہے۔ ہر وہ شخص جو کسی چیز کی گواہی دیتا ہے وہ درحقیقت اس چیز کے متعلق خبر دیتا ہے۔ شریعت شہادت اور اِخبار کے درمیان اصولاً کوئی تفریق نہیں کرتی یہ فرق تو فقہاء کے وضع کردہ اس اصول کے باعث پیدا ہوا ہے جس کی بناء پر وہ شہادت کی ادائیگی میں لفظ "شہادت" کے تلفظ کو شرط خیال کرتے ہیں اور مجرّد اِخبار کو ایک دوسری چیز تصور کرتے ہیں۔

اس رائے کی کمزوری کو ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں اور گزشتہ صفحات میں آپ کی نظر سے یہ بھی گزر چکا ہے کہ اپنے اس موقف کے لئے ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ بلکہ کتاب وسُنّت کے بے شمار دلائل ان کے خلاف ہیں۔

قیافہ کے سلسلے میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رض سے جتنے بھی فیصلے مروی ہیں ان میں ایک بھی فیصلہ ایسا نہیں جس میں انہوں نے قیافہ شناس کو حکم دیا ہو کہ وہ اپنے قیافے کا اظہار ان الفاظ میں کرے۔

"أَشْهَدُ أَنَّهُ اِبْنُهُ" ۔ "(میں شہادت دیتا ہوں کہ یہ اس کا بیٹا ہے"۔

اور نہ کسی قیافہ شناس نے اصولی طور پر یہ الفاظ کہے ہیں۔ بلکہ قیافہ شناس کی مجرد خبر پر اعتماد کیا گیا ہے یہ چیز اس پر واضح ہو جائے گی۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی نصوص اس فرق کی تائید نہیں کرتیں۔

متاخرین کی تخریجات کی آئمہ کی طرف نسبت

آئمہ کرام کی نصوص میں یہ متاخرین اصحاب تخریج کا تصرف ہے ان مقلدین نے آئمہ کرام کی نصوص کو وہ معانی پہنا دیئے ہیں جو آئمہ کرام کے کبھی حاشیہ خیال تک سے نہ گزرے ہوں گے اور نہ آئمہ نے کبھی یہ بات کہی ہے یہ تو خود ہی ایک دوسرے سے نقل کرتے ہیں پھر خود ہی اپنی تخریجات کی موشگافیوں سے ایسے لوازم آئمہ کرام سے منسوب کر دیتے ہیں جو اُنہوں نے کبھی نہیں کہے ہوتے۔ ان میں سے بعض حضرات آئمہ کی نصوص میں فقہی موشگافیاں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کر کے اپنے اقوال اور اپنے نظریات کو خواہ مخواہ آئمہ کرام کی نصوص سے چپکا دیتے ہیں۔ پھر ان اقوال و نظریات کو آئمہ کرام سے منسوب کر دیتے ہیں۔ حالانکہ آئمہ کرام رحمہم اللہ ان کے اقوال و نظریات سے بری ہوتے ہیں پھر ان اقوال و نظریات کو آئمہ کرام کی عظمت و بزرگی آڑ لے کر عوام میں پھیلا دیتے ہیں پھر اسی فاسد بنیاد پر فتوؤں کا کاروبار چلتا ہے اور عدالتوں میں فیصلے ہوتے ہیں اور وہ امام جن کی طرف یہ رائے منسوب کی گئی ہوتی ہے اُن کی یہ رائے ہرگز نہیں ہوتی ۔ بلکہ اُن کا قول اُس کے مخالف ہوتا ہے۔

قیافہ کے بارے میں امام احمد سے مروی نصوص

آئیے اب ہم اس مسئلہ میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال کا جائزہ لیں۔

جعفر بن محمد نسائیؒ کہتے ہیں۔

"میں نے ابو عبداللہ (امام احمدؒ) سے سنا ہے۔ ان سے جب ایک ایسے بچّے کے متعلق فتویٰ پوچھا گیا جس کی ولدیت کے دو دعویدار تھے تو انہوں نے فرمایا:

"دو قیافہ شناس بلائے جائیں اگر وہ اس بچّے کو ان دو دعویداروں میں سے کسی ایک کے ساتھ ملحق کر دیں تو بچہ اسی کا ہے۔

محمّد بن داؤد مصیصی روایت کرتے ہیں۔

"امام احمد سے ایک ایسی لونڈی کے متعلق پوچھا گیا جس کے ساتھ دو آدمیوں نے ایک ہی طہر میں مجامعت کی امام صاحب نے جواب میں فرمایا:

"اگر قیافہ شناس بچے کو ان دونوں میں سے کسی کے ساتھ ملحق کر دیں تو بچّہ اسی کا ہوگا۔"

امام صاحب سے پوچھا گیا۔" اگر دونوں قیافہ شناسوں میں سے ایک بچے" کو ایک شخص کے ساتھ ملحق کر دیتا ہے اور دوسرا دوسرے شخص کے ساتھ ملحق کر دیتا ہے تب کیا صورت ہوگی؟

انہوں نے فرمایا: "ایک قیافہ شناس کا قول قبول نہیں کیا جائے گا جب تک کہ دو نہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوں دونوں قیافہ شناس دو گواہوں کے قائم مقام ہیں۔"

اثرم کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل سے پوچھا گیا کہ قیافہ شناسوں میں سے ایک اس بچے کو ایک شخص کے ساتھ ملحق کر دیتا ہے اور دوسرا دوسرے شخص کے ساتھ؟

امام احمد نے فرمایا:

"قیافہ شناس جبتک دو نہ ہوں ان کا قول قابلِ قبول نہیں یہ دونوں قیافہ شناس دو گواہوں کی مانند ہیں جب دونوں قیافہ شناس یہ گواہی دیں کہ یہ بچہ اسی شخص کا ہے تو بچے کا نسب اس کے ساتھ ملحق کر دیا جائے گا۔"

وہ فقہا جو اس قول کو ترجیح دیتے ہیں کہ یہ فیصلہ مشابہت کی بنیاد پر ہے اسی میں عدد کو معتبر قرار دیتے ہیں جیسے احرام کی حالت میں شکار کے ضمن میں مثل کے فیصلے میں عدد کا اعتبار زیادہ ضروری ہے حالانکہ شکار میں مثلیت تو بہت واضح ہوتی ہے مگر قیافہ میں مماثلت اور مشابہت کا ادراک زیادہ واضح نہیں ہوتا اس لئے جب ایک قیافہ شناس کی تائید کوئی اور قیافہ شناس کر دیتا ہے تو دل کو سکون حاصل ہو جاتا ہے اور دل قیافہ شناس کی بات پر مطمئن ہو جاتا ہے۔

ابو طالب کی روایت کے مطابق امام احمد نے بچے کی ولدیت کے دو دعویداروں کے بارے میں فرمایا:

"قیافہ شناس کو بلایا جائے اگر قیافہ شناس بچے کو دونوں کے ساتھ ملحق کر دے تو بچہ دونوں کا ہے اور قیافہ شناس کے قول پر اعتماد ہوگا اور اگر قیافہ شناس بچے کا الحاقِ نسب کسی ایک کے ساتھ کر دیتا ہے تو بچہ اسی کا ہے، جس کے ساتھ اسے ملحق کیا گیا ہے۔

اسماعیل بن سعید روایت کرتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل سے قیافہ شناس کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا اس کے قیافہ کے مطابق فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔؟

امام احمد نے فرمایا:

"اگر قیافہ شناس فنِ قیافہ کا ماہر ہے تو اس کے قول کے مطابق فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسی قول کو "المستوعب" کے مصنف قاضی ابو یعلی نے اختیار کیا ہے امام شافعی کے مذہب میں بھی یہی قول صحیح ہے۔ اور اہلِ ظاہر بھی یہی رائے رکھتے ہیں۔

اس رائے کو اختیار کرنے والے یہ دلیل دیتے ہیں کہ زید بن حارثؓ اور اسامہ بن زیدؓ کے بارے میں مجزز مدلجی کے قیافہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی مسرت کا اظہار فرمایا تھا۔ حالانکہ یہ صرف ایک قیافہ شناس کا قول تھا۔

حضرت عمرؓ سے ثابت ہے کہ انہوں نے اکیلے مدلجی قیافہ شناس کے قول پر فیصلہ دیا ہے۔ اسی طرح یہ بات بھی ثابت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اکیلے ابنِ کلدہ کے قیافہ کا اعتبار کیا ہے اور اس کے مطابق الحاقِ نسب کا فیصلہ کیا ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ سے منصوص ہے کہ اگر صرف ایک ہی طبیب یا بیطار مہیا ہو سکے تو اس کا قول کافی ہے۔ قیافہ شناس بھی اسی زمرے میں آئے گا۔ پس اسی طرح امام احمدؒ سے تیسری روایت کی تخریج کی جاتی ہے ——— واللہ اعلم۔

درحقیقت ایک قیافہ شناس کی رائے پر اعتماد کرنا ایک طبیب یا بیطار کی رائے پر اعتماد کرنے سے زیادہ ضروری ہے۔ کیونکہ طبیب اور بیطار ر... پر ایک سے زیادہ مہیا ہو جاتے ہیں اور اس کے باوجود ایک طبیب یا بیطار کی رائے کی بنیاد پر فیصلہ دیدیا جاتا ہے۔ (مگر ایک سے زائد قیافہ شناس تو شاذ و نادر ہی ملتے ہیں)

رہا یہ اعتراض کہ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما الصلوٰۃ والسلام نے لڑکے کے بارے میں دو عورتوں کے جھگڑے میں قیافہ کے مطابق فیصلہ نہیں کیا تھا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس بارے میں قیافہ کے قائلین میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ اگر بچّے کی دعویدار دو عورتیں ہوں تو کیا قیافہ کا اسی طرح اعتبار کیا جائے گا جس طرح مردوں کے دعوے میں کیا جاتا ہے؟

امام شافعیؒ کے اصحاب میں اس بارے میں دو قول پائے جاتے ہیں۔

اوّل: ہر چند کہ دو مردوں کے دعوے میں قیافہ کا اعتبار کیا گیا ہے مگر یہاں قیافہ کا اعتبار نہ ہوگا۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ ہمارے لئے ماں کو پہچان لینا آسان ہے مگر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کے برعکس بچّے کے باپ کو پہچاننا ہمارے لئے ممکن نہیں۔ اس صُورت میں ہمیں قیافہ شناس کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ اِس بارے میں کوئی اشکال نہیں۔

ثانی :۔ دُوسری رائے یہ ہے کہ عورتوں کے دعوے میں بھی قیافہ شناس سے اسی طرح مَدد لی جائے گی جس طرح مَردوں کے دعوے میں لی جاتی ہے اور ہمارے نزدیک یہی صحیح ہے۔

ابنِ حکم رِوایت کرتے ہیں کہ ایک مسلمان عورت اور ایک یہودی عورت نے دو بچوں کو جنم دیا۔ یہودیہ نے مسلمان عورت کے بچّے پر ولدیت کا دعویٰ کر دیا۔ امام احمدؒ سے اِس جھگڑے کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا یہاں قیافہ سے کام لیا جا سکتا ہے ؟

امام صاحب نے فرمایا : " یہ اچھی رائے ہے۔

متذکرہ صدر احادیث بھی اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ بچّے کی متشابہت کبھی ماں پر ہوتی ہے اور کبھی باپ پر۔ یہ احادیثِ طیبہؐ اس رائے کے صحیح ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ قیافہ کی مَدد سے ہم جو فیصلہ کرتے ہیں وہ فیصلہ درحقیقت مشابہت کی بُنیاد پر ہوتا ہے۔ چنانچہ اس بارے میں حضرت عائشہ رضؓ، حضرت ام سلمہ رضؓ حضرت انس رضؓ بن مالک، حضرت ثوبان رضؓ اور حضرت عبداللہ بن سلام رضوان اللہ علیہم کی احادیث گزشتہ صفحات میں نقل کی جا چکی ہیں۔ باپ کے برعکس ماں کی یقینی پہچان اس بات کی ہرگز دلیل نہیں کہ دو عورتوں کے اس قسم کے جھگڑے میں قیافہ شناسی معتبر نہیں۔

قیافہ شناسی کو تو دراصل اس وقت استعمال کرتے ہیں جب ولدیت کی دعویدار عورتوں میں حقیقی ماں کو نہ پہچانا جا سکتا ہو۔ ماں کی پہچان کے یقینی امکان کے وقت قیافہ کے عدم استعمال سے یہ لازم نہیں آتا کہ جب اصل ماں کی پہچان ممکن نہ ہو تو اس وقت بھی قیافہ شناسی کو استعمال نہ کریں۔ جس طرح ہم ایک بچّے کی ولدیت کے بارے میں دو مردوں کے جھگڑے میں قیافہ شناسی کو صرف فراش کے عدمِ تیقُّن کے وقت ہی استعمال کرتے ہیں۔ فراش کے تیقن کے وقت قیافہ شناسی کی ضرورت نہیں ہوتی اسی طرح عورتوں کے جھگڑے میں بھی قیافہ شناسی کو بوقتِ ضرورت استعمال کرتے ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رہی یہ بات کہ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام نے قیافہ کا اعتبار نہیں تھا تو اسکی مختلف توجیہات کی جاتی ہیں ۔

۱۔ ممکن ہے انکی شریعت میں قیافہ معتبر نہ ہو اور ظاہری طور پر یہی نظر آتا ہے ۔ کیونکہ اگر انکی شریعت میں قیافہ مشروع ہوتا تو آپ نے قیافہ شناس کو بلوا لیا ہوتا ۔

۲۔ یہ بھی ممکن ہے کہ قیافہ تو اُن کی شریعت میں مشروع ہو مگر صرف مردوں کے جھگڑے میں ، جیسے شریعت محمدی میں ایک قول یہ بھی ہے ۔ لہٰذا اس توجیہہ میں کوئی اشکال نہیں ۔

۳۔ تیسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ انکی شریعت میں قیافہ شناسی تو مطلقاً مشروع تھی مگر اللہ کے نبیؑ پر مشابہت واضح نہ ہونے کی وجہ سے اشکال واقع ہو گیا ۔ کیونکہ بعض دفعہ قیافہ شناس بھی مغالطے کا شکار ہو جاتا ہے ۔

بہرحال وجہ خواہ کچھ بھی ہو اس واقعہ کو ہماری شریعت میں قیافہ شناسی کے اعتبار کو باطل قرار دینے کے لئے دلیل نہیں بنایا جا سکتا بلکہ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا واقعہ تو صریحاً اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ بچے کو کسی بھی صورت میں دو ماؤں سے ملحق نہیں کیا جا سکتا کیونکہ دونوں نبیوں نے اس کو اپنے فیصلے کی منہاج نہیں بنایا بلکہ دونوں اس کو لغو قرار دینے میں متفق ہیں ۔ تعجب ہے اس واقعہ سے جو دلیل ملتی ہے اس پر عمل کرنے کی بجائے اس چیز کو اختیار کرتے ہیں جس پر یہ واقعہ دلالت نہیں کرتا ۔

زید بن ارقمؓ کی حدیث پر تبصرہ

زید بن ارقمؓ والی حدیث گزشتہ صفحات میں نقل کی جا چکی ہے ۔

اس میں ایک بچے کی ولدیت کے تین دعویداروں کا ذکر ہے جن کے درمیان قرعہ اندازی کی گئی تھی ۔ اس حدیث میں اضطراب ہے ۔

علی بن سعیدؒ روایت کرتے ہیں کہ اُنھوں نے اس حدیث کے متعلق امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا تو امام صاحب نے امام صاحب نے فرمایا :

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"یہ حدیث منکر ہے میں نہیں جانتا کہ یہ کیا ہے میرے نزدیک یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔"

اسحاق بن منصورؒ نے امام احمدؒ سے زید بن ارقمؓ والی حدیث کے متعلق پوچھا تو امام احمد نے فرمایا:

"اس سلسلے میں مجھے حضرت عمرؓ کی قیافہ والی حدیث زیادہ پسند ہے۔"

امام بخاریؒ اپنی تاریخ میں رقمطراز ہیں کہ زید بن ارقمؓ والی حدیث میں عبداللہ بن خلیل کی کسی راوی نے متابعت نہیں کی۔ امام بخاریؒ کا یہ تبصرہ امام احمد بن حنبل کے اس مؤقف کی تائید کرتا ہے کہ یہ حدیث منکر ہے۔"

اس حدیث کے منکر ہونے پر یہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے جو قابوس بن ابی ظبیان نے ان الفاظ میں حضرت علیؓ سے روایت کی ہے:

"دو شخص ایک ہی طہر میں ایک عورت سے مجامعت کر بیٹھے اس کے بعد اس عورت نے ایک بچّہ کو جنم دیا وہ اس بچّے کو لیکر حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئی، حضرت علیؓ نے قیافہ شناس کو بلایا اور قیافہ شناس نے بچّے کو دونوں کے ساتھ ملحق کر دیا وہ ان دونوں کا وارث ہوگا اور دونوں اسکے وارث ہوں گے"۔ [۱]

یہ حدیث اس بات کی واضح دلیل ہے کہ حضرت علیؓ اس مسئلہ میں قرعہ اندازی کی بجائے قیافہ پر اعتماد کرتے تھے۔

ہمیں معلوم ہے کہ قرعہ اندازی صرف اس وقت کی جاتی ہے جب قرعہ کے علاوہ اور کوئی وجۂ ترجیح سامنے نہ ہو اور ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ قیافہ شناسی خواہ شہادت کے طور پر ہو یا حکم یا فتویٰ کے طور پر بہرحال ایک قوی وجۂ ترجیح ہے۔ لہٰذا جہاں قیافہ شناسی سے کام لیا جاسکتا ہے وہاں قرعہ اندازی کی طرف التفات نہیں کیا جاسکتا۔

---

[۱] مصنف عبدالرزاق جلد ۷، ص ۳۵۹

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دُوسری بات یہ ہے کہ قیافہ شناسی سے انکار کرنے والے حضرات حضرت علیؓ کی قرعہ اندازی والی حدیث پر بھی تو عمل نہیں کرتے اور حضرت عمرؓ کی قیافہ والی حدیث کے مدلولات کو اختیار کرتے ہیں۔ یہ نہ اِس پر عمل کرتے ہیں نہ اُس پر۔

ہم کہتے ہیں کہ حضرت علی والی حدیث یا تو ثابت ہے یا ثابت نہیں ہے۔ اگر یہ حدیث ثابت نہیں ہے پھر تو اس مسئلہ میں کوئی اشکال نہیں۔ اور اگر یہ حدیث ثابت ہے اور واقعہ اسی طرح وقوع پذیر ہو چکا ہے تب بھی اس میں مختلف احتمالات موجود ہیں۔

اوّل :۔ اس بات کا احتمال موجود ہے کہ اس وقت اور اس جگہ قیافہ شناس کا ملنا ممکن نہ ہو ــــــــــ

ثانی :۔ یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ قیافہ شناس تو موجود ہو مگر اس پر مشابہت کے پہلو واضح نہ ہو سکے ہوں۔

ثالث :۔ ہو سکتا ہے حضرت علیؓ قیافہ شناسی کو فیصلہ کرنے کی شرعی منہج تصور نہ کرتے ہوں۔ جب اس واقعہ میں مختلف قسم کے احتمالات موجود ہوں، تب کسی ایک احتمال کے متعلق بلا دلیل جزم کے ساتھ فیصلہ کرنا دُرست نہیں۔

ہماری نظر میں اس واقعہ میں دُو اشکال ہیں۔

اوّل :۔ قرعہ اندازی سے اثباتِ نسب۔

ثانی :۔ جس شخص کے حق میں قرعہ نکلتا ہے اس پر دُو تہائی دِیت کی ادائیگی لازم کرنا۔

وہ فقہاء، جو اس حدیث کو صحیح کہتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں مثلاً بعض ظاہری فقہاء ــــــــ وہ احکام میں حکمت اور علت کی نفی کرتے ہیں اور وہ حکمت اور علت کی طرف ذرّہ بھر التفات نہیں کرتے۔ ان کا موقف یہ ہے کہ احکام میں تسلیم و اتباع کے سِوا کوئی اور چارہ نہیں۔ مگر وہ فقہاء، جو احکام میں حکمت و تعلیل کی راہ پر گامزن ہیں، کہتے ہیں کہ جب قیافہ شناسی الحاقِ نسب سے معذور ہو تو قرعہ اندازی بہر حال ضیاعِ نسب اور بچے کو اس طرح مہمل چھوڑ دینے سے بہتر ہے کہ وہ نسب سے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محروم ہو اور وہ اپنے باپ کو ڈھونڈتا پھرے۔ ایسی صورت میں اثباتِ نسب کے لئے قرعہ اندازی مناسب ترین طریق کار ہے۔ کیونکہ قرعہ اندازی بھی تو آخر ایک شرعی طریقۂ ترجیح ہے اور اسوقت استعمال کیا جاتا ہے جب ترجیح کی تمام راہیں مسدود ہو جاتی ہیں۔

جب اس کے ذریعے آزاد اور غلام کا تعین کیا جا سکتا ہے۔ جب قرعہ اندازی سے اجنبیہ سے بیوی کو ممتاز کیا جا سکتا ہے تو اس کے ذریعے صاحبِ نسب کا تعین کیسے نہیں کیا جا سکتا۔

ہمیں معلوم ہے کہ حفاظتِ نسب کا طریقِ کار حفاظتِ اموال کے طریقِ کار سے زیادہ وسیع ہے اور شارع نے حفاظتِ نسب پر خاص توجہ دی ہے۔ چنانچہ قرعہ اندازی کبھی تو حقیقی حقدار معلوم کرنے کے لئے مشروع ہے کبھی حقدار کے تعین کے لئے استعمال میں لائی جاتی ہے۔ یہاں دونوں دعویداروں میں سے ایک یقینی طور پر بچے کا باپ ہے لہذا اس کے تعین کے لئے قرعہ اندازی کو استعمال کیا جائے گا۔ جیسے اجنبیہ کے اشتباہ کے وقت بیوی کے تعین کے لئے قرعہ اندازی کی جاتی ہے۔ جس طرح قرعہ مقدّر کے لحاظ سے حق کا اثبات کرتا ہے اسی طرح شرعاً بھی اس سے حق کا اثبات ہوتا ہے۔

قرعہ اندازی کے صحیح ہونے اور اس کے شرعی اور قانونی اعتبار کے بارے میں مفصل بحث آئندہ صفحات میں آ رہی ہے۔ وہ سیر حاصل ہے۔ قرعہ اندازی کو شرعی طریقۂ ترجیح قرار دینے کے بعد اس کے ذریعے الحاقِ نسب مستبعد امر نہیں ہے۔ بلکہ ایسا نہ کرنا مستبعد ہے۔

دوسرا اشکال یہ ہے کہ جس شخص کے حق میں قرعہ نکلتا ہے اس پر دو تہائی دیت لازم آتی ہے۔ اسکی بھی ایک وجہ ہے چونکہ تینوں میں سے ہر شخص کی مجامعت حصولِ اولاد کی صلاحیت رکھتی ہے اور اس بات کا قوی امکان ہے کہ بچہ دراصل اس شخص کا ہو جس کے نام قرعہ نہیں نکلا۔ جب قرعہ ان تینوں میں سے کسی ایک کے نام کا نکل آیا تو اس نے مجامعت کرنے والے دو اشخاص کی حصولِ اولاد کی صلاحیت کو باطل کر دیا ہر شخص نے کھیتی کے حصول کی نیّت سے بیج ڈالا تھا۔ بیج ڈالنے میں سب مشترک تھے۔ جب کھیتی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان میں سے کسی ایک نے حاصل کر لی تو عدل کا تقاضا یہ ہے کہ قیمت کا دو تہائی حصہ دونوں محروم ساتھیوں کو دلایا جائے اور چونکہ دیت "بچے" کی شرعی قیمت ہے لہذا وہ اپنے ساتھیوں کے دو حصوں کی ضمان ادا کرے گا۔ کیونکہ دو تہائی دیت "بچے" کے اس دو تہائی حصے کے برابر ہے، جو اس کو اس کے ساتھیوں سے لے کر دیا گیا ہے۔ حالانکہ سبب حصول میں وہ دونوں بھی برابر شریک تھے۔

یہ فیصلہ ان بے شمار فیصلوں سے بہتر اور زیادہ صحیح ہے جنہیں یہ حضرات اپنی آراء وقیاسات سے ثابت کرتے ہیں۔

صحابہ کرام نے اسی قسم کی ایک نظیر میں قرعہ کا اعتبار کرتے ہوئے مغویہ کے بچے کی آزادی کا فیصلہ دیا ہے اور مجامعت کرنے والے پر اس کے برابر فدیہ کی ادائیگی لازم کر دی کیونکہ اس نے لونڈی کے مالک پر لونڈی سے جماع کا موقعہ گنوا دیا بنابریں لونڈی سے پیدا ہونے والے بچے کا آقا نہ بن سکا۔ چونکہ بیٹا "رق" (یعنی غلامی) میں اپنی ماں کے تابع ہوتا ہے اور اس بنا پر "بچے" کو اپنی ماں کے آقا کا غلام ہونا چاہیئے اور اسکی غلامی اس کی آزادی کے انعقاد کے سبب سے مالک کیلئے ختم ہو گئی اس لئے انہوں نے لونڈی سے جماع کرنے والے پر اس کے برابر قیمت کی ادائیگی لازم کر دی اور اسپر دیت لازم نہیں کی۔

حضرت علیؓ والی حدیث میں اصل بات یہ ہے کہ وہ شخص جس کے حق میں قرعہ لیا ہے اس نے اپنے باقی دو ساتھیوں سے ایک آزاد "بچہ" لیا ہے لہذا اسپر لازم قرار دیا گیا کہ وہ اپنے دو ساتھیوں کو دو تہائی دیت ادا کرے۔ اگر دعویدار صرف دو ہوتے تو اسے نصف دیت ادا کرنا پڑتی۔

یہ بہترین تاویل ہے۔ اگر یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے تو اسکی صحیح ترین تاویل وہ ہے جو اس کے موجبات کے مطابق ہو۔ اس کے علاوہ کوئی اور تاویل درست نہیں —— وباللہ التوفیق:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انتیسواں ضابطہ قرعہ اندازی

اس موضوع پر بقدرِ اکتفا ، بحث گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہے ہم اسکے اثبات میں دلیل دینے کے علاوہ یہ بھی بتا چکے ہیں کہ قرعہ اندازی کے ذریعے فیصلہ کرنا ان بے شمار طریقوں سے زیادہ قوی ہے جن کو ان فقہاء نے اختیار کیا ہے جو قرعہ اندازی کے ذریعے فیصلہ کرنے کو باطل قرار دیتے ہیں ۔ مثلاً جھونپڑی کے جھگڑے میں رسی کی گرہوں اور دیوار کی ملکیت کے جھگڑے میں اینٹوں کے رُخ وغیرہ کی بُنیاد پر فیصلہ کرنا ۔ فیصلہ کرنے کا یہ طریقہ اس طریقے سے بھی زیادہ قوی ہے جس کے ذریعے یہ حضرات مجرّد عقدِ نکاح سے بیوی کو "فراش" تسلیم کرتے ہیں ، درانحالیکہ میاں بیوی کا عدمِ اجتماع قطعی طور پر متحقق ہے ۔ فیصلوں کی یہ منہج تو مجرد انکارِ حلف کی بنا پر فیصلے کرنے سے بھی زیادہ قوی ہے۔

قرعہ اندازی کے جواز پر دلائل

عدالتوں میں فیصلوں کے مختلف شرعی مناہج میں قرعہ اندازی[1] بھی شامل ہے ۔ چنانچہ قرآنِ مجید میں آتا ہے : ــــــ

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ	یہ غیب کی خبریں ہیں ، جو ہم تیری طرف
نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ	وحی کرتے ہیں تو ان کے پاس موجود نہیں
لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ	تھا جب وہ جاننے کے لئے اپنے
اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ	قلم ڈال رہے تھے کہ مریم کی کفالت کون
مَرْيَمَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ	کرے گا اور تو اُسوقت بھی ان کے پاس
اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ــــــ	نہیں تھا جب وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے

(آلِ عمران - ۴۴)

---

[1] اصل کتاب میں یہ باب سب سے آخر میں ہے مگر ہم نے موضوع کی مناسبت کی اعتبار سے قرعہ اندازی کی منہج سے ملحق کر دیا ہے ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قتادہ[1] کہتے ہیں کہ مریم علیہا السلام ان کے سردار کی بیٹی تھی لہذا کاہنوں میں سے ہر ایک کی خواہش تھی کہ وہ اس کی کفالت کرے چنانچہ حضرت مریم کی کفالت کا فیصلہ کرنے کے لئے قرعہ اندازی کی گئی اور قرعہ حضرت زکریا کے نام نکل آیا۔ زکریا حضرت مریم کے بہنوئی تھے۔ لہذا انہوں نے حضرت مریم کی کفالت کی ذمہ داری قبول کر لی۔

مجاہدؒ[2] بھی اسی قسم کی تفسیر بیان کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت مریم کو مسجد میں لایا گیا اور مسجد کے تمام کاہنوں نے حضرت مریم کے لئے قرعہ اندازی میں حصہ لیا۔ وہ کاہن وحی لکھا کرتے تھے انہوں نے اپنے قلموں کے ذریعے قرعہ اندازی کی۔ آیت کا یہ مفہوم تمام اہل تفسیر کے ہاں متفق علیہ ہے۔

دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَاِنَّ یُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِیْنَ (الصافات ۱۳۹-۱۴۱)	اور بے شک یونس رسولوں میں سے تھا (وہ وقت یاد کرو) جب وہ بھاگ کر بھری ہوئی کشتی میں جا سوار ہوا پھر اس نے کشتی والوں کے ساتھ قرعہ اندازی میں حصہ لیا مگر وہ قرعہ اندازی میں مغلوب ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام نے قرعہ اندازی میں حصہ لیا اور قرعہ انہی کے نام نکلا۔

یہ ہیں اللہ تعالیٰ کے دو مکرم نبی جنہوں نے قرعہ اندازی کو استعمال کیا ائمہ اربعہ کا

---

[1] قتادہ بن دعامہ سدوسی حافظ اور ثقہ ہیں۔ ان میں تدلیس تھی۔ تمام اصحاب صحاح نے ان سے حدیث روایت کی ہے۔

[2] مجاہد بن جبر کا اصحاب تفسیر میں شمار ہوتا ہے۔ ثقہ راوی ہیں۔ تمام امت مجاہد کی امامت پر متفق ہے۔ سنہ ۱۰۴ھ میں وفات پائی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

متفقہ مسلک ہے کہ گزشتہ شریعت کی صحت اگر ثابت ہو تو وہ ہمارے لئے حجت ہے۔[1]

صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ پہلی صف میں کھڑا ہونے اور اذان دینے میں کس قدر ثواب ہے تو وہ اس ثواب کے حصول کے لئے قرعہ اندازی کیا کریں"[2]

صحیحین میں ام المؤمنین حضرت عائشہ کے حوالے سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی کسی سفر کا ارادہ فرماتے تو اپنی ازواج مطہرات کے درمیان قرعہ اندازی فرمایا کرتے تھے جس کے نام قرعہ نکلتا اس کو اپنی شریک سفر بناتے[3]

---

[1] اس مسئلہ میں علامہ آمدیؒ، فخر الاسلام علی بن محمد بزدویؒ (اصول بزدوی) علامہ محب اللہؒ اور علامہ عبد العلیؒ نے اختلاف نقل کیا ہے۔ چنانچہ علامہ آمدیؒ رقمطراز ہیں: "علماء میں اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی امت آپ کے مبعوث ہونے کے بعد گزشتہ شریعتوں پر عمل کرنے کے پابند ہیں؟ امام ابو حنیفہؒ کے اصحاب امام شافعی کے بعض اصحاب اور ایک روایت کے مطابق امام احمدؒ یہ رائے رکھتے ہیں کہ گزشتہ شریعتوں میں جو چیز بطریق وحی ثابت ہو جائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر عمل کرنے کے پابند تھے مگر ان کی تحریف شدہ کتب پر عمل کرنے کے پابند نہیں تھے۔ اشاعرہ اور معتزلہ اس سے ممانعت کے قائل ہیں اور یہی مذہب مختار ہے۔ (الاحکام فی اصول الاحکام جلد ۴ صفحہ ۱۹۰)

فواتح الرحموت میں ابوبکر باقلانیؒ اور امام رازیؒ کا بھی یہی مذہب بتایا گیا ہے (جلد ۲ صفحہ ۱۸۴)

علامہ محب اللہ صاحب "مسلم الثبوت" اس کے شارح علامہ عبد العلیؒ لکھتے ہیں:

ہمارے ہاں مختار یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی امت آپؐ کی بعثت کے بعد گزشتہ شریعتوں پر عمل کرنے کے پابند ہیں اور ان پر عمل کرنا ہم پر واجب ہے جب تک کہ اس کا منسوخ ہونا ظاہر نہیں ہوتا مگر یہ وجوب عمل اس حیثیت سے ہے کہ یہ ہمارے نبی کی شریعت ہے نہ کہ کسی اور نبی کی۔ یہ جمہور حنفیہ مالکیہ اور شافعیہ کا مسلک ہے (مسلم الثبوت مع فواتح الرحموت جلد ۲ صفحہ ۱۸۴)

[2] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۹۶، جلد ۵ صفحہ ۲۹۳ صحیح مسلم جلد ۴ صفحہ ۱۵۷

[3] صحیح بخاری جلد ۷ صفحہ ۴۳۱، جلد ۵ صفحہ ۲۹۳ صحیح مسلم جلد ۱۷ صفحہ ۱۰۳

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام مسلمؒ حضرت عمران بن حصینؓ کے واسطے سے نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی موت کے قریب اپنے تمام غلام آزاد کر دیئے جو تعداد میں کل چھ تھے، ان غلاموں کے علاوہ اس کے پاس کوئی مال نہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان غلاموں کو بلا کر ان کو تین حصّوں میں تقسیم کر دیا۔ پھر ان میں قرعہ اندازی کی اور دو کو آزاد کر دیا اور باقی چار غلاموں کو غلام رہنے دیا پھر آپؐ نے آزاد کر دینے والے شخص کو سخت الفاظ میں تنبیہ کی[۱]

صحیح بخاریؒ میں حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی قبیلہ سے مطالبہ کیا کہ وہ حلف اُٹھائیں، چنانچہ ان میں سے ہر ایک بڑھ چڑھ کر قسم اُٹھانے کے لئے تیار ہو گیا آپؐ نے حکم دیا کہ ان کے درمیان قرعہ اندازی کی جائے جس کے نام قرعہ نکلے وہی حلف اُٹھائے"[۲]

سُنن ابی داؤدؒ میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب دو اشخاص کے ذمّے حلف اٹھانا ہو اور وہ دونوں حلف اٹھانے پر تیار ہوں تو ان دونوں کے درمیان قرعہ اندازی کر لی جائے[۳]

مسند امام احمد میں یہ روایت اس طرح مذکور ہے کہ اگر دو اشخاص کو حلف پر مجبور کیا جائے یا وہ خود حلف اٹھانا پسند کریں"

مسند امام احمدؒ میں مروی ہے کہ دو اشخاص کسی متاع کے بارے میں جھگڑا لیکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان دونوں میں سے کسی کے پاس کوئی ثبوت نہ تھا۔ آپؐ نے فرمایا۔ "تم دونوں قرعہ اندازی کر لو۔ خواہ کوئی پسند کرے یا نہ کرے"[۴]

---

[۱] صحیح مسلم جلد ۱۱ صـ۱۳۹، سُنن ابی داؤد جلد ۴ صـ۵۰، سُنن ترمذی جلد ۲ صـ۲۹۰، سنن ابن ماجہ جلد ۲ صـ۷۸۵، منتقی ابن الجارود صـ۳۱۶

[۲] صحیح بخاری جلد ۵ صـ۲۸۵، صـ۲۹۲ [۳] سنن ابی داؤد جلد ۳ صـ۳۲۵ نیز صـ۳۲۶

[۴] سنن ابی داؤد جلد ۳ صـ۳۲۴ بسند امام احمد ابن ماجہ جلد ۲ صـ۷۸۶

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صحیحین[1] میں ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ روایت کرتی ہیں کہ دو شخص میراث کا ایک جھگڑا لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوئے دونوں کے پاس کوئی ثبوت نہ تھا بس دعویٰ ہی دعویٰ تھا۔ آپؐ نے فرمایا:

"میں بھی ایک بشر ہوں اور تم لوگ میرے پاس جھگڑے لے کر آتے ہو۔ اور ہوسکتا ہے تم میں سے کوئی اپنی دلیل پیش کرنے میں زیادہ چرب زبان ثابت ہو اور اسکی دلیل سُن کر اُس کے حق میں فیصلہ دے دوں۔ درایں صُورت میں نے جس شخص کو اسکے بھائی کے حق میں سے کوئی چیز دینے کا فیصلہ کردیا اور وہ اسے لے لے تو گویا میں نے اس کو آگ کا ٹکڑا کاٹ کر دیا ہے"

سُنن ابی داؤد میں آتا ہے کہ ان دونوں آدمیوں نے رونا شروع کردیا، اور دونوں ایک دُوسرے سے کہہ رہے تھے۔

"میں نے اپنا حق تجھے دیدیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا۔

"جو کچھ تم سے ہوا سو ہوچکا، اب تم اس کو آپس میں تقسیم کرلو۔ حق کا قصد کرو۔ اس پر قرعہ اندازی کرلو اور ایک دُوسرے کے لئے اس کو حلال قرار دے دو۔"[2]

یہ ہیں سُنت کی نظیریں! اور آپ دیکھ چکے ہیں کہ قرآن وسُنت قرعہ کے قانونی اعتبار پر شاہد ہیں، صحابہ کرامؓ نے ان کے مطابق فیصلے کیئے ـــــ چنانچہ امام بخاری اپنی "صحیح" میں رقمطراز ہیں:

"ذکر کیا جاتا ہے کہ بعض لوگ اذان دینے کے لئے جھگڑنے لگے۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے ان کے درمیان قرعہ اندازی کردی۔"[3]

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ صہ ۱۷۴ صحیح مسلم جلد ۲ صہ ۵

[2] سنن ابی داؤد جلد ۳ صہ ۳۲۸

[3] صحیح بخاری جلد ۲ صہ ۹۶ (تعلیقاً)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علامہ ابوبکر خلال نے قرعہ اندازی کے موضوع پر ایک پوری کتاب تصنیف کی ہے۔ یہ کتاب انکی مشہور کتاب "الجامع" میں شامل ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے قرعہ اندازی کے مقاصد بیان کیے ہیں۔

اسحاق بن ابراہیمؒ اور جعفر بن محمدؒ کی روایت کے مطابق امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے قرعہ اندازی کو جائز قرار دیا ہے۔

یعقوب بن بختان روایت کرتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل سے ایسے شخص کے متعلق سوال کیا گیا جو قرعہ اندازی کو قمار قرار دیتا ہے۔

امام احمد نے جواب میں فرمایا:

"اگر اس شخص نے قرعہ اندازی کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنی ہے تو وہ بہت ہی برا شخص ہے کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کو جوا قرار دے رہا ہے۔"

علامہ مروزیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ابوعبداللہ (امام احمد بن حنبل) سے ذکر کیا کہ ابن اکثمؒ کہتے ہیں کہ قرعہ اندازی جوا ہے۔"

انہوں نے فرمایا: "نہایت بھونڈی اور نامعقول رائے ہے۔" پھر فرمایا:

"وہ یہ بات کیونکر کہہ سکتے ہیں حالانکہ گھر کی تقسیم کے وقت قرعہ اندازی کے مطابق فیصلے کرتے ہیں۔ خواہ گھر کے حصہ دار کسی حصہ کے بارے میں راضی نہ ہوں۔[1]

اگر ایک شخص کی چار بیویاں ہوں اور اس نے ان میں سے کسی ایک کو طلاق دے دی ہو اور پانچویں سے نکاح کر لیا ہو۔ طلاق دینے والا خود بھی نہ جانتا ہو کہ اس نے ان

---

[1] مروجہ قوانین میں سوائے انتخابات کے قانون کے عدالتی فیصلہ قرعہ اندازی کے ذریعہ کرنے کی مجاز نہ ہیں۔ انتخاب میں اگر دو امیدوار برابر ووٹ حاصل کریں تو ٹاس کے ذریعہ فیصلہ کیا جاتا ہے ٹاس قرعہ اندازی کا ہی ایک طریقہ ہے

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں سے کِسی کو طلاق دی ہے۔ اس شخص کے مرنے پر ابن اکثم رح ان سب کو وارث قرار دیتے ہیں، پانچوں بیویاں عدّت گزاریں گی چنانچہ انہوں نے اس عورت کو اس کا وارث قرار دے دیا جس کو قرآن نے وارث نہیں بنایا اور اس عورت پر عدّت واجب قرار دے دی جس پر قرآن نے عدّت لازم نہیں کی۔ قرعہ اندازی سے حق ظاہر ہو جاتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس پر عمل کیا ہے۔

ابوالحارث رح کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل سے خط لکھ کر پوچھا کہ بعض لوگ قرعہ اندازی کے قانونی اعتبار کا انکار کرتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ یہ جُوا ہے اور کوئی کہتا ہے کہ یہ منسوخ ہے"۔ امام صاحب نے اپنے جواب میں تحریر فرمایا۔

"جو کوئی اسے منسوخ قرار دیتا ہے وہ جھوٹ کہتا ہے، قرعہ اندازی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت ہے۔ آپؐ سے کم از کم تین ۳ مرتبہ قرعہ اندازی ثابت ہے۔

۱۔ آپؐ نے چھ ۶ غلاموں میں سے دو ۲ کی آزادی کے بارے میں قرعہ اندازی کی۔
۲۔ جب کبھی آپؐ کسی سفر پر جانے کا ارادہ فرماتے تو ازواج مطہرات میں سے کسی ایک کو قرعہ اندازی کے ذریعے اپنی شریکِ سفر بنانے کا ارادہ فرمایا کرتے تھے۔
۳۔ آپؐ نے ان دو ۲ اشخاص کے بارے میں قرعہ اندازی کے ذریعے فیصلہ فرمایا جو ایک مولیشی کے سلسلے میں اپنا حق ایک دوسرے کو دینے کی کوشش کر رہے تھے۔

نیز قرآن مجید میں قرعہ اندازی کا ذکر دو ۲ مقامات پر آیا ہے۔ میں (ابنِ قیم رح) کہتا ہوں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی مراد یہ ہے کہ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم نے ذاتی طور پر تین ۳ موقعوں پر قرعہ اندازی کی ہے ورنہ احادیث اس سے زیادہ ہیں جو قرعہ اندازی کے جواز پر دلالت کرتی ہیں جیسا کہ گزشتہ صفحات میں ان کا ذکر گزر چکا ہے۔

امام احمد رح فرماتے ہیں۔ "جب گھر یا اراضی وغیرہ کی تقسیم ہوتی ہے تو وہ خود کہتے ہیں کہ حِصّہ داروں کے درمیان قرعہ اندازی کر لو جس کے نام قرعہ نکل آئے تو اس قرعہ کے ذریعے جو حق اس کے حِصّہ میں آئے اس کو دیدو اور اس کو قبول کر لینے پر اسے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مجبور کر دے[1]

اثرمؒ کہتے ہیں۔" امام احمد بن حنبل نے قرعہ کا ذکر کیا ہے اس سے استدلال کیا ہے اور اس کی توضیح فرمائی ہے اور فرمایا۔" بعض لوگ قرعہ اندازی کو قمار تصوّر کرتے ہیں۔ یہ لوگ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے مروی (کم از کم) پانچ احادیث سے بے بہرہ ہیں ——

اثرمؒ کہتے ہیں۔" میں نے امام محمدؒ سے کفن کے سلسلے میں حضرت زبیرؓ والی حدیث روایت کی۔ انہوں نے پوچھا۔

" ابوالزنادؒ والی حدیث ——؟"

میں نے عرض کی —— " جی ہاں۔"

امام احمدؒ نے فرمایا۔" ابوالزناد کہتے ہیں کہ لوگ نہایت بھونڈے انداز میں قرعہ اندازی کے متعلق باتیں کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں قرعہ اندازی کا دو مرتبہ ذکر کیا ہے۔"

حنبلؒ کہتے ہیں۔" میں نے قرآن کریم کی آیت " فَسَاهَمَ فَكَانَ الْمُدْحَضِينَ. کے متعلق امام احمد بن حنبل سے سنا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے قرعہ اندازی کی اور قرعہ ان کے نام کا نکل آیا۔"

---

[1] مروّجہ قوانین میں فریقین کسی امرِ متنازعہ کا فیصلہ اگر قرعہ اندازی کے ذریعے کرنے پر اتفاق کرلیں تو ایسے متنازعہ امر کا فیصلہ بذریعہ قرعہ اندازی کر دیا جاتا ہے۔ اگر فریقین راضی نہ ہوں تو عدالت فیصلہ ثبوت پیش کردہ پر صادر کرنے کی پابند ہے۔ اور اگر ثبوت صفحۂ مثل پر موجود نہ ہو تو مدعی کا دعویٰ خارج ہو جاتا ہے عدم ثبوت کی بناء پر۔ پاکستان میں عدالتیں ان معاملات میں جن کا ذکر احادیثِ مبارکہ میں آیا ہے یا جن امُور کے فیصلہ میں ائمہ کرام نے قرعہ اندازی سے استفادہ کیا۔ قرعہ اندازی سے استفادہ کرسکتی ہیں۔ آجکل بھی گھریلو اراضی کی تقسیم میں جب حقوق فریقین ایک جیسے ہوں تو قرعہ اندازی کا سہارا لیا جاتا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حنبلؒ کہتے ہیں کہ میں نے امام احمدؒ سے سنا ہے فرماتے تھے "قرعہ اندازی اللہ کے رسول کا فیصلہ ہے جس نے قرعہ اندازی کی قانونی حیثیت کو رد کیا اس نے درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل اور آپ کے فیصلے کو رد کیا ہے۔ پھر جناب امام رح نے فرمایا:

"سبحان اللہ! کون ہے جسے یہ معلوم ہو کہ اللہ کے رسولؐ نے اس طرح فیصلہ کیا ہے اور پھر وہ اس کے خلاف فتویٰ دے؟ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (الحشر۔ ۷)

رسول جو کچھ تمہیں دے اسے لے لو اور جس چیز سے روک دے اس سے رک جاؤ۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ (النساء ۵۹ المائدہ۔۹۲)

اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو۔

حنبل کہتے ہیں۔ "عبداللہ بن زبیر حمیدی کا قول ہے کہ جس نے قرعہ اندازی کے خلاف رائے دی اس نے درحقیقت سنتِ رسول کی مخالفت کی ہے۔ آپؐ نے اور آپؐ کے بعد صحابہ کرامؓ نے قرعہ اندازی کی بنیاد پر فیصلے کئے ہیں۔"

میمونیؒ کی روایت کے مطابق امام احمدؒ نے فرمایا:

"قرعہ اندازی کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچ احادیث روایت کی گئی ہیں۔

اوّل:۔ حضرت ام سلمہؓ کی حدیث جس میں بیان کیا گیا ہے کہ کچھ لوگ کسی میراث کے بارے میں اور کچھ دیگر اشیاء کے بارے میں آپؐ کے پاس حاضر ہوئے آپؐ نے ان کے درمیان قرعہ اندازی کی۔

ثانیؔ:۔ حضرت ابوہریرہ روایت کرتے ہیں کہ دو شخص ایک مویشی کے بارے میں بات کو ایک دوسرے پر ڈالنے کی کوشش کر رہے تھے۔ آپؐ نے ان کے درمیان

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرعہ اندازی کی
ثالثؔ: چھ غلاموں والی حدیث ۔
رابعؔ: ۔ وہ حدیث جس میں بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات میں سے کسی ایک کو سفر پر ساتھ لے جانے کے لئے قرعہ اندازی کیا کرتے تھے ۔
خامسؔ: ۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے قرعہ اندازی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اصحاب گرامی کے عمل کا بھی ذکر کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور سعید بن المسیبؒ قرعہ اندازی پر عمل کیا کرتے تھے ۔ امام احمدؒ نے اس مسئلہ میں اصحاب رائے اور قرعہ اندازی کے رد کرنے میں ان کے نظریات پر تعجب کا اظہار بھی کیا ہے ۔

میمونیؒ کہتے ہیں کہ امام ابو عُبَید قاسم بن سلام رحمۃ اللہ علیہ نے قرعہ اندازی کی قانونی حیثیت کے بارے میں مذاکرہ کرتے ہوئے مجھ سے فرمایا ۔

"میری رائے ہے کہ قرعہ اندازی امور نبوت میں سے ہے" پھر انہوں نے قرآن مجید قرآن مجید کی آیات کریمہ ۔ " إِذْ يُلْقُونَ أَقْلَامَهُمْ أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ــــــ اور فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِينَ ۔ کا ذکر کیا ۔

فضل بن عبدالصمدؒ کی روایت کے مطابق امام احمد بن حنبل نے فرمایا :
"قرعہ اندازی کا ذکر قرآن مجید میں بھی آتا ہے اور جو لوگ قرعہ اندازی کو جوا قرار دیتے ہیں ، وہ جاہل ہیں" ۔

مروذیؒ کی روایت کے مطابق امام احمد بن حنبلؒ نے عروہ بن زبیرؒ کی حدیث بیان کی ۔ عروہؒ کہتے ہیں کہ میرے والد حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھے بتایا کہ غزوۂ احد کے روز ایک عورت بھاگتی ہوئی آئی ، قریب تھا کہ وہ اُحُد کے مقتولین کی لاشوں تک پہنچ جاتی مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند نہ فرمایا کہ وہ شہداء کی لاشوں کو دیکھے ۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا : " دیکھنا وہ عورت شہداء کی لاشوں کے قریب

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہ آنے پائے " ـــــ زبیرؓ کہتے ہیں کہ میں نے گمان کیا کہ یہ تو میری والدہ صفیہؓ ہیں چنانچہ میں جلدی سے نکلا اور حضرت صفیہؓ رضی اللہ عنہا کو شہدار کی لاشوں تک پہنچنے سے پہلے جا لیا۔ انہوں نے میرے سینے پر ہاتھ مار کر مجھے پیچھے ہٹا دیا۔ وہ سخت خاتون تھیں بولیں ـــــ "چل دُور ہٹ! تیری ماں نہ رہے۔"

زُبیرؓ کہتے ہیں کہ میں نے کہا ـــــ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے متعلق یہی حکم دیا ہے " ـــــ چنانچہ صفیہؓ وہاں سے لوٹ آئیں۔ پھر انہوں نے اپنے پاس سے دو کپڑے نکال دیئے اور کہا کہ دو کپڑے میں اپنے بھائی حمزہؓ کے کفن کے لئے لائی ہوں مجھے اُنکی شہادت کی خبر مل چکی ہے انہیں ان کپڑوں میں کفنا دو۔"

زبیرؓ کہتے ہیں کہ میں وہ دونوں کپڑے لے آیا تاکہ ان میں حضرت حمزہؓ کو کفنا دیا جائے مگر دیکھا تو وہاں حضرت حمزہؓ کے پہلو میں ایک انصاری بھی شہید ہوا پڑا تھا اس کی لاش کا بھی اِسی طرح مثلہ کیا ہوا تھا جس طرح حضرت حمزہ کا۔ ہمیں یہ بات اچھی نہ لگی کہ ہم حضرت حمزہ کو تو دو کپڑوں میں دفنائیں اور اس انصاری شہید پر ایک بھی کپڑا نہ ہو۔ چنانچہ ہم نے کہا ایک کپڑے میں حضرت حمزہ کو کفنا دو اور دُوسرے کپڑے میں انصاری کو، ہم نے اندازہ کیا کہ ان میں سے ایک کپڑا قدرے بڑا تھا۔ ہم نے دونوں کپڑوں پر قرعہ اندازی کی اور اس قرعہ اندازی کے مطابق دونوں شہیدوں کو ان کپڑوں میں کفنا دیا"۔ [۱]

صالحؒ کی رِوایت کے مطابق امام احمدؒ نے فرمایا:

"حضرت زید بن ارقمؓ والی حدیث مختلف فیہ ہے"

○

---

[۱] مسند امام احمدؒ جلد ۲ صـ۱ حدیث رقم ۱۴۱۸

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرعہ اندازی کی کیفیت

علّامہ خلّال رح ابوالنصر رح کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل رح قرعہ اندازی کا وہ طریقہ پسند کرتے تھے جو حضرت سعید بن المسیب رح سے مروی ہے یعنی قرعہ اندازی کرنے والا قرعہ اندازی میں شریک تمام افراد کی انگوٹھیاں لے کر اپنی آستین میں ڈال لے پھر ان میں سے جس کی انگوٹھی پہلے نکل آئے قرعہ اُسی کے نام کا ہے۔

ابوداؤد رح کہتے ہیں۔ "میں نے امام احمد رح سے عرض کی کہ لوگ کاغذ کی پرچیوں کے ذریعے قرعہ اندازی کیا کرتے ہیں۔"

امام صاحب نے جواب میں فرمایا: "خواہ کاغذ کی پرچیوں کے ذریعے قرعہ اندازی کر لی جائے یا انگوٹھیوں کے ذریعے۔" [1]

ابن منصور رح کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد رح سے عرض کی کہ قرعہ اندازی کیسے کی جائے۔ انہوں نے فرمایا "انگوٹھی یا کسی اور چیز کے ذریعے۔"

قرعہ اندازی کی کیفیت کے بارے میں امام اسحاق بن راہویہ رح فرماتے ہیں۔ "تیر کی طرح کی دو لکڑیاں لیکر ایک پر "غلام" اور دوسرے پر "آزاد" لکھ دیا جائے (پھر ان کے ذریعہ قرعہ نکالا جائے)

مہنا کی روایت کے مطابق امام احمد بن حنبل سے بھی اسی طرح کا ایک قول منقول ہے۔

بکر بن محمد اپنے والد کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل سے قرعہ اندازی کی کیفیت کے بارے میں پوچھا گیا۔ امام صاحب نے جواب میں فرمایا:

"انگوٹھی پھینک کر۔"

حضرت سعید بن جبیر رح سے مروی ہے کہ اگر مٹی وغیرہ میں کوئی چیز چھپا کر قرعہ اندازی کی جائے یا کوئی ایسی علامت جسے اس کا ساتھی ہو تو یہ بھی جائز ہے۔

---

[1] المغنی جلد ۱۰ ص ۴۱۹

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اثرمؒ کہتے ہیں کہ میں نے امام احمدؒ سے عرض کی کہ قرعہ اندازی کیسے کی جائے؟ فرمانے لگے: [۱]

"سعید بن جبیرؒ انگوٹھیوں کے ذریعے قرعہ اندازی کیا کرتے تھے۔ انہوں نے ایک کپڑے کے بارے میں دو آدمیوں کے درمیان قرعہ اندازی کی۔ پہلے ایک آدمی کی انگوٹھی نکلی پھر دُوسرے کی۔"

امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا "(قرعہ اندازی میں شریک) سب لوگ اپنی اپنی انگوٹھیاں اُتار کر ایک شخص کو دیدیں پھر ان میں سے ایک انگوٹھی نکال لی جائے۔ میں نے عرض کی۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ تو فرماتے ہیں کہ کاغذ کی پرچیوں پر لکھ کر مٹی میں چُھپا دیا جائے"۔

امام احمدؒ نے فرمایا: "ہاں! یہ بھی ٹھیک ہے۔"

امام احمدؒ سے کہا گیا: "قرعہ تو اس طرح ہوتا ہے"۔ (اس شخص نے تین انگلیاں دکھا کر ان کو بند کیا پھر ان کو کھولا)۔

امام احمدؒ نے فرمایا: "قرعہ اندازی کا یہ طریقہ صحیح نہیں ہے۔"

مہناؒ کہتے ہیں: "میں نے امام احمدؒ سے عرض کی کہ قرعہ اندازی کیسے کی جائے میں نے اپنی انگلیوں سے اشارہ کرتے ہوئے کہا:

"ایسے ہی ہے ناکہ اس کو نکالا جائے؟"

امام احمدؒ نے جواب میں فرمایا ——— "ہاں"

قرعہ اندازی کہاں جائز ہے؟

مسئلہ: اسحاق کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے پُوچھا کہ کیا وہ غلاموں کی آزادی کے بارے میں حضرت عمران بن حُصین کی حدیث پر عمل کرتے ہیں؟

اُنہوں نے جواب میں فرمایا ——— "ہاں!"

پھر فرمایا: "عام طور پر کہا جاتا ہے کہ مرض کی حالت میں غلاموں کو آزاد

[۱] المغنی جلد ۱۰ ص ۴۱۹

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرنا وصیت ہے کہ ہر غلام انفرادی طور پر آزاد ہے۔ اگر اس میں تمام غلاموں کا بیک وقت آزاد ہونا ممکن نہ ہو تو جتنے حصے کی آزادی ممکن ہو اتنا حصہ آزاد ہو جائے گا مثلاً اگر اس کا تمام مال صرف ایک غلام پر مشتمل ہو اور وہ اس کو آزاد کرنے کی وصیت کر دے تو اس میں سے صرف ایک تہائی آزاد ہو گا۔

کہا جاتا ہے کہ یہی وہ قیاس فاسد ہے جس کی بنا پر سنتِ صحیحہ وصریحہ کو رد کیا جاتا ہے۔

دونوں صورتوں کے درمیان واضح فرق ہے جسے ملحوظ رکھنا چاہیئے ایک غلام کی صورت میں تو غلام کی ایک تہائی حصہ میں آزادی جاری کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں لیکن اگر غلام زیادہ ہوں تو بعض غلاموں میں، جن کی تعداد غلاموں کی کل تعداد کی ایک تہائی کے برابر ہو آزادی کی تکمیل ممکن ہے اور یہ اس سے بہتر ہے کہ اس آزادی کو تمام غلاموں پر تقسیم کر کے اس کو ناقص کر دیا جائے کیونکہ مریض کی نیت تو یہ تھی کہ تمام مکمل طور پر آزاد ہو جائیں مگر ورثاء کا حق اس آزادی کی تکمیل سے مانع ہے۔ لہٰذا بعض غلاموں کی مکمل آزادی، آزاد کرنے والے اور شارع کے مقاصد کے عین مطابق ہے۔ کیونکہ شارع ناقص آزادی کی بجائے کامل آزادی کا خواہش مند ہے اور تمام غلاموں میں آزادی کی تکمیل ورثاء کے لئے باعثِ ضرر ہوگی لہٰذا ایک تہائی غلاموں کی کامل آزادی، آزاد کرنے والے، ورثاء اور غلاموں کی مصلحت کے عین مطابق ہے اس سے صرف نظر کرنا جائز نہیں۔

قیاس صحیح اور اصول شریعت اس حدیث کی صحت کی تائید کرتے ہیں، بنا بریں اس حدیث کی مخالفت کرنا درحقیقت نص اور قیاس کی مخالفت ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ چھے غلاموں میں سے ہر غلام ایک تہائی حصہ کی آزادی کا مستحق ہے لہٰذا اس کا ابطال آزادی کے استحقاق کا ابطال ہے ___ تو اس کا جواب ہے کہ یہ صورت اس طرح نہیں جس طرح کہ معترض کی طرف سے بتائی جا رہی ہے بلکہ آزادی کا استحقاق تمام غلاموں کی ایک تہائی میں ہے اور یہ استحقاق اس

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو خود شارع نے تملیک کیا ہے۔ تب صورت یہ ہو گی کہ گویا اس نے ایک تہائی غلاموں کی وصیت کی تھی اور یہی وہ استحقاق ہے جس کا وہ مالک ہے اور جس چیز کا وہ مالک نہیں اس میں تصرف کرنا لغو اور باطل ہے اور اگر شارع تمام غلاموں کی آزادی کو جائز قرار نہیں دیتا تو آزاد کرنے والے کا ایک تہائی سے زیادہ میں تصرف اور عدم تصرف برابر ہے۔ جب حکم یہ ہو کہ آزاد کرنیوالا صرف ایک تہائی کو آزاد کرنے کی وصیت کر سکتا ہے تو اس تہائی کا تعین ہم قرعہ اندازی کے ذریعے کریں گے۔ بتایئے! اس سے زیادہ صحیح اور واضح کونسا قیاس ہو سکتا ہے؟

چھ غلاموں والی حدیث پر تنقید :

ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے حدیث کا دارومدار حسن بصریؒ پر ہے حسن بصریؒ عمران بن حُصَین رضؓ سے کرتے ہیں مگر میمونیؒ کی روایت کے مطابق امام احمد کا قول ہے کہ عمران بن حُصَین رضؓ سے حسن کی ملاقات ثابت نہیں۔ مہناؒ کہتے ہیں کہ میں نے امام احمدؒ سے حسن بصریؒ والی اِس حدیث کے متعلق پوچھا جس میں حسن بصری کہتے ہیں "حَدَّثنی عمرانُ بن حُصَین" ___ تو امام احمد نے فرمایا "یہ صحیح نہیں عمران بن حصین رضؓ اور حسن کے درمیان ہیاج بن عمران بن فُضَیل تمیمی بُرْجُمی کا واسطہ ہے۔ امام احمد کے فرزند عبداللہ بن احمد کہتے ہیں کہ مجھے اپنے والدِ محترم کی کتاب میں ان کے اپنے ہاتھ سے لکھی ہوئی یہ سند ملی ہے۔

حدثنا معاذ بن معاذ عن محمد بن سیرین عن خالد الحذاء عن ابی قلابة عن ابی المهلَّب عن عمران بن حُصَین۔

اس سند کے بعد قرعہ والی حدیث ہے

علّامہ مروذیؒ راوی ہیں کہ امام احمد بن حنبل ابو المہلب والی حدیث کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا "حسنؒ عمران بن حصین رضؓ سے حدیث روایت کرتے ہیں مگر انہوں نے حضرت عمران رضؓ سے حدیث سماعت نہیں کی۔ اہلِ علم کہتے ہیں کہ حسن رضؓ نے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ حدیث ابوالمہلب کی کتاب سے اخذ کی ہے" ____ اور یہ چیز حدیث کی صحت میں قادح نہیں کیونکہ ابوالمہلبؒ نے عمران بن حُصینؓ سے یہ حدیث روایت کی ہے چنانچہ ابوبکر ابن ابی شیبہؒ اور زھیر بن حربؒ کہتے ہیں حدّثنا اسماعیل ____ یعنی اسماعیل بن عُلیّۃ ____ عن ایوب عن ابی قلابۃ عن ابی المھلب عن عمران بن حصین اور اس سند کے بعد چھ غلاموں والی حدیث بیان کرتے ہیں۔

امام مسلمؒ یہ حدیث اس سند سے روایت کرتے ہیں۔

حدّثنا محمد بن المنھال الضریر و احمد بن عبدۃ قالا حدّثنا یزید بن زُریع حدثنا ھشام بن حسان عن محمد بن سیرین عن عمران بن حصین ____ اس کے بعد وہی حدیث نقل کرتے ہیں جو اسماعیل بن عُلیّہؒ اور حماد نے نقل کی ہے۔

یہ ہیں وہ تین راوی جو اس حدیث کو عمران بن حُصین سے نقل کرتے ہیں یعنی محمد بن سیرینؒ، ابوالمہلبؒ، اور حسن بصریؒ اور حضرت حسن بصری کے متعلق زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے یہ حدیث ابن سیرینؒ اور ابوالمہلبؒ دونوں میں سے کسی ایک سے سنی ہوگی۔

امام احمد بن حنبلؒ کے فرزند عبداللہ بن احمدؒ کہتے ہیں کہ امام احمدؒ نے فرمایا ہے "مجھے بتایا گیا ہے کہ ہمّام کی کتاب میں یہ سند یوں مذکور ہے۔

عن قتادۃ عن الحسن قال: حدّثنا عمرو بن معاویۃ ابوالمھلب،

پھر آگے قرعہ والی حدیث ہے۔

علّامہ خلال کہتے ہیں: اخبرنی العباس بن محمد بن احمد بن عبد الکریم حدّثنا جعفر الطیالسی قال۔ قال یحیٰی عن الحسن حدثنا عمران بن حُصین اگر حسن بصری نے حضرت عمران بن حصین سے حدیث نہیں سنی تو ان کا "حدّثنا" کہنا بمنزلہ "حدّثنا اھل بلدنا" (یعنی ہمارے شہر کے علماء ہم سے یہ حدیث بیان کرتے ہیں) ہوگا کیونکہ یہ حدیث ان کے شہر میں شہرت یافتہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھی۔ لہذا اسی نسبت سے اُنھوں نے "حَدَّثَنَا" کہہ دیا۔
دَجّال والی حدیث میں اس کی نظیر ملتی ہے۔ دَجّال کا قاتل دجّال کو قتل کرتے وقت کہے گا انت الدَّجّال الذی حدَّثَنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیثہٗ ـــــ یعنی تو ہی وہ دجّال ہے جس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتایا ہے[۱]
عمران بن حُصین رضی اللہ عنہ والی حدیث جو حسن بصری رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں اس کے متعلق امام احمد بن حنبل کا تبصرہ (کہ "یہ حدیث صحیح نہیں ہے") یہ مفہوم رکھتا ہے کہ حسن بصری رحمہ اللہ کی حضرت عمران رضی اللہ عنہ سے سماعت حدیث صحیح نہیں کیونکہ مہنا رحمہ اللہ نے بھی تو امام صاحب سے اسی چیز کے متعلق سوال کیا تھا۔ ورنہ دیگر سندوں سے عمران بن حصین رضی اللہ عنہ والی یہ حدیث صحیح اور ثابت ہے۔
خلّال کہتے ہیں: اَنبأنا ابو بکر المروذی حَدَّثنا وھب بن بقیۃ حدثنا خالد الطحاوی عن خالد یعنی خالد الحذّاء عن ابی زید۔
اور اس حدیث کا متن یہ ہے کہ انصار میں سے ایک شخص نے اپنی موت کے قریب اپنے تمام غلام جو تعداد میں چھ تھے آزاد کر دیئے ان غلاموں کے علاوہ اس کا کوئی مال نہ تھا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حصّے بنا دیئے اور پھر ان میں قرعہ اندازی کی اور ان میں سے دو کو آزاد کر دیا باقی چار کو غلام رہنے دیا۔
مروذی رحمہ اللہ کی روایت کے مطابق امام احمد نے فرمایا:
"ہمارا خیال ہے اس حدیث کو ہُشیم کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کیا۔"
امام احمد فرماتے ہیں۔ "ابو زید رضی اللہ عنہ انصاری تھے اور صحابی تھے۔" امام احمد فرماتے ہیں۔ "ہم نے اس حدیث کو ھُشیم سے لکھا ہے اور میرا بھی یہی مذہب ہے۔"
چنانچہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ یہ حدیث اس سند سے روایت کرتے ہیں:

---

[۱] صحیح بخاری جلد ۱۳ ص۱۰۱، صحیح مسلم جلد ۱۸ ص۷۱

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حدثنا شریح بن نعمان حدثنا ھشیم قال حدثنا خالد حدثنا ابو قلابۃ عن ابی زید الانصاری عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم

مسئلہ: جب کوئی شخص اپنے غلاموں میں سے ایک غلام کو آزاد کر دیتا ہے مگر اسے یاد نہیں رہتا کہ اس نے کس غلام کو آزاد کیا ہے۔ یا اس نے اپنی بیویوں میں سے ایک بیوی کو طلاق دیدی مگر اسے یاد نہ رہا کہ اس نے کون سی بیوی کو طلاق دی ہے۔ اس مقام پر قرعہ اندازی کے ذریعے آزاد شدہ غلام اور مطلقہ بیوی کا تعیّن کرنا جائز ہے۔

میمونی کی روایت کے مطابق امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں "اگر یہ شخص قرعہ اندازی کے ذریعے آزاد شدہ غلام اور مطلقہ بیوی کے تعیّن سے قبل مر جائے تو اس کا ولی اس کا قائم مقام ہوگا۔ اور ان میں قرعہ اندازی کرے جس کے نام قرعہ نکلے گا اس پر طلاق واقع ہو جائے گی[1]

ابو بکر بن محمدؒ اپنے والد کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے امام احمدؒ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس نے اپنے دوٗ غلاموں میں سے ایک کو آزاد کر دیا اور اس کے بعد وہ وفات پا گیا۔ ورثاء کو علم نہیں تھا کہ مرنے والے نے کون سے غلام کو آزادی عطا کی تھی (امام صاحب نے جواب دیا کہ) ان دونوں کے درمیان قرعہ اندازی ہوگی۔

حنبل رحمہ کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل سے سنا ہے انہوں نے فرمایا جب کوئی شخص کہتا ہے کہ میرے غلاموں میں سے ایک غلام آزاد ہے پھر اس کے بعد وہ مر جاتا ہے اور یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس نے کس کو آزاد کیا ہے۔ اس صورت میں غلاموں کے درمیان قرعہ اندازی ہوگی اور جس کے نام قرعہ نکل آئے گا وہ آزاد ہو جائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے بارے میں یہی طرزِ عمل اختیار کیا تھا جس نے اپنے تمام غلاموں کو آزاد کر دیا تھا اور انکی تعداد چھٓ تھی۔

---

[1] المغنی جلد، ص ۴۳۹

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مہنا ؒ کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد سے اس شخص کے بارے میں پوچھا جو اپنی دو بیویوں میں سے ایک بیوی کو طلاق دیدیتا ہے یا دو غلاموں میں سے ایک غلام کو آزاد کر دیتا ہے پھر اختلاف واقع ہو جاتا ہے کہ اس نے کس کو طلاق دی یا کس کو آزاد کیا آپ کی رائے میں ان کے درمیان قرعہ اندازی ہوگی؟"

اُنہوں نے فرمایا ــــــ "ہاں"

میں نے عرض کی۔ "کیا آپ طلاق کے معاملے میں بھی قرعہ اندازی کو جائز قرار دیتے ہیں ــــــ؟"

انہوں نے جواب میں فرمایا ــــــ "ہاں"

میمونی ؒ کی روایت کے مطابق امام احمد بن حنبل نے اس شخص کے بارے میں جس کی چار بیویاں تھیں اور اس نے ایک بیوی کو طلاق دیدی مگر اسے یاد نہ رہا کہ اُس نے کس کو طلاق دی ہے ــــــ یہ فتویٰ دیا کہ وہ مطلقہ کو متعین کرنے کے لئے قرعہ اندازی کرے گا[1]۔ غلاموں میں بھی قرعہ اندازی کی جائے گی۔ اگر قرعہ ان چاروں میں سے کسی ایک بیوی کے نام نکل آتا ہے پھر اس کو یاد آجاتا ہے کہ اس نے کس کو طلاق دی ہے اس صورت میں وہ قرعہ والی عورت سے رجوع کرے گا اور طلاق اس بیوی پر واقع ہوگی جس کی طلاق اسے یاد آگئی ہے۔ اگر قرعہ والی عورت نے آگے نکاح کر لیا ہو تو ایسا امر ہے جو واقع ہو چکا ہے اگر حاکم نے ان کے درمیان قرعہ اندازی کی ہے تو وہ کسی کے ساتھ رجوع نہیں کر سکتا۔"[2]

ابوالحارث امام احمد ؒ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص کی چار بیویاں تھیں اس نے ان میں سے ایک کو طلاق دے دی مگر کسی مخصوص بیوی کو طلاق دینے کی نیت نہ تھی اس صورت میں انکے درمیان قرعہ اندازی ہوگی ــــــ اور جس کے نام قرعہ نکل آئے گا وہ مطلقہ شمار ہوگی۔ اسی طرح اگر وہ کسی معینہ بیوی کو طلاق دینے کے بعد بھول گیا تب بھی اسکی چاروں بیویوں کے درمیان قرعہ اندازی ہوگی۔ امام احمد بن حنبل

---

[1] المغنی جلد ، ص۴۲۴ [2] المغنی جلد ، ص۴۲۵

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرعہ اندازی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی سُنّت ہے اور قرآن مجید میں بھی قرعہ اندازی کا ذکر آیا ہے۔

امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ ان کے درمیان قرعہ اندازی نہیں کی جائے گی بلکہ جب چاروں میں سے کسی غیر معیّن بیوی کو طلاق دی گئی ہے تو خاوند کو اختیار حاصل ہے کہ جس کو چاہے طلاق دے دے[1] اگر اس نے کسی معیّن بیوی کو طلاق دی ہے مگر اسے یاد نہیں رہا کہ اس نے کسے طلاق دی ہے تو اس صورت میں وہ توقّف کرے یہاں تک کہ اسے مطلّقہ بیوی یاد آ جائے اور یہ طلاق کسی ایک پر واقع کرنے کا وہ اختیار نہیں رکھتا۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ تمام بیویوں پر طلاق واقع ہو جائے گی۔[2]

قرعہ اندازی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بھی یہی مذہب[3] ہے۔ امام وکیعؒ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص کی چار بیویاں تھیں اس نے ان میں سے ایک کو طلاق دیدی اور اسے یاد نہ رہا کہ اس نے کس کو طلاق دی۔ حضرت علیؓ نے ان کے درمیان قرعہ اندازی کی۔

اس مسئلہ میں چار اقوال ملتے ہیں ان میں سے تین اقوال پر تو فقہاء کا عمل ہے۔ مگر چوتھے قول کے متعلق ہمیں معلوم نہیں کہ اس کا قائل کون ہے۔

پہلا قول: مُبہمہ کا تعین ضروری ہے۔ اگر طلاق دینے والا بھول گیا ہے کہ اس نے کونسی بیوی کو طلاق دی ہے تو تمام بیویوں کے بارے میں توقف کرلیگا۔ اور زندگی بھر ان سے علیحدہ رہے گا حتیٰ کہ اُسے یاد آ جائے کہ اُس نے کس کو طلاق دی ہے۔

---

[1] المغنی جلد، ص۴۲۴ [2] المغنی جلد، ص۴۲۴
[3] المغنی جلد، ص۴۲۶

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ مسلک انتہائی حرج آمیز اور بیویوں کے لئے بے حد ضرر رساں ہے۔ نیز یہ مسلک اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے منافی ہے۔

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ۔ — اللہ تعالیٰ نے تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی ——

———— (الحج - ۷۸)

نیز یہ قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے منافی ہے۔

لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ [1] — نہ خود کسی کو ضرر پہنچایا جائے نہ کسی کے ضرر کے بدلے میں اسکو ضرر پہنچایا جائے۔

اس سے زیادہ تنگی اور حرج اور اس سے زیادہ ضرر اور کیا ہو سکتا ہے؟

دوسرا قول: تمام بیویوں پر طلاق واقع ہو جائے گی، حالانکہ طلاق دینے والے کو پورا یقین ہے کہ اس نے طلاق صرف ایک بیوی کو دی ہے۔ اس قطعی یقین کے باوجود کہ اس نے صرف ایک بیوی کو طلاق دی ہے تمام بیویوں پر طلاق کے وقوع کو اصول شریعت اور اس کے دلائل رد کرتے ہیں

تیسرا قول: کسی پر بھی طلاق واقع نہیں ہوگی۔ کیونکہ نکاح کا ثبوت تو امر یقینی ہے۔ اور ان میں سے ہر بیوی کے یہ بات مشکوک ہے کہ وہ مطلقہ ہے۔ اور اس شک کی بنا پر طلاق واقع نہیں ہوگی اور یہ بھی ممکن نہیں کہ ان میں سے کسی ایک پر طلاق واقع ہو۔ کیونکہ ان میں کوئی طلاق کے لئے "اولیٰ" کے زمرے میں نہیں آتی۔ کبھی کبھار ایسا ہونا بھی ممکن ہے کہ قرعہ اس بیوی کے نام نکل آئے۔ جس کو درحقیقت طلاق نہیں دی گئی جس طرح یہ ممکن ہے کہ حقیقی مطلقہ کے نام قرعہ نکل آئے ———— اس سے یہ ہوگا کہ طلاق دینے والا اپنی بیوی کو خود پر حرام کرے گا اور اجنبیہ کو حرام ٹھہرا لے گا۔

---

[1] سنن ابن ماجہ جلد ۲ صـ۷۸۴

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جب ان تمام اقسام کا ابطال واضح ہو گیا تو مسئلہ کی صورت یہ ہوگی کہ ہر بیوی کا نکاح اُس وقت تک باقی رہے گا جب تک واضح نہیں ہو جاتا کہ اُن میں سے کون سی بیوی مطلقہ ہے اور جب ان کا نکاح باقی ہے تو اس نکاح کے احکام بھی باقی رہیں گے کہ نکاح تو باقی رہے اور ہم بستری ہمیشہ کے لئے حرام ٹھہر جائے تو اسکی کوئی وجہ نہیں یہ مسلک اور تمام بیویوں پر طلاق واقع ہونے والا مسلک ایک دوسرے کے مقابل ہیں اور دونوں کے دلائل بھی تقریباً مساوی ہیں۔ تمام بیویوں پر طلاق واقع کر دینے میں احتیاط کا کونسا پہلو ہے۔ کیونکہ یہ تو محض شک کی بنا پر خاوند پر اس بیوی کو حرام ٹھہرایا جا رہا ہے اور محض شک کی بنا پر فرج حرام کو مباح کہا جا رہا ہے۔

قرعہ اندازی کے قائل اہل علم کا موقف یہ ہے:

اللہ تعالیٰ نے کتاب مبین میں قرعہ اندازی کو فیصلے کی شرعی منہج قرار دیا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل کر کے بھی دکھایا ہے۔ نیز اس پر عمل کرنے کا حکم بھی دیا ہے۔ بعینہٖ اسی قسم کے ایک مقدمے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے قرعہ اندازی کے ذریعے فیصلہ کیا ہے۔ اس قول کے علاوہ دیگر اقوال کو شریعت کے اصول اور قواعد رد کرتے ہیں۔

تمام بیویوں پر طلاق واقع کرنا درانحالیکہ طلاق دینے والا یقینی طور پر جانتا ہے کہ اس نے صرف ایک بیوی کو طلاق دی ہے درحقیقت غیر مطلقہ کو طلاق دینا ہے اسکی نظیر یہ ہے کہ اگر طلاق دینے والے کو یقین نہیں کہ اس نے ایک طلاق دی ہے یا تین ـــــ جبکہ تین طلاق دینا جائز ہو ـــــ تو اس کے لئے یقینی حد تک طلاق کے عدد کو پورا کرنا جائز ہے مگر زیر بحث مسئلہ میں تو طلاق دینے والا نہایت جزم کے ساتھ جانتا ہے کہ طلاق کا عدد پورا نہیں بات صرف اتنی ہے کہ وہ شک میں مبتلا ہے کہ اس نے کونسی بیوی کو طلاق دی ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس پر ایک بیوی حرام ہو گئی ہے مگر وہ بھی معین نہیں۔ تب اس پر ایک بیوی کے علاوہ دوسری بیویاں کیونکر حرام قرار دی جا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سکتی ہیں ـــــــ

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حلال عورت حرام عورت سے مشتبہ ہو گئی ہے۔ بنابریں دونوں اس پر حرام ہو جائیں گی، مثلاً بہن اگر اجنبیہ کے ساتھ مشتبہ ہو جائے یا مُردار جانور مذبوح جانور سے مشتبہ ہو جائے ـــــ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں تو ہمارے پاس ایک اصل موجود ہے لہٰذا اس اصل کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ اور وہ ہے تحریم اصلی ـــــ سببِ حلت میں شک واقع ہو گیا ہے تحریم اصلی نکاح کے بغیر رفع نہیں ہو سکتی۔

زیرِ بحث مسئلہ میں ہمارے پاس جو اصل موجود ہے وہ ہے "حلتِ اصلی۔" اس لئے تحریم کی تعمیم ممکن نہیں اور نہ اس کو ہم یکسر لغو قرار دے سکتے ہیں۔ البتہ اس کے تعین کا قرعہ اندازی کے سوا اور کوئی طریقِ کار باقی نہیں۔

قرعہ اندازی کے قائلین یہ بھی کہتے ہیں کہ طلاق معیّنہ طور پر ایک بیوی پر واقع ہو چکی ہے کیونکہ غیر معیّن بیوی پہ طلاق واقع نہیں ہو سکتی اس لئے طلاق دینے والا اس طلاق کو اپنی مرضی سے کسی طرف نہیں پھیر سکتا۔ اگرچہ ہم اس بیوی کا علم نہیں رکھتے جس کو طلاق دی گئی ہے تاہم اللہ تعالیٰ کو اس متعینہ بیوی کا علم ہے اور ہمارے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں جس کے ذریعے ہم معلوم کر سکیں کہ کون سی بیوی کو طلاق دی گئی تھی۔ لہٰذا قرعہ اندازی اس مطلقہ بیوی کو متعیّن کر دیتی ہے۔

اسکی توضیح اس طرح کی جا سکتی ہے۔

مُطلّق میں سے مطلقہ بیوی کا تعیّن کرنا درحقیقت مطلقہ بیوی کو نئے سرے سے طلاق دینا نہیں ہے۔ اگر یہ نئے سرے سے طلاق دینا ہوتا تو پہلی طلاق کو طلاق شمار نہ کیا جاتا اور تمام بیویاں اس کے لئے حلال ہوتیں اور اس کو یہ حُکم نہ دیا جاتا کہ وہ نئے سرے سے طلاق واقع کرے نیز وہ ان الفاظ کے تلفظ کا بھی محتاج نہیں ہے گا جن سے طلاق واقع کی جاتی ہے اور جب یہ طلاق نئے سرے سے طلاق شمار نہیں ہوگی تو گویا یہ طلاق دینے والے کی طرف سے اس امر کی خبر ہے کہ "یہ ہے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہ معینہ بیوی جس کو میں نے طلاق دی تھی، یہ خبر غیر مطابق ہے بلکہ خلافِ واقعہ ہے
حاصل یہ ہے کہ طلاق کا تعین یا تو "اِنشاء" شمار ہوگا یا "اِخبار" کے زمرے میں آئے گا اور یہ تعیُّن دونوں کے لئے درست نہیں ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ یہ طلاق ہمارے نزدیک "مُبہمہ" کے بارے میں "انشاء" تھے اور اپنی بھُولی ہوئی مطلقہ تو اس پر تو طلاق اسی وقت واقع ہوگئی تھی جب اسے طلاق دی گئی تھی ——— تو اِس کا جواب یہ ہے کہ اس کو "اِنشاء" (یعنی نئے سرے طلاق) قرار دینا صحیح نہیں ہے کیونکہ طلاق ان میں سے کسی ایک پر پہلے ہی واقع ہوچکی ہے اور اگر واقع نہیں ہوچکی تو اس پر لازم نہیں کہ وہ نئے سرے سے طلاق دے نیز اگر طلاق واقع ہوچکی ہے تو اسے پھر سے واقع کرنا محال ہے۔ کیونکہ یہ تحصیل حاصل ہے۔

ہمارے اس جواب پر یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ "یہ بات تو تم پر بھی لازم آتی ہے کیونکہ تم کہتے ہو کہ طلاق اس وقت واقع ہوگی جب قرعہ اندازی میں اس کا نام نکل آئے گا" ——— اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارے نزدیک دونوں مقامات پر طلاق تو اسی وقت واقع ہو جاتی ہے جب اس کو واقع کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ابوطالب کی روایت کے مطابق امام احمد بن حنبلؒ[1] نے اس شخص کے بارے میں جس کی چار بیویاں تھیں اس نے ان میں سے ایک کو طلاق دے کر ایک اور عورت سے نکاح کر لیا پھر مر گیا۔ مگر یہ نہ معلوم ہوسکا کہ اس نے کس کو طلاق دی تھی، فرمایا: "یہ آخری بیوی جس کے ساتھ اس نے حال ہی میں نکاح کیا تھا۔ وراثت کے آٹھویں کا ایک چوتھائی لے گی باقی چار بیویوں کے درمیان قرعہ اندازی ہوگی جس کے نام قرعہ نکل آئے گا اس کو مطلقہ قرار دیدیا جائے اور باقی تین وارث تسلیم کر لی جائیں گی ———"

---

[1] المغنی جلد ۷ ص۲۴۰ جلد ۶ ص۳۸۴

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قاضی کہتے ہیں "ان چاروں میں سے مطلقہ کے تعیّن سے پہلے پانچویں عورت سے نکاح کا حکم لگایا گیا ہے۔ یہ چیز اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ طلاق جس وقت دی جاتی ہے اسی وقت واقع ہو جاتی ہے اگر طلاق کا واقع ہونا وقتِ تعیّن پر منحصر ہوتا تو پانچویں عورت کے ساتھ نکاح ہرگز جائز نہ ہوتا۔

اگر یہ کہا جائے کہ یہ چیز بعینہٖ آپ کے مسلک یعنی قرعہ اندازی کے ذریعے مطلقہ کو متعیّن کرنے کو ردّ کرتی ہے —— تو اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں کے تعیّن میں فرق ہے۔ کیونکہ مکلّف کا تعیّن اس کے ارادہ و اختیار کے تابع ہے اور قرعہ اندازی کے ذریعے تعیّن کرنا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جو چیز سامنے لے آئے۔ اسکی پیروی کرنی ہوتی ہے۔ بندہ قرعہ اندازی کرتا ہے اور قضا و قدر اس کے لئے جو چیز متعین کرتی ہے وہ اسے اختیار کر لیتا ہے خواہ پسند ہو یا ناپسند۔ اس مسئلے کا حقیقی فہم اور سرِّ نہاں یہی ہے کہ جب تعیّن کے لئے کوئی راہ سُجھائی نہ دے رہی ہو تو ہم معاملے کو قضا و قدر کے سپرد کر دیں۔ اس طرح تقدیر جو فیصلہ کر دے گی۔ وہ شرعی فیصلہ بن جائے گا۔ قرعہ اندازی کے ذریعے جو کچھ رونما ہوتا ہے اِس اعتبار سے یہ فیصلہ قدری کہلائے گا مگر تعیّن کے اعتبار سے یہ شرعی فیصلہ ہوگا۔ یہ چیز اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے مکلّف اس میں بے بس ہے۔ لہٰذا اس منہج اور طریق کار سے زیادہ کوئی طریقہ اس قدر احسن اور بلیغ نہیں جو تقدیر اور شریعت دونوں کے موافق ہو۔

نیز اگر وہ اپنی بیویوں میں سے کسی ایک کو طلاق دے دیتا ہے پھر اس کا تعیّن اس کے لئے مشکل ہو جاتا ہے تو اسے یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے اختیار سے مطلقہ کا تعین کرے اور یہی چیز اس وقت بھی صادق آتی ہے جب اس نے اپنی ایک بیوی کو طلاق دے دی ہو مگر اس کو معیّن نہ کیا۔

اگر یہ کہا جائے کہ مذکورہ دونوں صورتوں میں واضح فرق ہے۔ یہاں طلاق ایک معینہ بیوی کو دی گئی ہے اور جب اس کے تعیّن میں اِشکال واقع

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوگیا تو طلاق دینے والے کو کوئی اختیار نہیں کہ وہ اپنی طرف سے اس کا تعین کرے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ اس بیوی کو مطلقہ قرار دیدے جو درحقیقت مطلقہ نہیں ہے اور حقیقی مطلقہ ہمیشہ کے لئے اسکی بیوی شمار ہوتی رہے۔ مگر ہمارے مسئلہ میں یہ صورتِ حال نہیں ہے۔ کیونکہ طلاق کسی غیر معینہ بیوی پر واقع ہو چکی ہے لہٰذا طلاق دینے والے کی طلاق کو اس بیوی پر معین کر دینا جو حقیقت میں مطلقہ نہ تھی اور اس بیوی سے پھیر دینا جو حقیقت میں مطلقہ تھی ——— ایک ہی چیز نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں بیویوں میں سے ایک بیوی تو اس پر حرام ہے اور اسے معلوم نہیں کہ وہ کون سی بیوی ہے جب دونوں صورتوں میں سے ایک صورت میں وہ بلا سبب مطلقہ بیوی کے تعیّن کا حق نہیں رکھتا تو دوسری صورت میں بھی وہ اسے بلا سبب تعیّن معدوم ہوں تو پھر اس طلاق کو واقع کر دینا بیوی اور خود اس کے لئے ضرر کا باعث اور تمام احکام کو موقوف کرنے کے مترادف ہے۔ اور عمر بھر کے لئے عورت کو ایسی حالت میں مبتلا رکھنا ہے کہ نہ تو وہ خاوند والی ہے اور نہ وہ مطلّقہ ہے اور ہم اسلام میں اس کا تصوّر تک نہیں کر سکتے۔

قرعہ اندازی کے ذریعے مطلقہ بیوی کے تعیّن کر لے پر حضرت عمران بن حُصین رضی کی چھ غلاموں کی آزادی والی حدیث دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ جب تمام غلاموں کو آزاد کرنا باطل ٹھہر گیا تو ایک تہائی غلاموں کو آزاد فرض کر لیا گیا۔ یہ تہائی متعیّن نہ تھی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس کو قرعہ اندازی کے ذریعے متعیّن فرمایا۔ طلاق کی یہ صُورت غلاموں کی آزادی کی مانند ہے کیونکہ دونوں صُورتوں میں ازالۂ ملک تغلیب[1] اور سرایت پر مبنی ہے جب دونوں صُورتوں میں مملوک اور غیر مملوک میں اشتباہ واقع ہو جائے تو اس کا تعیّن مالک کے دائرہ اختیار میں نہیں رہتا۔

---

[1] تغلیب سے مراد دُو معلوم چیزوں میں سے ایک کو دُوسری پر ترجیح دینا اور ان پر ترجیح کا اطلاق کرنا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر یہ کہا جائے کہ اصل چیز ملک ہے جب تقسیم کے وقت قرعہ اندازی اصل میں داخل ہے اور تمام حصّوں میں قرعہ اندازی ہوگی تو یہ قرعہ اندازی ملکیت میں سے حُریت کو ممیّز کر دے گی مگر طلاق میں یہ چیز نہیں کیونکہ اصل نکاح ہے جب نکاح میں قرعہ اندازی داخل نہیں ہوسکتی تو یہی صورت طلاق میں ہوگی۔

آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ قرعہ اندازی نکاح میں بھی داخل ہوتی ہے بلکہ امام احمد بن حنبل رح سے منقول دو روایتوں میں سے صحیح تر روایت یہی ہے کہ قرعہ اندازی نکاح میں بھی داخل ہوتی ہے جب عورت کے دو سرپرست (ولی) ہوں اور یہ معلوم نہ ہو کہ ان دونوں میں سے اوّلیت کا حامل کون ہے تو اوّلیت کا تعیّن کرنے کیلئے قرعہ اندازی کی جائے گی اور جس کے نام کا قرعہ نکلے گا وہ نکاح کا ولی قرار دیا جائے گا اور پہلا ولی وہی تصوّر ہوگا[1]

ابنِ منصور رح اور حنبل رح کی روایت کے مطابق امام احمد رح سے یہی منصوص ہے مگر ابوالحارث رح اور مہنا رح نقل کرتے ہیں کہ اس معاملے میں قرعہ اندازی نہیں کی جائیگی۔ بنابریں یہ لازم نہیں آتا کہ جس حکم کے وقوع میں قرعہ اندازی داخل نہیں ہو سکتی اس حکم کو رفع کرنے میں بھی داخل نہیں ہوسکتی مثلاً عورتوں کی شہادت کی بناء پر زنا کا حکم نہیں لگایا جاسکتا مگر عورتوں کی شہادت سے زنا کا حکم رفع ہوسکتا ہے۔ اسکی توضیح اس مثال سے ہوسکتی ہے۔ جب کسی عورت پر عدالت میں زنا کی شہادت قائم ہوجائے اور ملزمہ اس الزام کا انکار کرتے ہوئے کنواری ہونے کا دعویٰ کرے اور عورتیں اسکی بکارت (کنوارپن) کی شہادت دیں تو ملزمہ زنا کے الزام سے بری ہوجائے گی۔

اسی طرح اگر کوئی کہتا ہے کہ اس نے پرندہ دیکھا ہے اگر وہ پرندہ کوّا ہے تو فلاں بیوی کو طلاق ہے اگر وہ کوّا نہیں تو فلاں غلام آزاد ہے اور یہ معلوم نہ ہوسکے کہ

---

[1] المغنی جلد ۶ ص۳۲۷

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پرندہ کیا تھا تو آپ کے نزدیک بھی تو غلام اور عورت کے درمیان قرعہ اندازی کی جائے گی اور اس قرعہ اندازی کے مطابق حکم لگایا جائے گا۔

اگر آپ یہ کہیں کہ صورتِ مذکورہ میں قرعہ منفرد طلاق میں داخل نہیں ہوا۔ بلکہ وہ تو صرف غلام اور بیوی میں امتیاز کے لئے داخل ہوا ہے اور قرعہ غلاموں کی آزادی میں داخل ہو سکتا ہے جس پر عمران بن حُصینؓ کی چھ غلاموں والی حدیث دلالت کرتی ہے ——— تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر قرعہ اندازی طلاق اور عتاق (غلام کی آزادی) میں تمیز کا باعث بن سکتی ہے۔ تو اسے مطلقہ اور غیر مطلقہ میں تمیز کے لئے بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ ہر وہ سبب جو ایک صورت میں مانع مقدّر کیا جائے دوسری صورت میں بھی مانع مقدر ہو گا۔ نیز قرعہ اندازی اگر آزاد کو غلاموں میں سے علیحدہ کر سکتی ہے تو اس کا مطلقہ کو غیر مطلقہ سے علیحدہ کرنا زیادہ اَولیٰ ہے۔ کیونکہ طلاق دینے والے کی ملک سے منفعتِ فرج کو نکالنا عینِ غلامی میں سے نکالنے سے آسان تر ہے۔ جب قرعہ اندازی کے ذریعے آدمی کو نکالنا صحیح ہے۔ تو غلامی سے کم تر نوعیت کی صورت میں تو بدرجہ اولیٰ صحیح ہونا چاہیئے۔ اور یہ بالکل واضح بات ہے اور پرندے والا مسئلہ اسکی دلیل ہے۔ (یعنی پرندہ اگر کوّا ہے تو میری بیویوں کو طلاق ہے اور اگر کوّا نہیں تو میرے تمام غلام آزاد ہیں۔)

آپ اعتراض کر سکتے ہیں کہ ایک اصول ایک حکم میں استعمال ہو سکتا ہے مگر دوسرے حکم میں اس کا استعمال صحیح نہیں مثلاً ایک گواہ کے ساتھ مدعی کا حلف ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت مالی مقدمات میں تو معتبر ہیں۔ مگر قصاص اور حدود کے مقدمات میں قابلِ قبول نہیں۔ اسکی توضیح اس طرح ہوتی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے پر چوری کا الزام لگائے اور ایک گواہ کی شہادت کے ساتھ خود بھی حلف اُٹھالے تو اس صورت میں ہم اس پر مالی تاوان تو ڈال سکتے ہیں مگر اس کے ہاتھ نہیں کاٹ سکتے۔ اسی طرح ہم قرعہ کو بوقت ضرورت حریت اور غلامی میں تو استعمال کر سکتے ہیں مگر طلاق میں نہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ مطلقہ بیوی کو غیر مطلقہ بیوی سے ممیز کرنے کرنے کی حاجت اور ضرورت اسی طرح ہے جس طرح آزاد کو غلام سے ممیز کرنے کی۔ جب قرعہ اندازی ملک یمین کے باعث فرجِ مملوکہ کو ممیز کرنے کے لئے بھی کی جا سکتی ہے تو نکاح کے باعث فرجِ مملوکہ کو ممیز کرنے کے لئے بھی قرعہ اندازی کرنا صحیح ہے تاوان اور قطع ید والے مسئلے کے ساتھ اسکی کوئی مشابہت نہیں کہ ان میں سے ایک مسئلہ کسی ایسی دلیل سے ثابت ہو جاتا جس سے دونوں مسئلے ثابت نہیں، غلام کو آزاد کرنا اور بیوی کو طلاق دینا اپنے احکام میں متفق ہیں۔ دونوں مسئلے تغلیب اور سرایتِ حکم پر مبنی ہیں جس دلیل سے ایک مسئلہ ثابت ہوتا ہو اسی دلیل سے دوسرا بھی ثابت ہو جاتا ہے۔ نیز ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جب حقوق مساوی ہوں اور قرعہ اندازی کے علاوہ اور کوئی ذریعۂ ترجیح و امتیاز نہ ہو تو اس صورتِ حال میں قرعہ اندازی کرنا صحیح ہے۔ جیسا کہ آپ بھی کہتے ہیں کہ اگر مال دو شریکوں کی مشترکہ ملکیت ہو اور دونوں شریک اس مال کو تقسیم کرنے کا ارادہ کریں تو حاکم اس مال کو دو حصّوں میں تقسیم کر کے اس پر قرعہ اندازی کر سکتا ہے، اسی طرح جب کوئی شخص اپنی بیویوں میں سے کسی کو سفر پر لے جانے کے لئے ان کے درمیان قرعہ اندازی کر سکتا ہے۔ اسی طرح وہ شخص جو مرتے وقت اپنے غلاموں کو آزاد کر دیتا ہے، اور ان غلاموں کے علاوہ اس کے ترکہ میں اور کوئی مال نہیں، تب اس صورت میں قرعہ اندازی صحیح ہے اسی طرح جب مدعی حاکم کے پاس جانے میں برابر ہوں تب بھی قرعہ اندازی صحیح ہے۔ اسی طرح جب نکاح کے ولی حق ولایت میں مساوی ہوں تو ولی کا تعیّن قرعہ اندازی سے ہوگا ــــــ اسی طرح اگر ایک قاتل نے ایک جماعت کو ایک ہی وقت اور ایک ہی حالت میں قتل کیا ہو اور مقتولوں کے اولیاء قصاص لینے پر مُصر ہوں تو مقتولوں پر قرعہ اندازی کی جائے گی۔ جس کے نام کا قرعہ نکل آئے گا قاتل کو اس کے بدلے میں قتل کر دیا جائے گا اور باقی مقتولوں کی دیت دِلائی جائے گی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر آپ یہ کہیں کہ مشترکہ مال کی تقسیم قرعہ اندازی کے بغیر بھی آپس کی رضامندی سے جائز ہے یا بیویوں کی رضامندی سے قرعہ اندازی کے بغیر خاوند کسی بیوی کو سفر پر لے جا سکتا ہے مگر یہاں نکاح کو فسخ کرنے اور اس کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے میں آپس کی رضامندی جائز نہیں ـــــــ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مطلقہ کے تعیّن کے لئے قرعہ اندازی کرنا درحقیقت طلاق کی مستحق بیوی سے طلاق کو دوسری بیوی کی طرف منتقل کرنے کے ضمن میں نہیں آتا بلکہ قرعہ اندازی تو محض اس امر کو منکشف کرتی ہے کہ طلاق کس پر واقع ہوئی ہے۔

قرعہ اندازی کے مخالفین اور مطلقہ کے تعیّن کا اختیار رکھنے کا مسلک رکھنے والے اہل علم کہتے ہیں کہ ہمیں معلوم ہے کہ طلاق دینے والے پر اسکی بیویوں میں سے ایک بیوی طلاق کے باعث حرام ہے۔ مگر اس مطلقہ بیوی کا تعیّن نہیں ہوا لہٰذا طلاق دینے والے کو اختیار حاصل ہے کہ وہ خود اس مطلقہ کا تعیّن کرے۔ مثلاً جب ایک کافر اسلام قبول کرتا ہے تو اسے اپنی پانچ بیویوں میں سے کسی ایک بیوی کو طلاق دینے کا اختیار حاصل ہے۔

قرعہ اندازی کے قائلین اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ قیاس باطل ہے ہماری مذکورہ صورت میں مطلقہ بیوی بھولی ہوئی ہے۔ لہٰذا نسیاں کے بعد محرّمہ عورت غیر متعیّن ہے اب وہ اس کے تعیّن میں کوئی اختیار نہیں رکھتا۔

یہ جواب قوی نہیں کیونکہ یہاں تحریم ایک معیّنہ بیوی پر واقع ہوئی ہے جواب یاد نہیں رہی۔ اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ کافر کے اسلام قبول کر لینے کے بعد پانچویں بیوی یا دو بیویوں جو دونوں بہنیں ہیں، میں سے ایک بیوی پر مجرّد اس کے اسلام قبول کر لینے پر طلاق واقع نہیں ہو جائے گی بلکہ جس وقت اس امر کا تعیّن ہو جائے گا کہ کونسی بیوی کو رکھا جائے اور کونسی بیوی کو طلاق دی جائے اس وقت سے طلاق اور فرقت کا تعین ہو گا اور اس وقت سے عدّت کا شمار واجب ہو گا۔[1]

---

[1] المغنی جلد ۸ صـ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس مسئلہ کی باریکی یہ ہے کہ شارع نے اس نومسلم کو مکمل اختیار دیا ہے کہ وہ اپنی بیویوں میں سے جس کو چاہے رکھ لے اور جس کو چاہے علیحدہ کر دے۔
اگر یہاں سے قرعہ اندازی کا حکم دیا ہوتا تو عین ممکن ہے کہ طلاق اور تفریق کا قرعہ اس عورت کے نام نکل آئے جس کو وہ بیوی کی حیثیت میں رکھنا پسند کرتا ہے اس کے اسلام میں داخل ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ اسے ترغیب دی جائے اور حتی الامکان اسکی پسند اور ناپسند کا پورا خیال رکھا جائے۔ اس کو اس بات کا اختیار دینا کہ وہ اپنی مرضی سے ایک بیوی کو علیحدہ کر دے اسلام کے محاسن میں شمار ہوتا ہے البتہ قیاس کی وہ قسم جسے یہ حضرات دلیل بناتے ہیں فاسد ہے کیونکہ اس قیاس کا تار و پود اس وقت بکھر کر رہ جاتا ہے جب اسکی بیوی کے ساتھ اجنبیہ مشتبہ اور مذبوح کے ساتھ مُردار کو خلط کر دیا جائے۔ اس صورت میں اس کو تعین کا حق حاصل نہیں ہے۔
اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس صورت میں قرعہ اندازی کے ذریعے بھی تو اس کا تعین صحیح نہیں ـــــ تو ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ ہم نے اس مسئلہ میں کسی ایسی دلیل سے استدلال نہیں کیا جو ہم پر ردّ کی جاسکے اس کے برعکس وہ دلیل کا سہارا لینے کی کوشش کرتے ہیں مگر وہ دلیل ٹوٹ ٹوٹ جاتی ہے۔
اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ تحریم تو ایک معیّنہ بیوی کے بارے میں تھی مگر بعد میں اشتباہ واقع ہو گیا ـــــ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب اشتباہ واقع ہو گیا تو تعیین کی دلیل بھی زائل ہو گئی اور اسکی حیثیت مبہم سی ہو کر رہ گئی اور یہ آپ حضرات کے خلاف امام مالکؒ کی حجت ہے۔ وہ اسی بناء پر تمام بیویوں کی تحریم کا حکم لگاتے ہیں۔
اصحابِ اختیار کہتے ہیں یہاں تحریم صرف ایک فرد سے متعلق ہے اور وہ باقی افراد میں سے ممیّز اور معیّن اور ممیز کرنے کے لئے مکلّف کی طرف رجوع کیا جائے گا جیسے وہ اناج کے ایک ڈھیر میں سے ایک

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قفیز[1] بھر اناج فروخت کر دے۔

قرعہ اندازی کے قائلین جواب دیتے ہیں کہ یہ چیز ابہام بیع میں تو صحیح ہے جبکہ تمام اجزاء مساوی ہوں اور تعیین میں ہر جزو دوسرے جزو کا قائم مقام بن سکتا ہو لہذا یہاں تعیین کے لئے قرعہ اندازی بے فائدہ ہے۔ مگر طلاق کا معاملہ بالکل مختلف ہے کیونکہ تمام افراد میں تساوی نہیں ہے بلکہ یہ مسئلہ اس مسافر کے مسئلے سے زیادہ مشابہت رکھتا ہے جو سفر میں رفاقت کے لئے قرعہ اندازی کے ذریعے اپنی بیویوں میں سے ایک بیوی کا انتخاب کرتا ہے۔ کیا آپ نے غور نہیں فرمایا کہ آپ کے اپنے اختیار کے ساتھ مطلقہ بیوی کو متعین کرنے، سفر میں رفاقت کے لئے اپنی مرضی سے کسی بیوی کو منتخب کرنے اور مال کی تقسیم میں قرعہ اندازی کو نظر انداز کرنے میں) آپ پر تہمت لاحق ہوتی ہے۔ مگر غلہ کے ڈھیر میں سے ایک قفیز غلہ ناپ کر دینے میں کسی تہمت کا کوئی امکان نہیں۔ یہ ہے مسئلہ کی باریک فہمی ــــــ جن مواقع پر تہمت کے لاحق ہونے کا خدشہ ہو تو وہاں تہمت سے بچانے کے لئے قرعہ اندازی کو مشروع کیا گیا ہے۔ اور جہاں تہمت کا امکان نہیں وہاں قرعہ اندازی کا کوئی فائدہ نہیں۔

ان کا قیاس اس مسئلہ میں ردّ ہو جاتا ہے جب غلاموں میں سے ایک مبہم غلام کو آزاد کرنے یا بیویوں میں سے ایک بیوی کو سفر پر ساتھ لے جانے کے لئے قرعہ اندازی کی جاتی ہے۔

اصحاب اختیار کہتے ہیں:

"طلاق دینے والے کو جب ابتداء میں اپنی مطلقہ بیوی کے تعیین کا حق حاصل ہے تو دوسری حالت میں بھی اس کے تعیین میں خاوند کو یہ حق حاصل رہے گا۔"

---

[1] قفیز اناج وغیرہ ناپنے کا ایک پیمانہ تھا اسکی مقدار مختلف علاقوں میں مختلف تھی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرعہ اندازی کے قائلین کہتے ہیں کہ یہ قیاس فاسد ہے کیونکہ ابتداء میں تعین کا تعلق غیر مطلقہ کے ساتھ وابستہ نہ تھا، اور وقوعِ طلاق کے بعد تمام بیویوں کا حق اِس تعین سے وابستہ ہوگیا کیونکہ ہر بیوی کا یہ دعویٰ ہوگا کہ طلاق اس کے کسی اور بیوی کو دی گئی ہے لہذا وہ مطلقہ نہیں تاکہ اس کا نان ونفقہ بدستور جاری رہے۔ پس خاوند تہمت کے احتمال کے باعث مطلقہ کے تعیّن کا اختیار نہیں رکھتا۔ اس کے برعکس ابتداء میں مطلقہ بیوی کے تعیّن میں کسی تہمت کا امکان موجود نہیں ہے۔

قرعہ اندازی کے مخالفین دلیل دیتے ہیں کہ قرعہ اندازی قمار اور جوا ہے اللہ تعالیٰ نے جوئے کو سورۂ مائدہ[۱] میں حرام قرار دیا ہے اور سورۂ مائدہ وہ سورت ہے جو سب سے آخر میں نازل ہوئی ہے قرعہ اندازی کی مشروعیت اس سے پہلے تھی۔

قرعہ اندازی کے قائلین جواب دیتے ہیں کہ قرعہ اندازی کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ نے مشروع قرار دیا ہے، نیز قرآن میں ہمیں خبر دی گئی ہے کہ انبیاء ورُسل نے قرعہ اندازی کے مطابق فیصلے کئے ہیں اور ان فیصلوں کو صحیح قرار دیا گیا ہے اور قرآن میں ان فیصلوں کی مذمت نہیں کی گئی۔ بعد ازاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے قرعہ اندازی پر عمل کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہر لحاظ سے ان نفوس قدسیہ کو جوئے اور قمار سے محفوظ و مامون رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی زمانے میں بھی جوئے اور قمار بازی کو مباح نہیں کیا اور نہ کسی نبی نے اپنی امت کو اسکی تعلیم کی ہے۔ قرعہ اندازی اللہ تعالیٰ کی شریعت اور اس کا دین ہے اور انبیاء و رُسل کی سُنت ہے۔

قرعہ اندازی کے عدمِ جواز کے قائلین کہتے ہیں کہ حرام عورت سے حلال عورت اس طرح مشتبہ ہوگئی ہے کہ کوئی اضطراری حالت بھی اس کو مباح نہیں کرسکتی لہذا طلاق دینے والے کو قرعہ اندازی کے ذریعے اس کے تعین کا کوئی اختیار نہیں،

---

[۱] اشارہ سورۂ مائدہ کی آیت نمبر ۹۰ کی طرف ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مثلاً اگر اس کی بہن کسی اجنبی عورت سے مشتبہ ہو جائے یا مُردار اور مذبوح جانور خلط ملط ہو جائیں تو ایسی صورت میں قرعہ اندازی جائز نہیں۔

قرعہ اندازی کے جواز کے قائلین اس کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں اُصولی اور واضح فرق ہے۔ بہن اور اجنبیہ میں اشتباہ کی صورت میں تحریم اصلی تو نکاح کے باعث زائل ہو چکی ہے اور ہمیں صرف تحریم غیر اصلی کے متعلق شک ہے کہ وہ کس بیوی پر واقع ہوئی ہے لہٰذا دونوں صورتوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ملحق کرنا صحیح نہیں۔

قرعہ اندازی کے مخالفین یہ اعتراض بھی کرتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ قرعہ اندازی کے ذریعے وہ بیوی مطلقہ قرار دیدی جائے جو درحقیقت مطلقہ نہ تھی کیونکہ قرعہ اندازی کو علم اور تمیز نہیں کہ وہ حقیقی مطلقہ کا تعین کر سکے۔

قرعہ اندازی کے جواز کے قائلین کہتے ہیں کہ اوّل تو یہ سُنت پر اعتراض ہے بنابریں یہ اعتراض قابلِ التفات نہیں نیز قرعہ اندازی کے ذریعے مطلقہ بیوی کا تعین کرنا اپنی خواہش اور مرضی کے مطابق تعین کرنے سے بہتر ہے اور اس سے بھی کہیں بہتر ہے کہ تمام بیویوں کو موت تک کے لئے معلق چھوڑ دیا جائے یا ایک بیوی کی طلاق کی وجہ سے تمام بیویوں کو مطلقہ قرار دے دیا جائے، اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ قرعہ اندازی تہمت کو زائل کر دیتی ہے۔ نیز اس پیچیدہ معاملے میں قرعہ اندازی کو اختیار کر کے درحقیقت اس کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینا ہے کہ وہ اپنی قضا و قدر سے اس کو متعین کر دے۔ جس کے تعین میں ہمارے لئے کوئی راہ نہیں۔ واللہ اعلم

مسئلہ : قرعہ اندازی کے مخالفین امام احمدؒ کے ایک فتوے کے حوالے سے اعتراض کرتے ہیں کہ ابو طالبؒ کی روایت کے مطابق ایک شخص نے اپنی ایک بیٹی کسی شخص کے نکاح میں دے دی اس کے علاوہ اسکی اور بھی بیٹیاں تھیں وہ شخص مر گیا اور یہ معلوم نہ ہو سکا کہ کونسی لڑکی تھی جس کا نکاح کیا گیا تھا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فتویٰ دیا کہ ان کے درمیان قرعہ اندازی کی جائے ۔گویا یہ اس امر کی دلیل کہ اگر اسکی بہن کسی اجنبیہ سے مشتبہ ہو جائے تو نکاح سے قرعہ اندازی کی جاسکتی ہے ۔"

کہا جاتا ہے کہ قاضی ابو یعلیٰ رحمہ اللہ نے اسے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا قول قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب بیوی اور اجنبی عورتوں میں اشتباہ واقع ہو جائے تو ان کے درمیان قرعہ اندازی کی جاسکتی ہے کیوں کہ امام صاحب نے اختلاط اور اشتباہ کی صورت میں بیوی اور اسکی بہنوں کے درمیان قرعہ اندازی کو جائز قرار دیا ہے ۔

میں (ابن قیم) کہتا ہوں کہ یہ قاضی ابو یعلیٰ رحمہ اللہ کا وہم ہے کیونکہ اس مسئلہ میں امام احمد رحمہ اللہ نے جو قرعہ اندازی کروائی تھی وہ خاوند کے مرنے کی صورت میں تھی اور ان کے درمیان امام احمد رحمہ اللہ نے صرف میراث اور عدت وغیرہ کے لئے قرعہ اندازی کروائی تھی ۔ اب ہم جناب امام رحمہ اللہ کی نصوص کے الفاظ نقل کرتے ہیں ۔

علامہ خلال رحمہ اللہ "الجامع" میں رقمطراز ہیں ۔

ایسے شخص کے بارے میں جس کی چار بیٹیاں تھیں اس نے ایک بیٹی کا نکاح کسی شخص سے کر دیا اس کے بعد باپ اور خاوند دونوں وفات پا گئے اور یہ معلوم نہ ہوسکا کہ ان چاروں میں سے کون سی لڑکی منکوحہ تھی اس صورت میں ان کے درمیان قرعہ اندازی کی جائے گی ——— ہمارے پاس ابو النصر رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا ۔ "حضرت سعید بن المسیب کا فتویٰ ہے کہ ایک شخص جس کی چار بیٹیاں تھیں اس نے ان میں سے ایک کا نکاح کر دیا مگر اسے یاد نہ رہا کہ اس نے کون سی لڑکی کا نکاح کیا ہے وہ ان کے درمیان قرعہ اندازی کرے گا " ——— امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں ۔

" مجھے قتادہ رحمہ اللہ سے روایت پہنچی ہے ——— کہ ایک شخص نے اپنی لڑکی کا نکاح کسی شخص سے کر دیا اور اس کے بعد باپ اور خاوند دونوں وفات

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پا گئے گواہوں کو معلوم نہیں کہ وہ کونسی بیٹی تھی سعید بن المسیبؒ سے میں نے پوچھا تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ ان کے درمیان قرعہ اندازی کی جائے گی جس کا نام نکل آئے گا وہ خاوند کی میراث کی مستحق ٹھہرے گی اور عدت پوری کرے گی۔"

حمادؒ کہتے ہیں کہ میں نے حماد بن ابی سلیمان سے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ تمام لڑکیاں وراثت میں شریک ہوں گی اور عدت گزاریں گی۔"

صالح بن احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں کہ میرے والد محترم کا قول ہے کہ حماد بن ابی سلیمانؒ نے اس لڑکی کو میراث کا حقدار بنا دیا ہے درحقیقت وارث نہ تھی اور ان پہ عدت لازم کر دی جن پہ عدت لازم نہ تھی۔ وہ شخص جو قرعہ اندازی کرتا ہے۔ قرعہ اندازی کے ذریعہ کبھی تو اس کا تعین درست ہوتا ہے اور کبھی اس سے خطا بھی ہو جاتی ہے مگر وہ شخص جو تمام بیٹوں کو میراث سے حصہ دلواتا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ غیر مستحق کو بھی میراث میں شریک کر دیتا ہے۔

علامہ خلالؒ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

"عبدالوہابؒ نے سعید سے سوال کیا کہ ایک شخص نے اپنی ایک بیٹی کا نکاح کیا اور اس کا تعین بھی کر دیا پھر باپ اور خاوند دونوں مر گئے اور یہ معلوم نہ ہو سکا کہ کون سی بیٹی منکوحہ تھی ۔۔۔ انہوں نے حسن بصریؒ اور سعید بن المسیبؒ کے حوالے سے بتایا کہ ان کے درمیان قرعہ اندازی کی جائے گی جس کے نام کا قرعہ نکل آئے وہی مہر کی حقدار ہو گی اسی کو میراث میں شامل کیا جائے گا اور اسی پر عدت واجب ہو گی۔

علامہ خلالؒ قتادہؒ کے واسطے سے سعید بن المسیبؒ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی بیٹیوں میں سے ایک بیٹی کا نکاح کسی شخص سے کر دیا پھر باپ اور خاوند دونوں مر گئے اور یہ معلوم نہ ہو سکا کہ باپ نے کونسی لڑکی کا نکاح کیا تھا حضرت سعید بن المسیبؒ نے فتویٰ دیا کہ ان کے درمیان قرعہ اندازی کی جائے گی جن کے نام قرعہ نکل آئے گا وہی خاوند کی میراث سے حصہ لے گی اور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عدّت گزارے گی۔

حنبلؒ کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل نے میرے پاس قتادہؒ کی یہ روایت بیان کی کہ ایک شخص نے اپنی ایک بیٹی کا نکاح کسی آدمی سے کر دیا پھر باپ اور خاوند دونوں مر گئے گواہوں کو معلوم نہ ہو سکا کہ کونسی لڑکی منکوحہ تھی تو قتادہؒ نے سعید بن المسیبؒ سے فتویٰ پوچھا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ان لڑکیوں کے درمیان قرعہ اندازی کی جائے گی جس کے نام قرعہ نکل آئے گا۔ وہی خاوند کی میراث کی وارث ہوگی اور اسی پر عدّت واجب ہوگی

حماد بن سلمہؒ کہتے ہیں کہ میں نے حمّاد بن ابی سلیمانؒ سے پوچھا تو انہوں نے جواب میں فرمایا:

"تمام لڑکیاں میراث پائیں گی اور تمام لڑکیاں عدّت گزاریں گی۔"

علّامہ حنبلؒ کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل سے اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا: "حضرت سعید بن المسیّبؒ کے فتوے کے مطابق ان کے درمیان قرعہ اندازی ہوگی۔

علّامہ حنبل کہتے ہیں کہ قتادہؒ سے کسی نے ایسے شخص کے بارے میں پوچھا جس نے ایک شخص سے اس کی بیٹی کا رشتہ مانگا اسکی اور بیٹیاں بھی تھیں اس نے اپنی ایک بیٹی کا نکاح اس کے ساتھ کر دیا، خاوند مر گیا اور باپ کو یاد نہ رہا کہ اس نے کونسی بیٹی کا نکاح کیا تھا۔ انہوں نے حضرت سعید بن المسیبؒ کے فتوے کے حوالے سے جواب دیا کہ ان کے درمیان قرعہ اندازی کی جائے گی جس کے نام قرعہ نکلے گا وہ بیوی تصور ہوگی چنانچہ مہر اور میراث کی حقدار وہی ہوگی اور اسی پر عدت واجب ہوگی۔"

علّامہ حنبلؒ کہتے ہیں کہ میں نے امام احمدؒ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میرا بھی یہی مذہب ہے۔" اسی طرح کی ایک روایت ابوطالبؒ نے بھی بیان کی ہے، جس کا ذکر قالبیؒ نے کیا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علامہ خلال کہتے ہیں :

"ابو طالبؒ نے امام احمد بن حنبلؒ سے ایک شخص کے بارے میں پوچھا جس نے اپنی بیٹی کا نکاح کسی شخص سے کر دیا اسکی اور بھی بیٹیاں تھیں پھر باپ اور خاوند دونوں مر گئے اور گواہوں کو یاد نہ رہا کہ اُن میں سے کونسی لڑکی کا نکاح کیا گیا تھا۔

امام احمدؒ نے فرمایا۔" ان لڑکیوں کے درمیان قرعہ اندازی کی جائے گی اور جس لڑکی کے نام قرعہ نکلے گا وہی وارث بنے گی۔

ابو طالب نے عرض کی " حمادؒ بن ابی سلیمان کہتے ہیں کہ تمام لڑکیاں وارث بنیں گی۔"

امام احمدؒ نے جواب میں فرمایا " ان کے درمیان قرعہ اندازی کی جائے گی اور قرعہ اندازی حق کو زیادہ واضح کر دیتی ہے۔ قرعہ اندازی کے متعلق زیادہ سے زیادہ یہی اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ مہر اور میراث اس لڑکی کو مل سکتا ہے جو درحقیقت متوفیٰ کی منکوحہ نہ تھی۔ اور اس کے معاملے میں زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ مشکوک ہے۔ لیکن اگر تمام لڑکیوں کو میراث وغیرہ کا وارث بنا دیا جائے تو ہمیں یقینی طور پر معلوم ہے کہ ان لڑکیوں کو بھی حق دیدیا گیا جو مستحق نہ تھیں۔

یہ ہیں امام احمد بن حنبلؒ سے مروی نصوص اور حضرت حسن بصریؒ اور سعید بن المسیبؒ کا مذہب ——— ان حضرات کے نزدیک قرعہ اندازی صرف میراث اور مہر کے ضمن میں مستحق بیوی کے تعیّن کے لئے کی جاتی ہے۔ ان کے بارے میں کہیں بھی یہ منقول نہیں کہ وہ بیوی اور دیگر عورتوں کے اشتباہ کی صورت میں قرعہ اندازی کے قائل تھے۔

البتہ علامہ حنبلؒ کی ایک روایت سے بظاہر یہ مستفاد ہوتا ہے کہ یہ قرعہ اندازی خاوند اور باپ کی زندگی اور موت دونوں صورتوں میں تھی۔ چنانچہ حنبل روایت کرتے ہیں کہ امام احمد نے فرمایا : "جس کے نام قرعہ نکل آئے وہی اسکی بیوی ہے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر خاوند مر جائے تو وہی اسکی وارث قرار پائے گی "۔۔۔۔۔ یہ روایت ابوطالبؒ کی روایت سے زیادہ واضح ہے۔ مگر امام احمدؒ سے منقول اکثر روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرعہ اندازی صرف میراث کی مستحق کے تعین کے لئے ہے۔ جیسا کہ جناب امام کے اپنے الفاظ نقل کئے گئے ہیں کہ اس مسئلہ میں قرعہ اندازی ممتنع نہیں۔ حنبلؒ کی روایت سے زیادہ یہی ثابت ہوتا ہے کہ قرعہ اندازی سے بیوی کا تعین ہوتا ہے۔ اس کے ذریعے بیوی اور غیر بیوی میں امتیاز کیا گیا ہے۔ مطلقہ کے تعین کے مسئلہ قرعہ اندازی کی یہی حقیقت ہے کہ قرعہ اندازی بیوی کو غیر بیوی سے ممیّز کرتی ہے۔

مسئلہ:۔ اسی طرح اگر ایک لڑکی کا نکاح دو ولیوں نے کیا ہو اور یہ معلوم نہ ہو کہ ان میں سے پہلا ولی کون ہے تو اس ولی کے تعیّن کے لئے بھی قرعہ اندازی ہوگی۔ امام احمد بن حنبلؒ سے منقول صحیح تر روایت یہی ہے[1]۔ یہی طریق کار خاوند اور غیر خاوند میں امتیاز کے لئے اختیار کیا جا سکتا ہے۔ قرعہ اندازی کے ذریعے خاوند اور غیر خاوند میں امتیاز کرنے اور بیوی اور غیر بیوی میں امتیاز کرنے کے درمیان آخر کیا فرق ہے؟

اس صورت میں بھی قرعہ اندازی اپنے اُصول کے اعتبار سے (عقلاً) بعید نہیں۔ اسکی دلیل یہ ہے کہ ہم قرعہ اندازی کے ذریعے بیوی کا تعیّن کر کے اس پر عدّت لازم کرتے ہیں اور عدت احکام نکاح میں سے ہے خاص طور پر یہاں جو عدّت واجب ہے وہ غیر مدخولہ کی عدّت ہے اور یہ عدّت محض نکاح کے باعث لازم ہوئی ہے۔ اسی طرح میراث کا حکم ہے اگر نکاح ثابت نہ ہو تو اس عورت کو کیونکر وارث شمار کیا جا سکتا ہے۔

حنبل کی روایت کے مطابق امام احمدؒ کا قول "قرعہ اندازی کی جائے اور جس کے

---

[1] المغنی جلد ۶ ص۵۳۷)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نام قرعہ نکل آئے وہی اسکی بیوی ہے " ــــــ قرعہ اندازی کے ذریعے زوجیت کے ثبوت میں بالکل واضح اور صریح ہے نیز امام صاحب نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر خاوند مر جائے تو یہ اسکی وارث ہو گی ۔ یہ بات اس امر پر واضح طور پر دلالت کرتی ہے کہ خاوند اور باپ کی زندگی میں ان کے درمیان قرعہ اندازی کی جائے اگر قرعہ اندازی اور بیوی کے متعین ہونے کے بعد خاوند مر جائے تو متعینہ بیوی حکمِ نکاح کی بناء پر میراث سے اپنا حصہ پائے گی ۔ الحمد للہ اس میں کوئی اشکال نہیں ۔ جب ان تمام لڑکیوں کے درمیان قرعہ اندازی سے ایک لڑکی متعین ہو گئی ، خاوند کا اس لڑکی کو بیوی کے طور پر قبول کر لینا ۔ ولی کا اظہارِ رضامندی اور خود لڑکی کی رضامندی سب مل کر نکاح کی صحت کو ثابت کرتے ہیں ۔

یہ اعتراض نہیں کیا جا سکتا کہ ممکن ہے قرعہ غیر بیوی کے نام نکل آئے تب یہ جمع بین الاختین کی صورت بن جائے گی ــــــ کیونکہ مجہول معدوم کی مانند ہے نیز اس کے علاوہ ہم خاوند کو یہ حکم بھی دیتے ہیں کہ قرعہ اندازی کے بعد متعینہ لڑکی کے سوا باقی تمام لڑکیوں کو طلاق دے دے اور اس کی صورت یہ ہو گی کہ خاوند طلاق دیتے وقت احتیاطاً یہ الفاظ کہے گا ۔

" ان بیویوں کے علاوہ اگر میری کوئی بیوی ہے تو اسے طلاق ہے ۔"

اس بارے میں یہ مسلک تمام لڑکیوں کو وارث بنانے یا تمام لڑکیوں کو وراثت سے محروم کرنے سے بہتر ہے یا معاملے کو اس وقت تک موقوف رکھنے سے بہتر ہے جب تک اصل حقیقت واضح نہیں ہوتی ۔ اور یہ انکشافِ حقیقت تو قیامت تک نہ ہو گا ۔

بالجملہ یہ ثابت ہو گیا کہ قرعہ اندازی طریقِ شرعی ہے اشتباہ کے وقت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ؐ نے اسے امتیاز کے لئے مشروع قرار دیا ہے ۔ لہذا یہ طریقہ دوسرے طریقوں سے بہتر ہے ۔

... رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر کوئی شخص اپنی بیویوں میں سے کسی بیوی کو طلاق دیدے اور وہ طلاق کسی معینہ بیوی پر نہ ہو تو اس کے اور اسکی بیویوں کے درمیان حائل نہیں ہو جائے گا۔ وہ جس کے ساتھ چاہے شب باشی کر سکتا ہے جب وہ ان میں سے ایک کے ساتھ مجامعت کرے گا تو طلاق دُوسری کی طرف لوٹ جائے گی۔ شوافع میں سے ابن ابی ہریرہؒ نے اسی رائے کو اختیار کیا ہے۔ ان فقہاء نے مجامعت کو تعین کا ذریعہ بنایا ہے۔

یہ واضح ہو چکا ہے کہ قرعہ اندازی کے ذریعے مطلّقہ بیوی کا تعین کرنا ہم بستری کے ذریعے تعین سے بہتر ہے کیونکہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے مقدر کیا ہے وہ قرعہ اندازی کے ذریعے ظاہر ہو جاتا ہے۔

نیز قرعہ اندازی کی وجہ سے تہمت سے بھی محفوظ رہتا ہے اس کے برعکس مجامعت کے ذریعے مطلقہ کا تعین کرنے والے کی مجامعت اسکی خواہش اور ارادے کی تابع ہے۔ یہ عین ممکن ہے طلاق کے تعین کے لئے وہ کسی ایسی بیوی کو منتخب کرے جو درحقیقت مطلقہ نہیں اس صورت میں وہ موردِ تہمت ہو گا لہذا قرعہ اندازی کے ذریعے مطلقہ بیوی کا تعین کرنا اپنے ارادے اور چاہت سے تعین کرنے سے بہتر اور زیادہ قرینِ احتیاط ہے۔

اسکی توضیح اس طرح ہوتی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر ایک شخص اپنی دو لونڈیوں میں سے ایک لونڈی کو آزاد کر دے پھر ان میں سے ایک لونڈی کے ساتھ مجامعت کرے تو یہ مجامعت ان دونوں لونڈیوں میں سے آزاد کی جانے والی لونڈی کا تعین نہیں کرے گی۔

امام ابوحنیفہؒ کے اصحاب کہتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں فرق یہ ہے کہ طلاق نکاح کی نفی کرتی ہے اور تحریم کی موجب ہے لہذا جب وہ اپنی بیویوں میں سے

لہ المغنی جلد ۱۰ ص ۴۲۵

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کسی ایک کے ساتھ شب باشی کر لیتا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس نے اس عورت کو بیوی کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے اور جس بیوی کے ساتھ اس نے مجامعت نہیں کی اب اسکی بیوی نہ رہے گی ۔ جہاں تک آزادی کا معاملہ ہے تو لونڈی کی آزادی اگرچہ تحریم مجامعت کی موجب ہے تاہم تحریم مجامعت غلامی کے منافی نہیں ہے ۔ مثلاً رضاعی بہن لونڈی ہو سکتی ہے ۔

ان کے مخالفین کہتے ہیں ۔

آپ کے نزدیک طلاق سے حرمت واجب نہیں ہوتی کیونکہ رجعت مباح ہے طلاق حرمت کی موجب اس وقت ہوتی ہے جب عدت گزر جاتی ہے اور طلاق کا عدد پورا ہو جاتا ہے ۔ آپ کے اصحاب نے یہ تصریح کی ہے کہ تحریم اگر نکاح کے منافی ہے تو تحریم ملک کے بھی منافی ہے اس بارے میں دونوں مساوی ہیں مجامعت ملک کے سوا کہیں بھی جائز نہیں لہذا اس سے یہ بات متحقق ہو جاتی ہے کہ جس کے ساتھ مجامعت کی جائے وہ ملک میں شامل ہے ۔

مسئلہ : ایک شخص اپنی بیویوں میں سے ایک بیوی کو طلاق دے دیتا ہے پھر مطلقہ کے متعلق کچھ بتانے سے پہلے مر جاتا ہے ۔ متوفی کے ورثاء مطلقہ بیوی کا تعین کرنے کے لئے قرعہ اندازی کریں گے جس کے نام قرعہ نکل آئے گا وہ وراثت سے محروم قرار پائے گی ۔ حنبل رح ، ابو طالب رح ، ابن منصور رح اور مہنا کی روایت کے مطابق امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے یہی منصوص ہے [1]

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ میراث تمام بیویوں میں تقسیم ہوگی [2] ۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ میراث میں سے بیویوں کا حصہ اس وقت تک تقسیم نہیں کیا جائے گا جب تک کہ وہ یہ نہیں بتائیں کہ ان میں سے مطلقہ کون ہے [3]

---

[1] المغنی جلد ۷ صفحہ ۴۲۹ [2] المغنی جلد ۷ صفحہ ۴۲۹ [3] المغنی جلد ۷ صفحہ ۴۲۹

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مذکورہ دونوں اقوال کے لوازم قرعہ اندازی کی صحت پر دلالت کرتے ہیں۔

پہلے قول سے لازم آتا ہے کہ وہ جانتے بُوجھتے ہوئے ایک اجنبی عورت یعنی غیر بیوی کو وارث قرار دے رہے ہیں کیونکہ متوفیؒ کی زندگی میں یہ تین طلاق کے باعث مطلقہ ہو چکی ہے اور مطلقہ ہوتے ہوئے یہ کیونکر وراثت سے حصّہ لے سکتی ہے

دوسرے قول کا لازمہ یہ ہے کہ مال کو روک رکھنے اور اس سے عدم انتفاع کے باعث اس کے ضیاع اور خراب ہونے کا خدشہ ہے خصُوصاً اگر یہ مال کسی حیوان وغیرہ پر مشتمل ہو تو بسا اوقات دیکھ بھال اسکی قیمت سے بھی کئی گنا زیادہ بڑھ جاتے ہیں لہذا توقف اور مال کو روک رکھنے میں کوئی مصلحت نہیں۔

نیز جب دوسری بیویوں کو مال کے ضائع ہونے کا خدشہ نظر آئے گا تو وہ غیر مستحق بیوی کو بھی حصّہ دینے پر رضامند ہو سکتی ہیں، قرعہ اندازی ان تمام خدشات سے نجات دِلاتی ہے۔

یہ بات واضح طور پر معلوم ہے کہ دونوں بیویوں میں سے صرف ایک وراثت کی حقدار رہی ہے لہذا ان کے درمیان استحقاق کے تعین کے لئے قرعہ اندازی نہایت ضروری ہے۔ جیسے اگر وہی شخص مرض الموت میں اپنے تمام غلاموں کو آزاد کر دیتا ہے یا وہ کسی سفر میں اپنی بیویوں میں سے ایک بیوی کو ساتھ لے جانا چاہتا ہے تو استحقاق کا تعین قرعہ اندازی سے کیا جاتا ہے۔ ایک جج کا کام جائدادوں کو معلق رکھنا نہیں بلکہ ان کے مقدمات کے فیصلے کرنا ہے۔ ان حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے جن میں مال کے مستحق فریقوں کو مال کی ضرورت ہوتی ہے تمام بیویوں کو وراثت میں شریک کر لینا مال کو روک کر اس کے تلف ہونے کا خطرہ مول لینے سے بہر حال بہتر ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ شارع نے جھگڑوں کے فیصلوں کو متخاصم فریقین کی باہمی رضامندی اور مصالحت پر موقوف نہیں رکھا شارع تو صرف فریقین کو مصالحت کی تلقین کرتا ہے اگر وہ آپس میں کسی بات پر راضی ہو جاتے ہیں تو ٹھیک ہے ورنہ جھگڑے کا فیصلہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بہر حال ہوتا ہے اور صرف اسی طرح لوگوں کے مصالح قائم رہ سکتے ہیں۔

حنفیہ اور ان کے ہم نوا فقہاء دلیل دیتے ہیں کہ استحقاق کے سبب میں دونوں بیویاں برابر ہیں۔ دونوں میں سے ہر ایک کی دلیل قوت میں دوسرے کی دلیل کے مساوی ہو۔ لہٰذا ضروری ہے وراثت میں بھی ان کا استحقاق مساوی ہے۔

گویا دونوں نے بیوی ہونے کا اپنا اپنا ثبوت فراہم کر دیا ہے۔

قرعہ اندازی کے جواز کے قائل فقہاء کہتے ہیں کہ میراث کی مستحق صرف متوفی کی بیوی ہے، مطلقہ کسی صورت میں میراث میں سے حصہ نہیں لے سکتی۔ پھر کیسے یہ فرض کر لیا جائے کہ استحقاق میں دونوں برابر ہیں جب دونوں اپنے اپنے استحقاق کی دلیل دیں گی تو دونوں کی دلیل ساقط ہو جائے گی اور اس مسئلہ کی حیثیت یہ ہو گی۔ گویا دونوں کے پاس کوئی دلیل نہیں۔

حنفیہ دلیل دیتے ہیں کہ متوفی خاوند کے ترکے میں سے اسکی بیوی اپنے حصے کی مستحق ہے۔ اس استحقاق میں دونوں بیویوں کو ایک دوسری پر کوئی فوقیت حاصل نہیں ہے۔ لہٰذا ترکہ میں سے بیویوں کا حصہ دونوں میں تقسیم ہو گا۔ جیسے اگر ایک سواری کے دو دعویدار ہوں اور سواری کسی اور شخص کے قبضے میں ہو اور دونوں دعوے دار اپنا اپنا ثبوت پیش کر رہے ہوں تو یہ سواری دونوں میں برابر تقسیم کر دی جائے گی۔

مسئلہ: ایک شخص اپنی دو بیویوں میں سے ایک بیوی کو طلاق دے دیتا ہے مگر وہ مطلقہ کا تعین نہیں کرتا پھر ان میں سے ایک بیوی مر جاتی ہے اس صورت میں طلاق کا تعین زندہ رہنے والی پر نہ ہو گا بلکہ زندہ رہنے والی اور متوفیہ کے درمیان طلاق کے تعین کے لئے قرعہ اندازی ہو گی۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زندہ رہنے والی بیوی کو مطلقہ تصور کیا جائے گا ــــــــــ

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زندہ رہنے والی بیوی کو مطلقہ قرار

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہ دیا جائے گا بلکہ متوفیہ کو مطلقہ تصور کیا جائے گا۔

حنفیہ کی دلیل یہ ہے کہ خاوند کو تعین کا اختیار حاصل ہے اور ایک زندہ کے سوا اسکی کوئی اور بیوی نہیں جس پر طلاق واقع ہو سکے جس شخص کو دو امور میں سے ایک امر کو منتخب کرنے کا اختیار حاصل ہو ان میں سے ایک فوت ہو جائے تو لامحالہ دوسرا امر منتخب اور متعین تصور ہو گا۔

قرعہ اندازی کے قائلین یہ دلیل دیتے ہیں کہ اس شخص کو تعین کا اختیار حاصل نہیں ہے اس کو صرف قرعہ اندازی کا اختیار حاصل ہے اور قرعہ اندازی کا محل اب بھی موجود ہے لہذا مطلقہ کا تعین قرعہ اندازی کے ذریعے کیا جائے گا اور طلاق کا وقوع قرعہ اندازی کے وقت سے نہیں بلکہ طلاق کے وقت سے شمار ہو گا[۱] جیسا کہ گزشتہ صفحات میں اس پر بحث گزر چکی ہے۔

حنفیہ دلیل دیتے ہیں کہ متوفیہ غیر مطلّقہ ہے کیونکہ قرعہ اندازی کے قائلین کے ہاں بھی تو اس امر کا امکان موجود ہے کہ طلاق کا قرعہ زندہ بیوی کے نام نکل آئے تب اس صورت میں وہ مطلقہ قرار پائے گی اگر موت سے پہلے اس پر طلاق کا حکم ثابت نہ تھا تو موت کے بعد کیسے ممکن ہے یہ ایسے ہی ہے جیسے موت کے بعد اسے طلاق نہیں دی جا سکتی۔

قرعہ اندازی کے قائلین اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ جب متوفیہ کے نام کا قرعہ نکل آیا تو اس سے یہ واضح ہو گیا کہ درحقیقت وہی اپنی زندگی میں مطلقہ تھی۔

اعتراض: اعتراض کیا جاتا ہے کہ قرعہ اندازی کے ذریعے ایک عورت متعین ہو جاتی ہے اس کے بعد خاوند کو یاد آ جاتا ہے کہ اس نے طلاق تو درحقیقت دوسری عورت کو دی تھی۔ اس بارے میں آپ کیا جواب دیتے ہیں ——— ؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جب طلاق دینے والے کو یاد آ جائے کہ اس نے

---

[۱] المغنی جلد ۸ ص۔۔۔

www.KitaboSunnat.com

طلاق تو دوسری عورت کو دی تھی تب اسے اپنی یادداشت کی طرف لوٹنا ہوگا، اور طلاق اسی بیوی پر واقع ہوگی۔ جس کے متعلق اسے یاد آیا ہے کہ وہ مطلقہ ہے۔ کیونکہ قرعہ اندازی تو صرف اشتباہ کی بنا پر کی گئی تھی۔ جب خاوند کو یاد آگیا تو اشتباہ ختم ہوگیا ——————— لیکن اگر قرعہ اندازی کے ذریعے مطلقہ قرار دی جانے والی عورت کسی اور شخص سے نکاح کر چکی ہو یا قرعہ اندازی عدالت نے کروائی ہو تو اس صورت میں خاوند اپنی یادداشت کی طرف نہیں لوٹے گا۔ امام احمد بن حنبل رح سے یہی منصوص ہے [1]

علامہ خلال رح کی روایت کے مطابق میمونی رح نے امام احمد رح سے اس شخص کے بارے میں بحث کی جس کی چار بیویاں تھیں اس نے ان میں سے ایک بیوی کو طلاق دیدی مگر اسے یاد نہ رہا کہ اس نے کونسی بیوی کو طلاق دی ہے۔ امام صاحب رح نے فرمایا کہ ان کے درمیان قرعہ اندازی کی جائے گی۔ یہی طریق کار غلاموں کے سلسلے میں کیا جائے گا۔

میمونی رح نے عرض کی۔ "ان کے درمیان قرعہ اندازی ہوئی اور ایک کے نام قرعہ نکل آیا پھر خاوند کو یاد آگیا کہ مطلقہ تو دوسری بیوی تھی؟ امام صاحب رح نے فرمایا، وہ شخص اپنی یادداشت کی طرف لوٹے گا جس بیوی کے متعلق اسے یاد آیا ہے کہ وہ مطلقہ ہے طلاق اسی پر واقع ہوگی۔"

میمونی رح نے عرض کی۔ "اگر قرعہ اندازی والی عورت نے دوسرا نکاح کر لیا ہو تب؟" امام احمد بن حنبل رح نے فرمایا "اس شخص نے قرعہ اندازی تو محض اشتباہ کی بناء پر کی تھی — جب طلاق کے تعیّن کے بعد اس عورت نے نکاح کر لیا ہے تو یہ ایسا معاملہ ہے جو ہو چکا ہے۔"

امام احمد رح سے کسی نے پوچھا۔ "اگر ان کے درمیان عدالت میں قرعہ اندازی کی گئی ہو؟" امام صاحب رح نے فرمایا۔ "مجھے پسند نہیں کہ اس صورت میں یادداشت کی طرف رجوع

---

[1] المغنی جلد ۷، ص ۲۴۸

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیا جائے۔ کیونکہ اس صورت میں عدالت کو زیادہ اختیارات حاصل ہیں۔ لہذا میری رائے ہے کہ اگر قرعہ اندازی عدالت میں کی گئی ہو تو عدالت کے فیصلے کو اہمیت دی جائے گی[۱]"

ابو الحارث رح روایت کرتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل رح نے توقف فرمایا، چنانچہ ابو الحارث رح کہتے ہیں کہ میں نے ابو عبد اللہ رح سے عرض کی کہ ایک شخص نے اپنی چار بیویوں میں سے ایک بیوی کو طلاق دی، پھر اسے یاد نہ رہا کہ اس نے کونسی بیوی کو طلاق دی تھی، مطلقہ کے تعین کے لئے ان کے درمیان قرعہ اندازی کی گئی۔ ایک کے نام قرعہ نکل آیا۔ اس عورت اور اس شخص کے درمیان تفریق کروا دی گئی عدالت کے تفریق کروانے کے بعد اس شخص کو یاد آیا کہ اصل مطلقہ تو دوسری بیوی تھی چنانچہ وہ عدالت میں معافی کا خواستگار ہوا اس شخص کے معاملے میں آپ کی کیا رائے ہے"؟

امام صاحب نے فرمایا "اسے چھوڑ دو" اس بارے میں انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔

میں کہتا ہوں کہ اگر قرعہ اندازی کے ذریعے متعین ہونے والی مطلقہ دوسرا نکاح کر لیتی ہے تو پھر خاوند کا قول قبول نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس صورت میں دوسرے خاوند کے حق کا ابطال ہے۔

اعتراض: اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ خاوند اس امر کا ثبوت پیش کر دیتا ہے کہ درحقیقت مطلقہ تو دوسری بیوی تھی — اس کا جواب یہ ہے کہ اس صورت میں بھی ثبوت اور بیّنہ کے مطابق فیصلہ نہ کیا جائے گا کیونکہ قرعہ اندازی کے بعد اس عورت پر طلاق واقع ہو گئی ہے جس کے نام قرعہ نکل آیا ہے اگر فی الواقع وہ عورت مطلقہ نہیں تھی تو قرعہ اندازی نے ان کے درمیان تفریق کروا دی ہے اور عورت کے نکاح نے اس فرقت کو اور مؤکد کر دیا ہے۔

---

[۱] المغنی جلد ۷، ص ۲۴۸

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اعتراض: اعتراض کیا جاتا ہے کہ مذکورہ بالا فیصلے اور نکاح سے قبل یاد آ جانے پر رجوع کے فیصلے میں تناقض ہے —— اس کا جواب یہ ہے کہ اگر عورت اپنی عدت پوری کر کے اپنے نفس کی آپ مالک ہو جاتی ہے تو پھر خاوند کے قول کی قبولیت محلِ نظر ہے لہٰذا اگر عورت اس آدمی کے قول کی تصدیق کر دے کہ فی الواقع مطلقہ تو دوسری عورت تھی تو اس عورت کی زوجیت قائم رہے گی۔ اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں۔ اگر اسے یاد آ جاتا ہے کہ یہ عورت مطلقہ نہیں ہے اور یہ عورت اپنی عدت میں ہو اور طلاق رجعی ہو تب تو کوئی اشکال نہیں، اور خاوند عورت کی رضامندی کے بغیر رجوع کرنے کا حق رکھتا ہے۔ اور اس کا یہ قبول کیا جائے گا کہ مطلقہ دوسری بیوی تھی اگر طلاق بائن ہو تو عدت پوری ہونے تک رُکے رہنا عورت پر خاوند کا حق ہے بنا بریں وہ اپنے گھر میں رُکی رہے گی، فراش بھی قائم رہے گا حتیٰ کہ اگر اس مدتِ امکان میں عورت کسی بچے کو جنم دیتی ہے تو اس کا الحاقِ نسب خاوند سے ہو گا جب اسے یاد آیا کہ مطلقہ تو دوسری بیوی تھی تو پھر اس کے قول کا اعتبار ہو گا۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے گواہ شہادت دیں کہ اس نے طلاق دی ہے پھر گواہ اپنی شہادت سے رجوع کر لیں اور اگر گواہ عادل اور غیر متہم ہوں تو فیصلہ ان کی شہادت کے مطابق کیا جائے گا اور خاوند کو اس کی بیوی لوٹا دی جائے گی۔ اس کے برعکس اگر وہ کہتا ہے کہ مطلقہ تو دوسری تھی اس تو اس صورت میں وہ متہم ہو گا لہٰذا عورت کے عقدِ ثانی کے بعد اور عدالت کے فیصلے کے بعد بیوی اسے واپس نہیں لوٹائی جا سکتی۔

قیاس کہتا ہے کہ عدت پوری ہونے کے بعد عورت اپنے نفس کی خود مالک ہے لہٰذا اسے خاوند کی طرف نہیں لوٹایا جا سکتا۔ البتہ اگر عورت تصدیق کر دے تو اس صورت میں وہ رجوع کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عدت پوری ہونے کے بعد اگر خاوند یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس نے عدت پوری ہونے سے پہلے رجوع کر لیا تھا تو اس کے قول کا اعتبار نہیں ہو گا البتہ اگر اس کے دعویٰ کی تائید میں دو گواہ ہوں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یا خود عورت اس کے دعوے کی تصدیق کردے۔ اس کا قول قابلِ قبول ہے۔
اگر خاوند یہ دعویٰ اس وقت کرتا ہے جب عدّت کے کچھ ایام ابھی باقی ہیں
تو اسکی بات قابلِ قبول ہے اور اسے رجوع کرنے کا حق حاصل ہے۔
اگر قرعہ اندازی عدالت کے حکم سے ہوئی ہو تو پھر عدالت کا حکم ان کے
درمیان تفریق کا فیصلہ تصوّر ہوگا اور خاوند کے اس قول کا اعتبار نہ ہوگا کہ:
"مطلقہ تو دُوسری بیوی تھی۔"

اعتراض: یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ مھنا نے امام احمد سے پُوچھا کہ ایک شخص کی دُو بیویاں ہیں ایک مسلمان اور ایک نصرانی۔
وہ اپنے مرض الموت میں کہتا ہے "میں نے تم دونوں میں سے ایک کو تین طلاق
دے دیں" ـــــ اس کے بعد نصرانی بیوی مسلمان ہو جاتی ہے۔ ان دونوں
میں سے کسی ایک کی عدّت پُورے ہونے سے پہلے خاوند مر جاتا ہے اس نے
دونوں سے مجامعت کی ہے (اس صورت میں طلاق کا تعین کیسے ہوگا)۔؟
امام احمد نے فرمایا: "میری رائے یہ ہے کہ ان کے درمیان قرعہ اندازی کی
جائے گی" ـــــ
کیا نصرانی بیوی کو بھی میراث میں سے مسلمان بیوی کے برابر حصّہ ملے گا؟
امام صاحب نے فرمایا ـــــ "ہاں"۔
میں نے عرض کی۔ "علماء کہتے ہیں کہ نصرانی بیوی کو میراث کا ایک چوتھائی
حصّہ ملے گا اور باقی تین چوتھائی مسلمان بیوی لے جائے گی۔"
امام احمدؒ نے پوچھا ـــــ وہ کیوں ـــــ؟"
میں نے عرض کی ـــــ "کیونکہ نصرانی بیوی نے میراث کا ایک چوتھائی حصّہ
ملے گا اور باقی تین چوتھائی مسلمان بیوی لے جائے"
امام احمدؒ نے پوچھا ـــــ "وہ کیوں ـــــ؟"
میں نے عرض کی۔ "کیونکہ نصرانی بیوی نے میراث کے لالچ میں اگر اسلام قبول

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیا ہے۔ تب بھی کیا میراث ان دونوں میں مساوی تقسیم ہوگی ؟"

امام صاحبؒ نے فرمایا ——— "ہاں۔"

مذکورہ روایت میں امام احمد بن حنبلؒ سے ان دونوں کے درمیان تعیین طلاق کے لئے قرعہ اندازی منصوص ہے اور یہ بھی منصوص ہے کہ ان دونوں کے درمیان میراث برابر برابر تقسیم کی جائے گی ——— آخر اس صورت میں قرعہ اندازی کا کیا فائدہ ہے ؟ ——— یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ یہ قرعہ اندازی کا کیا فائدہ ہے ؟ ——— یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ یہ قرعہ اندازی عدّت کی مُدت کے تعیّن کے لئے ہے کیونکہ مطلقہ تو طلاق ہی کی عدّت پُوری کرے گی کہ آپ لوگوں کی تصریح ہے کہ مطلقہ وہ عدت پُوری کرے گی جو طویل تر ہے اور اس میں کم تر مُدت بھی شامل ہو جائے گی جیسا کہ قاضی نے تصریح کی ہے اس طرح قرعہ اندازی میں اصولاً کوئی فائدہ نہیں رہ جاتا۔ کیونکہ دونوں میراث میں مساوی حصّہ دار ہیں اور عدّت بھی ایک جتنی گزاریں گی (یہ ہے ان کا اعتراض)

اس کا جواب یہ ہے کہ قرعہ اندازی میراث کے تعیّن کے لئے نہیں ہے میراث کے بارے میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے واضح کر دیا ہے کہ دونوں میں مساوی طور پر تقسیم ہوگی۔ یہ قول امام صاحب کے اصول کے مطابق ہے کیونکہ مطلقہ مبتوتہ جب تک عدت میں ہے میراث کی مستحق رہے گی مقصد یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ متوفیٰ نے نصرانی بیوی کا تعیّن کر دیا ہو اور نصرانی بیوی نے اپنی عدّت کے اندر ہی اسلام قبول کر لیا ہوتا تو دونوں وراثت میں سے حصّہ لیتیں۔ رہی قرعہ اندازی کی بات تو یہ صرف مطلقہ کے تعیّن کے لئے ہے تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ خاوند کی موت کے وقت ان دونوں میں سے کون بیوی تھی اور کون مطلقہ۔ جب قرعہ ان میں سے ایک کے نام نکل آیا ہے تو یہ بات متعیّن ہوگئی کہ یہ مطلقہ ہے۔ یہ میراث کی مستحق تو اس وجہ سے ہے کہ خاوند نے اسے حالتِ مرض میں اپنی موت کے قریب طلاق دی ہے۔ عدّت میراث کے تابع ہوتی ہے۔ مرنے والے کی موت سے قبل اگر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عدت پوری ہو جائے تو وہ اجنبی عورت قرار پائے گی حتیٰ کہ اگر خاوند نے طلاق سے لے کر اپنی موت تک اس پر کوئی خرچ نہ کیا ہو تو خاوند کے ترکہ سے نفقہ نہ لیا جائے گا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ہو سکتا ہے متوفیٰ نے یہ سب کچھ نصرانیہ کو وراثت سے محروم کرنے کے لئے کیا ہے۔ کیونکہ اس کو علم ہے نصرانی بیوی وارث نہیں بن سکتی، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس پر تہمت بہر حال قائم ہے کیونکہ یہ بھی تو ممکن ہے کہ نصرانی بیوی اسکی موت سے پہلے مسلمان ہو جائے۔ اور رہی کسی کی رائے کہ نصرانی بیوی اپنے مسلمان خاوند کی وراثت میں چوتھا حصہ لے گی تو ہمیں معلوم نہیں کہ کس کی رائے ہے تاہم یہ رائے صحیح نہیں اور نصرانی بیوی کے قبولِ اسلام کو میراث کے لالچ سے معلول کرنا اس سے بھی عجیب تر ہے۔

اعتراض: ایک شخص نے اپنی تین[1] بیویوں میں سے ایک بیوی کو طلاق دیدی مگر اسے یاد نہ رہا کہ اس نے کون سی بیوی کو طلاق دی تھی اس کے بعد وہ مر گیا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے جب اس کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: يَنالُهُنَّ مِنَ الطلاق ما يَنالُهُنَّ مِنَ الميراث (جیسے ان سب کو خاوند کی وراثت ملے گی اسی طرح ان سب کو طلاق بھی پہنچے گی) ابن عباس کے اس فتویٰ کا معنیٰ کیا ہے؟ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے اس فتویٰ کے متعلق پوچھا گیا تو انھوں نے جواب دیا کہ اس فتویٰ کا معنی یہ ہے کہ طلاق سب پر واقع ہو جائے گی اور وراثت میں سب حصہ پائیں — چنانچہ اسحاق بن منصور کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد رحمہ اللہ سے عرض کی کہ عمرو بن هرم (عن زید بن جابر عن ابن عباس) کی حدیث "ينالهن من الطلاق ما ينالهن من الميراث" سے کیا مراد ہے؟

امام احمد نے فرمایا: "کیا وہ سب وراثت میں شریک نہیں ہوں گی؟"

---

[1] السنن الکبریٰ بیہقی جلد ۷ ص ۳۶۳ سنن بیہقی کی روایت میں چار بیویوں کا ذکر آیا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں نے عرض کی "ہاں وہ سب شریک ہوں گی۔"

انہوں نے فرمایا: "بس اسی طرح ان سب پر طلاق بھی واقع ہو گی۔"

(اس کا جواب یہ ہے) کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی یہ توضیح وتفسیر اس بات کی دلیل نہیں کہ یہ اُن کا مذہب بھی ہے انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباس کے قول کی تفسیر کی ہے اپنی رائے کا اظہار نہیں کیا۔ البتہ امام مالکؒ اور ان کے ہم مسلک فقہاء اس فتویٰ سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ تمام بیویوں پر طلاق واقع ہو جائے گی ــــــــــــــ

نیز میں کہتا ہوں کہ اس میں ایک اور معنیٰ کا احتمال بھی موجود ہے یعنی طلاق تو ان میں سے اس بیوی پر واقع ہو گی جس کا تعین قرعہ اندازی یا کسی اور طریقے سے کیا گیا ہو گا اس طرح وہ میراث سے محروم ہو جائے گی۔ تب مفہوم یہ ہو گا کہ طلاق کا جو حکم ان پر لاگو ہو گا اس کے مطابق ان پر میراث کا حکم بھی نافذ ہو گا۔

ان شاء اللہ یہ توضیح زیادہ واضح ہے۔ کیونکہ فتویٰ کے الفاظ اس بات پر دلالت نہیں کرتے کہ تمام بیویاں میراث میں سے حصہ لیں گی۔ نیز یہ استدلال ممکن بھی نہیں جب تک کہ طلاق رجعی نہ ہو یا ایک قول کے مطابق طلاق سے تمام بیویوں کے مطلقہ ہونے کا فتویٰ کیونکر دے سکتے ہیں اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ خاوند نے حالتِ صحت میں سے کسی ایک بیوی کو طلاقِ بائین دی ہو اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس مطلقہ کو بھی دوسری بیویوں کے ساتھ میراث میں شریک بنا دیں ــــــــ؟

ہم نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے فتویٰ کی جو تفسیر بیان کی ہے اس سے ان کے کلام میں کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔

علامہ حربؒ نقل کرتے ہیں کہ میں نے امام احمدؒ سے عرض کی کہ ایک

مسئلہ: شخص کے چند غلام ہیں وہ ان میں سے ایک غلام کو آزاد کر دیتا ہے مگر وہ واضح نہیں کرتا کہ کونسا غلام آزاد ہے؟"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام احمدؒ نے جواب دیا "یہ مسئلہ مشتبہ ہے"

میں (ابن قیمؒ) کہتا ہوں کہ ایک جماعت نقل کرتی ہے کہ اس آزاد کئے گئے غلام کا تعین قرعہ اندازی کے ذریعے کیا جائے گا۔ میمونیؒ، بکر بن محمدؒ، حنبلؒ، ابو طالبؒ، اسحاق بن ابراہیم اور مہنا بن یحییٰ کی روایات میں یہی منصوص ہے۔

علامہ حربؒ کی روایت میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا اس مسئلہ کو "مشتبہ" قرار دینا درحقیقت ان کی طرف سے توقف کی دلیل ہے نیز اس میں فیصلے کے متعلق "اشتباہ" کا احتمال بھی ہو سکتا ہے یعنی آیا اس کا فیصلہ قرعہ اندازی سے کیا جائے یا اپنے اختیار سے آزاد ہونے والے کا تعین کیا جائے۔ مگر متواتر روایات سے ثابت ہے کہ اس مسئلہ میں امام احمدؒ کا مذہب یہ ہے کہ قرعہ اندازی کے ذریعہ اس کا تعین کیا جائے گا۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے قولِ مذکور میں ایک اور معنیٰ کا احتمال بھی ہو سکتا ہے اور انشاء اللہ یہی مفہوم زیادہ واضح اور اُن کی مراد یہ ہے کہ آزاد کرنے والا ان غلاموں میں سے ایک غلام کی آزادی کی خبر دے رہا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اُن سے ایک غلام کی آزادی اس کی طرف سے "انشاء" ہو۔ دونوں صُورتوں میں فیصلہ مختلف ہوگا اگر یہ "اخبار" ہے تو یہ غیر معین غلام کی آزادی کی خبر ہے اور اگر یہ "انشاء" ہے تو یہ غیر معیّن غلام کی آزادی کا حکم ہے۔ یہ ہے اشتباہ کی وجہ — (گویا اشتباہِ اخبار اور انشاء میں ہے) اور اس کے بعد اگر وہ آزاد کردہ غلام کا تعیّن کئے بغیر مر جاتا ہے تو ان کے درمیان قرعہ اندازی ہوگی۔

مسئلہ: علامہ مہناؒ روایت کرتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبلؒ سے عرض کی: "ایک شخص کہتا ہے کہ میرے غلاموں میں سے جو سب سے پہلے آئے گا وہ آزاد ہے چنانچہ بیک وقت دو غلام یا تمام غلام آجاتے ہیں ان کے بارے میں اہلِ علم کی مختلف آراء ہیں آپ کی کیا رائے ہے؟"

امام احمدؒ نے فرمایا: "ان کے درمیان قرعہ اندازی کی جائے گی جس کے نام

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرعہ نکل آئے گا وہ آزاد ہو جائے گا۔"

مہنا کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی۔ "ایک شخص کی چار بیویاں ہیں اور وہ کہتا ہے کہ جو سب سے پہلے آئے گی اُسے طلاق ہے اگر چاروں ایک ہی وقت آجائیں تب آپ کی کیا رائے ہے ـــ ؟" امام احمدؒ نے فرمایا: "اس بارے میں آپ ارشاد فرمائیے۔"

امام صاحبؒ نے فرمایا: بعض کہتے ہیں تمام بیویوں پر ایک طلاق واقع ہو جائیگی۔
میں نے عرض کی۔ "آپ کی اپنی رائے کیا ہے؟"

فرمایا: "ان کے درمیان قرعہ اندازی کی جائے گی جس کے نام قرعہ نکل آئے گا اس پر طلاق واقع ہو جائے گی۔"

لفظ "اوّل" (یعنی سب سے پہلے) سے مراد یہ ہے کہ جو دوسرے سے متقدم ہو نیز اس سے مراد یہ بھی ہے کہ اس سے کوئی متقدم نہ ہو۔ پہلے معنیٰ کے مطابق اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس پر "اوّلیت" کا اطلاق اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک اسکی پیروی کرنے والا اور اس کے پیچھے آنیوالا کوئی نہ ہو۔ اور دوسرے معنیٰ میں اس کا مطلب یہ ہو گا کہ اگر اس سے متاخر کوئی اور نہ ہو تب اس پر "اوّلیت" کا اطلاق ہو گا۔

مذکورہ اصول کے مطابق جس شخص کی صرف ایک ہی بیوی اور اس نے ایک بچّے کو جنم دیا ہے اس کے لئے یہ کہنا درست ہے کہ: "یہ میری پہلی بیوی ہے اور یہ میرا پہلا بچّہ ہے۔" اسی طرح اگر کوئی کہتا ہے: "پہلا بچّہ جسے تو جنم دے گی وہ آزاد ہے۔" اس عورت نے ایک بچّے کو جنم دیا اس کے بعد اس کے ہاں کوئی بچّہ نہ ہوا، یہ بچہ آزاد ہو جائے گا۔

اگر کوئی کہتا ہے کہ: "پہلا غلام جو میں خریدوں گا وہ آزاد ہے۔" تو خریدا ہوا غلام آزاد ہو جائے گا خواہ اس کے بعد وہ کوئی اور غلام نہ خریدے۔

اسی طرح اگر وہ کہتا ہے: "میرا جو غلام پہلے آئے گا وہ آزاد ہے یا میری بیویوں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں سے جو پہلے آئے گی اسے طلاق ہے"۔۔۔۔۔ پھر ان میں سے ایک جماعت آگئی" ان میں سے ہر ایک میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ اس پر "اوّلیت" کا اطلاق ہو سکے اور ان میں سے کسی کو دوسرے پر کوئی خصوصیت حاصل نہیں۔ تب اس صورت میں قرعہ اندازی کے ذریعے آزاد ہونے والے غلام یا مطلقہ بیوی کا تعیّن کیا جائے گا ۔۔۔۔۔۔

اگر ان غلاموں میں سے کوئی ایک غلام سب سے پہلے آجاتا ہے تو وہ آزاد ہو جائے گا اگر بیوی ہے تو اسپر طلاق واقع ہو جائے گی اگر بیک وقت تمام غلام یا تمام بیویاں آجاتی ہیں تو اس صورت میں چونکہ آزادی یا طلاق کا مستحق صرف ایک فرد ہے، جو غیر معیّن ہے اس لئے اس کا تعیّن قرعہ اندازی کے ذریعے کیا جائے گا۔

اعتراض: اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ چونکہ پہلے آنے میں سب برابر ہیں اور ان میں سے کسی فرد پر "اوّلیت" کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ لہذا یوں کہا جا سکتا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی ایک دوسرے سے اوّل نہ تھا، تب وہ شرط جس پر آزادی معلّق ہے کسی میں بھی موجود نہیں، اگر وہ سب "اوّلیت" میں شریک ہیں تو آزادی اور طلاق میں بھی شریک ہوں گے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر وہ سب "اوّلیت" میں شریک ہیں تو آزادی اور طلاق میں بھی شریک ہوں گے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر وہ سب کے لئے آزادی اور طلاق کی نیّت کرے گا تو اس پر سب کے لئے آزادی اور طلاق واجب ہو جائے گی مگر ہماری منشاء تو صرف یہ ہے کہ اگر وہ آزادی اور طلاق کی نیّت صرف ایک فرد کے لئے کرتا ہے جس میں یہ مذکورہ صفت پائی جائے۔ اگر پوری جماعت اس مذکورہ صفت سے متّصف ہو تو ایک فرد کے تعیّن کے لئے ان میں قرعہ اندازی واجب ہے۔ کیونکہ نیّت عام کو مخصوص اور مُطلق کو مُقیّد کر دیتی ہے۔

مقصد یہ ہے کہ چونکہ اس شرط میں ایک جماعت شریک ہے لہذا نیّت کی بناء

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پر جماعت میں سے ایک کو مخصوص کیا جائے گا۔

اگر کوئی شخص یہ سوال کرتا ہے کہ ایک شخص اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے مگر اسکی نیت نہیں ہوتی۔ آپ لوگوں کی اس بارے میں کیا رائے ہے ——— تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اس نے علی الا طلاق کہا ہے تو طلاق صرف ایک ہی پر واقع ہوگی۔ کیونکہ اس نے تو یہ کہا ہے۔ "جو غلام سب سے پہلے آئے گا۔ وہ آزاد ہے یا جو بیوی سب سے پہلے آئے گی اسے طلاق ہے" یہ کلام تقاضا کرتا ہے کہ تمام افراد میں سے صرف ایک فرد پر آزادی یا طلاق کا حکم لگایا جائے۔ گویا قائل کی مراد یہ ہے "میرے تمام غلاموں میں سے ایک غلام جو پہلے آئے گا آزاد ہے یا میری بیویوں میں سے ایک بیوی جو پہلے آئے گی اسے طلاق ہے۔" اب صورتِ مذکورہ میں ہر فرد اس صفت سے متصّف ہے حالانکہ اس شخص نے آزادی یا طلاق صرف ایک فرد پر واقع کی ہے پس فرد قرعہ اندازی کے ذریعے متعیّن ہو گا۔ اب وہ شخص جو قرعہ اندازی کا قائل نہیں اس فرد کا تعیّن یا تو اپنے ارادے اور اختیار سے کرے گا اور اس طریقہ کے مفاسد ہم گزشتہ صفحات میں بیان کر چکے ہیں۔ لہذا وہ طریقہ جو شارع نے اس فرد کے تعیّن کے لئے مشروع کیا ہے خود اپنے اختیار اور ارادے سے تعیّن کرنے سے بہتر ہے۔

یا اُسے تمام غلاموں کو آزاد کرنا ہوگا مگر یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ اس نے تو آزادی یا طلاق صرف ایک فرد پر واقع کی تھی۔ اس نے تمام افراد پر آزادی یا طلاق واقع نہیں کی تھی۔ اس بارے میں اس کا کلام بالکل واضح اور صریح ہے ———

یا کوئی غلام آزاد نہیں ہوگا اور کسی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہو گی مگر یہ موقف بھی صحیح نہیں کیونکہ وصفِ مشروط موجود ہے اگر غلام یا بیوی پہلے آنے میں منفرد ہو جائے تو صفتِ مشروط ان میں واقع ہو جاتی ہے اور اس صفت میں اشتراکِ غیر کی بناء پر وہ فرد اس صفت سے خارج نہیں ہوتا۔ اب چونکہ ایک صفت اور وصف میں ایک جماعت شریک ہے۔ اور کہنے والے کی مراد صرف ایک فرد

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے لہذا اس فرد کا تعین قرعہ اندازی سے کیا جائے گا۔

مسئلہ: ایک شخص اپنی لونڈی سے کہتا ہے کہ پہلا بچہ جسے تو جنم دے گی وہ آزاد ہے۔ یہ عورت دو جڑواں بچوں کو جنم دیتی ہے مگر یہ معلوم نہیں کہ ان میں سے کونسا بچہ پہلے پیدا ہوا ہے اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے ۔۔۔۔؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ان کے درمیان قرعہ اندازی ہوگی ابن منصورؒ کی روایت کے مطابق امام احمدؒ سے[۱] منصوص ہے کہ ان کے درمیان قرعہ اندازی کی جائے گی۔ جس کے نام قرعہ نکل آئے گا وہ آزاد ہو جائے گا۔ یہ اس بارے میں نظیر ہے۔ جب "اولیت" کے تعین میں اشکال پیدا ہو جائے (تو اولیت کا تعین قرعہ اندازی کے ذریعے کیا جاتا ہے)

اعتراض: اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس عورت نے دونوں بچوں کو ایک ساتھ جنم دیا ہے وہ اس طرح کہ اس عورت نے بچوں کو ایک تھیلی کی مانند جنم دیا ہے اور اس تھیلی میں دو یا دو سے زائد بچے تھے ۔۔۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان کے درمیان بھی قرعہ اندازی کی جائے گی[۲] اور قرعہ اندازی کے ذریعے آزاد بچے کا تعین کیا جائے گا۔ اس مسئلہ کو اس قول پر قیاس کیا گیا ہے سب سے پہلے جو غلام آئے گا وہ آزاد ہے، پھر سب غلام بیک وقت اکٹھے آ جاتے ہیں تو ان میں سے آزاد کے تعین کے لئے ان کے درمیان قرعہ اندازی کی جائے گی۔" ۔۔۔۔ علامہ ابن قدامہؒ "المغنی" میں رقمطراز ہیں:

اس میں اس معنی کا احتمال بھی موجود ہے کہ دونوں آزاد ہو جائیں گے چونکہ "اولیت کی صفت تو دونوں میں پائی جاتی ہے اس لئے حرمت بھی دونوں میں ثابت ہو گی جیسے مسابقت میں کہا جائے کہ سبقت لے جانے والے کو دس درہم ملیں گے ان میں سے دو شخص سبقت لے جاتے ہیں۔ تو وہ دونوں دس درہم میں شریک ہوں گے۔[۳]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں وہ جس کو چاہے آزاد کر سکتا ہے[۴] ۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں ۔" ان میں سے کوئی آزاد نہیں ہوگا کیونکہ ان میں سے کوئی بھی اوّلیت کا حامل نہیں اوّلیت میں دونوں برابر ہیں ۔"

جس نے اوّلیت کی شرط لگائی ہے اس نے اوّل کو سبقت دی ہے[۵] ۔

علّامہ ابن قدامہؒ فرماتے ہیں[۱]

"ہماری دلیل یہ ہے کہ چونکہ ان دونوں پر کوئی اور سبقت حاصل نہیں کر سکا اس لئے دونوں فردِ واحد کی مانند سبقت میں اول ہیں اور اوّلیت کے لئے یہ شرط لازم نہیں کہ اوّل کے بعد دوم بھی ہو ۔ بنائے دلیل یہ ہے کہ اگر اسکی ملکیت میں صرف ایک غلام ہوا در اس کے بعد اسکی ملکیت میں کبھی کوئی غلام نہ آیا ہو ۔ (معلوم ہوا کہ) اگر مذکورہ صفت دونوں میں موجود ہے تو اس صورت میں یا دونوں آزاد ہوں گے یا اُن میں ایک آزاد ہو گا اور اس ایک کا تعین قرعہ اندازی سے ہو گا ۔ جیسا کہ گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے ۔"

علّامہ ابن قدامہؒ رقمطراز ہیں :

" اسی طرح اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ سب سے پہلا بچّہ جسے تو جنم دے گی وہ آزاد ہے اس نے دُو بچوں کو جنم دیا اور دونوں بچے بیک وقت باہر آئے تو ان کا حکم بھی وہی ہے جو متذکرہ صدر سطور میں گزر چکا ہے[۱]

مسئلہ : اگر دونوں بچّوں میں سے پہلا بچّہ مُردہ اور دُوسرا بچّہ زندہ ہو تب اس بارے میں کیا حکم ہے ؟

علّامہ ابن قدامہؒ المغنی میں لکھتے ہیں[۲]

" شریفؒ فرماتے ہیں کہ زندہ بچّہ آزاد ہو جائے گا امام ابو حنیفہؒ کی بھی یہی رائے ہے ۔ قاضی ابو یوسفؒ ، امام محمدؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ دونوں میں

[۱] المغنی لابن قدامہ جلد ۱۰ صفحہ ۴۲۹ [۲] المغنی جلد ۱۰ صفحہ ۴۴۴ [۳] المغنی جلد ۱۰ صفحہ ۴۲۲
[۵] المغنی جلد ۱۰ صفحہ ۴۴۴

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے کوئی آزاد نہ ہوگا" ---- پھر ابن قدامہؒ فرماتے ہیں کہ انشاء اللہ یہی مسلک صحیح ہے کیونکہ مذکورہ شرط مُردہ بچے میں پائی گئی ہے جو آزادی کا محل نہیں ہے۔ لہذا قسم پُوری ہوگئی کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ آزادی کی شرط صرف اسی میں پائی گئی۔ کیونکہ پیدا ہونے میں سب سے پہلا بچہ یہی تھا۔ بنائے دلیل یہ ہے کہ اگر وہ اپنی لونڈی سے یہ کہتا ہے کہ جب تو کسی بچے کو جنم دے گی تو آزاد ہے اگر وہ مُردہ بچے کو جنم دیتی ہے تو وہ آزاد ہو جائے گی۔"

پہلے قول کے قائل اہلِ علم یہ دلیل دیتے ہیں کہ میت پر آزادی کا اطلاق محال ہے۔ لہذا اس کا اطلاق زندہ پر ہوگا۔ مثلاً" اگر وہ یوں کہتا۔" اگر میں نے فلاں کو مارا تو میرا غلام آزاد ہے۔ اگر وہ اس کو زندہ حالت میں مارتا ہے ---- تو غلام آزاد نہیں ہوگا کیونکہ یہ ہمیں عادۃً" معلوم ہے کہ اس نے آزادی کی شرط اس بچے پر عائد کی ہے جس پر آزادی کا اطلاق صحیح ہے۔ اور یہ اطلاق صرف اسی صورت میں صحیح ہو سکتا ہے جب بچہ زندہ ہو۔ چنانچہ زندگی آزادی کے لئے شرط بن جائے گی گویا کہنے والے کے قول کا مفہوم یہ ہوگا۔

" تو جس پہلے زندہ بچے کو جنم دے گی وہ آزاد ہے۔"

" المحرر" کے مصنف رقم طراز ہیں کہ اگر یہ کہا جائے۔" تونے جب کسی بچے کو جنم دیا یا جب تُونے پہلے بچے کو جنم دیا تو وہ آزاد ہے" چنانچہ اس نے ایک مُردہ بچے کو جنم دیا پھر زندہ بچے کو" ---- یا وہ شخص یوں کہتا ہے۔" تو جس آخری بچے کو جنم دے گی وہ آزاد ہے" چنانچہ پہلے وہ زندہ بچے کو جنم دیتی ہے پھر مُردہ بچے کو اس کے بعد اسے کوئی بچہ پیدا نہیں ہوتا۔ آیا اس صورتِ مذکورہ زندہ بچہ آزاد ہو جائے گا ---- ؟

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے اس بارے میں دو قول مروی ہیں۔ اگر وہ کہتا ہے کہ میری لونڈی جو پہلا بچہ جنے گی وہ آزاد ہے" وہ لونڈی دو بچوں کو جنم دیتی ہے مگر یہ اشکال واقع ہو جاتا ہے دونوں بچوں میں سے پہلے کس نے جنم لیا ہے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چنانچہ قرعہ اندازی کے ذریعے ان میں سے آزاد کا تعین کیا جائے گا۔

اب اگر قرعہ اندازی کے بعد لوگوں پر یہ واضح ہو جائے کہ قرعہ اندازی کے ذریعے آزاد کے تعین میں خطا ہوئی ہے تو یہ بچہ آزاد ہی شمار کیا جائے گا۔ مگر کیا دوسرا بچہ غلام رہے گا ---- ؟

اس بارے میں دو آراء ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ پہلا اور دوسرا مسئلہ درحقیقت دو اصولوں پر مبنی ہے۔

اوّل: آیا میت پر سے ہر حکم ساقط ہو جاتا ہے اور اس کا ہونا نہ ہونا ایک برابر ہے کیونکہ میت پر آزادی کا نفاذ نہیں ہو سکتا یا اس کے حکم کا اعتبار ایک زندہ کے حکم کی طرح ہو گا ؟

ثانی: کیا اس کی اوّلیت کے لئے شرط لازم ہے کہ اس کے بعد کو دوسرا بچہ بھی ہو یا اس کی ابتداء اس کی سبقت کے اطلاق کیلئے کافی ہے۔ خواہ اس کے بعد دوسرا کوئی نہ آئے۔

رہی مطلق ولادت کی شرط پر آزادی تو اس میں جو اشکال ہے وہ بالکل واضح ہے کیونکہ اس صورت میں اسے اسطرح کہنا ہوگا۔ "جب تو کسی بچے کو جنم دے گی وہ آزاد ہے" پھر جب وہ پہلے مُردہ بچے کو جنم دے پھر زندہ بچہ پیدا ہو۔ اگر ہم مُردہ بچے کے حکم کا اعتبار نہ کریں تو زندہ بچہ آزاد ہو جائے گا کیونکہ موجود تو وہی ہے اور اگر ہم اس کا اعتبار کریں تو اس پر آزادی کا حکم لگایا جائے گا۔ مناسب یہی ہے کہ زندہ بچے میں اس صفت کے وجود کی وجہ سے آزادی کا حکم لگایا جائے۔

اعتراض: اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ "اذا" (جب) تکرار کا تقاضا نہیں کرتا لہٰذا پہلے بچے کے وجود کے ساتھ یہ شرط پوری ہو جاتی ہے اور حکم کا تعلق اسی کے ساتھ ہے اس لئے دوسرا بچہ آزاد نہیں ہو گا۔

اس کا جواب ہے کہ یہ اس قول کا ماخذ ہے مگر "اذا وَلَدْتِ ولدًا" (یعنی جب تو کسی بچے کو جنم دے) میں اگر سیاقِ شرط میں نکرہ ہے تو اس کا حکم

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہر بچے پر عام ہو گا اور چونکہ ولادت کو سببِ حریت بنایا ہے لہٰذا حکم دو وجہ سے عام ہو گا۔ اوّل :۔ معنی اور سبب کی عمومیت کی وجہ سے۔

ثانی :۔ لفظ نکرہ کے عام واقع ہونے کے سبب سے اسکی عمومیت اور نکرہ کا تقاضا اگرچہ تکرار نہیں ہے مگر سیاق شرط میں نکرہ کے واقع ہونے سے جو عموم مستفاد ہوتا ہے اسکی حیثیت ایسے ہی ہے جیسے وہ کہے : ایّ وَلَدٍ وَلَدْتِہٖ فھو حرٌّ (تو نے جس بچے کو بھی جنم دیا وہ آزاد ہے) یا وہ کہے مَنْ وَلَدْتِہٖ فھو حرٌّ (جسے بھی تو نے جنم دیا ہے وہ آزاد ہے) دونوں نقروں میں) "ایٌّ" اور "مَنْ" میں عمومیت مستفاد ہوتی ہے۔ یہ لفظ بھی عام ہے۔ اور وہ بھی عام ہے تب دونوں کے "عموم" میں کیا فرق ہے۔

کہا جاتا ہے کہ "من" اور "ایّ" میں اداۃِ شرط نفس مفعول ہو کہ متعلق فعل ہے بنا بریں ہم "مَنْ" کے محل پر مفعولیت کی وجہ سے نصب کا حکم لگاتے ہیں اور "ایٌّ" میں تو بالکل واضح ہے پس وہ عموم اداۃ میں نفس مولود کے لیئے ہے۔ بعینہٖ "اذا وَلَدْتِ وَلَدًا" میں بھی موجود ہے البتہ اگر ایک کی تخصیص ہو اور عموم کا ارادہ نہ ہو تو یہ تخصیصِ عام کا ایک باب ہے۔

مسئلہ : اگر یہ امتیاز کرنا مشکل ہو جائے کہ ان میں کسے سبقت حاصل ہے اور قرعہ اندازی کے بعد معلوم ہو کہ جس پر قرعہ نکلا ہے درحقیقت اسے سبقت حاصل نہیں، پھر بھی وہ آزاد ہو جائے گا، کیونکہ اس پر آزادی کا عمل واقع ہو چکا ہے آزادی کا عمل یاد آنے پر موقوف نہیں ہے۔ اس کی آزادی کا دار و مدار تو سبب پر ہے اور یہ سبب یادآوری سے پہلے موجود ہے۔

رہی یہ بات کہ آیا دوسرا غلام غلامی میں رہے گا یا نہیں ؟ تو اس بارے میں ایک رائے تو یہ ہے کہ قرعہ اندازی کے ذریعے فیصلہ ہو گیا اور دونوں میں سے ایک کو آزاد قرار دیدیا گیا۔

اگر یہ کہا جائے کہ قرعہ اندازی نے تو آزاد قرار دیدیا ہے لہٰذا اس کے آزاد

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرار دیئے جانے کے بعد آزادی کو رفع نہیں کیا جا سکتا۔

اگر یہ کہا جائے کہ قرعہ اندازی نے تو صرف دوسرے غلام کی غلامی کا انکشاف کیا ہے چونکہ اب ہم پر قرعہ اندازی کی خطا واضح ہوگئی ہے لہٰذا معاملہ کے مبہم اور مخفی رہ جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ واضح صورت حال میں بھی قرعہ اندازی کے عمل کو تسلیم کر لیا جائے۔ اس کی توضیح یوں ہے کہ جس طرح یہ ظہور اور تبیّن معاملے کی ابتدا میں ہے اور جس کو یہ ترجیح دیتا ہے آزادی کو اس کے ساتھ مختص کر دیتا ہے اسی طرح یہ ظہور اثنائے حال میں بھی ہے۔

مسئلہ کی حقیقت یہ ہے کہ قرعہ اندازی کا حکم اسوقت تک قائم رہے گا جب تک اشکال باقی ہے۔ جب اشکال زائل ہو جاتا ہے تو اس کے استمرار کی شرط بھی زائل ہو جاتی ہے اور یہ زیادہ قرین قیاس ہے۔

بعض یہ دلیل دیتے ہیں کہ غلام کی آزادی کا فیصلہ شارع کے مقرر کردہ طریق کار کے ذریعے کیا گیا ہے اگرچہ فی نفس الامر اس میں خطا کا امکان موجود ہے جب شارع کے فیصلے کے مطابق غلام کو آزاد کر دیا جاتا ہے تو اس کی آزادی کیسے رفع ہو سکتی ہے

بنا بریں جو آزاد ہو گیا اس کی آزادی کا استمرار و دوام بعید نہیں ہے اور جو قرعہ اندازی میں رہ گیا وہ غلام رہے گا۔ کیونکہ اسکی حریت کے حصول کا حکم نسیان اور لاعلمی کی بنا پر زائل ہو گیا ہے۔ قرعہ اندازی نے وہ حکم منسوخ اور باطل کر دیا گویا کہ وہ تھا ہی نہیں اور وہ حکم قرعہ اندازی کی طرف منتقل ہو گیا۔ لہٰذا اس کا ابطال جائز نہیں —— اور ایسا کہنا بعید نہیں۔

مسئلہ: بکر بن محمدؒ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص کی دو بیویاں تھیں وہ ان میں سے ایک کو سفر پر لے جانا چاہتا تھا امام احمد بن حنبلؒ نے اس بارے میں فرمایا۔

دونوں بیویوں کے درمیان قرعہ اندازی کی جائے جس کے نام قرعہ نکل آئے اس کو سفر پہ لے جایا جائے۔ یا دونوں کی رضامندی کے ساتھ خاوند ان میں سے ایک

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو سفر پر لے جائے اور قرعہ اندازی کی ضرورت ہی نہ رہے۔ ان میں سے ایک کے سفر پر جانے پر دوسری رضامند ہو تو ٹھیک ہے ورنہ قرعہ اندازی کے بغیر چارہ نہیں"

یہ اس امر کی دلیل ہے کہ قرعہ اندازی صرف اس صورت میں مشروع ہے (جب کہ تمام فریقوں کے حقوق مساوی ہوں) اور کوئی بھی دوسرے کے لئے اپنا حق چھوڑنے پر آمادہ نہ ہو۔ اگر ان میں سے ایک بیوی اپنی سوت کے سفر پر جانے پر رضامند ہے تو خاوند کے لئے قرعہ اندازی کے بغیر اس بیوی کو ساتھ لے جانا جائز ہے۔ اگر اس بیوی کو یہ چیز ناپسند ہو اور وہ قرعہ اندازی کا مطالبہ کرے اور صرف قرعہ اندازی میں نام نکلنے کی صورت میں سفر پر جانے پر رضامند ہو تو اس بیوی کے لئے ایسا کرنا جائز نہیں۔ اور خاوند اس کو اس کی مرضی کے علی الرغم سفر پر ساتھ لے جا سکتا ہے۔ کیونکہ وہ اس کو سفر پر اپنے ساتھ لے جانے کا اختیار رکھتا ہے۔ قرعہ اندازی کا معاملہ تو تمام بیویوں کے سفر پر جانے کی خواہش پر موقوف ہے۔

مسئلہ: علامہ حرب کہتے ہیں کہ میں نے خرید و فروخت میں قرعہ اندازی کے متعلق امام احمدؒ سے پوچھا کہ کچھ لوگ کوئی چیز مشترکہ طور پر خرید لیتے ہیں۔ اور پھر اس پر قرعہ اندازی کرتے ہیں۔؟"

امام احمدؒ نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں"

ابن بختانؒ نے بھی اسی طرح روایت کی ہے۔

اس کا معنیٰ یہ ہے کہ لوگ مل کر کوئی چیز خرید لیتے ہیں پھر اسے تقسیم کرنے کے لئے اس کے حصے بنا لیتے ہیں۔ پھر ان حصوں پر قرعہ اندازی کرتے ہیں جس کے نام جو حصہ نکل آتا ہے وہ اسے مل جاتا ہے۔

مسئلہ: ابوداودؒ روایت کرتے ہیں کہ میں نے دو اشخاص کو دیکھا کہ وہ اذان دینے کے بارے میں جھگڑ رہے تھے اُن میں سے ایک کہنے لگا کہ مسجد کے نمازیوں کو آنے دو پھر دیکھتے ہیں کہ وہ کسے اذان دینے کے لئے مقرر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرتے ہیں۔

امام احمدؒ نے فرمایا، "یوں نہیں! بلکہ ان کے درمیان قرعہ اندازی ہوگی۔ جس کے نام قرعہ نکل آئے گا وہی اذان دے گا۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے اسی طرح فیصلہ کیا تھا۔

میں (ابن قیم) کہتا ہوں کہ یہ اس امر کی کھلی دلیل ہے کہ اذان میں پڑوسیوں کے تعین کی نسبت قرعہ اندازی کے ذریعے تعین بہتر ہے۔"

اگر یہ کہا جائے کہ کیا امامت کے استحقاق کے لئے بھی آپ قرعہ اندازی کریں گے ——— ؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اہل مسجد امامت کے لئے جس کو آگے کریں وہی امامت کا مستحق ہے۔ ہو سکتا ہے کہ قرعہ اندازی میں کسی ایسے شخص کا نام نکل آئے جس کو اہل مسجد پسند نہ کرتے ہوں اور جس کی امامت کو مسجد کے اکثر نمازی پسند نہ کرتے ہوں تو اسے مسجد کا امام بنانا مکروہ ہے۔

ابو طالبؒ کہتے ہیں کہ میرا چچا زاد بھائی اذان دینے کے بارے میں مجھ سے جھگڑنے لگا ہم اپنا جھگڑا امام احمدؒ کے پاس لے گئے انہوں نے فرمایا:

"جنگ قادسیہ کے روز اذان دینے کے لئے صحابہ کرام آپس میں جھگڑنے لگے۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے ان کے درمیان قرعہ اندازی کروائی تھی۔[1] میری رائے یہ ہے کہ تم بھی آپس میں قرعہ اندازی کر لو۔"

میں (ابن قیمؒ) کہتا ہوں کہ اس مسئلہ میں ایک اور قول بھی ہے یعنی اذان کہنے کیلئے دونوں کی باری مقرر کر دی جائے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے منقول ہے کہ تین اشخاص اذان کہنے کے بارے میں جھگڑا لے کر اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے ان کے درمیان اس طرح فیصلہ کیا کہ اُن میں سے ایک کو صبح کی اذان،

---

[1] السنن الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۴۲۸ صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۹۶ (تعلیقاً) المغنی جلد ۱ صفحہ ۴۷۸ المحلی جلد ۳ صفحہ ۱۴۳ ———

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسرے کو ظہر اور عصر کی اذان اور تیسرے کو مغرب اور عشاء کی اذان دینے پر مقرر کر دیا۔

مسئلہ: مہنا رح کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل رح سے ایک ایسے شخص کے بارے میں پوچھا جس نے ایک عورت سے نکاح کیا اور مہر میں اسے غلام عطا کیا اور اس نے اس سے کہا تھا کہ وہ اسے بہترین غلام عطا کریگا۔

امام احمد رح نے فرمایا۔ اس کے لئے ایسا کرنا ٹھیک نہیں"۔ میں نے عرض کی" ان کے درمیان قرعہ اندازی کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

انہوں نے فرمایا: " ہاں ٹھیک ہے "

میں نے عرض کی: " کیا قرعہ اندازی ٹھیک رہے گی؟ "

انہوں نے فرمایا: ہاں تمام غلاموں میں قرعہ اندازی ہونی چاہیے۔

میں (ابن قیم) کہتا ہوں کہ، اس مسئلہ کے تین پہلو ہیں۔

اوّل: اس کے لئے متعدد غلاموں میں سے ایک غلام کی وصیت۔

ثانی: متعدد غلاموں میں سے ایک غلام آزاد کرنا۔

ثالث: متعدد غلاموں میں سے ایک غلام اس کو مہر میں عطا کرنا۔

وصیت کے مسئلہ میں تو ورثاء کو اختیار ہے کہ جو غلام چاہیں اسے عطا کر دیں کیونکہ اس معاملے میں ان کو مکمل اختیار تفویض ہوا ہے اور وہ اپنے اختیار سے اس کا تعین کر سکتے ہیں۔

اگر غلام کو آزاد کرنا ہے تو آزادی کے مسئلہ میں طریق کار یہ ہے کہ ان غلاموں میں قرعہ اندازی کی جائے گی۔ جس کے نام قرعہ نکلے گا وہ آزاد ہو جائے گا۔

مہر کے مسئلے میں دو روائتیں ہیں۔

اوّل: بیوی کو متوسط درجے کا غلام عطا کر دیا جائے۔

ثانی: قرعہ اندازی کے ذریعے ایک غلام بیوی کو دیا جائے۔

اگر کوئی وصیت کر جائے کہ اس کے غلاموں میں سے ایک غلام آزاد کر دیا جائے تو اس بارے میں ابن منصور رح روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے وصیت کی اس

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے غلاموں میں سے ایک غلام آزاد کر دیا جائے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فتویٰ دیا کہ اُن میں سے کوئی غلام بھی آزاد کیا جا سکتا ہے البتہ اگر آزادی کے لئے جھگڑنے لگیں تو پھر ان کے درمیان قرعہ اندازی ہوگی۔

مسئلہ : ابوالنضرؒ روایت کرتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل کی خدمت میں عرض کی۔ "ایک شخص کے پاس ایک غلام ہے وہ اس کی ملکیت کا دعویٰ نہیں کرتا۔ ایک شخص شہادت پیش کر دیتا ہے کہ فلاں شخص نے یہ غلام اس کے ہاتھ فروخت کیا ہے۔ ایک اور اُٹھ کر گواہ پیش کرتا ہے کہ فلاں شخص نے یہ غلام اسے صدقے کے طور پر عطا کیا تھا لہذا یہ اس کی ملکیت ہے۔ اور تیسرا شخص اُٹھ کر کہتا ہے کہ فلاں شخص نے یہ غلام اسے ہبہ کیا تھا۔ لہذا وہ اس غلام کا مالک ہے اور وہ اپنے دعوے پر شہادت بھی پیش کر دیتا ہے مگر تمام مدعی وقت کا تعین نہیں کرتے اور تمام گواہ عادل ہیں ——— ؟"

جنابِ امامؒ نے فرمایا :

"میری رائے ہے کہ شہادتیں ایک دوسرے کو جھٹلا رہی ہیں ہر مدعی کا گواہ دوسرے مدعی کے گواہ کی تکذیب کر رہا ہے میں یہ غلام ان سب کے قبضے میں دیدونگا اور پھر ان کے درمیان قرعہ اندازی کروا دُوں گا جس کے نام قرعہ نکلے اس سے یہ حلفیہ بیان لوں گا کہ غلام اس کا ہے اور وہی اس کا مالک ہے۔ انشاء اللہ فیصلے کا یہی ایک طریق ہے۔

میں نے عرض کی۔ "آپ کے اس فتوے کی دلیل کیا ہے ؟"

انہوں نے فرمایا : حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث !

چنانچہ انہوں نے مختلف سندوں سے حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"اگر دُو آدمیوں کو حلف اُٹھانے پر مجبور کیا جائے یا بیک وقت دُو آدمی حلف اُٹھانا چاہیں تو حلف اٹھانے کے لئے قرعہ اندازی کر لیں۔[۱]

میں کہتا ہوں کہ یہ وہی مسئلہ ہے جسے علامہ خرقیؒ نے اپنی "المختصر" میں ذکر کیا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ چنانچہ علامہ خرقیؒ فرماتے ہیں :

"اگر کوئی جانور کسی دوسرے شخص کے قبضے میں ہو اور وہ اس کی ملکیت کا دعویدار نہ ہو۔ اس جانور کے دو دعویدار آجائیں مگر ان کے متعلق معلوم نہ ہو سکے کہ ان میں سے اصل حقدار کون ہے تو ان کے درمیان قرعہ اندازی کروائی جائے گی۔ جس کے نام قرعہ نکل آئے گا اس سے حلف لے کر جانور اس کے حوالے کر دیا جائے گا۔"

علامہ ابن قدامہؒ "المغنی" میں رقمطراز ہیں۔

جس شخص کے قبضہ میں یہ جانور ہے اگر وہ ان دونوں کی ملکیت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دے تو بلا اختلاف اس سے حلف لے کر اس کے قول کا اعتبار کیا جائے گا اور اگر وہ یہ اعتراف کر لے کہ یہ جانور اس کا نہیں ہے اور وہ اس کے مالک کو بھی نہیں جانتا یا وہ اس بات کا اعتراف تو کرے کہ جانور ان دونوں میں سے کسی ایک کا ہے وہ یقین سے نہیں بتا سکتا کہ ان میں سے کس کا ہے تو اس صورت میں ان دونوں دعویداروں کے درمیان قرعہ اندازی ہوگی جس کے نام قرعہ نکل آئے گا اس سے حلف لے کر جانور اس کے سپرد کر دیا جائے گا۔ اس کی دلیل حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث ہے کہ کچھ نقدی پر دو آدمیوں نے اپنی اپنی ملکیت کا دعویٰ کیا مگر دونوں کے پاس اپنے اپنے دعوے کی تائید میں کوئی ثبوت نہ تھا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ قرعہ اندازی کی جائے جس کے نام قرعہ نکلے وہ اٹھائے خواہ پسند کریں یا نہ کریں ——— کیونکہ دونوں شخص دعوے میں برابر ہیں ان میں سے نہ کسی کے پاس کوئی ثبوت ہے اور نہ کسی کا قبضہ ہے۔ بنا بریں اس برابری کی صورت میں قرعہ اندازی کے ذریعے امتیاز کیا جائے گا۔ جیسے اگر وہ اپنے مرض موت میں اپنے تمام غلاموں کو آزاد کر دے اور ان غلاموں کے علاوہ اس کا کوئی اور مال نہ ہو تو تب قرعہ اندازی کے ذریعے ان میں سے صرف ایک تہائی غلاموں کو آزاد کرنا ہوگا۔[۱]

اگر دونوں میں سے کسی کے پاس کوئی ثبوت ہو تو بلا خلاف اس کے حق میں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فیصلہ کیا جائے گا اور اگر دونوں کے پاس ثبوت ہے تو دریں صورت امام احمد سے دو روایات منقول ہیں اور دونوں روایتوں کو علامہ ابوالخطاب نے ذکر کیا ہے۔

اوّل: دونوں کی شہادت ساقط ہو جائے گی اور ان کے درمیان قرعہ اندازی کے ذریعہ فیصلہ کیا جائے گا۔ گویا ان کے پاس کوئی ثبوت اور کوئی شہادت تھی ہی نہیں۔

یہ ہے وہ مسلک جس کو قاضی (ابویعلیٰ) نے ذکر کیا ہے اور علامہ خرقی کا ظاہر کلام بھی اسی پر دلالت کرتا ہے کیونکہ علامہ خرقی نے قرعہ اندازی کا ذکر کرتے ہوئے دونوں کے پاس ثبوت ہونے اور نہ ہونے کا ذکر نہیں کیا۔

یہی رائے عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ سے منقول ہے اسی رائے کو امام اسحاق بن راہویہ اور امام ابوعُبید نے اختیار کیا ہے۔ ایک روایت کے مطابق امام مالک کا بھی یہی قول ہے امام شافعی کا قدیم مذہب بھی یہی ہے۔ اسکی دلیل وہ حدیث ہے جسے سعید بن المسیب روایت کرتے ہیں کہ دو شخص ایک جھگڑا لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ دونوں نے اپنے اپنے دعوے کے ثبوت میں عادل اور مساوی گواہ پیش کر دیئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کے درمیان قرعہ اندازی کروا دی[1] اس حدیث کو امام شافعی نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔ چونکہ دونوں کی شہادتیں ایک دوسرے کے متعارض تھیں بنا بریں دونوں شہادتیں ساقط ہو گئیں جیسے دو متعارض (اور صحت کے اعتبار سے مساوی) خبریں ساقط ہو جایا کرتی ہیں۔

ثانی: دونوں کی شہادتوں پر عمل کیا جائے گا۔ آگے ان کے استعمال کی کیفیت میں امام احمد سے دو قول مروی ہیں۔

پہلا قول یہ ہے کہ نفسِ شی دونوں میں برابر تقسیم کر دی جائے گی۔ یہ قول حارث

---

[1] مراسیل ابی داؤد ص۱۷

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عکلیؒ، قتادہؒ، ابن شبرمہؒ، حمادؒ اور امام ابوحنیفہؒ جیسے بزرگوں کا ہے۔ امام شافعی کے دوؐ اقوال میں سے ایک قول یہ ہے کہ یہ حضرات دلیل دیتے ہیں کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے حوالے سے مروی ہے دو شخص ایک اونٹ کے بارے میں جھگڑا لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے دونوں نے اپنے اپنے دعوے پر گواہ بھی پیش کر دیئے۔ آپؐ نے یہ اونٹ دونوں میں برابر تقسیم کر دیا۔"[1] ——— چونکہ دعویٰ میں دونوں مساوی تھے لہذا جانور کی تقسیم میں بھی دونوں کو برابر حصہ ملنا چاہیئے تھا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ قرعہ اندازی کے ذریعے ان دونوں میں سے ایک کو ترجیح دی جائے گی۔ امام شافعیؒ کا یہی مذہب ہے۔

اس بارے میں امام احمدؒ سے چوتھا قول یہ منقول ہے کہ اگر ایسی صورت حال پیش آجائے تو توقف کیا جائے گا۔ امام ابوثورؒ کا بھی یہی مذہب ہے چونکہ معاملہ مشتبہ ہو گیا ہے لہذا توقف واجب ہے۔ اسی طرح جیسے حاکم پر فیصلہ واضح نہ ہو سکا۔

ہمارے موقف کی بنیاد دو حدیثیں ہیں نیز جب دو دلائل ایک دوسرے سے متعارض ہوں تو توقف لازم نہیں۔ جیسے دو خبریں جب ایک دوسرے سے متعارض ہوں تو اس صورت میں توقف واجب نہیں ہوتا۔ بلکہ اگر ترجیح ممکن نہ رہے تو دونوں خبریں ساقط ہو جاتی ہیں تب ہم کسی تیسری دلیل کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

میں (ابن قیم) کہتا ہوں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب میں رقمطراز ہیں۔

اس مسئلہ میں دو قول ہیں۔

پہلا قول یہ ہے کہ ان دونوں میں قرعہ اندازی ہو گی جس کے نام قرعہ نکل آئے گا وہ حلف اٹھائے گا کہ گواہوں نے اس کے حق میں سچی گواہی دی ہے۔ تب اس کے حق میں فیصلہ دیدیا جائے گا۔ امام سعید بن المسیب کی یہی رائے تھی نیز

---

[1] سنن ابی داؤد جلد ۳ صـ۳۱۴

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی مفہوم کی ایک حدیث بھی روایت کرتے ہیں۔
اہل کوفہ بھی حضرت علیؓ سے یہی مذہب نقل کرتے ہیں [1] چنانچہ ابوداؤد اپنی "مراسیل" میں حضرت سعید بن المسیبؒ سے روایت کرتے ہیں کہ دو آدمی ایک جھگڑا لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے دونوں نے اپنے اپنے حق میں برابر گواہ پیش کئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کے درمیان قرعہ اندازی کروائی۔ پھر فرمایا:

اے اللہ! تو ہی ان کے درمیان فیصلہ کرتا ہے"

پھر اس شخص کے حق میں فیصلہ دیدیا جس کے نام قرعہ نکلا تھا [2]

اس حدیث کو ابن لہیعہؒ کی روایت بھی تقویت دیتی ہے جو انہوں نے ابوالاسودؒ کے واسطے سے عروہ بن زبیرؒ اور سلیمان بن یسار سے نقل کی ہے کہ دو شخص ایک جھگڑا لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے دونوں اپنے اپنے گواہ لائے تھے اور دونوں کے گواہ برابر تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے درمیان قرعہ اندازی کروادی [3]

یہ ہے مرسل روایت جو دو مختلف سندوں کے ذریعے روایت ہوئی ہے۔ اور اس کا شمار سعید بن المسیبؒ کی مراسیل میں ہوتا ہے۔ نیز قرعہ اندازی کے ضمن میں ہم نے جن اصولوں کا ذکر کیا ہے وہ بھی اسکی تائید کرتے ہیں۔ لہذا اس پر عمل کرنا متعین ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جس اثر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ اثر ہے جسے امام ابوعوانہؒ نے سماکؒ اور حسن بصریؒ کے واسطے سے نقل کیا ہے چنانچہ حضرت حسن بصریؒ روایت کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے پاس ایک خچر لایا گیا جو بازار

---

[1] السنن الکبریٰ جلد ۱۰ صفحہ ۲۵۹ [2] مراسیل ابی داؤد صفحہ ۱۷ السنن الکبریٰ جلد ۱۰ صفحہ ۲۵۹
[3] السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۱۰ صفحہ ۲۵۹

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں بک رہا تھا۔ ایک شخص کا دعویٰ تھا کہ یہ خچر میرا ہے اور یہ خچر میں نے نہ تو کسی کے پاس فروخت کیا ہے اور نہ کسی کو ہبہ کیا ہے اور اپنے دعویٰ کے ثبوت میں پانچ گواہ لے آیا ایک اور شخص نے بھی آکر اس خچر پر اپنی ملکیت کا دعویٰ کیا اور اپنے دعوے کی "تائید میں دو گواہ پیش کر دیئے۔

حضرت علی رضؓ نے فرمایا اس جھگڑے میں مصالحت ہو سکتی ہے۔ اگر یہ صلح نہ کریں تو فیصلہ ہو سکتا ہے۔ صلح کی صورت یہ ہے کہ اس خچر کو فروخت کر دیا جائے اور اسکی قیمت سات حصوں میں تقسیم کر دی جائے۔ پانچ گواہ والے مدعی کو پانچ حصے اور دو گواہ پیش کرنے والے مدعی کو دو حصے دیئے جائیں۔ اگر فیصلہ چاہتے ہو تو فریقین میں سے ایک فریق حلف اٹھائے کہ خچر اس کی ملکیت ہے اس نے نہ اسے فروخت کیا ہے اور نہ اسے ہبہ کیا ہے اگر تم دونوں حلف اٹھانے کے لئے تیار ہو جاؤ تو حلف کے لئے قرعہ اندازی ہوگی اور جس کے نام قرعہ نکل آئے گا وہی حلف اٹھائے گا۔ چنانچہ حضرت علی رضؓ نے اس کے مطابق فیصلہ کر دیا۔[1]

حضرت علی رضؓ نے صلح کی صورت میں خچر کی قیمت گواہوں کی تعداد کے تناسب سے مدعیوں کے درمیان تقسیم کرنے کی پیش کش مگر قرعہ اندازی کو فیصلہ کی منہج کے طور پر استعمال کیا ——————

حضرت علی رضؓ کے فیصلے کی شاہد وہ حدیث بھی ہے جو امام بیہقی رحؒ نے حضرت ابوہریرہ رضؓ کے حوالے میں السنن الکبریٰ میں نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "جب دونوں مدعی اپنے گواہ لے آئیں تو قرعہ اندازی کے ذریعے ان میں فیصلہ کیا جائے[2]

حضرت علی رضؓ کے فیصلے کی شاہد حضرت ابوہریرہ رضؓ کی وہ حدیث بھی ہے جسے ابوداؤد رحؒ، نسائی رحؒ اور ابن ماجہ رحؒ نے نقل کیا ہے کہ دو شخص کسی متاع کے

---

[1] السنن الکبریٰ جلد ۱۰ صـ ۲۵۹ [2] ایضاً

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بارے میں جھگڑا لے کر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے ان دونوں کے پاس کوئی ثبوت نہ تھا۔

آپؐ نے فرمایا: "تم دونوں حلف اٹھانے کے لئے قرعہ اندازی کر لو[1]

امام شافعیؒ فرماتے ہیں: "ایک رائے یہ ہے کہ چونکہ دونوں کی دلیل برابر ہے لہذا یہ چیز ان دونوں میں برابر تقسیم کر دی جائے گی[2]

میں کہتا ہوں کہ اس قول کی تائید وہ حدیث بھی کرتی ہے جسے ابوداؤدؒ، نسائیؒ اور ابن ماجہؒ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے واسطے سے نقل کیا ہے۔ دو اشخاص نے ایک اونٹ پر اپنی اپنی ملکیت کا دعویٰ کیا دونوں نے اپنے دعوے کے ثبوت میں دو دو گواہ بھی پیش کر دیئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ ان دونوں میں برابر تقسیم کر دیا۔[3]

اس حدیث کے متن اور سند دونوں میں اضطراب ہے البتہ حضرت ابوہریرہؓ والی حدیث کے متن یا سند میں کوئی اختلاف نہیں جیسا کہ گزشتہ سطور میں گزر چکا ہے

سنتِ نبوی سے جس مسلک کی تائید ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ جب دو مدعی کسی چیز پر قبضہ میں مساوی ہوں اور ان کے پاس گواہ بھی مساوی ہوں تو وہ چیز ان میں مساوی طور پر تقسیم کر دی جائے گی۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ دو شخص ایک اونٹ کا جھگڑا لیکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے دونوں نے اونٹ کو سر سے پکڑ رکھا تھا اور دونوں نے دو دو گواہ بھی پیش کئے۔

---

[1] سنن ابی داؤد جلد ۳ صفحہ ۳۱۱ سنن ابن ماجہ جلد ۲ صفحہ ۷۸۰ السنن الکبریٰ جلد ۱۰ صفحہ ۲۵۹

[2] السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۱۰ صفحہ ۲۵۹

[3] سنن ابی داؤد جلد ۳ صفحہ ۳۱۰ سنن نسائی جلد ۸ صفحہ ۲۴۸ سنن ابن ماجہ جلد ۲ صفحہ ۷۸۰۔
السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۱۰ صفحہ ۲۵۷ صفحہ ۲۵۹

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ ان دونوں میں برابر تقسیم کر دیا۔

یہ حدیث بعینہٖ حضرت موسیٰ اشعری والی حدیث ہے۔

امام شافعیؒ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔" مذکورہ بالا حدیث میں تمیم مجہول ہے اور جیسا کہ ہم اس سے قبل ذکر کر چکے ہیں کہ حضرت سعید بن المسیبؒ نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی ہے کہ ایسی صورتِ حال میں آپؐ نے قرعہ اندازی کروائی۔ جب دو احادیث میں تعارض ہو تو ان میں سے قوی تر حدیث سے استدلال کیا جائے گا اور سعید بن المسیبؒ کی مراسیل باقی تمام مراسیل سے زیادہ صحیح ہیں[1]

یہ تھا امام شافعیؒ کا قولِ قدیم[2]

امام شافعی قولِ جدید میں فرماتے ہیں:

"یہ مسئلہ میرے ان مسائل میں شامل ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے استخارہ کرتا رہتا ہوں اور مجھے اس میں توقف ہے[3]

میں (ابن قیم) کہتا ہوں کہ امام شافعیؒ رحمۃ اللہ علیہ کا قدیم قول زیادہ صحیح اور اولیٰ ہے۔ جیسا کہ گزشتہ سطور میں قرعہ اندازی کے ضمن میں انکا موقف اور ان کے دلائل گزر چکے ہیں۔ اس مسئلہ میں توقف اختیار کرنے سے خصومت طول پکڑے گی مال معطل ہو کر رہ جائے گا اور اس کے ساتھ ساتھ تلفِ مال کا بھی اندیشہ لاحق رہیگا۔

پس قرعہ اندازی (ایسی صورتِ حال میں) فیصلے کی بہترین منہج اور نزاع کو مٹانے کا بہترین طریقہ ہے اور وہ دلائل جن سے امام شافعیؒ نے اپنے قدیم مسلک کی تائید میں استدلال کیا ہے صحیح ترین دلائل ہیں۔ اسی وجہ سے جنابِ امامؒ نے فرمایا تھا:

" قرعہ اندازی زیادہ قرینِ انصاف طریقہ ہے۔"

بالجملہ جو شخص بھی قرعہ اندازی کے مشروع ہونے کے بارے میں ہمارے بیان کردہ دلائل پر غور کریگا اسپر واضح ہو جائے گا کہ اس سلسلے میں مال کو معطل رکھنے کی نسبت قرعہ اندازی زیادہ قرینِ صواب ہے۔ وباللہ التوفیق۔

---

[1] السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۱۰ صفحہ ۲۶۱ [2] السنن الکبریٰ جلد ۱۰ صفحہ ۲۶۱ [3] السنن الکبریٰ جلد ۱۰ صفحہ ۲۶۱

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حصہ پنجم

احتساب

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حصّہ پنجم

احتساب

شعبۂ احتساب[1] :

وہ قوانین اور فیصلے جو کسی دعوے پر موقوف نہیں ہوتے، اسلامی قانون کی اصطلاح میں اُن کو "الحِسبۃ" کہا جاتا ہے اور اس شعبۂ احتساب کے سربراہ کو "والی الحِسبۃ" (محتسب اعلیٰ) کہا جاتا ہے۔ انتظامیہ کے شعبوں کی طرح احتساب کا شعبہ بھی ایک علیٰحدہ شعبہ کے طور پر قائم کیا گیا ہے۔ جیسے شعبہ مظالم ایک علیٰحدہ اور مخصوص محکمہ ہے اور اس کے سربراہ کو "والی مظالم" کہا جاتا ہے۔ اموال کی تحصیل وتصرّف کے لئے ایک الگ شعبہ ہے اس

---

[1] جب نیکیاں متروک ہو جائیں اور منکرات کا ارتکاب عام ہو جائے تو اس صورتِ حالات میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضے کو (اسلامی قانون کی اصطلاح میں) "الحِسبۃ" یا احتساب کہا جاتا ہے (الاحکام السلطانیۃ ابویعلیٰ ص ۲۸۴)۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر معاشرے میں اگرچہ ہر فرد کی انفرادی ذمّہ داری بھی ہے تاہم قرآن مجید کے مطابق یہ ذمّہ داری اسلامی حکومت کی سب سے بڑی ذمّہ داریوں میں شمار ہوتی ہے۔ اسلامی حکومت اس فریضے سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ایک شعبہ قائم کرتی ہے جس کو شعبۂ احتساب کا نام دیا گیا ہے اور اس کے سربراہ کو "محتسب" یا "محتسب اعلیٰ" کہا جاتا ہے۔

قدیم زمانے میں محتسب، قاضی اور پولیس افسر کے فرائض وخصوصیات وغیرہ میں کوئی واضح امتیاز نہ تھا۔ بہرحال محتسب کے خصوصی فرائض یہ تھے کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ضمن میں لوگوں کی معاشرتی اصلاح کے ساتھ ساتھ منڈی میں لوگوں کے کاروبار پر کڑی نظر رکھتا

(باقی صفحۂ آئندہ پر)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے سربراہ کو وزیر کہا جاتا ہے ـــــــ اموال کے انتظام اور اس کی شماریات کی نگرانی کے شعبہ کو "شعبہ استیفا" کہا جاتا ہے۔ اموال کے استخراج و تحصیل کا محکمہ "شعبۂ ستر" کہلاتا ہے۔ جھگڑوں کے فیصلے، اثباتِ حقوق، فروج و نکاح، طلاق و نفقات، معاہدوں کی صحت و بطلان کی تصدیق وغیرہ سب شعبۂ قضا سے متعلق ہیں۔ اس کے سربراہ کو قاضی یا حاکم کہا جاتا ہے۔ حاکم اور قاضی کا اطلاق ہر اس شخص پر ہوتا ہے جو دو آدمیوں کے جھگڑے میں فیصلہ کرے۔

مذکورہ تمام شعبوں کے سربراہ اور کارپرداز اللہ تعالیٰ کے اس قول کے تحت آتے ہیں۔

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ	اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں
تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ	ان لوگوں کو لوٹا دو جو اس کے اہل ہیں
أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ	اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو

(بقیہ صفحہ پچھلا) تھا۔ ناجائز خرید و فروخت، بیع میں دھوکہ دہی، گراں فروشی، ذخیرہ اندوزی، چور بازاری، ناپ تول میں کمی اور دیگر کاروباری برائیوں کا سدِباب محتسب کی ذمہ داری تھی۔ محتسب پولیس کی کارکردگی، غلط عدالتی فیصلوں اور علماء پر بھی نکتہ چینی کر لیتا تھا۔

اسلامی نظام حکومت میں اس ادارے کی ابتدا اور آغاز واضح اور متعین نہیں تاہم یہ بہت پرانا ادارہ ہے ابتداء میں محتسب کے لئے "صاحب السوق" اور "عامل السوق" وغیرہ کی اصطلاحیں رائج تھیں جنہوں نے بعد میں محتسب کا نام اختیار کر لیا۔ مامون کے زمانے میں "محتسب" کا لفظ رائج ہو چکا تھا احتساب کے موضوع پر بہت سی کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ جن میں "الحسبۃ فی الاسلام" مصنفہ ابن تیمیہ۔ "کتاب الحسبۃ" مصنفہ ابن عبدالہادی وغیرہ بہت مشہور ہیں۔ نیز "الاحکام السلطانیہ" مصنفہ الماوردی" الملل والنحل" مصنفہ ابن حزم "احیاء علوم الدین" مصنفہ امام غزالی اور "الاحکام السلطانیہ" مصنفہ قاضی ابویعلیٰ میں بھی احتساب کے موضوع پر بحث کی گئی ہے۔ علامہ ابن قیمؒ کی زیرِ نظر کتاب میں یہ باب احتساب پر مفصل بحث کے لئے مخصوص ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

النَّاس اَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ۔ تو عدل سے فیصلہ کرو۔ (النساء۔ ۵۸)

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :

فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۔ تم لوگوں سے نہ ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو اور اللہ تعالیٰ کی آیات کو تھوڑی قیمت پہ نہ بیچو جو اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہدایت کے مطابق فیصلے نہیں کرتے تو یہی لوگ کافر ہیں ۔ (المائدۃ۔ ۴۴)

دوسری آیت میں آتا ہے ۔

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۔ یہی لوگ ظالم ہیں ۔ (المائدہ : ۴۵)

اگلی آیت میں آتا ہے :

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۔ یہی لوگ فاسق ہیں ۔ (المائدہ : ۴۷)

ایک اور مقام پر قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :

وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۔ (المائدۃ :) اور یہ کہ تو ان لوگوں کے درمیان اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہدایت کے مطابق فیصلہ کر اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کر

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ارشاد فرمایا :

اَلْقُضَاةُ ثَلَاثَةٌ ۔ (قاضی تین قسم کے ہوتے ہیں[1])

آپؐ نے فرمایا :

مَنْ وُلِّيَ الْقَضَاءَ فَقَدْ ذُبِحَ جسے قاضی بنا دیا گیا، اُسے گویا بغیر

---

[1] سنن ابی داؤد جلد ۲ صفحہ ۱۴۸، سنن ابن ماجہ جلد ۲ صفحہ ۷۷۶ بروایت حضرت بُریدہؓ ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بِغَيْرِ سِكِّيْنٍ ـــــــ | چھری کے ذبح کر دیا۔[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلْمُقْسِطُوْنَ عِنْدَ اللّٰهِ عَلٰی مَنَابِرَ مِنْ نُوْرٍ عَنْ يَمِيْنِ الرَّحْمٰنِ وَكِلْتَا يَدَيْهِ يَمِيْنٌ۔ اَلَّذِيْنَ يَعْدِلُوْنَ فِيْ حُكْمِهِمْ وَ اَهْلِيْهِمْ وَ مَا وُلُّوْا ـــــــ	انصاف کرنے والے لوگ (قیامت کے روز) اللہ تعالیٰ کے داہنے ہاتھ نور کے منبروں پر ہوں گے۔ اور اس کے دونوں ہاتھ داہنے ہیں۔ وہ لوگ جو اپنے فیصلوں، اپنے گھر والوں اور اپنے ماتحتوں میں عدل سے کام لیتے ہیں[2]

احتساب کا مقصد

احتساب کا مقصد یہ ہے کہ شریعت کے ان احکام اور فیصلوں کا نفاذ ہو جو کسی دعویٰ پر مبنی نہیں ہیں۔ ایسے تمام احکام شُعبۂ احتساب کے تحت آتے ہیں۔

احتساب کی بنیاد دراصل امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اُصول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو اسی کام پر مبعوث فرمایا اور اپنی کتابیں نازل کیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس اُمت مسلمہ کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی صفت سے متصف کیا ہے اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اُمتِ محمدیہ کو دیگر تمام اُمتوں پر فضیلت سے نوازا ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ذمہ داری ہر اس شخص پر عائد ہوتی ہے جو اس کی استطاعت اور اہلیت رکھتا ہے۔ یہ فرض کفایہ ہے اگر حکومت امر بالمعروف اور نہی المنکر کی ذمّہ داری کو پُورا نہ کرے تو استطاعت رکھنے والے ہر مسلمان پر فرض عین ہو جاتا ہے کیونکہ جو فریضہ حکومت کے ذمہ عائد ہوتا ہے۔ وہ افراد کے ذمّہ نہیں اسکی وجہ قدرت و

---

[1] سنن ابی داؤد جلد ۳ صـ۳۲۳ سنن ترمذی جلد ۲ صـ۲۷۵ سنن ابی ماجہ جلد ۲ صـ۷۷۴ بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

[2] سنن نسائی جلد ۸ صـ۲۲۱ بروایت عبداللہ بن عمرو

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

استطاعت ہے۔ اس لئے ہر قادر اور استطاعت رکھنے والے پر فرض ہے مگر کمزور اور بے بس پر فرض نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ۔ (التغابن۔ ۱۶)

پس تم استطاعت بھر اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِأَمْرٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ ۔

جب میں تم لوگوں کو کسی چیز کا حکم دوں تو اپنی استطاعت کے مطابق بجا لاؤ۔[1]

اسلامی حکومت کے مختلف شعبوں اور محکموں کا مقصد نیکیوں کو پھیلانا اور برائیوں کو پھیلنے سے روکنا ہے۔ اور ان شعبوں کے سربراہ گویا شاہد اور امین کی حیثیت رکھتے ہیں، صدق اور سچائی ان سے مطلوب ہے، مثلاً صاحب الدیوان کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ آمد و مصارف کے تمام ریکارڈ کو محفوظ رکھے نقیب کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ تمام احوال و واقعات سے سربراہِ مملکت کو مطلع رکھے۔ ان شعبوں کے سربراہوں میں سے بعض کا مقام اور مرتبہ آمر و مطاع کا سا ہے۔ اور ان سے عدل و انصاف مطلوب ہے مثلاً امیر حاکم اور محتسب وغیرہ۔

اسلامی حکومت کے تمام شعبوں کی بنیاد اس امر پر قائم ہے کہ وہ اخبار میں صداقت اور انشاء میں عدل سے کام لیں یہ دونوں احکام قرآن و سنت سے ماخوذ ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں آتا ہے۔

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا

اور تیرے رب کی بات سچائی اور انصاف کے ساتھ تمام ہوئی۔ (الانعام۔ ۱۱۵)

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱۳ صفحہ ۲۵۱

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظالم حکمران کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:
"جس نے انکے جھوٹ کی تصدیق کی اور ان کے ظلم میں انکی اعانت کی تو اس کا میرے ساتھ اور میرا ان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں نہ وہ حوض پر میرے پاس آسکے گا جس نے ان ظالم حاکموں کے جھوٹ کی تصدیق نہ کی اور نہ اس نے ان کے ظلم میں تعاون کیا تو ایسا شخص مجھ سے اور میں اس سے ہوں اور وہ حوض پر مجھ سے ملاقات کرے گا۔"

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيَاطِينُ تَنَزَّلُ عَلَىٰ كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ

میں تمہیں بتاؤں کہ شیاطین کس پر نازل ہوتے ہیں؟ شیاطین ہر جھوٹے اور بدکار شخص پر نازل ہوتے ہیں۔ (الشعراء۔ ۲۲۱-۲۲۲)

لغت میں "أَفَّاكٍ" جھوٹے اور "أَثِيمٍ" ظالم اور فاجر کو کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ (العلق۔ ۱۵، ۱۶)

ہم ضرور اس کو پیشانی سے پکڑیں گے اسکی جھوٹی اور خطاکار پیشانی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"سچائی کا دامن پکڑے رکھو کیونکہ سچائی اور فرمانبرداری نیکی کی راہ دکھاتی ہے اور نیکی اور فرمانبرداری جنت کی طرف لے جاتی ہے جھوٹ سے بچتے رہو کیونکہ جھوٹ نافرمانی کا راستہ دکھاتا ہے اور نافرمانی جہنم میں لیجاتی ہے۔"[1]

ہر شعبہ کے سربراہ اور کارپردازوں کا فرض ہے کہ اپنے منصب کے فرائض کی بجاآوری میں اہل صدق وعدل کا تعاون حاصل کریں فضیلت اور قابلیت رکھنے والے شخص کو اولیت

---

[1] سنن ابی داؤد جلد ۴ ص۲۹۷۔ سنن ترمذی جلد ۲ ص۱۳۶ مسند امام احمد حدیث رقم ۳۶۳۸ ۳۸/۸ - ۴۰۲۲، ۴۰۹۵، ۴۱۰۸ بروایت ابن مسعود۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور ترجیح دی جائے خواہ اس میں جھوٹ اور فسق وفجور ہی کیوں نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ ایک فاسق وفاجر کے ذریعے بھی اس دین کی مدد کرتا ہے اور ان لوگوں کے لئے اپنے دین کی مدد کرتا ہے جن کا جنت میں کوئی حصہ نہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

"جس نے کسی شخص کو کسی جماعت کا سربراہ مقرر کر دیا درانحالیکہ اس جماعت میں ایسا شخص بھی موجود ہو جو اللہ کو زیادہ پسند ہے۔ پس اس نے اللہ، اس کے رسولؐ اور تمام مسلمانوں سے خیانت کا ارتکاب کیا۔"

ہر چند کہ اکثر حالات میں کامل افراد کا ملنا محال ہے تاہم بہتر چیز کا انتخاب اور بدتر برائی سے اجتناب واجب ہے۔ آتش پرست مجوسیوں پہ رومی نصاریٰ کی فتح پر صحابہ کرام خوش ہوا کرتے تھے۔ کیونکہ مجوسیوں کی نسبت نصاریٰ مسلمانوں کے زیادہ قریب تھے حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام فرعونِ مصر کے نائب تھے حالانکہ فرعون اور اس کی قوم مشرک تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے مقدور بھر عدل وانصاف اور نیکی کو پھیلانے اور عام کرنے کی کوشش کرتے رہے اور امکان بھر لوگوں کو ایمان کی طرف دعوت دیتے رہے۔

مختلف محکموں کی ذمّہ داری

یہ جان لینے کے بعد کہ ان محکموں کی حیثیت عمومی یا خصوصی نوعیت کی ہوتی ہے ان کے سربراہوں کا جو طرزِ عمل الفاظ واحوال اور عرف عام سے اخذ کیا جاتا ہے اس کے متعلق شریعت نے حدود مقرر نہیں کیں۔ کیونکہ بعض دفعہ حالاتِ زمان ومکان کے مطابق شعبۂ قضا کے فرائض میں ایسے امور بھی شامل ہو جاتے ہیں جو کسی جگہ، کسی زمانے میں محکمہ جنگ کے فرائض میں شامل تھے۔ یا اس کے برعکس۔ اسی طرح شعبۂ احتساب اور شعبۂ مال کے فرائض اور ذمہ داریاں بھی زمان ومکان کے لحاظ سے بدل سکتی ہیں۔ یہ تمام شعبے دراصل دینی محکمے اور شرعی منصب ہیں لہٰذا ان تمام محکموں میں جو شخص بھی علم وعدل کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے انتظام کرتا ہے وہ درحقیقت اپنی استطاعت کے مطابق اللہ اور رسول کی اطاعت کرتا ہے اور اس کا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شمار نیک اور عادل حاکموں میں ہوتا ہے اور جو شخص ان محکموں میں ظلم اور جہالت پر مبنی فیصلے کرتا ہے اور اس کا شمار ظالم حاکموں میں ہوتا ہے ایسے حاکموں کے متعلق اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ وَّ اِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ (الانفطار-۱۳-۱۴)	بے شک ابرار لوگ نعمتوں میں ہوں گے اور فاجر لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔

آج کل بلادِ شام و مصر اور ملحقہ علاقوں میں محکمۂ جنگ اقامتِ حدود کے لئے مخصوص ہے، مثلاً قطعِ ید اور کوڑے وغیرہ لگانا۔ ان مقدمات میں دعاوی تہمت کے وہ مقدمات بھی شامل ہیں جن میں اقرار اور شہادت وغیرہ نہیں ہوتی جیسے محکمۂ قضا کے فرائض میں ایسے مقدمات کا فیصلہ کرنا بھی شامل ہے جن میں تحریر، شہادت اور اقرار وغیرہ موجود ہو نیز ایسے دعاوی جن کا مقصد اثباتِ حق اور ایسے فیصلے جو حقداروں کو اُن کا حق لے کر دیتے ہیں، بھی ان میں شامل ہیں ایسے اموال اور خواتین کی دیکھ بھال کرنا جن کا کوئی مُعیّن ولی اور سرپرست نہیں ہے محکمۂ قضا کے فرائض میں شامل ہے۔ اوقاف اور یتامیٰ کے اوصیاء کی نگرانی کرنا بھی محکمۂ قضا کی ذمہ داری ہے۔

بلادِ مغرب[1] کے بعض ملکوں میں محکمۂ جنگ کے سربراہ اور ایک قاضی کا آپس میں کوئی تعلق نہیں محکمۂ جنگ ان فیصلوں کے نفاذ کا پابند ہے جو محکمۂ قضا کے قاضی نے دیئے ہیں۔

○

---

[1] بلادِ مغرب سے مراد شمالی افریقہ کے مسلمان ملک اور اندلس وغیرہ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکمہ احتساب کے فرائض :

محکمۂ احتساب کے مخصوص فرائض میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے علاوہ وہ ذمہ داریاں بھی شامل ہیں جو دیگر تمام محکموں کے سربراہوں کے فرائض میں شامل نہیں چنانچہ نمازِ پنجگانہ کو اپنے اوقات کے مطابق قائم کرنے کا حکم دینا اور نماز نہ پڑھنے والوں کو ضرب وحبس کی سزا دینا محکمہ احتساب کی ذمہ داری ہے۔ اور قتل کے مقدمات کو نمٹانا محکمۂ احتساب کی ذمہ داری نہیں۔ آئمہ مساجد اور موذنوں کی دیکھ بھال کرنا محکمہ احتساب کی ذمہ داری میں شامل ہے ایسا شخص جو مسلمانوں کے حقوق میں کسی غبن کا مرتکب ہوتا ہے اور شریعت کی حدود کو توڑتا ہے محکمۂ احتساب اس کو روکنے کا ذمہ دار ہے۔

محکمہ احتساب جہاں کہیں اپنے فرائض کی بجا آوری میں کوئی مشکل یا رکاوٹ محسوس کرتا ہے وہ محکمہ جنگ اور محکمہ قضا سے اس رکاوٹ کو دور کرنے کی درخواست کر سکتا ہے۔

انتظامیہ کے سربراہوں کا عوام سے نماز کی پابندی کروانا دیگر ہر کام سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے کیونکہ نماز دین کا ستون اور اسکی بنیاد ہے۔ چنانچہ امیر المومنین عمر بن الخطاب اپنے عُمّال کو لکھا کرتے تھے۔

"میرے نزدیک تمہارے تمام کاموں میں سب سے اہم کام نماز ہے جس نے نماز کی حفاظت کی اور اس کو ہمیشہ قائم رکھا اس نے اپنے دین کو محفوظ کر لیا اور جس نے نماز کو ضائع کر دیا اس سے دیگر معاملات میں تساہل اور غفلت کی زیادہ توقع ہے۔"

محکمہ احتساب کے سربراہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ جمعہ و جماعت، امانتوں کی ادائیگی، سچائی اور قول وفعل میں اخلاص کی تلقین کرتا ہے۔ خیانت، ناپ تول میں کمی، مصنوعات اور فروخت ہونیوالی دیگر اشیاء میں ملاوٹ کرنے سے لوگوں کو سختی سے منع کرتا ہے نیز اس کا فرض ہے کہ گاہے گاہے ناپ تول کے پیمانوں کا معائنہ کرتا ہے۔

کھانے پینے کی اشیاء تیار کرنیوالوں، لباس اور دیگر آلات وغیرہ تیار کرنے والے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کاریگروں کے حالات پر کڑی نظر رکھے اور ان کو ممنوعہ صنعتوں سے روکتا رہے۔ مثلاً آلاتِ راگ رنگ مردوں کے لئے ریشمی لباس وغیرہ بنانا۔ لوگوں کو مختلف قسم کی نشہ آور اشیاء تیار کرنے سے باز رکھے۔ صنعت کاروں کو انکی مصنوعہ اشیاء میں ملاوٹ کرنے سے روکے اور ان لوگوں کو سامانِ تجارت بنانے سے بھی سختی سے روکے اور ان لوگوں کو سکوں میں کھوٹ ملا کر خراب کرنے سے سختی سے روکے نیز نقود کو سامانِ تجارت بنانے سے بھی سختی سے روک دے کیونکہ اس راستے سے معاشرے میں شر و فساد داخل ہوتا ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ محکمہ احتساب کی ذمہ داری ہے کہ وہ نقود کے راس المال ہی رہنے کی نگرانی کرے۔ اس کے ذریعے تجارت کی جائے خود اسکی تجارت نہ کی جائے۔

جب حکومت کسی سکہ یا کرنسی کو ممنوع قرار دیدے تو محکمہ احتساب کی ذمہ داری ہے کہ وہ لین دین اور تجارتی معاملات میں اس ممنوعہ کرنسی کو دیگر سکوں سے مختلط ہونے سے روکے۔

محکمہ احتساب کی سب سے بڑی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ دھوکہ بازوں اور کھانے پینے کی اشیاء میں ملاوٹ کرنیوالوں کا قلع قمع کرے کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جو اُمت کی بہبود ترقی اور اس کے مصالح کے سب سے بڑے دشمن ہیں اور اس کو تہہ و بالا کر دیتے ہیں۔ اور (آج کل) ان کی ضرر رسانی اس قدر عام ہے کہ اس سے احتراز ممکن نہیں۔ لہٰذا محکمہ احتساب پر لازم ہے کہ وہ ان تخریب کاروں کے معاملے کو معمولی خیال نہ کرے اور انکو ایسی کڑی سزائیں دے جس سے ان جیسے دوسرے بے ایمان لوگ بھی عبرت حاصل کریں۔ پھر ان کو ان کے کرتوتوں کی پاداش میں سزائیں دیتا رہے۔ کیونکہ یہ لوگ مسلمانوں کے لئے بہت بڑی مصیبت کا باعث ہیں اور یہ لوگ ہر قسم کی مضرت رسانی کا باعث بنتے ہیں۔ خاص طور پر یہ کیمیا گر جو نقد و جواہر اور عطر و خوشبو میں ملاوٹ کرتے ہیں پھر اپنے دھوکے اور ملاوٹ کے بل بوتے پر اللہ تعالیٰ کی تخلیق کی مشابہت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسی چیز پیدا نہیں کی جس کو بندے بھی تخلیق کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ ایک حدیثِ قدسی میں ارشاد فرماتا ہے:

"اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہے جو محض اس لیے بھاگ دوڑ کرتا ہے کہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مجھ جیسی تخلیق کا مظاہرہ کرے۔ یہ لوگ ایک ذرّہ ہی پیدا کر کے دکھا دیں یا جَو کا ایک دانہ ہی پیدا کر کے دکھا دیں "

کھانے پینے کی مصنوعات، پہننے کے لئے لباس اور رہنے کے لئے مکان وغیرہ انسانوں کی تخلیق میں شمار ہوتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :

وَاٰیَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّیَّتَهُمْ فِی الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا یَرْكَبُوْنَ (یٰسٓ - ۴۱-۴۲)	یہ ان کے لئے ایک نشانی ہے کہ ہم نے انکی اولاد کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کرایا اور ہم نے ان کے لئے اس جیسی کشتیاں پیدا کیں جس میں یہ سوار ہو گئے ہیں ۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :

اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ۔ (الصافات - ۹۵-۹۶)	(ابراہیم نے کہا) کیا تم ان چیزوں کی بندگی کرتے ہو جن کو تم خود تراشتے ہو ۔ حالانکہ اللہ ہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا ہے اور ان چیزوں کو جن کو تم بناتے ہو۔

معدنیات، نباتات اور حیوانات کی تخلیق انسانی دستِ قدرت سے باہر ہے مگر یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے مشابہت کی کوشش کرتے ہیں اور لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔ کیونکہ ان کا بنایا ہوا سونا دراصل، سونا نہیں ہوتا بلکہ سونے کے مشابہ کوئی دوسری چیز ہوتی ہے

منکرات اور بیوعِ محرّمہ کی روک تھام | منکرات میں وہ تمام معاہدے شامل ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام قرار دیا ہے مثلاً سودی معاہدے خواہ تصریحاً ہوں حیلہ سازی سے، جُوئے کے معاہدے دھوکے کی بیع[1]، بیعِ حبل حبلہ[2]۔ بیعِ ملامست[3]۔ بیع منابذت اور بیع نجش وغیرہ۔ نجش یہ

---

[1] دھوکے کی بیع یا بیعِ غرر :- کسی غیر موجود، معدوم یا مجہول شئی کی خرید و فروخت بیعِ غرر
(باقی صفحہ آئندہ)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ چیز تو خریدنی نہیں مگر محض قیمت بڑھانے کے لئے بولی دیتا چلا جائے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مصراۃ[۱] اور تدلیس[۲] کی دیگر تمام اقسام سے منع کر دیا ہے۔

(بقیہ صفحہ پچھلا) کہلاتی ہے بیع غرر کی تحریم اسلامی نظام زندگی اور اسکی اقتصادیات کا اہم ستون ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع غرر سے نہایت سختی سے منع فرمایا ہے (صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۵۶ بروایت ابی ہریرہؓ سنن ابی داؤد جلد ۳ صفحہ ۲۶۱ بروایت ابی ہریرہؓ سنن نسائی جلد ۷ صفحہ ۲۶۲ سنن ابن ماجہ جلد ۲ صفحہ ۷۳۹ بروایت ابی ہریرہ سنن دارمی جلد ۲ صفحہ ۱۶۷ بروایت ابی ہریرہؓ سنن ترمذی

۵۲ **بیع حبل حبلہ**: بعض فقہاء کے نزدیک سے حبل حبلہ سے مراد کسی جانور یعنی اونٹ وغیرہ کا گوشت ادھار فروخت کرنا اور اسکی ادائیگی کو اونٹنی کے بچہ جننے اور پھر اسی بچے کے حاملہ ہونے سے معلق کرنا امام مالک اور امام شافعی اسی طرف گئے ہیں، اور امام احمد بن حنبلؒ، امام اسحاق بن راہویہؒ، امام ابو عبیدؒ، امام ترمذی، اکثر اہل لغت اور بعض مالکیہ کہتے ہیں کہ بیع حبل حبلہ سے مراد ہے حاملہ اونٹنی کے بچے کو ماں کے پیٹ میں فروخت کرنا (جلد ۴ صفحہ ۳۵۶، صحیح مسلم جلد ۱۰ صفحہ ۱۵۷ بروایت ابن عمر، ابو داؤد جلد ۳ صفحہ ۲۶۳، سنن نسائی جلد ۷ صفحہ ۲۹۳، سنن ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۳۶، سنن ابن ماجہ جلد ۲ صفحہ ۷۴۰،

بیع حبل حبلہ کی تفسیر کے لئے ملاحظہ کریں شرح النووی جلد ۱۰ صفحہ ۱۵۷، نیل الاوطار جلد ۵ صفحہ ۱۶۷، تحفۃ الاحوذی جلد ۲ صفحہ ۲۳۴ اور فتح الباری جلد ۴ صفحہ ۳۵۶

۵۳ **بیع ملامست**: کسی کپڑے یا چیز کو دیکھے بغیر محض ہاتھ سے چھو کر خرید و فروخت کا معاہدہ کرنا صحیح بخاری جلد ۴ صفحہ ۳۵۸۔ بروایت ابو سعید خدری اور ابو ہریرہ، صحیح مسلم ج ۱۰ صفحہ ۱۵۵ سنن نسائی جلد ۷ صفحہ ۲۵۹، سنن دارمی جلد ۲ صفحہ ۱۶۹ بروایت ابو سعید سنن ابن ماجہ جلد ۲ صفحہ ۷۳۳

۵۴ **بیع منابذت**: یہ ہے کہ بائع اور مشتری دونوں فریق مال تجارت کو دیکھے اور اس کے خصائص سے آگاہ کیے بغیر بیع کا معاہدہ کرلیں۔ بیع ملامست اور بیع منابذت کے حرام ہونے کی علت دھوکہ اور قمار وغیرہ کا شائبہ ہے (نیل الاوطار جلد ۵ صفحہ ۱۶۷)

صحیح بخاری جلد ۴ صفحہ ۳۵۹ بروایت ابی ہریرہ اور ابو سعید خدری صحیح مسلم جلد ۱۰ صفحہ ۱۵۵ سنن نسائی جلد ۷ صفحہ ۲۵۹ سنن دارمی جلد ۲ صفحہ ۱۶۹، سنن ابن ماجہ جلد ۲ صفحہ ۷۳۳۔ (باقی صفحہ آئندہ)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سُود خوری کے حیلوں کی روک تھام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام حیلوں کو ناجائز قرار دیدیا ہے جو سود کھانے کے لئے تخلیق کر لئے گئے ہیں ان حیلوں کو تین اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

اوّل:۔ وہ حیلے جن میں صرف ایک ہی شخص ملوث ہو، مثلاً ایک شخص ایک چیز ایک قیمت پر اُدھار فروخت کرتا ہے پھر وہی چیز نقد مگر کم قیمت پر خرید لیتا ہے۔ یہ سُود لینے کا ایک حیلہ ہے

ثانی:۔ ایسے حیلے جن میں دو آدمی ملوث ہوں، مثلاً قرض میں کسی بیع اجارہ یا مزارعت وغیرہ کو جمع کر لیا جائے۔ حالانکہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

"اُدھار خرید و فروخت جائز نہیں نہ ایک بیع میں دو شرطیں جائز ہیں نہ اس وقت تک

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) ———

۵۴ **بیع نجش**:۔ مالِ تجارت کی قیمت اس نیت سے زیادہ لگانا تاکہ دوسرے خریدار کو دھوکہ دیا جا سکے ایسا شخص خریدنے کی نیت سے نہیں بلکہ محض قیمت بڑھانے کی نیت سے بولی دیتا ہے تمام فقہاء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ نجش کا مرتکب گناہ گار ہے۔ (نیل الاوطار جلد ۵ صفحہ ۱۸۷)

صحیح بخاری جلد ۴ صفحہ ۵۵ بروایت عبداللہ بن عمرؓ۔ صحیح مسلم جلد ۱۰ صفحہ ۱۶۱ بروایت ابوہریرہؓ اور عبداللہ بن عمر سنن نسائی جلد ۷ صفحہ ۲۵۸، سنن ابی داؤد جلد ۳ صفحہ ۲۸۲، سنن ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۶۷، سنن ابن ماجہ جلد ۲ صفحہ ۷۳۴

۵۵ **مُصَرّاۃ**:۔ تصریہ کا لغوی معنی ہے پانی روک لینا۔ شرعی اصطلاح میں تصریہ سے مراد ہے کسی دُودھ دینے والے جانور کو فروخت کرنے سے قبل کئی روز تک اس کا دودھ نہ دوھنا تاکہ خریدنے والے کو اس کے تھنوں میں زیادہ دودھ نظر آئے۔ (امام بخاری) ——— اس کی حُرمت کی علت دھوکہ اور تدلیس ہے۔ صحیح بخاری جلد ۴ صفحہ ۲۶۱ بروایت ابوہریرہؓ و عبداللہ بن مسعود صحیح مسلم جلد ۱۰ صفحہ ۱۹۰ بروایت ابوہریرہ سنن ابی داؤد جلد ۳ صفحہ ۲۸۴ بروایت ابوہریرہ سنن ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۲۴، سنن نسائی جلد ۷ صفحہ ۲۵۳ بروایت ابوہریرہ۔ سنن ابن ماجہ جلد ۲ صفحہ ۷۵۳ بروایت ابی ہریرہ۔

۵۶ **تدلیس**:۔ مالِ تجارت کے نقائص کو چھپانا تدلیس کہلاتا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کسی سامانِ تجارت پر منافع لینا جائز ہے جب تک اس کو قبضے میں نہ لے لیا جائے اور جو چیز تمہارے پاس موجود نہیں ہے اس کی بیع جائز نہیں "۔[۱]

امام ترمذی اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے[۲]

امام ابوداؤد سنن میں روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"جس نے ایک بیع میں دو بھاؤ لگائے اس پر واجب ہے[۳] کہ وہ اسے دونوں میں کمتر بھاؤ پر فروخت کرے ورنہ وہ سود شمار ہوگا۔

ثالث :۔ سود کھانے کا تیسرا حیلہ وہ ہے جس میں تین فریق شامل ہوتے ہیں مثلاً " دو شخص جو سودی لین دین کرنا چاہتے ہیں وہ کسی تیسرے شخص کو محلّل کے طور پر اس بیع میں شامل کر لیتے ہیں، چنانچہ یہ تیسرا شخص سود لینے والے سے کوئی چیز سود دینے والے کو کسی مدتِ معینہ کے لئے بیچ دیتا ہے۔ پھر یہ محلّل قیمت کم کر کے وہی چیز سود خور کو لوٹا دیتا ہے۔

ان تمام اقسام کے معاملات میں سے اکثر معاملات تو بالاتفاق حرام ہیں مثلاً " کسی خریدی ہوئی چیز کو قبضۂ شرعی سے پہلے فروخت کرنا یا بغیر شرطِ شرعی کے کوئی چیز خریدنا یا فروخت کرنا یا قرض ادا نہ کر سکنے والے کے قرض کی رقم کو بڑھا دینا ——— کیونکہ تنگدست کو قرض کی ادائیگی میں ڈھیل دینا واجب ہے اور کسی واجب الادا رقم کو کسی لحاظ سے بڑھانا جائز نہیں۔ سود خور جب قرض کی واجب الادا رقم کو بڑھانا چاہتا ہے تو وہ مقروض سے کہتا ہے کہ وہ یا تو قرض ادا کر دے ورنہ وہ قرض کی رقم اور مدت کو بڑھا دے گا ایسا شخص کافر ہے اس سے توبہ کروانا واجب ہے اگر وہ توبہ کرے تو بہتر ہے ورنہ اسے قتل کر دیا جائے اور اس کا تمام مال فئے کے طور پر بیت المال میں جمع کر دیا جائے۔

محتسب کے لئے ان تمام حیلوں کا سدِ باب کرنا نہایت ضروری ہے۔ لوگوں کو ان حیلوں سے روکنا اور حیلہ کرنے والوں کو عبرتناک سزا دینا واجب ہے اور یہ کاروائی کسی دعویٰ

---

[۱] سنن ترمذی جلد ۱ ص ۲۳۶ سنن ابی داؤد جلد ۳ ص ۳۰۳ [۲] سنن ترمذی جلد ۲ ص ۲۳۶

[۳] سنن ابی داؤد جلد ۳ ص ۲۹۰ نیل الاوطار جلد ۵ ص ۱۷۱

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پر موقوف نہیں ہے بلکہ اس قسم کے حیلے منکرات کے زمرے میں آتے ہیں جن کا سدِ باب کرنا اور لوگوں کو ان حیلوں سے روکنا محکمۂ احتساب کی ذمہ داری ہے۔

مال منڈی پہنچنے سے پہلے بھاؤ لگانے کی روک تھام:

منڈی کے اندر مال پہنچنے سے پہلے بھاؤ لگانے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے اس طرح بھاؤ لگانے سے بائع کو دھوکہ دینے کا شائبہ پایا جاتا ہے۔ کیونکہ بائع منڈی کے اصل بھاؤ سے واقف نہیں ہوتا اس طرح مشتری بائع سے مال کم قیمت پر خرید لیتا ہے۔ اگر بائع کے ساتھ اس طرح کی صورتِ حال پیش آ جائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بائع کو منڈی میں داخل ہونے کے بعد "خیار"[1] کا قانونی حق دیا ہے۔ دھوکہ میں خرید و فروخت کے سلسلے میں خیار کی قانونی حیثیت میں کوئی نزاع نہیں۔ البتہ بلا دھوکہ خیار کے بارے میں امام احمد سے دو روایتیں منقول ہیں۔

اول:۔ خیار کا حق حاصل ہے۔ ظاہر حدیث پر عمل کرتے ہوئے امام شافعیؒ نے بھی یہی رائے دی ہے۔

ثانی:۔ امام احمد بن حنبل سے دوسری روایت یہ منقول ہے کہ چونکہ اس طرح بھاؤ لگانے میں دھوکے کا پہلو نہیں نکلتا لہذا بائع کے لئے خیار کا حق ثابت نہیں ہوتا۔

بنا بریں جب مشتری مسترسل سے جب دھوکے کے ساتھ زیادہ قیمت وصول کی گئی ہو تو اسے خیار کا حق حاصل ہے۔ حدیث میں آتا ہے۔

غبن المسترسل ربا۔

---

[1] فقہی اصطلاح میں بیع کو رکھنے یا فسخ کرنے کے اختیار کو "خیار" کہا جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع معاہدہ کرنے والے فریقین کو خیار کا حق عطا کیا ہے (ملاحظہ ہو صحیح بخاری ج۲ ص۳۱۲ ج۴ ص۳۲۶ بروایت عبد اللہ بن عمرؓ از حکیم بن حزام مزید تفصیلات کے لئے نیل الاوطار ج۵ ص۲۸۰ اور فتح الباری جلد ۴ ص۳۱۲۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس حدیث کی تفسیر میں دو قول منقول ہیں۔

اوّل :- "مسترسل" سے مراد وہ خریدار ہے جو مال بیع کی قیمت نہیں جانتا۔

ثانی :- دوسری تفسیر یہ ہے کہ مسترسل سے مراد وہ خریدار ہے جو مال بیع کی قیمت کم نہ کروائے بلکہ وہ بائع سے کہے کہ یہ مال مجھے دیدو اور قیمت بائع پر چھوڑ دے۔

امام احمد سے بھی یہی تفسیر منقول ہے۔

تاجروں کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ کم قیمت کردانے کو ایک چیز ایک بھاؤ پر فروخت کریں اور مشتری مسترسل (یعنی قیمت بائع کی مرضی پر چھوڑ دینے والا خریدار) کو وہی چیز دوسرے بھاؤ پر۔ یہ چیز تاجر کے منڈی پہنچنے سے پہلے منڈی سے باہر جاکر خرید لینے کے مترادف ہے۔ کیونکہ آنیوالا تاجر منڈی کے بھاؤ سے واقف نہیں ہوتا۔ محکمہ احتساب کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کا سد باب کرے۔

انہی منکرات میں یہ بھی شامل ہے کہ عام تاجر راستے ہی میں سامان تجارت خرید لیتے ہیں یا آگے بڑھ کر گھروں میں چارہ اور کھانا دانہ خرید لیتے ہیں اور پھر اپنی مرضی کے بھاؤ لگا کر آگے صارفین میں فروخت کرتے ہیں۔ محکمہ احتساب کی ذمہ داری ہے کہ وہ لوگوں کو ایسا کرنے سے روکے کیونکہ اس میں مال لانے والے اور صارف دونوں کی بھلائی ہے۔ لوگ جب کبھی اس قسم کی خرید فروخت کریں تو والئ احتساب ان کو دھوکہ کی اس بیع سے روک دے۔

دلّالی کا سدِّ باب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی حاضر شخص کو کسی غیر حاضر شخص کے لئے خرید و فروخت کرنے سے[1] منع کیا ہے

بلکہ آپؐ نے فرمایا:

"لوگوں کو چھوڑ دو۔ اللہ تعالیٰ ان کو ایک دوسرے میں سے رزق عطا کرتا ہے۔"[2]

---

[1] صحیح بخاری جلد ۴ صفحہ ۲۷۲ بروایت عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس

[2] صحیح مسلم جلد ۱۰ صفحہ ۱۶۴ بروایت جابر بن عبداللہ، سنن ابی داؤد جلد ۳ صفحہ ۲۸۳ سنن ابن ماجہ صفحہ ۲۴، سنن ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۳۲ سنن نسائی جلد ۷ صفحہ ۲۵۶

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس حدیث کا مطلب پوچھا گیا تو انہوں نے یہ تفسیر فرمائی۔

"کسی کو اس کا دلّال نہیں بننا چاہیئے۔" [1]

اس ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ اس میں مشتری کو نقصان پہنچتا ہے کیونکہ باہر سے آنیوالا جب مقیم کو کسی ایسی چیز کو فروخت کرنے کے لئے دلّال بناتا ہے جس کے لوگ سخت ضرورت مند ہوتے ہیں باہر سے آنیوالا اصل نرخ سے واقف نہیں ہوتا اس طرح دلّال خریدار کو نقصان پہنچا دیتا ہے۔ جیسے مال کے منڈی میں پہنچنے سے پہلے آگے بڑھ کر خرید لینے سے بائع اور مشتری دونوں کو نقصان پہنچتا ہے۔

ضروریاتِ زندگی کی ذخیرہ اندوزی کا سدّباب

وہ منکرات جن کا سدباب ضروری ہے ان میں احتکار بھی شامل ہے یعنی ان ضروریاتِ زندگی کی ذخیرہ اندوزی کرنا انسان جن کا سخت محتاج ہے۔ امام مسلمؒ نے اپنی صحیح میں معمر بن عبداللہ عدوی رضی کے حوالے سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ضروریاتِ زندگی کی ذخیرہ اندوزی خطاکار کے سوا کوئی دوسرا نہیں کرسکتا۔" [2]

ذخیرہ اندوزی کرنیوالا درحقیقت ضروریاتِ زندگی خرید کر ذخیرہ کرکے لوگوں کو انکی ضروریات سے محروم کر دیتا ہے، تاکہ یہ اشیا مہنگی ہو جائیں، یہ شخص سخت ظالم ہے۔ محکمہ احتساب کی ذمّہ داری ہے کہ وہ ذخیرہ اندوزی کرنیوالوں کو مجبور کرے کہ وہ ضروریاتِ زندگی کو بازار کے عام نرخ پر فروخت کریں، مثلاً ایک شخص نے غلّہ جمع کر رکھا ہے۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ۴ صفحہ ۳۷، صحیح مسلم جلد ۱۰ صفحہ ۱۶۴، سنن ابی داؤد جلد ۳ صفحہ ۲۸۲
سنن نسائی جلد ۷ صفحہ ۲۵۷، سنن ابن ماجہ جلد ۲ صفحہ ۷۳۴

[2] صحیح مسلم جلد ۱۱ صفحہ ۴۳ نیز سنن ابی داؤد جلد ۳ صفحہ ۲۸۵ سنن ابن ماجہ جلد ۲ صفحہ ۷۲۸
سنن ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۵۲ سنن دارمی جلد ۲ صفحہ ۱۶۴

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ایسی صورت میں کہ) اس کو اس غلّہ کی ضرورت بھی نہیں، عوام الناس قحط اور بھوک میں مُبتلا ہیں یا اس کے پاس اسلحہ جس کی اس کو ضرورت نہیں جبکہ لوگوں کو جہاد اور ملکی دفاع کے لئے اس اسلحہ کی سخت ضرورت ہے

اگر کوئی شخص بھوک کی وجہ سے حالتِ اضطرار کو پہنچ جائے اور اس کو کسی دوسرے کا کھانا بغیر اجازت لینا پڑے تو وہ کھانا لے سکتا ہے مگر وہ بازار کے نرخوں کے مطابق اس کو اس کھانے کی قیمت ادا کریگا۔ اگر وہ نرخ سے زائد قیمت کے بغیر کھانا فروخت کرنے سے انکار کردے تو وہ اس کی مطلوبہ قیمت پر کھانا خریدے مگر ایسے مجبور اور فاقہ زدہ شخص پر بازار کے عام نرخ سے زیادہ قیمت کی ادائیگی واجب نہیں۔

اسی طرح اگر کوئی شخص کسی دوسرے سے کچھ قرض لینے پر مجبور ہے اور قرض دینے والا بلا سود قرض دینے پر رضامند نہیں یا وہ ایسا معاملہ کرنا چاہتا ہے جو سُودی لین دین کے زمرے میں آتا ہے تو ایسا ضرورت مند شخص دینے والے کی شرائط پر قرض لے سکتا ہے مگر قرض دینے والا اپنے اصل زر کے سوا زائد رقم کا مطالبہ کرنے کا مستحق نہیں۔

اسی طرح اگر کوئی شخص کسی دوسرے کا مال استعمال کرنے پر مجبور ہو گیا مثلاً کوئی حیوان ہانڈی یا کلہاڑی یا اسی نوع کی کوئی دوسری چیز ——— تو امام احمدؒ کے مذہب میں ایک رائے یہ ہے کہ ان چیزوں کے مالک کو یہ چیزیں بلا اُجرت استعمال کے لئے دینا ہوں گی اور دوسری رائے یہ ہے کہ استعمال کرنیوالا بازار کے نرخوں کے مطابق ان اشیاء کی اُجرت ادا کریگا۔ پہلی رائے زیادہ قرینِ صحت ہے۔

اگر کوئی شخص کسی دوسرے کا کھانا یا پانی لینے پر مجبور ہو جائے اور وہ اس کو یہ اشیاء دینے سے انکار کردے اور وہ مجبور شخص بھوک اور پیاس سے مر جائے تو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کھانا یا پانی دینے سے انکار کرنے والے شخص کے ذمّے مرنے والے کی دیت ڈالی جائے گی۔ امام احمدؒ نے حضرت عمرؓ کے فیصلے سے استدلال کیا ہے[1]۔ چنانچہ اُن سے پوچھا گیا کہ کیا وہ حضرت عمرؓ کی رائے

---

[1] المحلّی جلد ۱۰ ص ۵۲۲ بحوالہ مصنف ابی بکر بن ابی شیبہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو اختیار کرتے ہیں؟ تو انہوں نے اثبات میں جواب دیا۔

تسعیر[1]

تسعیر کی اقسام تسعیر کی دو قسمیں ہیں۔ پہلی قسم ظلم اور حرام ہے دوسری قسم جائز اور عدل کا عین تقاضا ہے ——

نرخ مقرر کرنے کا مقصد اگر ظلم و جبر اور اکراہ ہو اور لوگوں کو ناحق کسی قیمت پر کوئی چیز فروخت کرنے پر مجبور کیا جائے اور ان کو وہ منافع لینے سے روک دیا جائے جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے مباح کیا ہے —— تو ایسی تسعیر حرام ہے۔ اگر تسعیر کا مقصد لوگوں میں عدل و انصاف قائم کرنا اور بازار کے عام نرخوں سے زیادہ معاوضہ وصول کرنے کا سدباب کرنا ہو تو تسعیر جائز بلکہ واجب ہے۔

پہلی قسم کی تسعیر کی مثال وہ حدیث ہے جسے حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اشیائے صرف مہنگی ہو گئیں لوگوں نے عرض کی۔

"یا رسول اللہ! آپ ان اشیا کے نرخ مقرر فرما دیں"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "اللہ تعالیٰ ہی تنگی اور فراخی دینے والا، رازق اور نرخ مقرر کرنے والا ہے میں چاہتا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ کے پاس اس حالت میں جاؤں کہ کوئی اپنی جان و مال میں مجھ سے ظلم کا بدلہ لینے والا نہ ہو"[2]

جب تاجر لوگ معروف طریقے سے اپنا مال فروخت کرتے ہوں اور کوئی شخص کسی دوسرے شخص پر کسی ظلم کا ارتکاب نہ کرتا ہو بایں ہمہ اگر اشیائے صرف کی قیمتیں

---

[1] تسعیر سے مراد ہے حکومت کی طرف سے اشیائے صرف یا دیگر اشیاء کا نرخ مقرر کرنا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بڑھ جائیں تو اس کا سبب یا تو رسد کی کمی یا استعمال کرنے والے لوگوں کی زیادتی ہے (یعنی جب طلب اور رسد میں توازن نہ رہا) ۔ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے ــــ اس صورت میں لوگوں کو مقررہ قیمت پر اشیائے صرف فروخت کرنے پر مجبور کرنا ظلم کے مترادف ہے اس تسعیر کا کسی کو کوئی حق نہیں پہنچتا ۔

تسعیر کی دوسری قسم یہ ہے کہ تاجر ضروریات زندگی اور اشیائے صرف کو روک لیں اور عام اور معروف نرخوں سے زیادہ قیمت کا مطالبہ کریں ۔ اس صورت میں انپر لازم ہے کہ وہ اشیائے صرف کو بازار کے عام نرخوں پر فروخت کریں ۔

یہاں تسعیر سے مراد اس کے سوا کچھ نہیں کہ اس قسم کے گراں فروشوں کو عام بازار کی قیمت پر فروخت کرنے کا پابند کیا جائے ۔ یہاں تسعیر عدل کا عین تقاضا ہے جو اللہ تعالیٰ نے انپر لازم کیا ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم[1] کے زمانہ میں تسعیر کا وجود نہیں تھا کیونکہ اس عہد میں ایسے لوگ نہ تھے جو اجرت اور مزدوری پر آٹا پیستے اور روٹی پکاتے ہوں اور نہ ایسے لوگ ملتے تھے جو روٹی اور آٹا بیچتے ہوں بلکہ لوگ غلّہ اور اناج خود خریدتے تھے اور پھر خود ہی پیستے تھے اور خود ہی گھروں میں روٹی پکاتے تھے لوگ منڈی پہنچنے سے پہلے غلّہ نہیں خرید لیا کرتے تھے بلکہ منڈی میں غلّہ لانیوالوں سے منڈی کے اندر غلہ خریدتے تھے ایک حدیث میں آتا ہے :

اَلْجَالِبُ مَرْزُوْقٌ وَالْمُحْتَكِرُ مَلْعُوْنٌ [2]

(کھلے بازار اشیائے ضرورت بیچنے والے کو رزق دیا جاتا ہے اور ذخیرہ اندوزی کرنیوالا ملعون ہے) ـــــــ اسی طرح مدینہ میں کپڑا بُننے والے نہیں تھے بلکہ

---

[1] ترتیب کے اعتبار سے اصل کتاب میں یہ حصہ قدرے مؤخر تھا ہم نے موضوع کی مناسبت اور مضمون کے ربط کے لحاظ سے یہاں لگا دیا ہے ۔

[2] سنن ابن ماجہ جلد ۲ صفحہ ۷۲۸ السنن الکبریٰ جلد ۶ صفحہ ۳۰

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کپڑا شام اور یمن وغیرہ سے لایا جاتا تھا لوگ وہی کپڑا خریدتے اور پہنتے تھے۔

تسعیر کے بارے میں فقہاء کی آراء تسعیر کے باب میں دو مسئلوں پر اہل علم میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

اوّل جب بازار میں لوگوں کے لئے ایک غالب نرخ موجود ہو اور کوئی تاجر اس بھاؤ سے مہنگے داموں فروخت کرنا چاہے تو امام مالک کے نزدیک اس تاجر کو مہنگے داموں اشیائے صَرف فروخت نہیں کرنے دیا جائے گا اور کوئی تاجر بازار سے کم قیمت پر فروخت کرنا چاہے تو ایسے تاجر کے بارے میں علماء کے دو قول ہیں۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس اثر سے استدلال کرتے ہیں جو خود انہوں نے سعید بن المسیّب کے واسطے سے اپنی مؤطا میں روایت کیا ہے چنانچہ منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بازار میں حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے جو کشمش بیچ رہے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو حکم دیا کہ وہ کشمش کے نرخ بڑھائیں ورنہ وہ بازار سے اُٹھا دیئے جائیں گے[1]

امام مالک رح فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص بازار کے نرخ کو خراب کرنے کے لئے قیمت کم کر دے تو میری رائے یہ ہے کہ اس کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ اپنے بھاؤ کو بازار کے بھاؤ کے برابر کرے ورنہ اسے بازار سے اُٹھا دیا جائے گا اور جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ تاجر کو یہ کہا جائے کہ وہ اس مقررہ نرخ پر اپنی اشیا فروخت کرے تو یہ بات صحیح نہیں۔

امام مالک رح نے اہلِ اُبُلّہ کے بارے میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کا اثر بیان کیا ہے کہ جب دریا کی رکاوٹ نے انکا نرخ کم کر دیا تو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے لکھا کہ ان کے اور انکے نرخوں کے درمیان سے ہٹ جاؤ نرخوں کا گھٹانا بڑھانا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ

---

[1] مؤطا امام مالک رح جلد ۲ صفحہ ۱۴۸

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں ہے" ــــــــــــ

علامہ ابنِ رُشدؒ اپنی کتاب " البیان" میں رقمطراز ہیں ۔

"اس امر میں کوئی اختلاف نہیں کہ باہر سے مال لانیوالوں پر ان کے مال کی فروخت کے لئے کوئی نرخ مقرر نہ کیا جائے ان میں سے اگر کوئی اکا دکا تاجر بازار کے عام بھاؤ سے مہنگا فروخت کرے تو اس کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ اپنا مال بازار کے بھاؤ کے مطابق کرے ورنہ اسے بازار سے اُٹھا دیا جائے گا ۔ جیسے حضرت عمرؓ نے حاطب بن ابی بلتعہؓ کے ساتھ کیا تھا جبکہ وہ بازار میں سستے داموں کشمش فروخت کر رہے تھے اُن سے کہا گیا تھا کہ وہ کشمش کے دام زیادہ کریں ورنہ اُن کو بازار سے اُٹھا دیا جائے گا ۔ وہ ایک درہم کے بدلے میں دیگر تاجروں کی نسبت زیادہ کشمش دیا کرتے تھے ۔" ــــــــــــ

رہے دکاندار اور منڈی والے آڑھتی جو باہر سے مال لانے والوں سے اکٹھا مال خرید لیتے ہیں اور پھر پرچون پر تھوڑا تھوڑا کر کے فروخت کرتے ہیں رمثلاً" گوشت، چمڑا اور پھل وغیرہ ــــــــ تو ان کے بارے میں فقہاء کی یہ رائے ہے کہ ان کا معاملہ بھی باہر سے مال لانیوالوں کی طرح ہے ۔ ان کی فروخت پر کوئی نرخ مقرر نہ کیا جائے گا البتہ اسی طرح اکا دکا دکانداروں کو بازار کے دیگر دکانداروں سے جو مختلف داموں پر اپنا مال فروخت کردیں ، بازار کے نرخوں کے مطابق اپنا مال فروخت کرنے کے لئے کہا جائے گا ۔ اگر وہ ایسا نہ کریں تو اُن کو بازار سے اُٹھا دیا جائے گا ۔ امام مالک کا بھی یہی قول ہے ۔

سلف میں سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ ، قاسم بن محمدؒ اور سالم بن عبداللہ بھی یہی رائے رکھتے تھے ۔

کہا جاتا ہے کہ اس معاملے میں دکاندار اور باہر سے مال لانیوالوں کا معاملہ ایک سا نہیں ہے دکانداروں کو اُن کی مرضی کے مطابق نرخ مقرر کرنے کی اجازت نہیں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دی جا سکتی خصوصاً اس صورت میں جبکہ وہ اشیائے صرف گراں قیمت پر عوام میں فروخت کریں اور مناسب منافع پر قناعت نہ کریں۔

بازار کی نگرانی کرنے والے ذمہ دار افسر پر واجب ہے کہ بازار میں تاجر جو کچھ فروخت کرتے ہیں اس کے متعلق تمام معلومات حاصل کر کے ان کے لئے مناسب منافع مقرر کرے اور اس سے زیادہ نرخوں پر اشیائے صرف فروخت کرنے سے منع کرے وہ ہمیشہ بازار کے نرخوں پر کڑی نظر رکھے اور تاجروں کو مقررہ نرخوں سے زیادہ قیمت نہ لینے دے، خلاف ورزی کرنے والے تاجر کو سزا دے کر بازار سے اُٹھا دے۔ علامہ اشہب کی روایت کے مطابق یہ امام مالک کا قول ہے کہ اسی کو ابنِ حبیب نے اختیار کیا ہے۔ یہی رائے سعید بن المسیبؒ کی تھی یحییٰ بن سعید انصاری اور ربیعہ بن عبد الرحمن الرائے بھی مذہب رکھتے تھے۔

اہلِ علم میں سے کوئی بھی اس بات کا قائل نہیں کہ تاجروں کے لئے ایک ہی بھاؤ مقرر کر کے ان کو ایک ہی بھاؤ پر اشیائے صرف فروخت کرنے پر مجبور کیا جائے۔ خواہ انہیں نفع ہو یا نقصان اور نہ دیکھا جائے کہ وہ کیا فروخت کر رہے ہیں اور نہ اہلِ علم میں کوئی اس بات کا قائل ہے کہ تاجروں نے جو مال خریدا ہے وہ اسے قیمتِ خرید یا اس سے بھی کمتر قیمت پر فروخت کریں، جب تاجروں کی قیمتِ خرید اور ان کے نفع کو مدِ نظر رکھتے ہوئے نرخ مقرر کر دیئے جائیں تو اُن کو گراں فروشی کی اجازت نہ دی جائے کیونکہ تاجر حضرات کو جب معلوم ہو جاتا ہے کہ مال روک رکھنے میں منافع کم نہیں ہوتا تو وہ عام طور پر مال فروخت کرنے میں تساہل برتتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اثر گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے امام شافعیؒ قاسم بن محمد کے حوالے سے ایک روایت بیان کرتے ہیں جس کا مفہوم گزشتہ روایت کے مفہوم سے متعارض ہے۔ قاسم بن محمدؒ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد والے بازار میں حاطب بن ابی بلتعہؓ کے قریب سے گزرے حاطبؓ کے پاس کشمش کی دو بوریاں رکھی ہوئی تھیں۔ حضرت عمرؓ نے اُن سے کشمش کا نرخ پوچھا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت نے عرض کی ـــــ "ایک درہم میں دو مُدّ "

حضرت عمرؓ نے فرمایا: "مجھے بتایا گیا ہے کہ طائف سے ایک تجارتی قافلہ کشمش لایا ہے وہ لوگ تمہارے نرخ سن کر دھوکہ کھا جائیں گے۔ لہٰذا تم یا تو نرخ زیادہ کر دو یا کشمش اپنے گھر لے جاؤ پھر جیسے جی چاہے اس کو فروخت کرو۔"

حضرت عمرؓ واپس لوٹے اور اپنے نفس کا محاسبہ کیا تو حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ کے پاس اُن کے گھر تشریف لے گئے اور اُن سے فرمایا:

"میں نے آپ سے جو کچھ کہا تھا وہ عزم کے ساتھ نہ کہا تھا اور نہ یہ میرا فیصلہ ہے بلکہ یہ تو یہ محض شہر والوں کے ساتھ بھلائی اور بہتری کا ارادہ تھا۔ آپ اپنی کشمش جہاں چاہیں اور جیسے چاہیں فروخت کریں۔" [1]

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

یہ حدیث مستفیض ہے نیز امام مالکؒ کی مذکورہ روایت کے خلاف بھی نہیں مگر امام مالکؒ نے اس اثر کا صرف ایک حصہ روایت کیا ہے یا امام مالکؒ سے جس نے یہ اثر روایت کیا ہے اس نے اس کا پہلا حصہ روایت کر دیا راوی نے اوّل سے آخر تک تمام روایت بیان کی ہے۔ میری بھی یہی رائے ہے کیونکہ لوگ اپنے اموال میں تصرف کا پورا اختیار رکھتے ہیں کسی دوسرے کو ان کے اموال میں تصرف کا پورا اختیار حاصل نہیں ہے۔ سوائے ان مواقع کے جہاں ان کے مال میں تصرف لازم آتا ہو اور یہاں اس تصرف کو لازم کرنے والی کوئی چیز نہیں۔

امام مالکؒ کے قول پر علامہ ابوالولید الباجی مالکیؒ [2] اس طرح تفریع کرتے ہیں۔

---

[1] السنن الکبریٰ بیھقی جلد ۶ ص۲۹

[2] ابوالولید سلیمان بن خلف الباجی اندلس میں پیدا ہوئے اندلس میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد بغداد کا سفر کیا اور وہاں کے اہل علم سے مستفید ہوئے۔ ابوالولید الباجی امام ابن حزم ظاہری کے ہم عصر تھے اور ان کے ساتھ علمی مناظرے بھی ہوتے رہتے تھے۔ بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں جن میں مؤطا اور المدونہ کی شرحیں بہت مشہور ہیں۔ ۴۹۴ھ میں وفات پائی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہ نرخ جس پر لوگوں کو پابند کیا جائے گا جس سے کم داموں پر شاذ ہی کوئی تاجر فروخت کرتا ہو۔ یہ بازار کا وہ عام نرخ ہے جس پر عام تاجر اشیاء کو صرف فروخت کرتے ہیں۔ اگر نرخوں کے سلسلے میں تاجروں کی اکثریت کی مخالفت کرنے والا تاجر صرف ایک ہو یا معدودے چند ہوں تو ان کو اس حکم کا پابند کیا جائے گا کہ وہ اشیاء صرف دیگر تاجروں کے نرخوں کے مطابق فروخت کریں ورنہ تجارت چھوڑ دیں اگر ایک یا دو تاجر اپنا اشیاء کے دام بڑھاتے ہیں تو باقی تاجروں کو ان کی پیروی کا حکم نہیں دیا جائے گا اور اکثریت کے طرزِ عمل کی رعایت کی جائے گی۔ تجارت کا کاروبار ایسے ہی چلتا ہے۔

ابن القصار رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"ہمارے اصحاب امام مالک رحمہ اللہ کے قول۔ "جو بھاؤ کم دے" کے مفہوم میں اختلاف کرتے ہیں چنانچہ علمائے بغداد کہتے ہیں کہ اس سے اُن کی مراد یہ ہے کہ ایک درہم کے بدلے پانچ دے حالانکہ دوسرے تاجر ایک درہم کے بدلے آٹھ دے رہے ہوں۔ اس ارزاں فروشی سے بازار کے تاجروں کی بیع خراب ہوگی، بسا اوقات یہ چیز جھگڑے اور شور و شغب کا باعث بنتی ہے۔"

علامہ ابن القصار رحمہ اللہ کہتے ہیں:

میرے نزدیک دونوں امور ممنوع ہیں کیونکہ اگر ایک شخص ایک درہم کے عوض آٹھ فروخت کرتا ہے اور دیگر لوگ پانچ دیتے ہیں تو یہ بازار کے نرخوں کو خراب کرتا ہے اور بسا اوقات یہ ہر جھگڑے اور خصومت کا باعث بن جاتا ہے مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو روک دیا جائے۔

علامہ ابوالولید باجی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہ حکم اہلِ بازار کے بارے میں ہے۔"

امام محمد رحمہ اللہ کی کتاب میں مرقوم ہے:

"باہر سے مال لانے والے پر نرخ کی کوئی پابندی نہیں وہ اگر دوسرے لوگوں سے کم نرخ پر فروخت کرنا چاہتا ہے تو اس کو ایسا کرنے سے نہیں روکا جائے گا۔"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابن حبیبؒ کہتے ہیں ۔" یہ حکم گندم اور جو کے تاجر کے لئے ہے ورنہ ایسے تاجر کو بازار سے اُٹھا دیا جائے گا ۔"

رہے وہ تاجر جو باہر سے غلہ یعنی گیہوں اور جو لاتے ہیں تو وہ اپنی مرضی کے مطابق داموں پر فروخت کر سکتے ہیں ۔ اگر ان میں سے کوئی "اکا دکا" تاجر غلہ سستا کرتا ہے، تو اس سے کوئی تعرض نہ کیا جائے گا ۔ اور اگر ان تاجروں کی اکثریت غلہ سستا کر دے تو باقی تاجروں کو بھی اس نرخ پر غلہ فروخت کرنے کا حکم دیا جائے گا ورنہ ان کو بازار سے اُٹھا دیا جائے گا ۔

ابن حبیبؒ کہتے ہیں کہ تسعیر کے اس اصول کا اطلاق ان اشیائے تجارت پر ہوگا جن کو ناپا یا تولا جا سکتا ہے ۔ خواہ یہ اجناس خوردنی ہوں یا غیر خوردنی البتہ ان اجناس میں عدم تماثل کی بنا پر تسعیر ممکن نہیں ہے جن کو ناپا یا تولا نہیں جا سکتا ۔

علامہ ابوالولید الباجیؒ کہتے ہیں ۔" تسعیر صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب دونوں اجناس ناپ اور تول کے اعتبار سے مساوی ہوں اگر یہ مساوی نہ ہوں تو اچھی جنس کے مالک کو حکم نہیں دیا جا سکتا کہ وہ گھٹیا اور کم بھاؤ والی جنس کے داموں پہ اپنی اچھی جنس کو فروخت کرے ۔

تسعیر کا دوسرا مسئلہ جس کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے ۔ یہ ہے کہ تمام منڈی والوں کے لئے ایک ہی نرخ مقرر کر دیا جائے اور حکم دیدیا جائے کہ تاجر حضرات اس مقررہ نرخ سے تجاوز نہ کریں اور اس کے ساتھ ساتھ واجب منافع کا بھی لحاظ رکھا جائے ۔

جمہور فقہاء نے اس تسعیر سے منع کیا ہے ۔ حتیٰ کہ خود امام مالکؒ سے بھی ممانعت مشہور ہے حضرت عبداللہ بن عمرؓ ، سالم بن عبداللہؒ اور قاسم بن محمدؒ سے بھی منقول ہے

علامہ اشہبؒ امام مالکؒ سے روایت کرتے ہیں کہ منڈی کے افسر کو چاہیئے کہ وہ گوشت کا نرخ مقرر کر دے تاکہ قصاب بھیڑ بکری کا گوشت ایک مقررہ نرخ پہ فروخت کریں اور اونٹ کا گوشت دوسرے مقررہ نرخ پر فروخت کریں ۔ ورنہ ان کو بازار سے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اٹھا دیا جائے۔ امام مالکؒ کہتے ہیں کہ انکی فروخت کی مقدار کے لحاظ سے ان کے نرخ مقرر کئے جائیں مگر منڈی کا افسر اُن کو بازار سے اُٹھ جانے کا حکم نہ دے۔

اس رائے کو اختیار کرنیوالے فقہاء یہ دلیل دیتے ہیں کہ عوام کی بھلائی اور مصلحت اسی چیز میں پوشیدہ ہے کہ تاجروں کو نرخ بڑھانے سے منع کر دیا جائے۔ لوگوں کو کوئی چیز فروخت کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ ان کو صرف اس بات کا پابند کیا گیا ہے کہ حکومت نے تاجروں اور صارفین کے مصالح کا خیال رکھتے ہوئے جو نرخ مقرر کیا ہے تاجر اس نرخ کے علاوہ کسی اور نرخ پر فروخت نہ کریں۔

جمہور فقہاء اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جو حضرت ابوہریرہؓ نے روایت کی ہے۔ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی۔

"یا رسول اللہ! ہمارے لئے نرخ مقرر فرما دیجئے۔"

آپؐ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ سے دعاء کرو۔"

پھر ایک اور شخص نے آکر یہی عرض کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ بھاؤ کو کم یا زیادہ کرتا ہے میری خواہش ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے پاس اس حالت میں جاؤں کہ کوئی اپنی جان و مال میں مجھ سے ظلم کا بدلہ لینے والا نہ ہو"[۹۱]

جمہور فقہاء یہ دلیل بھی دیتے ہیں کہ کسی تاجر کو کسی مقررہ نرخ پر اشیائے صرف فروخت کرنے پر مجبور کرنا ظلم ہے۔

وہ فقہاء جو تسعیر کے جواز کے قائل ہیں ان کے نزدیک یہ تسعیر کی ایک خاص قسم ہے چنانچہ ابن حبیبؒ کہتے ہیں:

"حکومت کو چاہیئے کہ وہ ان اشیائے صرف کے نرخ حاصل کرے جن کے نرخ مقرر کرنا چاہتی ہے ان تاجروں کے علاوہ دوسرے تاجروں کو بھی بلالے تاکہ ان کے نرخوں کی حقیقت معلوم ہو جائے انکی خرید اور فروخت کے متعلق اچھی

---

۹۱ سنن ابی داؤد جلد ۳ ص ۲۸۶

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طرح پڑتال کرے اور پھر ان کو ایسے نرخ پر رضامند کرے جس میں عوام اور تاجر دونوں کی بھلائی ہو۔ حکومت تاجروں کو ان کی رضامندی کے بغیر کسی نرخ پر اشیاء فروخت کرنے پر مجبور نہ کرے۔

علامہ ابو الولید الباجیؒ کہتے ہیں:

"اس کی صورت یہ ہے کہ حکومت کو تاجروں اور صارفین دونوں فریقوں کے مصالح کا بخوبی علم ہو۔ وہ ایسا منافع مقرر کر دے جو مناسب اور تاجروں کے لئے قابلِ قبول ہو اور عوام کے لئے ناقابلِ برداشت بوجھ نہ ہو۔ اگر حکومت اس قسم کے نرخ مقرر کر دیتی ہے جس پر تاجر رضامند نہ ہوں تو وہ نرخوں کو خراب کرنے کا باعث بنے گی اور اشیائے خورد و نوش بازار سے غائب ہو جائیں گی اور وہ لوگوں کے اموال کے اتلاف کا باعث بنے گی۔

تسعیر کے بارے میں ابنِ تیمیہؒ کا مسلک

ہمارے شیخ علامہ ابنِ تیمیہؒ فرماتے ہیں: یہ ہے وہ سب کچھ جس کے بارے میں اہلِ علم ایک دوسرے سے اختلاف کرتے ہیں مگر اصل حقیقت یہ ہے کہ جب لوگ ان اشیائے ضرورت کو فروخت کرنے سے ممتنع ہوں، جن کی فروخت ان پر واجب ہے اور تب ان کو واجب کی ادائیگی کا حکم دیا جائے گا اور اس واجب کو ترک کرنے پر ان کو سزا ملے گی اسی طرح وہ تاجر جس پر قیمتِ مثل کے مطابق اشیائے صرف فروخت کرنا واجب ہے اور وہ اشیائے صرف اس قیمت پر فروخت کرنے سے باز رہتا ہے اس کو بھی سزا دی جائے گی۔

بعض فقہاء دلیل کے طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد پیش کرتے ہیں: ان اللّٰہ ھو المسعّر القابض الباسط انی لا رجوان القی اللّٰہ ولیس لأحد منکم عندی بمظلمۃ فی دم ولا مال۔

(اللہ تعالیٰ تنگی اور فراخی عطا کرنیوالا ہے میں چاہتا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ کے پاس اس حالت میں جاؤں کہ کوئی اپنی جان و مال میں مجھ سے ظلم کا بدلہ لینے والا نہ ہو۔

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں منقول واقعہ ایک معیّنہ قضیہ ہے اس کا عام اطلاق دُرست نہیں پھر اس قضیے میں کسی ایسے شخص کا ذکر بھی تو نہیں جس نے ضروریاتِ زندگی کو لوگوں کے ہاتھ فروخت کرنے سے انکار کیا ہو۔ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ جب کسی چیز کی قِلّت واقع ہو جاتی ہے تو لوگوں میں اس کا نرخ بڑھانے کا رجحان بڑھ جاتا ہے۔ جب یہ چیز فروخت کے لئے بازار میں آجاتی ہے تو لوگ ایک دوسرے سے بڑھ کر اس چیز کی قیمت لگاتے ہیں۔ اسی لئے اس صورتِ حال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو کسی نرخ کا پابند نہیں کیا۔

صحیحین میں ایک حدیث آئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشترکہ غلام کے ایک حصّہ کی آزادی میں قیمتِ مثل سے زیادہ وصول کرنے سے منع کیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

"جو شخص مشترکہ غلام میں اپنے حصّے کو آزاد کرنا چاہتا ہے اس کے پاس اتنا مال بھی ہے جو غلام کی قیمت کے برابر ہے تو غلام کی قیمتِ مثل لگائی جائے گی نہ کم نہ زیادہ اور اس کے دیگر شرکاء کو ان کے حصّے کی قیمت ادا کر دی جائے گی اور غلام آزاد ہو جائے گا" [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلام کے مالک کو یہ اختیار نہیں دیا کہ وہ خود ہی غلام کی قیمت جو چاہے لگائے جب غلام کے مالک پر واجب ہو گیا کہ وہ اپنے حصّے کی تملیک بھی آزاد کرنے والے کو کر دے تاکہ غلام کی آزادی مکمل ہو جائے تو اس کے عوض کا تعیّن اس طرح ہو گا کہ تمام غلام کی قیمتِ مثل لگائی جائے گی اور تملیک کرنے والے کے حصّے کی قیمت ادا کر دی جائے گی۔ جمہور کی رائے کے مطابق شریک نصف قیمت کا مستحق ہے۔ نصف حصّے کی قیمت کا مستحق نہیں۔

چند فقہی قواعد کا استنباط اس حدیث سے یہ اُصول اور قاعدہ مستنبط ہوتا ہے کہ مال کی تقسیم عین ممکن ہے۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ۵ صفحہ ۱۵۱، صحیح مسلم جلد ۱۰ صفحہ ۱۳۵ بروایت عبداللہ بن عمرؓ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جب شرکاء میں سے کوئی شریک اپنے حصے کا مطالبہ کرے تو مال کو فروخت کر کے اسکی قیمت کو تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ اور اگر کوئی حصہ دار اپنے حصے کو فروخت کرنے سے ممتنع ہو تو اس کو اپنا حصہ فروخت کرنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے کہ مالکیہ میں سے بعض فقہاء نے اسپر اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔

اس حدیث سے یہ اصول بھی مستنبط ہوتا ہے کہ اگر کسی مصلحت راجحہ کا تقاضا ہو تو کسی مشترکہ شئی میں دوسرے شریک کے حصے کی قیمت ادا کرکے وہ حصہ جبراً اس سے لیا جا سکتا ہے۔ جیسے شفعہ وغیرہ میں ہوتا ہے۔

اس حدیث سے یہ قاعدہ بھی نکلتا ہے کہ سرایتِ حق کے باعث جب بھی ممکن ہو حریت کی تکمیل واجب ہو جاتی ہے۔

اس بحث کا مقصد یہ ہے کہ جب شارع آزادی کی تکمیل کی مصلحت کی خاطر قیمتِ مثل پر مالک کو اس کے حصے کی ملکیت سے بے دخل کر دیتا ہے مالک کو اپنے حصے کی زیادہ قیمت کا مطالبہ کا اختیار نہیں دیتا تو تسعیر کی صورت میں شارع کو کیونکر تملک کا اختیار نہیں ہو سکتا جبکہ عوام اس تملک کے حاجتمند بھی ہوں بلکہ وہ اس تملک کے اسی طرح ضرورت مند ہوں جیسے اضطراری حالت میں کھانے اور لباس کا حاجتمند ہوتا ہے۔

یہ ہے وہ مقصدِ شریعت جس کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مال کی قیمت لگانے کا حکم دیا تسعیر کی حقیقت بھی یہی ہے ایک شخص اپنی ملکیت کی تکمیل کی مصلحت کی خاطر اس حصے کو مشتری سے شفعہ کی بناء پر قیمتِ مثل پر واپس لینے کا حق رکھتا ہے تب اس مصلحت کے متعلق شارع کا کیا حکم ہو گا جو اس سے عظیم تر ہے۔

جب محض جزوی مصلحت کی بناء پر شارع نے دوسرے شریک کے اس حصے کو قیمتِ مثل پر کسی مشتری سے لے لینے کا حق دیا ہے جس پر بیع کے معاہدے کا انعقاد ہو چکا ہے اور مشتری کو من مانی قیمت لگانے کا اختیار نہیں دیا، تب یہ حق کیونکر نہیں ہو سکتا کہ اگر اسی شخص کے پاس کھانے پینے، لباس اور آلاتِ حرب جیسی ضروریاتِ زندگی ہوں اور عوام ان اشیاء کے ضرورت مند بھی ہوں تو اس یہ اشیائے ضرورت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس قیمت مثل پرلے لی جائیں اسی طرح عندالضرورت حُجاج حضرات کو کیونکہ یہ حق حاصل نہیں ہو سکتا کہ وہ اس سامان سے فائدہ اُٹھائیں جو لوگوں کے پاس موجود ہے۔

یہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ تاجروں کو ضروریاتِ زندگی قیمتِ مثل پر فروخت کرنے پر مجبور کرے اور ان کو اپنی من مانی قیمت بٹورنے سے باز رکھے یہ مذکورہ حدیث اس باب میں اصل اور بنیاد کا حُکم رکھتی ہے۔

اشیائے ضرورت کی خرید و فروخت کیلئے مخصوص تاجروں کو ٹھیکہ

یہ قبیح ترین ظلم ہے کہ کسی راستے یا بستی وغیرہ میں کوئی دکان وغیرہ اس شرط پر کرائے پر دی جائے کہ اس کے سوا کوئی اور شخص وہاں کچھ فروخت نہیں کر سکے گا۔ یہ شرط مالک اور مستاجر دونوں پر ظلم ہے ایسی شرط عائد کرنا حرام ہے۔ یہ چیز لوگوں کے اموال غصب کرنے کے زمرے میں آتی ہے ایسا مال کھانا اکل حرام شمار ہوتا ہے۔ اس جرم کے مرتکب نے ایک وسعت والے کام کو خواہ مخواہ اپنے اوپر تنگ کر لیا تب ڈر ہے کہ کہیں اللہ تعالیٰ بھی اس پر اپنی رحمت کے دروازے تنگ نہ کر دے جس طرح اس شخص نے لوگوں پر اللہ تعالیٰ کے رزق اور اس کے فضل و کرم کے دروازے بند کرنے کی کوشش کی ہے۔

اسی قسم کے ظلم کی مثال وہ قانون ہے جس کے ذریعے اشیائے خورد و نوش یا دیگر ضروریاتِ زندگی مخصوص لوگوں کے سوا کوئی اور فروخت نہیں کر سکتا اس قسم کا سامان صرف یہی مخصوص لوگ فروخت کرتے ہیں اور یہ لوگ منہ مانگے دام وصول کرتے ہیں اور اگر کوئی دوسرا تاجر یہ اشیاء فروخت کرتا ہے تو اسے سزا دی جاتی ہے۔

یہ فساد فی الارض کی ایک قسم ہے اور ایک ایسا ظلم ہے جس کی وجہ سے آسمان سے بارش نہیں ہوتی۔ ایسے لوگوں پر تسعیر واجب ہے ان پر یہ پابندی عائد کرنا نہایت ضروری ہے کہ وہ اشیائے صرف بازار کے عام نرخوں پر فروخت کریں اور بازار کے نرخوں پر خریدیں اس مسئلہ میں اہلِ علم میں سے کسی ایک کو بھی تردّد نہیں۔

اگر ان مخصوص لوگوں کے علاوہ دوسرے لوگوں پر ان اشیاء کی خرید و فروخت ممنوع

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرار دیدی جائے اور ان مخصوص تاجروں کو کھلی چھٹی دے دی جائے کہ وہ اپنی مرضی کے نرخوں پر خرید کر اپنی مرضی کے نرخوں پر ان کو فروخت کریں تو یہ عوام پر ظلم ہے، یہ ان لوگوں پر بھی ظلم ہے جو ان تاجروں کے ہاتھوں اپنا مال فروخت کرتے ہیں اور ان لوگوں پر بھی ظلم عظیم ہے جو ان سے یہ مال خریدتے ہیں۔

اس قسم کے حالات میں تسعیر بلا نزاع واجب ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تسعیر ایسے خود غرض لوگوں کو عدل کا پابند بناتی ہے اور ظلم کرنے سے روکتی ہے، ناحق کسی چیز کو فروخت کرنے پر مجبور کرنا جائز نہیں اسی طرح حق کے مطابق کسی چیز کو فروخت کرنے پر مجبور کرنا جائز ہے۔

اس پابندی کی ایک مثال یہ ہے کہ اضطراری حالت میں ایک شخص کو طعام ولباس کی ضرورت ہے چنانچہ طعام ولباس کے مالک کو یہ اشیائے ضرورت فروخت کرنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے۔

اسکی ایک مثال یہ ہے کہ کسی شخص نے اگر کسی دوسرے شخص کی زمین میں کوئی عمارت تعمیر کی ہو یا کچھ پودے لگائے ہوں تو صاحبِ زمین کو یہ عمارت یا پودے بازار کے نرخ کے مطابق خرید لینے کا حق حاصل ہے۔

حقِ شفعہ کے ذریعے کوئی چیز حاصل کرنا بھی اسی زمرے میں آتا ہے کیونکہ شفعہ کے مستحق شخص کو یہ حاصل ہے کہ وہ فروخت کنندہ کی مرضی کے علی الرغم اس فروخت شدہ حصے کا مالک بن جائے۔

ایسی ہی مثال مشترکہ غلام کے ایک حصے کی آزادی کا مسئلہ ہے چنانچہ ایک حصے کی آزادی کے بعد آزاد کرنیوالے پر واجب ہے کہ وہ غلام کا بقیہ معاوضہ بھی ادا کرے۔

جس شخص پر طعام ولباس، غلام یا سواری، حج یا کفارہ یا نفقاتِ واجبہ کے باعث کچھ خریدنا لازم آتا ہو تو جب کبھی عام بازار کے بھاؤ کے مطابق یہ چیزیں دستیاب ہوتی ہوں تو اس شخص پر ان کا خریدنا واجب ہے اور اس کو ان اشیاء کے خریدنے پر مجبور کیا جائے گا اس کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ ان چیزوں کو خریدنے سے محض اس لئے باز رہے کہ اسے یہ اشیاء کہیں سے بلا قیمت یا کم قیمت پر ملنے کی توقع ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دستکاروں کے ناجائز گٹھ جوڑ کا سدِّباب

ایک سے زیادہ اہلِ علم مثلاً امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب رحمہم اللہ نے قسّامین کو جو اُجرت پر گھر کا سامان وغیرہ تقسیم کرتے ہیں گٹھ جوڑ کرنے سے منع کیا ہے کیونکہ جب یہ لوگ گٹھ جوڑ کر لیں گے تو لوگوں کی احتیاج اور مجبوری سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اپنے کام کی اُجرت زیادہ کر دیں گے۔

میں (ابن قیمؒ) کہتا ہوں کہ اسی طرح یہ بھی محکمۂ احتساب کی ذمّہ داری ہے کہ وہ مُردوں کو نہلانے والوں اور انکو اٹھانیوالوں کے گٹھ جوڑ کا سدِباب کرے۔ کیونکہ اس صُورت میں یہ لوگ اپنی اُجرت بڑھا دیں گے اِسی طرح ایسے تمام لوگوں کے گٹھ جوڑ کی روک تھام ہو سکتی ہے جن سے کام لینے پر لوگ مجبور رہتے ہیں مثلاً شاہد اور دلائل وغیرہ۔ شاہدوں کا گٹھ جوڑ تو اس اعتبار سے قدرے مشکل ہے کہ عموماً ان کے پیشے علیحٰدہ علیحٰدہ اور ان کے کام مختلف ہوتے ہیں اس لئے ان میں گٹھ جوڑ کا امکان نہیں ہے۔ چونکہ کتابت تحمّلِ شہادت اور ادائے شہادت ـــــ یہ سب کام ایک دوسرے سے ممیز ہیں اس لئے ان میں اشتراک اور تعاون کا امکان کم ہے آخر کس طرح ان میں سے ایک شخص دُوسرے شخص کی اُجرت کا مستحق ہو سکتا ہے یہ اشتراک دیگر کاموں کے اشتراکات سے بالکل مختلف ہے کیونکہ ان اشتراکات کی صُورت میں یہ عین ممکن ہے کہ ایک شریک کسی کام کا ایک حصّہ سرانجام دیتا ہے۔ لہٰذا جب صنعتیں اور کام کاج مختلف ہوں تو اس صُورت میں شراکت صحیح نہیں۔ امام احمدؒ کی یہی رائے ہے۔

دونوں شریکوں کے کام میں عدمِ اشتراک کے باوجود جو علماء انکی شراکت کو صحیح قرار دیتے ہیں ان کا خیال ہے کہ دونوں اس طرح شریک ہیں کہ ہر ایک حفظ و نظر سے اپنے اپنے حصّے کے کام کو اختتام تک پہنچائے گا جو شرکاء اس طرح کام کر سکیں تو ان کا اشتراک صحیح ہوگا۔

رہا دلّالوں کا اشتراک تو یہ ایک دوسرا معاملہ ہے۔ دلّال بیع کے سلسلے میں مالِ تجارت کے مالک کا وکیل ہوتا ہے اگر اسکی بیع میں کوئی دُوسرا شخص شریک ہو جائے تو جس کام میں وہ وکیل ہوتا ہے اس کام میں شریک فرد بھی وکیل ہو گا۔

بنابریں اگر ہم یہ کہیں کہ وکیل آگے کسی اور شخص کو وکیل نہیں بنا سکتا۔ تب شراکت صحیح

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صحیح نہیں اور اگر ہم یہ رائے رکھتے ہوں کہ وکیل کے لئے جائز ہے کہ وہ آگے کسی اور کو وکیل بنالے تب یہ شراکت صحیح ہوگی۔

محتسبِ اعلیٰ کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان تمام اُمور کو جاننے والا ہو ان کو خوب سمجھتا ہو اور عوام کے مصالح کو اچھی طرح جانتا ہو اور یہ بات بہت بعید ہے۔

مقصد یہ ہے کہ جب قسام وغیرہ کو محض اس وجہ سے اشتراکِ عمل سے روک دیا جاتا کہ کہیں وہ اُجرت زیادہ کرنے کے لئے گٹھ جوڑ نہ کرلیں تو تاجروں کو کسی خاص قیمت پر فروخت کرنے کے لئے گٹھ جوڑ سے روکنا تو زیادہ اَولیٰ ہے۔ اسی طرح محکمۂ احتساب کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ خریداروں کو اس بات پر ایکا کرنے سے روک دے کہ وہ اپنے سوا کسی اور کو کچھ خریدنے نہ دیں، اس قسم کا گٹھ جوڑ بائع پر ظلم ہے۔

نیز جب تاجروں کا ایک گروہ کسی قسم کا سامان خریدتا ہے یا فروخت کرتا ہے۔ یہ تاجر اس بات پر ایکا کرلیتے ہیں کہ وہ جو کچھ خریدیں گے کم قیمت پر خریدیں گے اور جب فروخت کریں گے تو بازار کی عام قیمتِ فروخت سے بہت زیادہ قیمت پر فروخت کریں گے اور اسیطرح جو زیادہ منافع حاصل ہوگا اُسے سب مل کر تقسیم کرلیں گے ایسے لوگوں کو اس ڈگر پر چلتے رہنے کی اجازت دینا درحقیقت انکے ظلم وعدوان میں معاونت ہے اور اس معاونت کے اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں ممانعت فرمائی ہے۔

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔ (المائدہ۔ ۲)	نیکی اور تقویٰ پر تعاون کرو گناہ اور زیادتی میں ہرگز تعاون نہ کرو۔

بلاشبہ کھلی منڈی میں جانے سے پہلے مال کو روک لینا کسی موجود شخص کا کسی غیر موجود کی طرف سے بولی دینا اور محض قیمت بڑھانے کی غرض بولی دینا بہت بڑا گناہ اور زیادتی ہے۔

کاریگروں کی اُجرت مقرر کرنا

ایسی دستکاریاں اور صنعتیں جن کے عوام سخت ضرورتمند ہوتے ہیں۔ ان تمام کاموں میں محکمۂ احتساب پر لازم ہے کہ وہ ان دستکاروں کی اُجرت مقرر کئے بغیر عوام کے مصالح پورے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں ہوتے۔

یہی وجہ ہے کہ امام احمدؒ اور امام شافعیؒ کے اصحاب میں سے ایک جماعت کی رائے ہے کہ ضروری دستکاریوں اور صنعتوں کو سیکھنا فرضِ کفایہ ہے کیونکہ انسانی معاشرہ ان صنعتوں کا محتاج ہے اسی طرح مُردوں کی تجہیز و تدفین فرضِ کفایہ ہے اسی طرح حکومت کا وہ خاص و عام انتظام جس کے بغیر مسلمان معاشرہ کی بہبود اور مصالح کا قیام ممکن نہیں فرضِ کفایہ ہے۔

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذاتی طور پر مختلف ولایات اور شعبوں کا انتظام فرمایا کرتے تھے اور دُور دراز کے علاقوں میں والی مقرر کیا کرتے تھے چنانچہ آپؐ نے مکہ مکرمہ پر عتاب بن اُسَیدؓ طائف پر عثمان بن ابی العاص ثقفی، قریٰ عُرینہ پر خالد بن سعیدؓ بن العاص اور یمن پر حضرت علیؓ، معاذ بن جبلؓ اور ابو موسیٰؓ اشعری کو والی مقرر فرمایا، آپؐ چھوٹے چھوٹے فوجی دستوں (سرایا) پر بھی امیر مقرر فرمایا کرتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زکوٰۃ جمع کرنے کے لئے عامل بھیجا کرتے تھے جس کے ذمہ زکوٰۃ واجب ہوتی یہ حضرات اس سے زکوٰۃ وصول کرکے مستحق لوگوں کو دیا کرتے تھے اور جب عامل زکوٰۃ مدینہ واپس پہنچتا تو اس کے پاس اپنے کوڑے کے سوا کچھ نہ ہوتا تھا۔ اگر اس کو وہاں زکوٰۃ کے مستحق لوگ مل جاتے تو وہ زکوٰۃ کا مال ساتھ نہ لاتا تھا۔

عُمّال کا احتساب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عُمّال سے پُورا حساب و کتاب لیا کرتے تھے۔ چنانچہ صحیحین میں ابو حُمید ساعدیؓ کے حوالے سے منقول ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی ازد میں سے ایک شخص کو زکوٰۃ کا تحصیلدار مقرر فرمایا۔ اس شخص کو ابن لتبیہ کہا جاتا تھا۔ جب وہ زکوٰۃ لے کر واپس آیا تو آپؐ نے اس سے حساب لیا اس شخص نے عرض کی "یہ تو ہے زکوٰۃ کا مال —— اور یہ مجھے ہدیہ کے طور پر دیا گیا ہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ایسے شخص کا کیا حال ہے جسے ہم کسی ایسی چیز

لہ صحیح بخاری جلد ۳ صـ ۲۶۵، صحیح مسلم جلد ۱۲ صـ ۲۱۸

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پر عامل مقرر کرتے ہیں جس کی دیکھ بھال اللہ تعالیٰ نے ہمارے سپرد کی ہے۔ وہ آکر کہتا ہے:
"یہ تو ہے زکوٰۃ اور یہ مجھے ہدیہ دیا گیا ہے۔ وہ شخص اپنے ماں باپ کے گھر بیٹھ کیوں نہیں رہتا پھر وہ دیکھے کہ اسے ہدیہ بھیجا جاتا ہے یا نہیں؟ اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اللہ کی سپرد کی ہوئی ذمہ داری میں سے کسی چیز پر ہم کسی کو عامل مقرر کرتے ہیں اور وہ عامل اس میں سے کچھ غبن کر لیتا ہے تو قیامت کے روز وہ اس غبن کردہ مال کو اپنی گردن پر اٹھائے ہوئے آئے گا اگر اونٹ ہوگا تو اسکی بلبلاہٹ ہوگی اگر گائے غبن کی ہوگی تو وہ ڈکرا رہی ہوگی اور اگر بکری غبن کی ہوگی تو اسکی ممیاہٹ اس شخص کی خیانت کو ظاہر کر رہی ہوگی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر فرمایا:
"اے اللہ! کیا میں نے حق تبلیغ ادا کر دیا ہے۔"؟
یہ کلمہ آپؐ نے تینؔ بار دہرایا۔

مقصد یہ ہے کہ ان اعمال کے قیام کے لئے اگر صرف ایک ہی شخص ہو تو ان کا قیام اس کے لئے فرض عین بن جاتا ہے۔ اگر عوام زراعت اور کھیتی باڑی، کپڑا بننے، اور مکانات تعمیر کرنے میں کسی گروہ کے محتاج ہوں تو ان اعمال کی بجا آوری ان لوگوں پر فرض عین بن جاتی ہے حکومت اجرتِ مثل پر اُن کو ان کاموں پر مجبور کر سکتی ہے۔ نیز حکومت کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ان لوگوں کو عوام سے من مانی اُجرت نہ لینے دے، اور عوام کو بھی کم اُجرت ادا کرنے سے روکے۔

زراعت کی نگرانی

جہاد کے لئے چھاؤنیوں میں پڑی ہوئی افواج کو اپنی اراضی میں کھیتی باڑی کی ضرورت ہوتی ہے۔ لہذا حکومت کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ کسانوں کو ان اراضی میں زراعت کے لئے مقرر کرے۔ اسی طرح فوجیوں کو بھی ان کسانوں پر ظلم کرنے سے باز رکھے اگر فوج، افسران اور کسان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اصولوں کو اپنا لیں جن کی طرف سُنت راہ نمائی کرتی ہے جن کو خلفائے راشدین نے اپنا لائحہ عمل بنایا تو اللہ تعالیٰ ان کے رزق کو فراخ کر دے گا اور ان پر زمین و آسمان کی برکات کے دروازے کھول دے گا۔ جو لوگ ظلم اور زیادتی کے ہتھکنڈے استعمال کرکے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(اپنے حق) سے زیادہ پیداوار سمیٹ لیتے ہیں۔ اپنے ظلم و جہالت کے سبب سے لوگوں پر ظلم و ستم اور ان کے استحصال کے گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں۔ ان سے برکت اور فراخیٔ رزق کو اُٹھا لیا جاتا ہے۔ دنیا میں وہ برکت سے محروم ہوتے ہیں اور آخرت میں سخت سزا کے مستحق۔

مزارعت عادلہ آخر وہ اُصول کیا ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کی فلاح کے لئے وضع کیا ہے اور جن کو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنا مدارِ عمل بنایا۔ تاکہ اللہ تعالیٰ جسے توفیق عطا کرے وہ ان اصولوں پر عمل کر سکے؟

یہ شرعی اصول درحقیقت مزارعتِ عادلہ کا دُوسرا نام ہے جس میں ہر فریق کے لئے فلاح و بہبود کے مساوی مواقع اور جو عدل و انصاف پر مبنی ہے اس دنیاوی اور بے دین رسم و رواج کی بناء پر کسی کو کوئی خصوصیّت حاصل نہیں ہے۔ ان رائج غیر شرعی رسم و رواج نے شہروں کو اُجاڑ کر رکھ دیا ہے انسانی معاشرے میں فساد برپا کر دیا ہے۔ آسمان سے بارش رُک گئی اور رُوئے زمین سے برکت اُٹھ گئی۔ فوج اور افسروں کی اکثریت نے اکلِ حرام پر کمر باندھ لی ہے۔ اور جس بدن کی نشو و نما اکلِ حرام سے ہوئی وہ جہنم کا مستحق ہے۔

مزارعتِ عادلہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے عہد میں وہ لوگ عمل پیرا رہے ہیں آلِ ابی بکر، آلِ عمر، آلِ عثمان آلِ علی اور مہاجرین کے دیگر گھرانوں نے اس کو معمول بنایا اکابر صحابہ مثلاً عبداللہ بن مسعودؓ، ابی بن کعبؓ اور زید بن ثابتؓ کا یہی مذہب تھا۔ اسی مسلک کو فقہائے اہلِ حدیث مثلاً امام احمد بن حنبلؒ امام اسحاق بن راہویہ[1]، امام محمد بن اسماعیل بخاری[2]، امام داؤد ظاہریؒ[3]، امام ابن خزیمہؒ[4] امام ابوبکر ابن المنذر[5] اور امام محمد بن نصر[6]

---

[1] امام اسحٰق بن راہویہ حنظلی حدیث اور فقہ میں جلیل القدر امام ہیں عام طور پر اسحاق بن راہویہ کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کو امام احمد بن حنبلؒ امام احمد بن حنبلؒ امام بخاریؒ اور امام یحییٰ بن معین جیسے ائمہ حدیث کے اُستاد ہونے کا فخر حاصل ہے۔ بقول ابن خلکان حدیث اور فقہ کے جامع تھے ۱۶۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۳۸ھ میں نیشاپور کے مقام پر وفات پائی۔ [2] امام عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری (باقی صفحہ آئندہ)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مروزیؒ نے راہ عمل بنایا ہے اور اسی کو جمہور فقہائے اسلام مثلاً امام لیث[1] بن سعدؒ، امام ابن ابی لیلیٰ امام ابو یوسف[2]ؒ اور امام محمد[3] بن حسن شیبانیؒ اور دیگر فقہاء نے اختیار کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں خیبر کی اراضی کو پیداوار کے ایک حصے پر

(بقیہ صفحہ گزشتہ) امام المحدثین کے لقب سے مشہور ہوئے بے پناہ حافظے اور ذہانت کی بنا پر بچپن ہی سے اپنی شخصیت کا لوہا منوالیا فنِ حدیث میں امام تسلیم کئے گئے۔ ان کی کتاب "الجامع الصحیح" کو قرآن مجید کے بعد سب سے زیادہ وقعت اور احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ان کی اور بھی قابلِ قدر تصنیفات ہیں "الجامع الصحیح" کی تبویب کے ذریعے اہل علم سے اپنے تفقہ فہم حدیث اور عبقریت کو تسلیم کروالیا ہے ۲۵۶ھ میں وفات پائی۔

ھ۳ امام ابوبکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ نیشاپوری ۲۲۳ھ میں پیدا ہوئے اپنے زمانے کے بلند پایہ محدثین سے اکتساب علم کیا بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں جن میں صحیح ابن خزیمہ بہت مشہور ہے۔

ھ۴ امام ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر نیشاپوری بڑے پائے کے عالم تھے بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں جن میں "المبسوط فی الفقہ" "کتاب الاشراف فی اختلاف العلماء" اور "کتاب الاجماع" بہت مشہور ہیں وہ خود مجتہد تھے کسی فقہی مکتبِ فکر کے مقلد نہ تھے ان تصنیفات سے مخالف و موافق تمام علماء نے استفادہ کیا ہے ۳۰۹ھ یا ۳۱۰ھ میں مکہ مکرمہ میں وفات پائی۔

ھ۵ امام ابوعبداللہ محمد بن نصر المروزی ۲۰۲ھ میں متولد ہوئے یحییٰ بن یحییٰ اسحاق بن راہویہ جیسے اہل علم سے اکتساب علم کیا صحابہ کرام کی آراء کا سب سے زیادہ علم رکھنے والے تھے اپنے عہد میں اہلِ حدیث کے سرخیل تھے ۲۹۴ھ میں وفات پائی۔

ھ۱ لیث بن سعد فہمیؒ کا شمار آئمہ اسلام میں ہوتا ہے، صاحبِ اجتہاد اور مستقل فقہی مسلک کے بانی تھے۔

ھ۲ قاضی ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم انصاریؒ عراق کے دبستانِ فقہ کے مایۂ ناز فقیہ تھے، امام مزنیؒ کے مطابق فقہائے کوفہ میں ابو یوسفؒ سب سے زیادہ سُنت کی پیروی کرنے والے تھے۔ امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد تھے، خلافتِ عباسی میں قاضی القضاۃ رہے، بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں جن میں کتاب الخراج بہت مشہور ہے ۱۸۲ھ میں وفات پائی۔ ھ۳ ابوعبداللہ محمد بن حسن شیبانیؒ عراق کے نامور فقیہ اور حنفی فقہ

(بقیہ صفحہ آئندہ)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیئے رکھا[1] اور جب تک حضرت عمرؓ نے اہلِ خیبر کو خیبر کے علاقے سے بے دخل نہیں کر دیا اس وقت تک مزارعت کا معاملہ اسی طرح چلتا رہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے یہ شرائط طے کی تھیں کہ وہ خود اپنے خرچ سے اس زمین کو آباد کریں گے اور بیج بھی خود ڈالیں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو کوئی چیز مہیّا نہیں کریں گے۔

بنا بریں اہلِ علم کی یہ رائے درُست ہے کہ بیج ڈالنا مزارع کی ذمہ داری ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت سے اسکی مثال گزشتہ سطور میں گزر چکی ہے۔ صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت تو یہاں تک کہتی ہے کہ بیج صرف مزارع کے ذمّہ ہے وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے استدلال کرتے ہیں۔ انہوں نے بیج کو پانی اور انتفاع کے قائم مقام ٹھہرایا ہے۔

اس بارے میں قرینِ صحّت مسلک یہ ہے کہ بیج خواہ مالکِ اراضی کی طرف سے ہو یا مزارع کی طرف سے دونوں صورتیں جائز ہیں۔ امام بخاری اپنی کتاب صحیح بخاری میں روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کو اِس شرط پر مزارع رکھا تھا کہ اگر بیج کا خرچ حضرت عمرؓ ادا کریں تو ان کو یہ حصّہ ملے گا[1]

جو فقہاء مزارعت کی مشروعیت کو تسلیم نہیں کرتے ان میں سے بعض اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "مخابرت" یعنی بٹائی پر کھیت جوتنے سے منع فرمایا[2]

(بقیہ صفحہ گزشتہ) کے جامعین میں شمار ہوتے ہیں۔ اُنھوں نے امام ابو حنیفہؒ کی فقہی آراء اور ان کے اجتہادات کو جمع کر کے مدون کیا۔ امام مالکؒ سے مؤطا پڑھی۔ بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں۔ یہ کتابیں حنفی فقہ میں بہت اہم اور مستند تسلیم کی جاتی ہیں۔ ۱۸۹ھ میں وفات پائی۔

[1] صحیح بُخاری جلد ۵ صفحہ ۱۰ / صحیح مسلم جلد ۱۰ صفحہ ۲۰۸ [2] صحیح مسلم جلد ۱۰ صفحہ ۱۹۲، سنن ابی داؤد جلد ۳ صفحہ ۲۶۲، سنن ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۷۱، سنن دارمی جلد ۲ صفحہ ۱۸۳

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس مخابرت سے منع کیا ہے تو وہ تو ظلم کی ایک قسم ہے کیونکہ اسکی صورت یہ تھی کہ اراضی کا مالک مزارعین سے زمین کے کسی خاص قطعے کی تمام پیداوار لینے کی شرطے کر لیتا تھا اور اس طرح پانی بہنے کی جگہوں، ندی نالوں کے سامنے کے قطعات کی تمام پیداوار اس شرط کی آڑ میں خود سمیٹ لیتا تھا، بھوسے کا کچھ حصہ بھی مالکِ زمین خود لے لیتا تھا اور باقی ماندہ زمین کی پیداوار مالک اور مزارعین آپس میں تقسیم کر لیتے تھے یہ شرط نص اور اجماع کی رُو سے باطل اور حرام ہے معاملہ جانبین کی طرف سے عدل و انصاف پر مبنی ہونا چاہیئے۔ اس قسم کے معاملات "مشارکات" کے تحت ہیں "معاوضات" میں شمار نہیں ہوتے۔

مشارکتِ عادلہ یہ ہے کہ شرکاء میں سے ہر کا جو حصہ بھی بنے وہ اس کو ملنا چاہیئے اور اگر حصہ کی مقدار مقرر کر دی جائے تو یہ ظلم کی ایک شکل بن جائے گی مخابرت کی یہی وہ صورت ہے جس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ جیسا کہ امام لیث بن سعدؒ فرماتے ہیں: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس چیز سے منع فرمایا ہے وہ ایک ایسا امر ہے کہ ہر وہ شخص جو حلال و حرام میں بصیرت رکھتا ہے، جب اس پر غور کرتا ہے تو اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ چیز جائز نہیں ہو سکتی ——— رہی وہ مزارعت جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدین اور صحابہ کرامؓ نے عمل کیا ہے، وہ عدل و انصاف کے اصولوں پر مبنی مزارعت ہے جس کے جواز میں قطعاً کوئی شبہ نہیں۔

اہل علم کے ایک گروہ کی رائے ہے کہ اس قسم کی شراکت اجارہ ہی کی ایک ایسی قسم ہے جس کا عوض مجہول ہے۔ لہذا قیاس اس قسم اسکی تحریم کا تقاضا کرتا ہے۔ ان میں سے بعض علماء نے مزارعت اور مساقات کو حرام قرار دیا ہے مگر مضاربت کو "استحساناً" جائز رکھا ہے کیونکہ اسکی ضرورت ہے کیونکہ دراہم کو کرائے پر نہیں دیا جا سکتا۔ جیسا کہ امام ابو حنیفہؒ کی رائے ہے۔

بعض اہل علم نے مساقات کو علی الاطلاق جائز قرار دیا ہے، یہ امام مالکؒ کا مذہب ہے اور امام شافعیؒ کا قدیم مذہب بھی یہی ہے بعض اہل علم نے کھجور اور انگور میں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خاص طور پر مساقات کو جائز رکھا ہے یہ امام شافعیؒ کا دوسرا قول ہے۔ اراضی کے برعکس درختوں کو کرائے پر دینا ممکن نہیں۔ امام شافعیؒ نے ضرورت کے پیشِ نظر مساقات کی اتباع میں مزارعت کو مُباح ٹھہرایا ہے بعض علماء نے مزارعت میں معاوضہ پیداوار کا تہائی حصّہ مقرر کیا ہے امام مالکؒ کی یہی رائے ہے امام شافعیؒ اور بعض دیگر اہلِ علم نے اِس میں زمین کی اغلبیت کا اعتبار کیا ہے۔

جمہورِ سلف کہتے ہیں کہ مزارعت اور اجارہ میں کوئی مشابہت نہیں بلکہ مزارعت مشارکت کے زمرے میں آتی ہے اَجارہ کے برعکس مشارکت میں شریکین کا مقصد ایک ہی ہوتا ہے اجارہ میں ایک کا مقصد طلبِ عمل اور دُوسرے کا مقصد طلبِ اجرت ہے۔ لہذا اگر مشارکت میں خرابی واقع ہو جائے تو اِس میں حصّۂ مثل واجب ہے اُجرتِ مثل واجب نہیں ہوتی مشارکت میں فاسد شُدہ حصّے میں منافع کی نظیر موجود ہے جو اِس کے صحیح حِصّے میں واجب آتی ہے مگر اُجرتِ مقررہ لازم نہیں آتی اگر کوئی نفع یا بڑھوتی حاصل نہ ہو تب بھی کوئی شئی لازم نہیں۔ اُجرتِ مثل تو بعض اوقات تمام راس المال یا اِس سے بھی کئی گنا زیادہ مال کو ختم کر دیتی ہے اور یہ چیز ممنوع ہے۔

شرعی قاعدہ یہ ہے کہ عقودِ فاسدہ میں جو نظیر واجب ہو وہ صحیح کے مثل ہے جیسے کہ نکاحِ فاسد میں مہرِ مثل لازم ہے یہ اِس کی نظیر ہوتی ہے جو نکاحِ صحیح میں واجب ہوتی ہے ــــــــــ

بیع فاسد میں جو کچھ فوت ہو جائے تو اسکی نظیر قیمتِ مثل ہے جبکہ اَجارہ فاسد میں اُجرتِ مثل، مضاربتِ فاسدہ میں نفعِ مثل اور مساقات و مزارعتِ فاسدہ میں حصّۂ مثل ہوتا ہے کیونکہ مزارعت صحیحہ میں معیّن اُجرت نہیں ہوتی اگر مزارعتِ فاسدہ میں اُجرتِ مثل لازم آتی ہو تو یہ مُنافع کا غیر منقسم حِصّہ ہے لہذا مزارعتِ فاسدہ میں بھی اسکی نظیر واجب آتی ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور بعض دیگر فقہاء کہتے ہیں کہ مزارعت مستاجری سے زیادہ حِلّت کا حُکم رکھتی ہے اور عدل و انصاف کے زیادہ قریب ہے، کیونکہ مستاجری

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے برعکس مزارعت میں شریکین نفع ونقصان دونوں میں شریک ہوتے ہیں اور مستاجری میں زمین کے مالک کو زمین کی اُجرت حوالے کردی جاتی ہے اور مستاجر کو اس زمین سے کبھی پیدوار حاصل ہوتی ہے کبھی نہیں۔

اراضی کی مستاجری

اہلِ علم مزارعت اور مستاجری میں مختلف آراء رکھتے ہیں کچھ مزارعت کو جائز قرار دیتے ہیں اور کچھ مستاجری کو مگر صحیح مسلک یہ ہے کہ مزارعت اور مستاجری دونوں ہی جائز ہیں۔ خواہ اراضی جاگیر کی صورت میں ہو یا جاگیر کی صورت میں نہ ہو۔

شیخ الاسلام علامہ ابنِ تیمیہؒ فرماتے ہیں:

"مجھے اہلِ علم، آئمہ اربعہ اور دیگر فقہاء میں سے کسی کے متعلق یہ علم نہیں، جس کے نزدیک جاگیر کو مستاجری پر دینا جائز نہ ہو۔ مسلمان ہمیشہ سے اپنی جاگیروں کو مستاجری پر دیتے چلے آئے ہیں صحابہ کرامؓ کے زمانہ سے لے کر اب تک یہی اُصول رائج ہے۔ اب ہمارے زمانے میں اس نئے مسلک نے جنم لیا ہے کہ جاگیروں کو مستاجری پر دینا جائز نہیں۔"

اس شبہ کی وجہ یہ ہے کہ جاگیردار درحقیقت جاگیر کی منفعت کا مالک نہیں ہوتا اسکی جاگیر کی حیثیت محض ایک مستعار شئی ہے سی ہے۔ لہٰذا مستعار چیز کو کرایہ پر دینا جائز نہیں۔ مگر یہ قیاس دو وجوہات کی بناء پر غلط ہے۔

اوّل بلاشبہ کسی چیز کو مستعار لینے والے شخص کا اس چیز سے منفعت حاصل کرنا حق نہیں ہے مگر یہ واضح رہے مُستعار دینے والے نے تو وہ چیز اس کو بخش دی ہے۔ نیز مسلمانوں کی اراضی سے منفعت حاصل کرنا مسلمانوں کا حق ہے۔ حکومت یہ اراضی انہیں ان کے حق کے طور پر عطا کی ہیں، لہٰذا ان اراضی کی حیثیت ایک مستعار چیز اور بخشش کی سی نہیں ہے جس کو جاگیر عطا کی گئی ہے اسے اپنے استحقاق کی بناء پر اپنی جاگیر سے پورا پورا فائدہ اُٹھانے کی اجازت ہے۔ جیسے موقوف علیہ شخص کے لئے وقف شئی کو اُجرت پر دینا جائز ہے اگرچہ موقوف علیہ شخص کی موت کا امکان بھی ہوتا ہے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور اس بارے میں صحیح مسلک یہ ہے کہ موقوف علیہ شخص کی موت پر وقف کی مستاجری فسخ ہو جاتی ہے۔ جاگیر دار کے لئے اپنی جاگیر کو مستاجری پر دینا بدرجہ اولیٰ جائز ہے۔ تاہم اسکی موت پر یہ مستاجری فسخ ہو جائے گی۔

ثانی: عاریت پر دینے والا شخص اگر مستعار شئی کو اُجرت پر دینے کی اجازت دیدے تو یہ مستاجری جائز ہے اسی طرح حکومت بھی جاگیر داروں کو اجازت دیتی ہے کہ وہ مزارعت یا مستاجری اس جاگیر سے منفعت حاصل کریں اور جو شخص ان کو اپنی جاگیر سے مزارعت یا مستاجری کے ذریعے استفادہ سے روکتا ہے وہ درحقیقت مسلمانوں کے دین و دنیا میں فساد کا باعث بنتا ہے وہ فوج اور افسروں پر لازم کرتا ہے کہ وہ (دفاع و جہاد کا کام چھوڑ کر) کسانوں کی طرح اپنی جاگیروں میں کھیتی باڑی کیا کریں۔ اس موقف میں مضمر فساد اور بُرائی صاف واضح ہے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ جاگیر مکانات اور دکانوں کی شکل میں ملی ہو اور جاگیر دار ان کو کرائے اور اُجرت پر دینے کے علاوہ کسی اور طریقے سے ان سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ اور اگر جاگیر کو مستاجری پر دینا جائز نہ ہو تو اس سے منفعت کا حصول ممکن نہ رہے گا۔ اگر جاگیر کی حیثیت یہ ہو تو حکومت جب چاہے جاگیر واپس لے لے۔

جس طرح باپ اپنے بیٹے کو کوئی چیز ہبہ کرنے کے بعد واپس لے سکتا ہے۔ جیسے مہر کے سلسلے میں خلوت سے قبل نصف یا تمام مہر خاوند کی طرف لوٹ آتا ہے اور بایں ہمہ یہ امر ہبہ اور مہر میں دی ہوئی چیز کو بالاتفاق اجارہ پر دینے سے مانع نہیں ہے تب مستاجری اور مزارعت کو باطل کہنے والے کے پاس دلیل کے طور پر نہ تو نص ہے نہ قیاس، نہ کوئی مصلحت ان کے موقف کی تائید کرتی ہے اور نہ کسی فیصلے کی نظیر انکے استدلال کے لئے موجود ہے۔

جاگیر کی اراضی کو مستاجری یا مزارعت پر دینے کو باطل قرار دینے کا مطلب یہ ہوا کہ فوجیوں کو اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہ رہے کہ وہ تنخواہ پر ایسے لوگوں کو کام پر لگائیں جو ان کی زمینوں میں کاشت کریں پھر وہ انکی نگرانی کریں۔ مگر بہت کم لوگ اس جھنجھٹ میں پڑتا

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پسند کریں گے۔ اس قسم کے معاملے میں اکثر اوقات خرابیاں واقع ہو جاتی ہیں اور خرچ کرنے والے کو کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ مگر اس کے برعکس مشارکت کی صورت میں نفع و نقصان فریقین میں مشترک ہوتا ہے اور یہی چیز زیادہ قرینِ عدل ہے۔

تسعیرِ اعمال یہ مسئلہ تو میں نے محض توضیح و تفہیم کی خاطر بیان کیا ہے۔ اور یہ بتانا مقصود ہے کہ جب عوام دستکاروں کی صنعت اور دستکاری کے محتاج ہوں تو ان کو اُجرتِ مثل لینے پر مجبور کیا جا سکتا ہے۔ یہ چیز تسعیرِ واجب کے زمرے میں آتی ہے اور یہ درحقیقت تسعیرِ اعمال ہے۔

تسعیرِ اموال کی مثال یہ ہے کہ جب جہاد اور دفاعِ مملکت کے موقع پر لوگ اسلحہ اور دیگر آلاتِ حرب کے ضرورتمند ہوں تو اسلحہ سازوں کو قیمتِ مثل پر اسلحہ فروخت کرنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے۔ اور ان کو اس امر کا پابند کیا جا سکتا ہے کہ وہ گاہک سے جائز قیمت سے زیادہ طلب کریں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر فرض کیا ہے کہ وہ اپنی جان اور مال سے جہاد کریں تب اسلحہ سازوں پر لازم کیا جا سکتا ہے کہ وہ قیمتِ مثل کے بدلے اسلحہ کو جہاد میں صرف کریں جو علماء یہ چیز واجب قرار دیتے ہیں کہ ایک ایسا شخص جو اپنے کسی جسمانی عُذر کی وجہ سے حج پر نہیں جا سکتا وہ اپنے خرچ پر کسی اور کو اپنی طرف سے حج پر بھیجے وہی علماء یہ بھی کہتے ہیں جو کسی عُذر کی بناء پر جہاد پر نہیں جا سکتا اور وہ اپنے مال کے ذریعے کسی اور کو جہاد پر بھیج سکتا ہو اس کے لئے کسی کو جہاد پر بھیجنا لازم نہیں۔ یہ بالکل واضح تناقض ہے۔

امام احمدؒ سے منقول آراء میں ایک رائے یہی ہے۔ اور یہی صحیح مسلک ہے۔

کچھ افراد (عارضی) سکونت کے لئے کسی شخص کے گھر یا مملوکہ سرائے میں قیام کے حاجتمند ہیں اور اس کے سوا ٹھکانے کے لئے کوئی اور جگہ نہیں یا اُن کو سردی سے بچنے کے لئے کپڑے مستعار چاہئیں یا انہیں آٹا پیسنے کے لئے چکی، کنوئیں سے پانی نکالنے کے لئے ڈول ہانڈی یا کلہاڑی وغیرہ کی ضرورت ہے ان چیزوں کے مالک پر لازم ہے کہ وہ یہ چیزیں انہیں مستعار دے ــــ یہاں تک تو فقہاء میں کوئی اختلاف نہیں۔ البتہ اس بات پر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فقہاء میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ آیا ان چیزوں کا مالک ان لوگوں سے کرایہ وصول کر سکتا ہے یا نہیں ——— ؟

اس بارے میں اہل علم کے دو اقوال ہیں اور دونوں اقوال امام احمد بن حنبل رحمہ کے اصحاب میں بھی پائے جاتے ہیں ———

البتہ جو علماء ان چیزوں کا کرایہ یا اُجرت لینا جائز قرار دیتے ہیں وہ اُجرتِ مثل سے زیادہ اُجرت وصول کرنے کو حرام قرار دیتے ہیں۔

ہمارے شیخ علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

صحیح مسلک یہ ہے کہ ان اشیاء کو کسی اُجرت کے بغیر استعمال کے لئے مستعار دینا ان اشیاء کے مالک پر واجب ہے۔ جیسا کہ قرآن اور سنت اس پر دلالت کرتے ہیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :

وَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ (الماعون)	ہلاکت ہے ان نمازیوں کے لئے جو اپنی نمازوں میں غفلت برتتے ہیں وہ لوگ جو دکھاوا کرتے ہیں اور عام استعمال کی اشیاء لوگوں کو استعمال کے لئے نہیں دیتے۔

صحابہ کرام رضی میں سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی کے نزدیک "الماعون" سے مراد ہانڈی، ڈول اور کلہاڑی اور اسی کی اشیاء ہیں۔

صحیحین میں ایک حدیث آتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا :

"گھوڑے ایک شخص کے لئے تو اجر و ثواب کا باعث ہیں، ایک شخص کے لئے ڈھال اور ایک شخص پر بوجھ ہیں۔ جس کے لئے اجر و ثواب کا باعث ہیں یہ وہ شخص ہے جس نے ان کو اللہ کے راستے میں باندھے رکھا اور ڈھال اس شخص کے لئے ہیں جس نے ان کو باندھے رکھا اور تعفف و غنا سے کام لیا ان کو ذبح کرنے اور سواری کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے حق کو فراموش نہ کیا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صحیحین میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :
" اونٹوں میں حق یہ ہے کہ اُن کا ڈول (ضرورتمند) کو مستعار دیا جائے اور نر اُونٹ جفتی کے لئے فراہم کیا جائے "۔

صحیحین میں حدیث آتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سانڈ کی نسل کشی پر اُجرت لینے سے منع فرمایا ۔[۲] ——— چونکہ عام طور پر لوگ اسکے حاجتمند ہوتے ہیں لہذا اُجرت کے بغیر سانڈ وغیرہ کا فراہم کرنا واجب قرار دیا اور اُجرت لینے سے منع کر دیا۔

صحیحین میں ایک حدیث آتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ ایک پڑوسی دوسرے پڑوسی کو اپنی دیوار وغیرہ میں لکڑی گاڑنے سے منع نہ کرے "۔[۳]

اگر ایک شخص کو اپنا پانی کسی دوسرے کی زمین میں چھوڑنے کی ضرورت ہو اور اس صورت میں زمین کے مالک کو کوئی نقصان نہ پہنچتا ہو ، کیا زمین کے مالک کو مجبور کیا جا سکتا ہے ——— ؟

اس بارے میں امام احمدؒ سے دونوں اقوال منقول ہیں ۔

صحابہ کرام میں حضرات عمرؓ اس رائے کے حامل ہیں کہ زمین کے مالک کو اس پر مجبور کیا جا سکتا ہے ۔

صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کی ایک جماعت کی رائے ہے کہ زیورات کی زکوٰۃ ان کے مستعار دینے سے ادا ہو جاتی ہے اگر زیورات مستعار نہ دیئے جائیں تو زکوٰۃ کی ادائیگی واجب ہے امام احمدؒ کے مذہب میں ایک قول یہی ہے ۔

میں (ابن قیم) کہتا ہوں کہ یہی قول راجح ہے زیورات کی یا تو زکوٰۃ ادا کرنا ہو گی یا اُن کو بوقتِ ضرورت مستعار دیتے رہنا ہو گا ۔

وہ فوائد جن کا ضرورت کے وقت دوسروں کو مہیا کرنا واجب ہے انکی دو اقسام ہیں ۔

[۲] صحیح بخاری جلد ۴ صـ۱۶۱ صحیح مسلم جلد ۱۰ صـ۲۲۹

[۳] صحیح بخاری جلد ۵ صـ۱۱۰ بروایت ابی ہریرہؓ صحیح مسلم جلد ۱۱ صـ۴۳

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اوّل: مال میں دوسروں کا حق ہے۔ جیسے اونٹ گھوڑوں اور زیورات وغیرہ کے بارے میں گزشتہ سطور میں گزر چکا ہے۔

ثانی: وہ فوائد جن کا لوگوں کی احتیاج اور ضرورت کے وقت مہیا کرنا واجب ہے اسی طرح ضرورت کے وقت بدنی منفعت فراہم کرنا واجب ہے۔ مثلاً مختلف قسم کے علوم کی تعلیم دینا، لوگوں کو فتویٰ دینا لوگوں کے جھگڑوں کے فیصلے کرنے، شہادت کی ادائیگی، جہاد، اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضے کی ادائیگی وغیرہ بدنی منفعت کی اقسام ہیں۔

اسی طرح اگر کسی شخص کے لئے کسی دوسرے انسان کو ہلاکت سے بچانا ممکن ہو تو اس پر ایسا کرنا واجب ہے اگر اسکی اپنی اس ذمہ داری میں کوتاہی کی وجہ سے وہ شخص ہلاک ہو جاتا ہے تو یہ گنہگار ہے اور اس پر ضمان عائد کیا جائے گا۔ حاجتمندوں کو مالی منفعت فراہم کرنے کے وجوب سے انکار ممکن نہیں۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا ــــ (البقرۃ۔۲۸۲) — جب گواہوں کو (گواہی کے لئے) بلایا جائے تو وہ انکار نہ کریں۔

نیز فرمایا: ــــ

وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَنْ يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللَّهُ۔ (البقرۃ۔۲۸۲) — لکھنے والا لکھنے سے انکار نہ کرے، جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے لکھنا سکھایا ہے۔

شہادت پر اُجرت لینا

شہادت پر اُجرت لینے کے بارے فقہا کے چار اقوال ہیں اور یہ چاروں اقوال امام احمدؒ کے مذہب میں بھی پائے جاتے ہیں۔

اوّل: شہادت پر اُجرت لینا مطلقاً جائز نہیں۔

ثانی: بوقت حاجت شہادت کی ادائیگی پر اُجرت لینا جائز ہے۔

ثالث: اگر شہادت کی ادائیگی پر اُجرت کا معاملہ طے ہو چکا ہے تو جائز ہے ورنہ جائز نہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رابع: شہادت پر اُجرت لینا مطلقاً جائز ہے البتہ اگر تحمل شہادت پر اُجرت لے چکا ہے تو شہادت کی ادائیگی پر اُجرت لینا جائز نہیں۔

مقصد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سرایتِ حرّیت کے بارے میں قیمت ادا کرنے کا اختیار دیا ہے وہ درحقیقت تکمیل حُریت کی خاطر ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے وہ اشیاء جن کے لوگ عام طور پر حاجتمند ہوتے ہیں ان کا فراہم کرنا اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور یہ چیز حقوق اور حدود دونوں میں ہے۔

حقوق میں حقوقِ مساجد، اموالِ فئ، ضرورتمند لوگوں کے لئے وقف کرنا، اموالِ صدقات اور منفعتِ عامہ وغیرہ شامل ہیں اور حدود میں محاربت، چوری، زنا اور شراب نوشی کی حدود شامل ہیں۔

مسلمانوں کی طعام و لباس کی احتیاج مصلحت عامہ میں شمار ہوتی ہے لہذا اس میں کسی شخص واحد کا بعینہٖ کوئی حق نہیں قیمتِ مثل کی ادائیگی پر جس شخص پر ان اشیاء کا فروخت کرنا واجب ہے اس کو ان اشیاء کی قیمتِ مثل کا تعیّن کرنا آزادی کی تکمیل کی خاطر غلام کی قیمت مثل کے تعین سے زیادہ ضروری ہے۔ آزادی کی تکمیل آزادی دینے والے شریک پر واجب ہے۔ یہاں اگر غلام کے باقی ماندہ حصے کی قیمت کا تعیّن نہ کیا جائے تو اس حصے کا مالک آزاد کرنے والے شریک سے زیادہ قیمت کا مطالبہ کر کے اس کے لئے ضرر کا باعث بن سکتا ہے، کیونکہ وہ من مانی قیمت طلب کرے گا۔

لوگ عام طور پر اپنے اور دوسروں کے لئے طعام و لباس خریدتے رہتے ہیں اگر تاجروں کو اپنی من مانی قیمت لگانے کا اختیار دیدیا جائے تو یہ چیز صارفین کے لئے ضرر کا باعث بنے گی۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء کہتے ہیں کہ اگر اضطراری حالت میں ایک شخص دوسرے شخص کے کھانے کا محتاج ہو تو دوسرے شخص پر کھانا قیمتِ مثل پر دینا واجب ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ معاوضہ ادا کرنے اور اس کے تعیّن کے سلسلے میں تمام ائمہ فقہاء میں بعید ترین رائے رکھتے ہیں تاہم وہ بھی اضطراری حالت میں دوسرے شخص پر یہ واجب قرار دیتے ہیں کہ وہ اس مجبور و مضطر شخص کو قیمتِ مثل پر کھانا مہیا کرے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام شافعی رح کے اصحاب میں اس امر پر اختلاف پایا جاتا ہے کہ جب لوگ اشیائے خوردنی کے سخت محتاج ہوں تو کیا اشیائے خوردنی کے نرخ مقرر کیے جاسکتے ہیں یا نہیں۔ شافعیہ میں اس بارے میں دو قول پائے جاتے ہیں۔

امام ابو حنیفہ رح کے اصحاب کہتے ہیں کہ حکومت کے لئے روا نہیں کہ وہ عام حالات میں لوگوں کی اجناس کے نرخ مقرر کرے البتہ جب حکومت کو ضررِ عام کا خدشہ ہو تو وہ نرخ مقرر کر سکتی ہے اگر معاملہ عدالت میں پہنچ جائے تو عدالت ذخیرہ اندوز کو حکم دے سکتی ہے کہ وہ اپنی اور اپنے اہل وعیال کی ضروریات سے زائد اشیائے خوردنی کو عام نرخوں پر فروخت کرے۔ نیز عدالت اسے ذخیرہ اندوزی سے روک سکتی ہے اور اگر ذخیرہ اندوز یہ حکم نہ بجا لائے تو عدالت اس کو قید کی سزا دے سکتی ہے تاکہ اس کی وجہ سے لوگوں کو جو نقصان پہنچ سکتا ہے اس کی روک تھام کی جاسکے۔

امام ابو حنیفہ رح کے اصحاب کہتے ہیں کہ اجناس خوردنی کے تاجران اگر ظلم واستحصال پر اُتر آئیں اور اجناس خوردنی کی من مانی قیمتیں وصول کرنے لگیں اور حکومت کے سامنے عوام کے حقوق کے لئے تسعیر کے سوا کوئی چارۂ کار نہ رہے تو وہ اہل رائے اور اہلِ بصیرت کے مشورے سے ان اجناس کے نرخ مقرر کر سکتی ہے۔

یہ موقف واضح طور پر امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اُصولوں کے مطابق ہے کیونکہ وہ حتی الامکان شخصی آزادی پر پابندی لگانے کے حق میں نہیں۔

اگر تاجران حکومت کے مقرر کردہ نرخوں کے مطابق اشیاء فروخت کریں تو یہ بیع صحیح شمار ہوگی، اور یہ بیع "جبر و اکراہ" کے زمرے میں نہیں آئے گی۔

آیا حکومت ذخیرہ اندوزی کرنے والے کی رضامندی کے علی الرغم اس کا غلّہ وغیرہ فروخت کر سکتی ہے یا نہیں اس بارے میں اُن میں اختلاف پایا جاتا ہے جیسے مقروض کے مال کی نیلامی کے بارے میں اُن میں اختلاف رائے ہے نیز یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ذخیرہ اندوز کی اجناس خوردنی کی بیع جائز ہے۔ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ دفع ضرر کے لئے پابندی کے جواز کے قائل ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اشیاء کی قیمتیں بڑھ گئیں جب لوگوں نے آپؐ سے ان اشیاء کے نرخ مقرر کر دینے کے لئے عرض کی تو آپؐ نرخ مقرر کرنے سے[1] انکار کر دیا مگر اس بات کا کہیں ذکر موجود نہیں کہ آپؐ کے عہد میں کوئی تاجر ایسا بھی تھا جس نے ذخیرہ اندوزی کی ہو۔ بلکہ عام رواج یہ تھا کہ اناج کے تاجران باہر سے سستا اناج لایا کرتے ہیں مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہر کے تاجروں کو اس بات سے روک دیا تھا کہ وہ دیہات سے اناج لانے والوں کی دلالی کریں۔

آپؐ نے فرمایا: "لوگوں کو چھوڑ دو! اللہ تعالیٰ ان کو ایک دوسرے کے رزق مہیا کرتا ہے[2]"۔ چنانچہ آپؐ نے بازار میں موجود شخص کو جو بازار کے نرخوں سے واقف ہو باہر سے مال لانے والوں کی دلالی کرنے سے منع کر دیا۔[3] چونکہ دلال منڈی کے بھاؤ اور لوگوں کی احتیاج سے واقف ہوتا ہے اس لئے وہ اس مال کا بہت زیادہ بھاؤ لگا دیتا ہے اور صارفین کے لئے اشیائے خوردنی مہنگی ہو جاتی ہیں۔ وکالت فی نفسہٖ مباح ہونے کے باوجود آپؐ نے اس کو باہر سے مال لانے والوں کا وکیل بننے سے منع فرمایا کیونکہ اس طرح صارفین کے لئے اشیائے خوردنی مہنگی ہو جاتی ہیں۔

اسی طرح آپؐ نے مال منڈی میں آنے سے قبل مال کو راستے ہی میں خریدنے سے سے منع کر دیا۔ اور ساتھ ہی ساتھ آپؐ نے بائع کو یہ اختیار بھی دے دیا کہ بازار کے نرخوں سے واقف ہونے کے بعد خواہ اس بیع کو قائم رکھے یا فسخ کر دے" بنابریں اکثر فقہاء کی رائے یہ ہے کہ بائع کو ضرر پہنچنے کے امکان کے باعث آپؐ نے مال کے منڈی پہنچنے سے قبل اس کو خریدنے سے منع فرما دیا۔ اور یہ ممانعت اس صورت میں ہے، جب بائع منڈی کے بھاؤ سے واقف نہ ہو اگر خریدار مال کے منڈی میں پہنچنے سے قبل

---

[1] سنن ابی داؤد جلد ۲ صفحہ ۲۸۶ بروایت حضرت انس اور حضرت ابو ہریرہؓ

[2] سنن ابن ماجہ جلد ۲ صفحہ ۷۳۴ صحیح مسلم جلد ۱۰ صفحہ ۱۶۵

[3] صحیح بخاری جلد ۴ صفحہ ۳۰۲ صحیح مسلم جلد ۱۰ صفحہ ۱۸۲ بروایت ابی ہریرہ اور عبداللہ بن عباس۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

منڈی کے نرخ سے ارزاں نرخ پر خریدے تو یہ چیز دھوکہ دہی کے زمرے میں آئے گی۔
اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بائع کو بیع فسخ کرنے کا اختیار دیدیا۔
جیسا کہ گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے اس مسئلہ میں امام احمدؒ سے دو روایتیں منقول ہیں۔

اوّل: بائع کو بیع فسخ کرنے کا مطلقاً اختیار ہے خواہ اس کے ساتھ دھوکہ ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ امام شافعیؒ کا ظاہر مذہب بھی یہی ہے۔

ثانی: صرف دھوکہ اور تدلیس کی صورت میں بائع کو بیع فسخ کرنے کا اختیار حاصل ہے اور حنابلہ کا ظاہر مذہب یہی ہے۔

فقہاء کی ایک جماعت کہتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محض بائع کو مشتری کے ضرر سے بچانے کے لئے آگے بڑھ کر مال خریدنے سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ آپؐ نے اسوقت تک بیع سے روک دیا جب تک بائع کو منڈی کے بھاؤ کا علم نہ ہو جائے اور وہ ہے قیمتِ مثل، اور مشتری مال کو تو خوب پہنچانتا ہے۔
اربابِ قیاس فاسد کہتے ہیں کہ مشتری کو حق حاصل ہے کہ وہ جہاں سے چاہے مال خریدے چنانچہ اس نے بائع سے مال خرید لیا ہے۔
اسی طرح وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ مشتری کو یہ حق حاصل ہے کہ بائع کا وکیل بنے خواہ بیع کے وقت موجود ہے یا غیر موجود۔

شارع نے مصلحتِ عامہ کا لحاظ رکھا ہے کیونکہ باہر سے مال لانے والا اگر منڈی کے نرخوں سے واقف نہیں ہوگا تو قیمتِ مثل سے جاہل رہے گا اور اس صورت میں اس بات کا امکان ہے کہ مشتری اسے دھوکہ دیدے۔
امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ "مشتریٔ مسترسل" کو بھی اس کے ساتھ ملحق کرتے ہیں کیونکہ وہ بھی بمنزلہ اس شخص کے ہے جو نرخ سے واقف نہیں، تب یہ بات واضح ہو گئی کہ تاجر پر واجب ہے کہ ان لوگوں کے برعکس اشیائے صرف بازار کے معروف نرخوں ہی پر فروخت کرے اور وہ ہے قیمتِ مثل۔ خواہ لوگ اس

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے خریدنے کے محتاج نہ ہوں۔

بیع میں رضامندی معتبر ہے اور رضامندی نرخ کے علم کے ساتھ معلّق ہے اور اگر بائع یہ نہ جانتا ہو کہ اسے دھوکہ دیا گیا ہے تو بسا اوقات وہ اپنا مال فروخت کرنے پر رضامند ہو جاتا ہے اور کبھی رضامند نہیں ہوتا اور جب وہ یہ جانتا ہو کہ اس کے ساتھ دھوکہ کیا جا رہا ہے تب بھی رضامند ہو تو کوئی حرج نہیں۔

سُنن میں روایت منقول ہے کہ ایک شخص کا ایک درخت کسی دوسرے شخص کی زمین میں تھا زمین کے مالک کو اس شخص کے زمین میں داخل ہونے سے تکلیف ہوتی تھی۔ چنانچہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے درخت کے مالک کو سمجھایا کہ وہ درخت کا معاوضہ قبول کر لے یا دلیسے چھوڑ دے۔ مگر درخت کے مالک نے کوئی بات نہ مانی اس پر آپؐ نے زمین کے مالک کو درخت کاٹنے کی اجازت دیدی اور درخت کے مالک سے فرمایا:

"تم محض ضرر پہنچانا چاہتے ہو۔"[۱]

اربابِ قیاس فاسد یہی کہیں گے کہ درخت کے مالک پر درخت فروخت کرنا یا صاحبِ زمین کو ہبہ کرنا واجب نہیں اور زمین کے مالک کے لئے اس درخت کو کاٹنا کسی صورت رَوا نہیں کیونکہ یہ غیر کی ملکیت میں بلا اجازت تصرّف ہے۔ درخت کے مالک کو درخت کی قیمت دِلوانا اس پر جبر ہے — درخت کے مالک کے ہبہ نہ کرنے کی صورت میں شارعؑ نے درخت کی قیمت ادا کر کے اسے کاٹنے کا جو حکم دیا ہے تو وہ صاحبِ زمین کی مصلحت کی بناء پر ہے کیونکہ درخت کے مالک کے زمین میں آنے جانے کی وجہ سے صاحبِ زمین کو تکلیف پہنچتی تھی۔ شارعؑ نے درخت کے مالک کی مصلحت کا لحاظ اس طرح رکھا ہے کہ اسے مالکِ زمین سے اس درخت کا معاوضہ دِلوایا۔ اگرچہ اس فیصلے سے درخت کے مالک کو تھوڑا سا نقصان ضرور پہنچا ہے۔ لیکن اس درخت کو اگر اس زمین میں باقی رکھا جاتا تو صاحبِ زمین کو زیادہ ضرر پہنچتا۔ اس لئے اس فیصلے

[۱] سنن کبریٰ جلد ۶ صفحہ ۱۵۷ بروایت سمرہ بن جندبؓ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے ذریعے شارع حکیم ؑ نے دونوں میں سے عظیم تر ضرر کو دفع کر دیا۔ تفقہؒ، قیاس اور مصلحت کا تقاضا بھی یہی ہے خواہ منکرین اس کو تسلیم نہ کریں۔

مقصد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے فیصلے کی یہ نظر اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مُشتری کی احتیاج کے پیش نظر بیع واجب ہو جاتی ہے اور یہ احتیاج عوام الناس کی ضروریاتِ طعام کے مقابلے میں کیا حیثیت رکھتی ہے۔

بعض ایسی منفعتیں جن کے عوام سخت ضرورتمند ہوتے ہیں، مثلاً روٹی اور مکان وغیرہ ——— ان میں معاوضے کا حکم دینا، اجناسِ موجودہ میں معاوضے کے حکم کا درجہ رکھتا ہے۔

گزشتہ تمام بحث کا خُلاصہ یہ ہے کہ اگر تسعیر کے بغیر عوام کے مصالح عامہ کا خیال نہ رکھا جا سکتا ہو تو اشیائے ضرورت کے مُناسب نرخ مقرر کیے جا سکتے ہیں۔

اور جب (اشیائے ضرورت وافر مقدار میں میسّر ہونے کی وجہ سے) لوگوں کی احتیاج ختم ہو جائے اور ان کے مصالح پُورے ہو جائیں تو تسعیر کے نفاذ کو ہٹایا جا سکتا ہے۔

بدکردار لوگوں کی نگرانی

علّامہ ابن القاسمؒ فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ سے کسی ایسے فاسق و فاجر شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس کے پاس شراب نوش اور دیگر فاسق و فاجر لوگ آ کر ٹھہرتے ہیں ایسے شخص کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟

امام مالکؒ نے فرمایا، "ایسے شخص کو اس گھر سے نکال دیا جائے اور اس کا یہ مکان کرائے پر دیدیا جائے۔

میں نے عرض کی، "کیا اس کا گھر فروخت نہ کر دیا جائے"؟

انہوں نے فرمایا: "نہیں! ہو سکتا ہے کہ وہ توبہ کر لے اور پھر اپنے گھر لوٹ آئے۔"

ابن القاسمؒ کہتے ہیں کہ امام مالکؒ نے فرمایا، "ایسے شخص کو دو تین بار تنبیہ کی جائے اور اگر پھر بھی وہ اپنے دھندے سے باز نہ آئے تو اس کو گھر سے نکال دیا جائے اور اس کا گھر کرایہ پر دیدیا جائے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علامہ ابن رشدؒ فرماتے ہیں: "امام مالکؒ نے ("الواضحہ" کی روایت کے مطابق) اس شخص کا گھر فروخت کرنے کا جو فتویٰ دیا ہے وہ اُن کے اِس قول کے خلاف ہے اور یہی قول صحیح ہے کیونکہ اس میں انہوں نے فرمایا تھا کہ ہو سکتا ہے کہ وہ توبہ کر لے اور پھر اپنے گھر لوٹ آئے البتہ اگر اس کا اپنا مکان نہ ہو وہ کرائے کے مکان میں رہائش پذیر ہو تو ایسی صورت میں اس کو اس مکان سے نکال دیا جائے اور اس سے کرایہ وصول کیا جاتا ہے اور کرایہ کا معاہدہ فسخ نہ کیا جائے۔ امام مالک کا یہ قول "المدونہ"[1] میں کرائے کے ابواب میں مذکور ہے۔

یحییٰ بن یحییٰؒ روایت کرتے ہیں کہ امام مالکؒ نے فرمایا:

"میری رائے یہ ہے کہ شراب فروش کے گھر کو جلا دیا جائے۔"

یحییٰ بن یحییٰؒ فرماتے ہیں: "مجھے ہمارے بعض اصحاب نے بتایا ہے کہ امام مالکؒ مسلمان شراب فروش کے گھر کو جلا دینا مستحب سمجھتے تھے۔ ان سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی نصرانی مسلمانوں میں شراب فروخت کرتا ہو تو اس کے متعلق کیا حکم ہے؟"

امام مالک نے فرمایا:

"مجھے لیثؒ نے بتایا ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے رُویشد ثقفی کا گھر جلوا دیا تھا کیونکہ وہ اپنے گھر میں شراب بیچا کرتا تھا ——— اور فرمایا:

"انتَ فُوَیسِقٌ ولستَ برُوَیشِدٍ" (تو فاسق ہے ہدایت یافتہ نہیں ہے)

مَردوں اور عورتوں کی مخلوط مجالس کی روک تھام

یہ چیز بھی حکومت کی ذمہ داریوں میں شامل ہے کہ وہ بازاروں، علیحدگی کی جگہوں اور مَردوں کے اُٹھنے بیٹھنے کی جگہوں میں عورتوں اور مَردوں کے اختلاط کو ممنوع قرار دے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میری رائے ہے کہ حکومت کے کارندے ان کاریگروں کی نگرانی کرے جہاں عورتیں اپنے کسی کام کاج کے سلسلے میں آ کر بیٹھتی ہیں

[1] "المدونۃ" اور "الواضحۃ" امام مالک کی فقہ کی مشہور کتابیں ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کسی کاریگر کے پاس کسی جوان عورت کو نہ بیٹھنے دے البتہ میرے خیال میں بڑی عمر کی عورتوں کو جو وہاں بیٹھنے کی وجہ سے متہم نہیں ہوسکتیں اور نہ اس شخص کو متہم کیا جاسکتا ہو جس کے پاس وہ بیٹھتی ہیں، ان کاریگروں کے پاس بیٹھنے کی اجازت دینے میں کوئی حرج نہیں۔

اس اختلاط کی روک تھام حکومت کی ذمہ داری ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں اس بارے میں سربراہِ حکومت کو جوابدہی کرنا ہوگی۔ اس اختلاط میں بہت بڑا فتنہ پوشیدہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میرے بعد کوئی فتنہ ایسا نہیں جو مردوں کے لئے عورتوں کے فتنے سے بڑا ہو۔"

ایک اور حدیث میں آپ نے فرمایا:

"عورتیں راستے کے کناروں پر چلا کریں۔"

یہ بھی حکومت کا فرض ہے کہ وہ عورتوں کے بن ٹھن کر گھر سے باہر نکلنے پر پابندی لگائے نیز انہیں ایسا لباس پہننے سے بھی روک دے جسے پہننے کے باوجود وہ ننگی دکھائی دیتی ہوں۔ راستوں میں ان کو مردوں کے ساتھ گپ شپ لگانے سے منع کردے اسیطرح مردوں پر بھی عورتوں سے بلاضرورت مخاطب ہونے کی پابندی عائد کردے۔

اگر عورتیں بناؤ سنگار اور زیب وزینت کر کے گھر سے باہر نکلنے سے باز نہ آئیں تو حکومت کے اہل کاروں کو اختیار ہے کہ سیاہی وغیرہ سے ان کے لباس خراب کردے، چنانچہ بعض فقہاء نے اسکی اجازت دی ہے اور یہ مسلک صحیح ہے یہ ان کے لئے مالی سزا کی ایک ادنیٰ سی صورت ہے اگر عورتیں بکثرت گھر سے باہر رہتی ہوں خصوصاً زیب وزینت کے ساتھ تو حکومت انکو محبوس کرسکتی ہے۔ ان کو اس حالت میں چھوڑ دینا درحقیقت گناہ میں تعاون ہے۔ اس بارے میں حکومت اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہ ہے

امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے عورتوں کو مردوں کے راستوں پر چلنے اور مردوں کے ساتھ مخلوط ہونے سے منع فرما دیا تھا حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان احکام کی تعمیل کروائے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علامہ خلالؒ اپنی جامع میں رقمطراز ہیں :

"محمد بن یحییٰ کحالؒ نے امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا کہ اگر وہ کسی بدکار مرد کے ساتھ کسی عورت کو دیکھے تو اسے کیا کرنا چاہیئے ۔"؟

امام احمدؒ نے فرمایا : "اسے ڈانٹ ڈپٹ کرو ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو عورت بن سنور کر اور خوشبو لگا کر نکلتی ہے وہ زانیہ ہے ۔"

نیز عورتوں کو خوشبو لگا کر عشاء کی نماز کے لیئے مسجد میں جانے سے روک دیا جائے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : "جب عورت گھر سے نکلتی ہے تو شیطان کی زد میں ہوتی ہے ۔"

یہ بات شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ عورتوں اور مردوں کا اختلاط ہر فتنہ و فساد کی جڑ ہے اور یہ اختلاط عذاب عام کا بھی اسی طرح سبب بنتا ہے جس طرح عوام و خواص کے امور میں فساد کا سبب بنتا ہے ۔ مردوں اور عورتوں کی مخلوط مجالس میں فواحش اور بدکاری کی کثرت ہو جاتی ہے اس اختلاط کے سبب سے طاعون پھیلتے ہیں ۔ اور اموات عام ہو جاتی ہیں ۔

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فوج میں جب بدکار عورتوں کی کثرت ہو گئی اور فوج میں بدکاری پھیل گئی تو اللہ تعالیٰ نے انکی فوج میں طاعون کی وبا بھیج دی ۔ چنانچہ صرف ایک ہی دن میں ستر ہزار افراد لقمۂ اجل بن گئے ۔ یہ بہت مشہور واقعہ ہے اور تفسیر کی کتابوں میں مذکور ہے ۔

کثرت اموات کے بہت سے اسباب ہیں ایک سبب کثرت زناء ہے اور زنا عورتوں اور مردوں کی مخلوط مجالس کی وجہ سے پھیلتا ہے عورتوں کا بن سنور کر مردوں میں جانا اس کا سبب بنتا ہے ۔ اگر حکومت کو یہ معلوم ہو کہ مردوں اور عورتوں کے اختلاط کی وجہ سے دین کے علاوہ دنیاوی اعتبار سے بھی رعایا کا نقصان ہے تو وہ اس اختلاط اور مخلوط مجالس کو روک دے ۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں ۔ "جس بستی میں زناء کی وبا پھیل جاتی ہے ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللہ تعالیٰ اس بستی کو ہلاک کرنے کا حکم دے دیتا ہے۔"

ابن ابی الدنیاؒ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو قوم ناپ تول میں کمی کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر بارش کو روک دیتا ہے۔ جس قوم میں زنا، عام ہو جاتا ہے اس میں اموات بڑھ جاتی ہیں جس قوم میں سدومیت کی بیماری عام ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ اس قوم کو زمین میں دھنسا دیتا ہے۔ اور جو قوم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضے سے غافل ہو جاتی ہے ان کے اعمال قبول نہیں ہوتے اور ان کی دُعائیں رائیگاں جاتی ہیں۔"

کبوتر بازی وغیرہ پر پابندی

برسر عام کبوتر بازی کی روک تھام بھی حکومت کی ذمہ داریوں میں شامل ہے

کبوتر باز اس کے باعث، بلند عمارتوں پر چڑھ کر دوسرے لوگوں کی پردہ دری کرتے ہیں، امام ابوداؤد حضرت ابوہریرہؓ کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ ایک شخص کبوتر کے پیچھے بھاگ رہا ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

"ایک شیطان، مادہ شیطان کا پیچھا کر رہا ہے۔"[1]

ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں: "جو شخص اڑان کرنے والے کبوتروں سے شوق کرتا ہے اس پر موت سے پہلے تنگدستی ضرور آتی ہے۔"

حسن بصریؒ فرماتے ہیں: "میں حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ خطبہ دیتے ہوئے کبوتروں کو ذبح کرنے اور کتوں کو مارنے کا حکم دے رہے تھے۔"[2]

خالد حذّاءؒ فرماتے ہیں کہ کسی تابعی کا قول ہے کہ آل فرعون کبوتروں کا شوق کیا کرتے تھے۔

قاضی شریحؒ کبوتر باز اور صاحب حمام کی گواہی قبول نہ کرتے تھے، حضرت سفیانؒ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا ہے کہ غلیل بازی اور کبوتر بازی قوم لوط کے عمل میں شمار ہوتی ہیں۔

امام بیہقیؒ حضرت اسامہ بن زیدؓ کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ وہ حضرت

---

[1] سنن ابی داؤد جلد ۴ ص۲۸۴ سنن ابن ماجہ جلد ۲ ص۱۲۳۸ سنن کبریٰ جلد ۱۰ ص۲۱۳

[2] مصنف عبدالرزاق جلد ۱۱

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عمرؓ کے پاس حاضر تھے۔ حضرت عمرؓ اڑان کرنے والے کبوتروں کو ذبح کرنے کا حکم دے رہے تھے۔ انہوں نے حکم دیا کہ کلغی والے کبوتروں کو چھوڑ دیا جائے۔[۳۷]

کبوتر بازی کے بارے میں فقہاء کی آراء

اس بارے میں فقہاء میں اختلاف ہے کہ آیا برجوں اور گنبدوں میں کبوتروں کا پالنا ممنوع ہے جبکہ وہ لوگوں کی فصلیں اور بیج خراب کرتے ہوں؟ علامہ ابن حبیبؒ، علامہ مطرفؒ سے نقل کرتے ہیں کہ گاؤں کے اندر شہد کی مکھیاں پالنا، چڑیوں کے لئے روشندان اور ڈربے بنانا کبوتر پالنا جن سے لوگوں کو تکلیف پہنچتی ہو اور وہ فصلوں کو خراب کرتے ہوں ——— اس قسم کے پرندے پالنا جو لوگوں کی کھیتیوں کو نقصان پہنچاتے ہوں، ممنوع ہے کیونکہ یہ اس قسم کے پرندے ہیں جن کی ضرر رسانی سے بچنا ممکن نہیں۔

علامہ ابن کنانہ "المجموعۃ" میں رقمطراز ہیں:

"کسی کو کبوتروں کے گنبد بنانے، چڑیاں اور مرغیاں پالنے سے نہیں روکا جا سکتا خواہ انکی وجہ سے اس کے ہمسایوں کو تکلیف ہی کیوں نہ پہنچتی ہو۔ باغات اور کھیتوں کے مالکوں کی اپنی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے کھیتوں کی حفاظت کریں۔"

میں کہتا ہوں علامہ مطرف کا قول صحیح ہے اور قانون کی روح کے زیادہ قریب ہے۔ کیونکہ باغات اور کھیتوں کی پرندوں سے حفاظت کرنا نہایت مشکل امر ہے۔ بخلاف بہائم اور چوپایوں کے بہائم کو پرندوں پر قیاس کرنا صحیح نہیں۔

اصبغؒ علامہ ابن القاسم سے روایت کرتے ہیں کہ پرندے اگرچہ نقصان دیتے ہیں مگر مویشیوں کی طرح ہیں۔

قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ اگر پرندے کسی کی فصل کو خراب کر دیں تو پرندوں کے مالک پر مطلقاً کھیتی کے نقصان کا تاوان ڈالا جا سکتا ہے۔ کیونکہ یہ شخص پرندے پال کر دوسرے لوگوں کی فصلوں کے نقصان کا باعث بنا ہے۔ اس کے برعکس مویشیوں سے کھیتوں کی حفاظت و صیانت ممکن ہے اور ان کو باندھ کر رکھا جا سکتا ہے اس لئے جب مویشی اپنے مالک کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اختیار کے بغیر کسی کی کھیتی کو خراب کر دیں تو مویشیوں کے مالک پر تاوان نہیں ڈالا جا سکتا کیونکہ یہ کھیتوں اور فصلوں کے مالکوں کی کوتاہی شمار ہو گی کہ انہوں نے مویشیوں سے اپنے کھیتوں کی حفاظت نہ کی مگر وہ کوشش کے باوجود پرندوں سے اپنے کھیتوں کی حفاظت نہیں کر سکتے (لہذا کھیت کے نقصان کا باعث پرندوں کے مالک بنتے ہیں)

اگر یہ سوال کیا جائے کہ ایک پالتو بلی تمام پرندے کھا جاتی ہیں ہانڈیاں اُلٹ دیتی ہے اس بارے میں آپ کی رائے کیا ہے ؟

اس کا جواب یہ ہے کہ بلیاں دن اور رات کے اوقات میں جو نقصان کرتی ہیں اس کا ضمان بلیوں کے مالک پر عائد ہو گا ، یہ رائے امام احمد بن حنبل رح کے اصحاب کی ہے ۔ شافعیہ رح کی صحیح تر رائے بھی یہی ہے ۔ اس رائے کے حامل فقہا کہتے ہیں کہ ایسی بلی کو کاٹنے والے کتے کے معنی میں لیا جائے گا بنا بریں بلی کو اس حکم سے ملحق کرنا واجب ہے ، دُوسری وجہ یہ ہے کہ بلی کو باندھ کر بھی رکھا جا سکتا ہے اور ایسی بلی کو کھلا چھوڑنا کوتاہی شمار ہو گا ۔ اگر پرندے مارنا اور ہانڈیاں الٹنا بلی کی عادت نہ ہو اور ایسا واقعہ بہت شاذ و نادر ہوتا ہو تو بلی کے مالک پر ضمان عائد نہیں کیا جائے گا ۔ علامہ ابن قدامہ رح نے "المغنی" میں اسی رائے کا اظہار کیا ہے اور شافعیہ کی صحیح تر رائے یہی ہے ۔

کیا اِس وجہ سے بلی کو ہلاک کیا جا سکتا ہے ؟

ہمارا جواب یہ ہے کہ اگر ہانڈیاں خراب کرنا اور پرندے کھا جانا اس کی عادت ہو تو ایسی بلی کو ہلاک کرنا جائز ہے ۔ ابنِ عقیل رح اور بعض شافعیہ کہتے ہیں کہ بلی کو حملے کی حالت میں قتل کرنا تو صحیح ہے مگر سکون کی حالت میں اس کو قتل کرنا جائز نہیں ۔

قرینِ صحت یہ ہے کہ ایسی ضرر رساں بلی کو ہر حالت میں ہلاک کرنا جائز ہے ۔ اور یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے ہم کسی جانور کے حملے کا انتظار نہیں کرتے جس کی فطرت میں ضرر رسانی ہو ۔ بلکہ ہم اس کو حالتِ سکون میں بھی قتل کر دیتے ہیں ۔

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام ابو داؤدؒ اور امام ترمذیؒ حضرت ابوسعید خدریؓ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

محرم حملہ کرنے والے درندوں کو ہلاک کر سکتا ہے۔"[1]

امام ترمذیؒ تبصرہ کرتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے[2] اور بلی حملہ کرنے والے جانوروں میں شمار ہوتی ہے۔

صحیحین میں منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "پانچ فواسق کو علاقہ حرم اور غیر حرم میں ہلاک کر دیا جائے چیل۔ کوّا۔ چوہا۔ سانپ اور کاٹنے والا کتا"[3] ایک روایت میں سانپ کی بجائے بچھو کا ذکر ہے۔

ان جانوروں کو قتل کرنے کے لئے ان کے حملہ کرنے کی حالت کی شرط عائد نہیں کی گئی۔

متعدّی امراض کے مریضوں پر پابندی

متعدی امراض مثلاً جذام وغیرہ جس سے لوگوں کے متاثر ہونے کا امکان ہوتا ہے ان کے بارے میں فقہاء کی مندرجہ ذیل آراء پائی جاتی ہیں۔

"اگر رہائش گاہ میں متعدی بیماری کا مریض حصہ دار ہو، پینے کے پانی کی جگہ وغیرہ میں برابر کا شریک ہو اور لوگوں کا یہ خیال ہو کہ اگر مریض پینے والا پانی استعمال کرتا رہا تو ان کے لئے ضرر کا باعث ہو سکتا ہے۔ لہٰذا اگر یہ لوگ اس کو گھر سے نکالنے کا ارادہ کریں تو اس بارے میں ابن وہبؒ کہتے ہیں۔

"اگر مریض مالدار ہے تو اس کو حکم دیا جائے کہ وہ کوئی ایسا غلام خرید لے جو اس کی دیکھ بھال کرے اسکی حوائج وضروریات کے لئے گھر سے باہر آیا جایا کرے مگر مریض گھر سے باہر قدم

---

[1] سنن ابی داؤد جلد ۲ صفحہ ۱۰۸ سنن ترمذی جلد ۲ صفحہ ۸۸

[2] سنن ترمذی جلد ۲ صفحہ ۸۸

[3] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۳۴ صحیح مسلم جلد ۸ صفحہ ۱۱۳

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہ رکھے اگر مریض مالدار نہیں بلکہ تنگدست اور نادار ہے اور اسکے گھر میں بھی کوئی چیز نہیں تو اس کو گھر سے نکال دیا جائے اور حکومت اس کے اخراجات وغیرہ کی کفالت کرے۔

چند جذامی ایک بستی میں رہتے ہیں وہ بستی کے پینے والے پانی (کے ذخیرہ) سے پانی استعمال کرتے ہیں۔ لوگوں کے ساتھ ایک ہی مسجد میں نماز پڑھتے ہیں۔ بستی والوں کے ساتھ اُٹھتے بیٹھتے ہیں بستی والوں کے گھاٹ پر آکر وضوء وغیرہ کرتے ہیں اس سے بستی والوں کو تکلیف ہوتی ہے اور بستی والے ان کو روکنا چاہتے ہیں۔

عیسیٰ ؒ کہتے ہیں کہ ایسی صورت میں ان کو مسجد میں بیٹھنے اور نماز پڑھنے سے تو منع نہیں کیا جاسکتا ـــــ کیا آپ کی نظر سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول نہیں گزرا" انہوں نے ایک جذام زدہ عورت کو بیت اللہ کے طواف میں مصروف دیکھا تو فرمایا:

"اگر تو اپنے گھر میں بیٹھی رہتی تو تیرے لئے بہتر تھا۔"

یہ حضرت عمرؓ کی طرف سے اس عورت پر بیت اللہ کے داخلے اور طواف وغیرہ کے سلسلے میں حتمی پابندی نہ تھی ـــــ باقی رہا ان لوگوں کے پینے والے پانی سے پانی کے حصول اور ان گھاٹ پر وضوء کرنے کا مسئلہ تو اس سے ان کو روک دیا جائے۔ یہ اپنے لئے کوئی صحت مند آدمی رکھ لیں جو ان کے لئے پانی وغیرہ کا انتظام کرے مگر اسی احتیاط کے ساتھ کہ ایک الگ برتن میں پانی لے کر جذامیوں کے برتن میں ڈالے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ ـــــ

اس اختلاط سے دراصل تندرست اور صحت مند لوگوں کو ضرر لاحق ہوتا ہے بنا بریں میری رائے یہ ہے کہ ان کو دوسرے صحت مند لوگوں سے الگ رکھا جائے۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ ایک جذامی کو اس کی بیوی سے الگ کر دیا جاتا ہے اور اس کو اپنی لونڈیوں سے مباشرت کرنے سے بھی روک دیا جاتا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں اسکی طرف سے ضرر کا اندیشہ ہے۔

جذامیوں کے متعلق علامہ ابن حبیبؒ علامہ مطرفؒ سے روایت نقل کرتے ہیں۔

اگر ایک آدھ یا چند جذامی ہوں تو ان کو شہر یا بستی، بازار یا جامع مسجد وغیرہ سے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہ نکالا جائے۔ کیونکہ حضرت عمرؓ نے اس جذامی عورت کو بیت اللہ میں نہ آنے کا حکم نہیں دیا تھا۔ اسی طرح حضرت عمرؓ نے معیقیب الدّوسیؒ کو بیت اللہ کا نگران مقرر کیا تھا۔ حضرت عمرؓ ان کے ساتھ مل کر بیٹھتے تھے ان کے ساتھ مل کر کھا لیتے تھے۔ اُن سے فرمایا کرتے تھے۔ "اپنے آگے سے کھاؤ۔" اور اگر انکی تعداد بڑھ جائے تو وہ اپنے رہنے کے لئے ایک الگ جگہ بنا لیں جیسے مکہ مکرمہ کے مریضوں کے لئے ایک علیحدہ جگہ بنا دی گئی تھی ان کو خرید و فروخت اور دیگر ضروریاتِ زندگی کے لئے بازاروں میں آنے سے نہ روکا جائے اور اگر حکومت فئے وغیرہ کے شعبہ سے انکی ضروریاتِ زندگی کی کفالت نہیں کر سکتی تو انکو بھیک مانگنے کے لئے بازاروں میں چلنے پھرنے سے بھی نہ روکے۔ اگر وہ جمعہ پڑھنا چاہیں تو ان کو جامع مسجد میں جانے سے روکا جائے۔ اور گر کاموں کے سلسلے میں ان پر کوئی پابندی عائد نہ کی جائے۔ البتہ علّامہ سحنونؒ روایت کرتے ہیں کہ "وہ لوگ جمعہ نہ پڑھیں" ——— اور رہے بستیوں کے مریض تو خواہ وہ کتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہوں ان کو بستیوں سے نہ نکالا جائے البتہ اس بات کا ضرور خیال رکھا جائے کہ یہ دوسرے لوگوں کو تکلیف نہ پہنچائیں۔

علّامہ اصبغؒ فرماتے ہیں: "شہروں کے مریضوں کے لئے ضروری نہیں کہ وہ شہروں سے نکل کر کسی طرف چلے جائیں۔ البتہ اگر حکومت انکی ضروریاتِ زندگی کی کفالت کرے تو ان پر گھر سے باہر نکلنے کی پابندی عائد کی جا سکتی ہے۔ نیز ان کو اس بات کا بھی پابند کیا جا سکتا ہے کہ وہ لوگوں سے دُور رہیں اور ان کے ساتھ میل جول نہ رکھیں۔

علّامہ ابن حبیبؒ کہتے ہیں: "اگر ان کی تعداد زیادہ ہو جاتے تو ان کو کسی مخصوص علاقے میں پابند کیا جا سکتا ہے۔ تمام فقہائے امصار کا یہی فیصلہ ہے۔" ——— اس مسلک کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو امام بخاریؒ نے حضرت ابوہریرہؓ کے حوالے سے نقل کی ہے۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱۰ صفحہ ۱۵۸، صحیح مسلم جلد ۱۴ صفحہ ۲۱۳

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لَاعَدْوٰی وَلَاهَامَةَ وَلَا صَفَرَ وَفِرَّ مِنَ الْمَجْذُوْمِ فِرَارَكَ مِنَ الْاَسَدِ اَوْ قَالَ مِنَ الْاَسْوَدِ۔	امراضِ متعدی، ہامہ کا توہم اور صفر کی نحوست محض خیالِ باطل ہے۔ البتہ جذامی سے اس طرح بھاگ جیسے شیر سے۔ یا فرمایا جیسے کالے ناگ سے ۔۔۔۔

امام مسلم نے حضرت شریدؓ کے حوالے سے حدیث نقل کی ہے کہ بنی ثقیف کا وفد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس میں ایک مجذوم بھی شامل تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کہلا بھیجا کہ ہم نے تمہاری بیعت قبول کر لی ہے۔ تم لوٹ جاؤ "[۲]

ابو داؤد طیالسیؒ اپنی مسند میں حضرت عبداللہ بن عباس سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تُدِيْمُوا النَّظَرَ اِلَى الْمَجْذُوْمِيْنَ[۳] (جذامیوں کی طرف لگاتار دیکھتے نہ رہو۔)

مذکورہ حدیث اور اس حدیث میں کوئی تعارض نہیں جسے حضرت جابر بن عبداللہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جذامی کا ہاتھ پکڑا اور اپنے پیالے میں ڈالتے ہوئے کہا:

"اللہ کے نام سے اور اللہ پر توکل کرتے ہوئے کھاؤ"

کیونکہ اس سے دونوں باتوں کا جواز ملتا ہے ایک حدیث ایک قسم کے لوگوں کے لئے ہے اور دوسری حدیث دوسری قسم کے لوگوں کے لئے ہے۔ چنانچہ جس شخص کا اللہ تعالیٰ پر توکل، اعتماد اور یقین کامل ہو تو وہ حضرت جابر والی حدیث پر عمل کرلے یہ بھی سُنّت ہے اور وہ بھی سُنّت ہے۔ وباللہ التوفیق۔

اگر جذامیوں کے گھر والے چاہیں تو ان کے ساتھ مل کر کھا پی سکتے ہیں اور ان کے ساتھ ایک ہی بستر میں لیٹ سکتے ہیں اور اگر وہ ان سے اجتناب کرنا چاہیں تو ایسا بھی

۲ـ صحیح مسلم جلد ۱۴ صـ ۲۲۸ سنن ابن ماجہ جلد ۲ صـ ۱۱۷۲

۳ـ سنن ابن ماجہ جلد ۲ صـ ۱۱۷۲ سنن ترمذی جلد ۳ صـ ۸۶

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کر سکتے ہیں ـــــــــ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادِ مقدس،

"لا تُدِيمُوا النَّظَرَ إِلَى الْمَجْذُومِينَ"

میں ایک عظیم طبی فائدہ ہے۔ انفعالیت انسانی طبیعت کا خاصہ ہے پس اگر نظریں مسلسل جذامی پر جمی رہیں تو اندیشہ ہے کہ کہیں دیکھنے والے کی طبیعت اس مرض سے متاثر نہ ہو جائے۔ لوگوں نے تجربے کئے ہیں کہ جماع کرنیوالا بوقت جماع جس چیز پر نظر رکھتا ہے اس کے خواص اسکی اولاد میں منتقل ہو جاتے ہیں کسی بڑے طبیب کی حکایت ہے کہ اس نے اپنے ایک بھتیجے کو مریضوں کی آنکھوں میں سُرمہ ڈالنے کے لئے بٹھایا چنانچہ ہوا یہ کہ آشوب چشم والی آنکھوں کو دیکھ دیکھ کر اسے بھی آشوبِ چشم لاحق ہو گیا۔ طبیب نے اس کو مریضوں کی آنکھوں میں سُرمہ ڈالنے سے روک دیا تب اس کا آشوبِ چشم بھی ختم ہو گیا۔ طبیب نے کہا کہ انسانی طبیعت بیماری سے متاثر ہو کر اُس کو اخذ کر لیتی ہے۔

امام بیہقیؒ وغیرہ نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی غفار کی ایک خاتون کے ساتھ نکاح کیا جب آپؐ نے اس کے سینے پر سفید داغ دیکھ کر بستر سے الگ ہو گئے جب صبح ہوئی تو اس عورت کو طلاق دیدی اور اس کا مہر ادا کر دیا۔

گمراہ کُن لٹریچر کا اتلاف

اسی طرح گمراہ کن کتابوں کو جلانے یا تلف کرنے پر کوئی ضمان نہیں۔ علامہ مروزی کہتے ہیں۔

"میں نے امام احمد سے سوال کیا "میں نے کسی سے کوئی کتاب مستعار لی اور اس میں کچھ گندی باتیں پائیں کیا میں اس کو جلا دوں یا پھاڑ دوں؟"

امام احمدؒ نے فرمایا: "ہاں! اسے پھاڑ دو یا جلا دو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں ایک کتاب دیکھی جو اُنہوں نے تورات سے نقل کی تھی ان کو اس سے بعض ایسی چیزیں اچھی لگی تھیں جو قرآن کے موافق تھیں۔ یہ دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک غصہ سے تمتما اٹھا۔ حتیٰ کہ حضرت عمرؓ نے وہ کتاب لے جا کر تنور میں جھونک دی[1]

[1] جمع الفوائد جلد ۱ صہ ۲۹ بحوالہ المعجم الکبیر ۔ للطبرانی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ تصنیفات دیکھ لیتے جو آپؐ کے بعد تصنیف کی گئی ہیں اور جن میں سراسر قرآن وسنت کی مخالفت کی گئی ہے تو آپ کی ناراضگی کا کیا حال ہوتا ؟

واللہ المستعان !

وہ کتابیں جو قرآن وسنت کے خلاف لکھی گئی ہیں انکی اشاعت کی اجازت نہیں ہونی چاہیئے بلکہ ان کو تلف کر دیا جائے۔ علاوہ ازیں وہ لٹریچر جو مسلمانوں کے لئے سخت ضرر رساں ہے جلا دیا جائے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے محض امت میں اختلاف کے خدشے سے قرآن کے وہ تمام صحیفے جلوا دیئے تھے۔ جو رسم الخط یا قراءت کے اعتبار سے مصحفِ عثمانی سے مطابقت نہ رکھتے تھے۔ اگر وہ ان کتابوں کو دیکھ لیتے جنہوں نے امت کو تشتُّت وتفرقہ میں مبتلا کر دیا ہے تو انکی کیا حالت ہوتی ؟

علامہ خلالؒ روایت کرتے ہیں کہ امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا : "کتابوں کی تصنیف نے ان لوگوں کو ہلاک کر دیا۔ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو چھوڑ کر علمِ کلام کی طرف متوجہ ہیں

علامہ خلالؒ محمد بن احمد بن واصل المقریؒ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے امام احمد بن حنبل سے سنا ہے اُن سے جب "رائے" کے متعلق سے پوچھا گیا تو انہوں نے بآواز بلند فرمایا : "رائے سے کوئی چیز ثابت نہیں ہوتی تم لوگ قرآن وسنت کو مضبوطی سے تھامے رہو۔"

ابنِ مشیشؒ کی روایت میں ہے کہ ایک شخص نے امام احمدؒ سے سوال کیا کہ کیا وہ آراء کو لکھ سکتا ہے ــــــ ؟

امام احمدؒ نے فرمایا۔ "تم رائے کو سیکھ کر کیا کرو گے ؟ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنن لکھا کرو اور احادیثِ معروفہ کو لازم پکڑ لو۔"

امام عبداللہ بن احمد بن حنبل روایت کرتے ہیں۔ "میرے والدِ محترم کہا کرتے تھے کہ یہ کتابیں لکھنا بدعت ہے۔"

اسحاق بن منصورؒ کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے۔ "یہ کتابیں لکھنا مجھے ذرا بھی پسند نہیں جو شخص ایسی کتابیں لکھتا ہے وہ بدعتی ہے۔

علامہ مروزیؒ راوی ہیں کہ ابنِ عونؒ نے حماد بن زید سے فرمایا :

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"حماد! یہ کتابیں گمراہ کن ہیں۔"

میمونی کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد کے پاس اہل علم کی لغزشوں کا ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا۔

"کون ہے جس سے خطا سرزد نہیں ہوتی خاص طور پر وہ لوگ جو کتابیں لکھتے ہیں۔ وہ سب سے زیادہ غلطیاں کرتے ہیں۔"

اسحاق کہتے ہیں کہ اَرُذ بیل کے کچھ لوگوں نے امام احمد بن حنبل سے کسی عبدالرحمٰن نامی شخص کے متعلق پوچھا جس نے کوئی کتاب لکھی تھی۔

امام صاحب نے فرمایا۔ "کیا صحابہ میں سے کسی نے کتاب لکھی تھی؟ کیا تابعین میں سے بھی کوئی کتابیں تصنیف کرتا تھا؟"

جناب امام نے بڑے زوردار الفاظ میں یہ بات کہی نیز فرمایا:

"وہ لوگوں کو کتابیں تصنیف کرنے سے منع کیا کرتے تھے۔ لہٰذا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کو مضبوطی سے تھامے رکھو!"

امام احمدؒ نے مزید فرمایا: "میں نے ان تصنیفات میں سے کبھی کوئی چیز نہیں لکھی۔"

محمد بن زید مستملیؒ روایت کرتے ہیں کہ امام احمد بن حنبلؒ سے ایک شخص نے پوچھا کہ کیا وہ فقہی آراء کو قلمبند کر سکتا ہے۔

انہوں نے جواب دیا: "تم فقہی آراء کو قلمبند نہ کیا کرو بلکہ احادیث اور آثار کو مضبوطی سے پکڑے رہو۔"

ایک سائل نے کہا "یہ کتابیں تو امام عبداللہ بن مبارکؒ بھی تصنیف کیا کرتے تھے؟"

امام صاحبؒ نے فرمایا: "عبداللہ بن مبارک آسمان سے نازل نہیں ہوئے تھے ہمیں تو صرف یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم اوپر (یعنی سلف) سے علم حاصل کریں۔

عبداللہ بن احمد بن حنبل روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے امام احمد کو کتابوں کی تصنیف و تالیف کے بارے میں یہ فرماتے سنا ہے۔

"میں ان کتابوں کو پسند نہیں کرتا۔ یہ ابو فلاں ہیں انہوں نے کتاب تصنیف فرمائی ابو فلاں آئے اور انہوں نے کوئی کتاب تحریر فرمائی اس کی کوئی انتہاء نہیں جب

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی کوئی آتا ہے وہ کتاب لکھ مارتا ہے ایسی کتابیں لکھنا بدعت ہے۔ جب بھی کوئی آتا ہے کتاب لکھ دیتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور صحابہ کرام کے آثار کو پسِ پشت ڈال دیتا ہے۔ اتباعِ سُنّت کے سوا کسی کی کوئی حیثیت نہیں۔"
گویا امام احمد بن حنبل رح نے کتابوں کی تصنیف و تالیف کو سخت ناپسند فرمایا اور اس کو معیوب قرار دیا ______

علامہ مروذی رح ایک اور مقام پر ذکر کرتے ہیں کہ امام احمد رح نے فرمایا۔
"لوگ اپنی کتابوں میں بدعات بھر دیتے ہیں۔ میں ان کتابوں سے سخت پرہیز کرتا ہوں۔
میں نے عرض کی: "لوگ امام مالک رح کو دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ انہوں نے بھی تو کتاب تصنیف کی ہے۔"
امام احمد رح نے فرمایا: "یہ ہیں ابن عون رح، تیمی رح، یونس رح اور ایوب۔ کیا انہوں نے کوئی کتاب لکھی۔ ان کا ہم پلّہ کون ہے؟ محمد بن سیرین، تو حدیث بھی قلمبند نہ کیا کرتے تھے۔ تب فقہی آراء کو قلمبند کرنے کے بارے میں کیسی شدّت ہو گی؟"

اس بارے میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے بکثرت ملفوظات منقول ہیں جنہیں علامہ خلال نے "کتاب العلم" میں ذکر کیا ہے۔ کتابوں کی تصنیف و تالیف کا مسئلہ قدرے تفصیل طلب ہے یہ ان تفصیلات کا مقام نہیں۔ امام احمد نے جس قسم کی کتابوں کی تصنیف سے منع کیا ہے وہ ایسی کتابیں ہیں جن میں مشغول رہنے کی وجہ سے قرآن و سنت سے اعراض بڑھ جاتا ہے۔ ان کتابوں کا قاری قرآن و سنت کی مدافعت سے غافل ہو جاتا ہے۔ مگر وہ کتابیں جو قرآن و سنت کی مخالف آراء و فقہیات کا ابطال کرتی ہیں ان کی تصنیف میں کوئی حرج نہیں۔ بلکہ حالات کے مطابق بسا اوقات ایسی کتابوں کی تصنیف واجب ہو جاتی ہے کبھی مستحب ہوتی ہے اور کبھی مباح کے درجے پہ ہوتی ہے۔

ہمارا مقصد یہ ہے کہ ایسی کتب جو جھوٹ وافترا اور بدعات وغیرہ پر مشتمل ہوں ان کو تلف کرنا واجب ہے بلکہ شراب پینے کے ظروف معازف و مزامیر اور دیگر آلات لہو سے زیادہ ایسی کتابوں کو تلف کرنا ضروری ہے کیونکہ ایسی کتابیں آلاتِ لہو سے زیادہ ضرر رساں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں بنابریں ان کے اتلاف پر کوئی ضمان نہیں جیسے شراب کے ظروف کو توڑنے اور اسکی مشکوں کو پھاڑنے پر کوئی ضمان نہیں۔

علامہ مروذی رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے امام احمد رحمہ اللہ سے پوچھا۔

"اگر میں کسی بوتل یا مشکیزہ میں شراب دیکھوں تو اسے توڑ دوں؟"

امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا: "ہاں! ایسی بوتل توڑ دی جائے۔"

ابوطالب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے عرض کی، "ہم کبھی تھوڑی اور کبھی زیادہ شراب کے پاس سے گزرتے ہیں کیا اس کو ضائع کر دیں؟"

امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا۔ "ہاں، ضائع کر دو۔"

محمد بن حرب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد رحمہ اللہ سے عرض کی:

"میں کسی ایسے شخص سے ملتا ہوں جس نے ایک مشکیزہ چھپا رکھا ہے۔"

امام احمد نے پوچھا۔ "کیا مشکوک حالت میں؟"

میں نے عرض کی۔ "ہاں۔"

انہوں نے فرمایا: "اسے پھاڑ دو۔"

ابن منصور رحمہ اللہ کی روایت میں ہے کہ اگر کوئی شخص طنبورہ، طبلہ اور بوتل چھپی ہوئی دیکھتا ہے۔ یعنی اس پر واضح ہو جاتا ہے کہ یہ طنبورہ طبلہ اور شراب کی بوتل ہے تو وہ اس کو توڑ دے۔"

عبداللہ بن ابی ہذیل رحمہ اللہ کہتے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود حلفاً کہا کرتے تھے کہ جب شراب کی تحریم نازل ہوئی تو وہ شراب جس کے مٹکے آپ کے حکم سے توڑ ڈالے گئے" وہ کھجور اور کشمش سے بنا کرتی تھی۔ اس حدیث کو صحیح سند کے ساتھ امام دارقطنی نے روایت کیا ہے۔[1]

امام ترمذی رحمہ اللہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے واسطے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی۔

"یا رسول اللہ! میں نے اپنے زیر کفالت یتیموں کے لئے شراب خریدی ہے اس کے متعلق کیا حکم ہے۔؟"

---

[1] سنن الدارقطنی جلد ۴ صـ ۲۵۲

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آپؐ نے فرمایا: "شراب بہا دو، اور مٹکے توڑ دو۔"[۲]

مسندِ امام احمد میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں کھجور خشک کرنے کے باڑے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ اس جگہ پڑے ہوئے مشکیزوں کے پاس آئے جن میں شراب تھی آپؐ نے ایک بڑی سی چھری منگوائی میں اس سے قبل اس قسم کی چھری کے نام سے واقف نہ تھا۔ آپؐ نے حکم دیا اور شراب کے تمام مشکیزے پھاڑ دیئے گئے۔

پھر آپؐ نے فرمایا: "شراب پر لعنت کی گئی ہے، اس کے پینے والے[۳] پلانے والے، بیچنے والے، خریدنے والے، اور اُٹھانے والے ملعون ہیں۔"

مسندِ امام احمدؒ میں ایک اور روایت میں حضرت عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک بڑی سی چھری لانے کا حکم دیا۔ میں نے چھری لاکر آپؐ کی خدمت میں پیش کر دی، پھر آپؐ نے وہ چھری تیز کروانے کیلئے بھیج دی۔ اس کے بعد چھری مجھے دیتے ہوئے حکم دیا کہ صبح سویرے یہ چھری لے کر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ آپ صحابہؓ کرامؓ کو ساتھ لے کر مدینہ کے بازاروں میں چلے گئے جہاں شراب کی مشکیں پڑی ہوئی تھیں۔ یہ شراب شام سے لائی گئی تھی۔ آپؐ نے چھری مجھ سے لے لی اور آس پاس جتنی مشکیں پڑی ہوئی تھیں سب پھاڑ ڈالیں۔ آپؐ نے وہ چھری مجھے دے دی، بعد ازاں آپؐ نے اپنے ساتھ آنے والے صحابہؓ کو حکم دیا کہ بازار میں میرے ساتھ جائیں اور میرا ہاتھ بٹائیں اور مجھے ارشاد فرمایا کہ میں تمام بازاروں میں جاؤں اور شراب سے بھری ہوئی جو مشک دیکھوں سے پھاڑ دوں چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا — اور میں نے بازاروں میں کوئی مشک نہ چھوڑی جس کو نہ پھاڑا ہو۔"[۱]

صحیحین میں حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ میں ابو عبیدہ بن الجراحؓ، ابوطلحہؓ اور ابی بن کعبؓ کو انگور اور کھجور کی شراب پلا رہا تھا کہ ایک شخص نے آکر ان کو خبر دی کہ شراب حرام کر

---

[۲] سنن ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۶۲ [۳] مسند امام احمد حدیث رقم ۵۳۹۰ [۱] مسندِ امام احمد

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دی گئی۔ ابوطلحہؓ نے مجھ سے کہا۔ "انس اٹھ اور شراب کا مٹکا توڑ دے۔" میں اٹھا اور ایک اوکھلی اٹھا کر شراب کے مٹکے پر دے ماری اور مٹکا چکنا چور ہو گیا۔ [۲]

حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں۔ "مجھے علم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض دنوں میں روزہ رکھا کرتے تھے۔ میں نے ایک مٹکے میں نبیذ بنائی اور آپ کے افطار کا انتظار کرنے لگا۔ جب شام ہوئی تو میں نے نبیذ اٹھائی ——— اس کے بعد حضرت ابوہریرہ نے تمام واقعہ سناتے ہوئے کہا ——— یہی وہ نبیذ آپ کی خدمت میں پیش کر دی اس وقت نبیذ جوش مار رہی تھی۔ آپ نے فرمایا: "مٹکا اٹھاؤ اور اسے دیوار پر دے مارو۔ کیونکہ یہ ان لوگوں کا مشروب ہے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔" [۳]

---

[۲] صحیح بخاری جلد ۱۰ صـ۳۶ [۳] سنن دارِ قطنی جلد ۴ صـ۲۵۲

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حصہ ششم

عقوبات و تعزیرات

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عقوبات و تعزیرات

مقصد یہ ہے کہ احتساب سے متعلق یہ تمام احکام شرعی ہیں ان کے مناہج بھی شرعی ہیں اور ان کے بغیر اُمت کے مصالح کی تکمیل نہیں ہوتی۔ یہ احکام مدعی اور مدعا علیہ پر موقوف نہیں ہیں بلکہ اگر ان کو مدعی اور مدعا علیہ پر موقوف کر دیا جائے تو اُمت کے مصالح کو نقصان پہنچتا ہے اور اسلامی مُعاشرے کا نظام درہم برہم ہو کر رہ جاتا ہے لہذا حکومت کا فرض ہے کہ وہ اس معاملے میں علامات ونشانات اور واضح قرائن کے ذریعے فیصلے کرے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضے کی تکمیل تعزیر شرعی کے بغیر ممکن نہیں۔

إِنَّ اللّٰهَ يَزَعُ بِالسُّلْطَانِ مَا لَمْ يَزَعْ بِالْقُرْآنِ۔

(اللہ تعالیٰ حکومت کے ذریعے وہ بُرائیاں روک دیتا ہے جو وہ قرآن کے ذریعے نہیں روکتا) ـــــ لہذا اقامت حدود حکومت کے فرائض میں شامل ہے

عقوباتِ شرعیہ عقوبت یا تو فعلِ حرام کے ارتکاب پر ہوتی ہے یا فعلِ واجب کے ترک پر۔ اور تمام عقوبات جیسا کہ گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے دو اقسام میں منقسم ہیں۔

اوّل :- وہ عقوبات جن کی مقدار معیّن ہے۔[۲]

ثانی :- وہ عقوبات جن کی مقدار معیّن نہیں بلکہ جُرم کی نوعیت، اس کی شدت اور مجرم کے حسب حال ان کی مقدار اور ان کی جنس وصفت بدلتی رہتی ہے۔

تعزیراتِ شرعیہ اسی طرح تعزیرات کی بھی مختلف اقسام ہیں۔ کچھ تعزیرات وہ ہیں جو محض زجر و توبیخ اور تنبیہہ کے زمرے میں آتی ہیں۔

---

[۱] مضمون کے ربط کے لحاظ سے اس باب کو مؤخر کیا گیا ہے۔

[۲] شرعی اصطلاح میں ان سزاؤں کو حدود (واحد حدّ) کہا جاتا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسری قسم وہ جس میں مجرم کو قید کیا جاتا ہے۔
تیسری قسم وہ ہے جس میں مجرم کو جلاوطن کیا جاتا ہے۔
اور چوتھی قسم وہ ہے جس میں مجرم کو جسمانی اذیت دی جاتی ہے۔
اگر تعزیر کسی واجب کے ترک کرنے پر دی جا رہی ہو مثلاً امانت اور قرض کی ادائیگی سے گریز کرنا، زکوٰۃ دینے سے پہلو تہی کرنا اور نماز ترک کرنا تو اس میں جسمانی تعذیب کی تعزیر دی گی۔ یہ وقفہ ایک یا دو دن رکھا جا سکتا ہے۔ اور یہ سزا اس کو اس وقت دی جاتی رہے گی۔ جب تک کہ وہ اس واجب کو ادا نہیں کر دیتا جو اس کے ذمّے واجب الادا ہے۔
جب جسمانی تعزیر کسی گزشتہ جرم یا قصور پر دی جا رہی ہو تو اس کو یہ تعزیر بقدر حاجت دی جائے گی۔

تعزیر کا تعیّن

کم سے کم تعزیر کی کوئی حد مقرر نہیں ہے اور زیادہ سے زیادہ تعزیر کے بارے میں اختلاف کا ذکر گزشتہ صفحات میں کیا جا چکا ہے۔ اگر مفاسد کے سدِباب کا تقاضا ہو تو تعزیر میں قتل تک کیا جا سکتا ہے مثلاً مسلمانوں کی جماعت میں انتشار اور افتراق پیدا کرنے والے، یا کتاب اللہ اور سُنّت کو چھوڑ کر کسی اور چیز کی طرف دعوت دینے والے کو تعزیراً موت کی سزا دی جا سکتی ہے۔
ایک صحیح حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب دو خلیفوں کی بیعت ہو جائے تو اُن میں سے اُس کو قتل کر دو جس کی بیعت بعد میں ہوئی ہے۔"[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:
جب تم ایک خلیفہ پر متفق ہو چکو اور اس کے بعد کوئی اور شخص تمہاری جمعیت میں تفرقہ ڈالنا چاہے تو تلوار سے اسکی گردن مار دو خواہ وہ کوئی ہو۔"[2]
ایک شخص نے کسی قبیلے میں جا کر کہا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارا امیر بنا

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱۲ صـ ۲۴۲ . بروایت ابو سعید خدری رضؓ
[2] صحیح مسلم جلد ۱۲ صـ ۲۴۱ . بروایت عرفجہ رضؓ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کر بھیجا ہے تاکہ میں تمہاری عورتوں اور تمہارے اموال میں فیصلے کروں ـــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اِس بناء پر قتل کروا دیا تھا کہ اس نے آپؐ پر جھوٹ باندھا تھا۔"[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اُس شخص کے بارے میں پوچھا جس پر متعدد بار شراب نوشی کی حد جاری کی گئی تھی مگر وہ اس کے باوجود شراب نوشی سے باز نہیں آتا۔

آپؐ نے فرمایا: "جو کوئی شراب پینے سے باز نہ آئے اسے قتل کر دو۔"

ایک حدیث میں آتا ہے کہ آپؐ نے تیسری یا چوتھی بار شراب پینے والے کو قتل کر دینے کا حکم دیا۔"[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کو قتل کر دینے کا حکم دیا جس نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کر لیا تھا۔[3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کو قتل کر دینے کا حکم دے دیا جو آپؐ کی لونڈی کے ساتھ متہم تھا مگر پتہ چلا کہ وہ شخص نامرد تھا۔[4]

تعزیراً قتل کرنے کے بارے میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سب سے بعید ہیں مگر بایں ہمہ وہ مصلحتِ عامہ کو مدِنظر رکھتے ہوئے تعزیر میں قتل کو جائز ٹھہراتے ہیں اسی طرح قوم لوط کے فعل بد کا کثرت سے ارتکاب کرنے والے کو قتل کرنا اور قاتل کو کسی بوجھل شئی سے ہلاک کرنا شامل ہیں ـــــ

امام مالکؒ مسلمان جاسوس کو تعزیر میں موت کی سزا دینا جائز قرار دیتے ہیں۔ امام احمدؒ کے اصحاب میں سے بعض فقہاء نے امام مالکؒ کی رائے سے اتفاق کیا ہے۔ امام مالکؒ، امام احمد

---

[1] اس حدیث کو علامہ ابن تیمیہؒ نے "الصارم المسلول" میں ابو القاسم بغویؒ، ابنِ عدیؒ اور معافی بن زکریا جریری کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ الصارم المسلول ص ۱۶۹۔

[2] سنن ابی داؤد جلد ۴ ص ۲۸۰، سنن ترمذی جلد ۲ ص ۲۳۰، سنن ابنِ ماجہ جلد ۲ ص ۸۵۹ ابو ہریرہ بروایت حضرت معاویہ

[3] سنن ابی داؤد جلد ۴ ص ۱۵۷، سنن ابن ماجہ جلد ۲ ص ۸۶۹ بروایت براء بن عازب

[4] المحلّٰی لابن حزمؒ جلد ۱۱ ص ۴۱۳ بحوالہ مسلمؒ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے اصحاب اور امام شافعیؒ کے اصحاب میں سے ایک گروہ کی رائے ہے کہ بدعت کی طرف دعوت دینے والے کو بھی قتل کیا جا سکتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعزیر میں جلایا ہے۔[1] تعزیراً بات چیت کو ترک کیا ہے اور تعزیراً جلاوطن بھی کیا ہے[2] مثلاً آپؐ نے مخنثوں کو مدینہ سے نکلوا دیا۔

آپؐ کے بعد صحابہ کرامؓ نے اسی طریق کار پر عمل کیا چنانچہ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ صبیغ سے بات چیت نہ کی جائے[3] نیز حضرت عمرؓ نے نصر بن حجاج کو شہر بدر کر دیا تھا۔[4]

عقوباتِ مالیہ

امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک بعض مخصوص حالات میں مالی سزاؤں کو تعزیر کے طور پر نافذ کرنا جائز ہے۔ امام شافعیؒ کا بھی ایک قول یہی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں کی نظائر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور صحابہ کرام کے تعامل سے ثابت ہے کہ بعض حالات میں مجرم کو مالی سزا دی جا سکتی ہے۔ (مندرجہ ذیل واقعات کو شواہد اور نظائر کے طور پر پیش کیا جاتا ہے)

۱۔ جو شخص مدینہ کے حرم کی حدود میں شکار کھیلتا ہوا پایا جائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ساز و سامان چھین لینا مباح قرار دیا ہے۔[5]

۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ شراب کے مٹکے اور شراب نوشی کے تمام ظروف توڑ دیئے جائیں۔[6]

---

[1] صحیح بخاری جلد ۸ صفحہ ۳۴۲ [2] السنن الکبریٰ جلد ۸ صفحہ ۲۲۴ [3] سنن دارمی جلد ۱ صفحہ ۵۱ ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت عمر نے صبیغ کو لایعنی سوال کرنے پر پیٹا تھا۔ بعد میں صبیغ نے جب توبہ کر لی تو لوگوں کو اس کے ساتھ بولنے کی اجازت دیدی صفحہ ۵

[4] الاحکام السلطانیۃ لابی یعلی الحنبلی صفحہ ۲۸۴ [5] تفسیر ابن کثیر (اردو ترجمہ جلد ۲ صفحہ ۱۳ [6] السنن الکبریٰ جلد ۵ صفحہ ۱۹۹ بروایت سعد بن ابی وقاصؓ مسند الامام احمد جلد ۳ حدیث رقم ۱۴۴۴

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آپؐ نے حضرت عبداللہ بن عمروؓ کو حکم دیا کہ وہ عصفر میں رنگے ہوئے اپنے کپڑے جلا دیں۔[1]

۴۔ غزوہ خیبر کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم صادر فرمایا کہ وہ تمام ہانڈیاں توڑ دی جائیں جن میں پالتو گدھوں کا گوشت پکایا گیا تھا صحابہ کرامؓ نے آپؐ سے ان ہانڈیوں کو دھو لینے کی اجازت طلب کی تو آپؐ نے اجازت مرحمت فرما دی[2] اس حدیث سے دونوں احکام کا جواز نکلتا ہے۔ کیونکہ ہانڈیاں توڑنے کی سزا واجب نہ تھی۔

۵۔ آپؐ نے مسجدِ ضرار کو مسمار کروا دیا۔[3]

۶۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مالِ غنیمت میں خیانت کرنے والے کا مال و متاع جلوا دیا تھا۔[4]

۷۔ آپؐ نے اس شخص کو سلب سے محروم کر دیا تھا جس نے آپؐ کے نائب کو تکلیف پہنچائی تھی۔[5]

۸۔ جس کسی نے ہاتھ کاٹنے کے نصاب سے کم پھل یا مال کی چوری کی ہو آپؐ نے اس پر مالِ مسروقہ کی مالیت سے کئی گنا زیادہ جرمانہ عائد کیا۔[6]

۹۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گم شدہ اونٹ کے چھپانے والے پر کئی گنا زیادہ جرمانہ عائد کیا۔[7]

۱۰۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مانعین زکوٰۃ کے مال سے نصف مال تعزیر کے طور پر ضبط کر لیا۔[8]

---

[1] مسند امام احمد بتحقیق احمد محمد شاکر جلد ۱۱ حدیث رقم ۶۸۵۲، سنن ابی داؤد جلد ۴ صـ۹۱، سنن ابن ماجہ جلد ۲ صـ۱۱۹۱

[2] سنن ابن ماجہ جلد ۲ صـ۱۰۶۵ بروایت سلمہ بن الاکوعؓ مسلم جلد ۱۲ صـ۹۲ بروایت سلمہؓ

[3] مسند الامام احمد حدیث رقم ۱۴۴، نیل الاوطار جلد ۷ صـ۳۱۵ [4] نیل الاوطار جلد ۷ صـ۲۸۱

[5] سنن ابن ماجہ جلد ۲ صـ۸۶۵ مسند الامام احمد حدیث رقم ۶۶۸۳، سنن ابی داؤد جلد ۲ صـ۶۶ سنن ترمذی جلد ۲ صـ۲۶۱ سنن طبع ہند جلد صـ۲۴۰ [6] سنن ابن ماجہ جلد ۲ صـ۸۶۵ سنن ابی داؤد جلد ۲ صـ۶۶ تا صـ۶۸ سنن ترمذی جلد ۲ صـ۲۶۱ سنن نسائی صـ۲۴۰ طبع ہند، مسند امام احمد حدیث رقم صـ۶۶۸۳ حـ۱۴۴

[7] حوالہ سابقہ [8] المغنی لابن قدامہ جلد ۲ صـ۴۷۴ بحوالہ ابی داؤد اور نسائی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۱۔ سونے کی انگوٹھی پہننے والے مرد کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انگوٹھی اُتار کر پھینک دینے کا حکم دیا[۱]

۱۲۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے (سونے کے اس) بچھڑے کو جلوا کر اس کے بُرادے کو سمندر میں پھینکوا دیا تھا[۲]

۱۳۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سزا کے طور پر یہودیوں کے باغات کٹوا دیئے تھے[۳]

۱۴۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس مکان کو جلوا دیا تھا جہاں شراب فروخت ہوتی تھی۔

۱۵۔ جب حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے عوام سے ملنا بند کر دیا تو حضرت عمرؓ نے اُن کی رہائش گاہ جلوا دی تھی[۴]

عقوباتِ مالیہ میں فقہاء کی آراء

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے تمام مذکورہ فیصلے اہل علم میں معروف ہیں اور صحیح سندوں کے ساتھ مروی ہیں نیز ان کے متعلق نسخ کا دعویٰ کرنا بھی آسان نہیں لہذا جو عقوباتِ مالیہ کے منسوخ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ درحقیقت آئمہ کے مذاہب کو نقل اور استدلال کے اعتبار سے غلط سمجھا ہے۔ عقوباتِ مالیہ کے اکثر مسائل امام احمد بن حنبلؒ اور امام مالکؒ کے مذاہب میں اب بھی رائج ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرام کا مالی سزاؤں پر عمل کرنا ان کے دعوائے نسخ کی تردید کرتا ہے۔ عقوبات مالیہ کے منسوخ ہونے کے قائلین کے پاس کتاب وسُنّت اور اجماع امت میں کوئی بھی دلیل نہیں ہے۔ جو نسخ کے دعویٰ کی تائید کرے۔ ان کے پاس صرف یہ دلیل ہے کہ : یہ ہمارے اصحاب کا مذہب ہے۔" حالانکہ ان کے اصحاب کا مذہب اس قابل ہے کہ اس

---

[۱] سنن ابی داؤد جلد ۲ — مگر اس روایت میں لوہے کی انگوٹھی کا ذکر ہے۔
[۲] سورہ طٰہٰ ۹۷ ۔ [۳] صحیح بخاری جلد ۲، ص ۳۲۹
[۴] مسند امام احمد حدیث رقم ص ۳۹۰ البدایۃ والنہایۃ جلد ۷، ص ۴۲

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو کتاب و سُنت کی کسوٹی پر رکھ کر قبول یا ردّ کیا جائے۔ یہ بات بھی نہ بنی تو کہہ دیا کہ اجماعِ اُمت نے اس کو منسوخ کر دیا ہے۔ اور یہ بھی بہت بڑی غلطی ہے کیونکہ عقوباتِ مالیہ کے منسوخ ہونے پر کبھی اُمتِ مسلمہ مجتمع نہیں ہوئی۔ نیز اجماع سے ایک سُنتِ ثابتہ کا منسوخ ہونا محال ہے۔ اور اگر اجماع ثابت بھی ہو جائے تو یہ درحقیقت اس بات کی دلیل ہے کہ نسخ کے متعلق کو نص موجود ہے۔

علامہ ابن رشدؒ اپنی کتاب البیان میں رقمطراز ہیں :

"محتسب کو یہ اختیار حاصل ہے کہ مسلمانوں کی منڈی میں ملاوٹ والی روٹی، دودھ، شہد اور دیگر سامانِ تجارت جس کا اہلِ علم نے ذکر کیا ہے، ضائع کر دے۔"

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ "المدونہ" میں فرماتے ہیں :

"حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملاوٹ والا دودھ سزا کے طور پر زمین پر بہا دیا کرتے تھے۔" ابن القاسمؒ کی روایت کے مطابق امام مالکؒ دودھ کو زمین پر بہانا پسند نہیں کرتے تھے البتہ صدقہ کرنا صحیح سمجھتے تھے۔ مگر علامہ اشہبؒ کی روایت کے مطابق وہ صدقہ کرنے سے بھی منع کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ کسی انسان سے سرزد ہونے والے جرم سے اس کا مال مباح نہیں ہوتا خواہ اس نے قتل ہی کیوں نہ کیا ہو۔"

علامہ ابن ماجشونؒ نے دودھ میں ملاوٹ کے بارے میں علامہ اشہبؒ کے حوالے سے امام مالکؒ سے ممانعت میں روایت نقل کی ہے۔

علامہ ابن حبیبؒ فرماتے ہیں :

میں نے مطرفؒ اور ابن ماجشونؒ سے پوچھا کہ جو شخص ملاوٹ کرتا ہے یا کم تولتا ہے اس کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے۔ انہوں نے جواب دیا۔

"ایسے شخص کو قید اور کوڑوں کی سزا دی جائے گی اور بازار سے اٹھوا دیا جائے گا۔ ملاوٹ شدہ مال مثلاً روٹی، دودھ، مشک اور زعفران وغیرہ کو نہ تو ضائع کیا جا سکتا ہے نہ ضبط کیا جا سکتا ہے۔

علامہ ابنِ حبیبؒ فرماتے ہیں :

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حکومت ان اشیاء کو ضائع نہ کرے بلکہ کسی معتمد کو حکم دے کہ جو ان اشیاء کو کسی ایسے شخص کے پاس فروخت کر دے جو ملاوٹ نہ کرتا ہو اگر روٹیاں زیادہ ہوں تو ان کو توڑ کر اس کے حوالے کر دے اور ملاوٹ شدہ دودھ، گھی اور شہد وغیرہ ان اشیاء کے خریداروں کے پاس فروخت کر دے اور انکو ملاوٹ کے بارے میں بتا دے۔ اور یہ ہے وہ طریقِ کار جو ملاوٹ شدہ اشیاء کی تجارت کے بارے میں اختیار کیا گیا ہے اور یہ وہ توضیحات ہیں جو میں نے امام مالکؒ کے اصحاب سے حاصل کی ہیں۔"

امام مالکؒ سے منقول ہے کہ وہ ملاوٹ شدہ اشیائے تجارت کو صدقہ کر دینا مستحسن سمجھتے تھے۔ کیونکہ اسطرح ملاوٹ کرنے والے کو سزا بھی مل جاتی ہے اور مساکین کو بھی فائدہ پہنچ جاتا تھا۔ امام مالکؒ سے پوچھا گیا۔ "کیا مشک اور زعفران وغیرہ میں بھی آپ کی یہی رائے ہے؟"
امام مالکؒ نے فرمایا: "ہر وہ چیز جو اس کے مشابہ ہو اور اس کے مالک نے اس میں ملاوٹ کی ہو وہ حکم میں دودھ کی مانند ہے۔

علامہ ابن القاسمؒ نے امام مالکؒ کے اس قول کی اسطرح تاویل کی ہے۔
"یہ طرزِ عمل ان اشیاء کے بارے میں ہے جن کی قیمت بہت معمولی ہے اور اگر یہ اشیاء قیمتی ہوں تو میری رائے یہ ہے کہ ان کو ضائع نہیں کیا جا سکتا اور نہ ان کو صدقہ میں دیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اس طرح بہت زیادہ مال ضائع ہوگا اور صدقہ کرنے سے عقوبت اور تعزیر کی مقدار بڑھ جائے گی۔"

علامہ ابنِ رشدؒ کہتے ہیں:
"بعض شیوخ کہتے ہیں کہ اس بارے میں امام مالک کے مذہب میں ان اشیاء کی قلت وکثرت مساوی ہے کیونکہ امام مالکؒ اس مسئلہ میں زعفران، دودھ اور مشک وغیرہ میں مقدار کی قلّت و کثرت کو مساوی قرار دیتے ہیں۔"

علامہ ابن القاسم کی رائے

علامہ ابن القاسم اس رائے سے اختلاف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان کی رائے میں یہ مال تب صدقہ کیا جا سکتا ہے جب مال قلیل ہو اور یہ بھی ثابت ہو جائے کہ ملاوٹ اسی نے کی ہے۔ اگر اس کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پاس ملاوٹ والی چیز پائی گئی ہو اور اُس نے یہ ملاوٹ خود نہ کی ہو بلکہ اس نے یہ چیز کہیں سے خریدی ہو یا اس کو ہبہ کے طور پر ملی ہو یا وراثت میں حاصل ہوئی ہو تو اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اس میں سے کچھ بھی صدقہ نہ کیا جائے گا اور یہ واجب ہے کہ اس شئی کو اس شخص کے پاس فروخت کر دیا جائے جس کے متعلق یقین ہو کہ وہ آگے اس شئی کو خالص بتا کر فروخت نہیں کرے گا۔ اسی طرح وہ اشیاء جن کو صدقہ میں دینا مقصود ہو اس شخص کے پاس بیچ دی جائیں گی (جو آگے خالص ظاہر کر کے فروخت نہیں کرتا)

علامہ ابن القاسمؒ کا یہ قول جس میں تھوڑی مقدار کی اشیاء کو صدقہ میں دینے کا ذکر آتا ہے امام مالکؒ کے قول سے بہتر ہے کیونکہ ان اشیاء کا صدقہ کرنا عقوبات میں شمار ہوتا تھے اور اسلام کی ابتداء میں یہی حکم تھا۔ چنانچہ مانعین زکوٰۃ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے۔

"ہم زکوٰۃ وصول کریں گے اور اس کے مال کا کچھ حصہ بھی ضبط کریں گے۔ یہ ہمارے رب کا حکم ہے"[۲]

آپؐ نے کھجور کے (چوری کئے ہوئے) خوشے کے بارے میں فرمایا:

اس میں اتنا ہی جرمانہ ہے اور تعزیر کے طور پر اس کو کوڑے بھی لگائے جائیں[۳] ـــــــ

آپؐ سے منقول ہے کہ جو شخص حرم مدینہ کے علاقہ میں شکار وغیرہ کھیلتا ہوا پایا جائے اور وہ جس کو ملے اسے اجازت ہے کہ وہ اس کا سامان چھین لے[۴] ـــــــ ایسی بہت سی نظائر ملتی ہیں مگر سب منسوخ ہیں اور اس کے عدم وجوب پر اجماع ہے اور تب سے جسمانی سزائیں دی جانے لگی ہیں۔ لہٰذا علامہ ابن القاسم کا قول استحسان کے اعتبار سے تو صحیح ہے مگر قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ اس میں سے قلیل یا کثیر کچھ بھی صدقہ نہ کیا جائے۔"

---

[۱] المغنی لابن قدامہ جلد ۳ صفحہ ۷۷ [۲] مسند الامام احمد حدیث رقم صفحہ ۲۶۹۳ سنن ابی داؤد جلد صفحہ ـــ سنن ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۶۱ سنن ابن ماجہ جلد ۲ صفحہ ۸۶۵ سنن نسائی (طبع ہند) صفحہ ۲۴۰

[۳] السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۵ صفحہ ۱۹۹

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابنِ قیم کا جواب آپ کو معلوم ہے کہ اس بارے میں نسخ کا دعویٰ کرنیوالوں کے پاس نص یا اجماع میں سے کوئی دلیل نہیں ——— تعجب ہے کہ امام مالکؒ کی نص اور حضرت عمرؓ کے فعل کا ذکر کرنے کے بعد بھی (علامہ ابن رشدؒ نے علامہ ابن القاسمؒ کے قول کو اولیٰ قرار دیا ہے اور واضح نصوص کو بغیر کسی نص کے منسوخ قرار دیا ہے۔ حالانکہ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور دیگر صحابہ کرام، امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا قول زیادہ صحیح ہے بلکہ اسپر صحابہ کرام کا اجماع ہے۔ کیونکہ اس رائے کے مطابق متعدد جھگڑوں کے فیصلے ہوئے اور پھر یہ فیصلے لوگوں میں مشتہر ہو گئے مگر کسی ایک صحابی سے بھی اس بارے میں اختلاف مروی نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ صحابہ کرام کی موجودگی میں اس کے مطابق فیصلے کیا کرتے تھے، اور صحابہ کرامؓ ان فیصلوں کو تسلیم کر کے ان کو نافذ کرتے تھے وہ حضرت عمرؓ کے طریقِ کار کو صحیح قرار دیتے تھے۔

متاخرین کو جب کوئی امر مستبعد نظر آتا ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ یہ منسوخ ہے اور اس پر عمل متروک ہے ———

ابن القطانؒ نے فتویٰ دیا ہے ایسے ریشمی کپڑے جن کو اچھی طرح نہ بنا یا گیا ہو جلا دیئے جائیں اس بارے میں ابن عتابؒ کا فتویٰ ہے کہ ان کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں کاٹ کر مساکین میں تقسیم کر دیا جائے اور یہ بھی اس صورت میں جبکہ بننے والے کو بار بار تنبیہہ کی جا چکی ہو۔

اس کے بعد ابن القطان اپنے فتویٰ سے رجوع کرتے ہوئے کہتے ہیں ایک مسلمان کے مال میں اسکی اجازت کے بغیر تصرّف کرنا جائز نہیں البتہ ایسے جرم کا ارتکاب کرنے والے کو سزا دی جائے اور قاضی ابوالاصبغؒ ابن القطانؒ کی اس رائے پر تنقید کرتے ہوئے فرماتے ہیں " ابن القطانؒ کے جواب میں اضطراب اور تناقض ہے کیونکہ ریشمی کپڑے کے جلانے والے جواب میں صدقہ کرنیوالے جواب کی نسبت زیادہ شدّت ہے۔ ابن عتابؒ کا اصول زیادہ مضبوط اور وہ اپنے قول کی زیادہ پیروی کرنے والے ہیں۔

تفسیر ابن مزین میں عیسیٰؒ کا قول منقول ہے کہ امام مالکؒ ایسے تاجر کے بارے میں جو اپنے ناپنے والے پیمانے کے پیندے میں تارکول لگا کر اس کا حجم کم کر دے، فرماتے ہیں :

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"اس کو بازار سے اُٹھا دیا جائے۔ بازار سے اُٹھا دینا ہی اس کے لئے کافی سزا ہے"۔

عقوبات وتعزیرات میں علامہ ابن تیمیہؒ کے افادات

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

واجبات شریعت جو اللہ تعالیٰ کا حق ہیں تین اقسام میں منقسم ہیں۔

اوّل: عبادات جیسے نماز، روزہ اور زکوٰۃ وغیرہ

ثانی: عقوبات خواہ مقررہ ہوں یا مفوّضہ

ثالث: کفّارات۔

پھر ان واجبات میں سے ہر قسم مزید تین اقسام میں منقسم ہوتی ہے بدنی، مالی اور ان دونوں سے مرکب،

عبادات بدنیہ جیسے نماز اور روزہ

عبادات مالیہ جیسے زکوٰۃ۔

عبادات مرکبہ جیسے حج۔

کفارات بدنیہ جیسے روزہ۔

کفارات مالیہ جیسے مساکین کو کھانا کھلانا۔

کفارات مرکبہ جیسے ہدی وغیرہ جسے ذبح کر کے تقسیم کیا جائے۔

عقوبات بدنیہ جیسے قتل اور ہاتھ کاٹنا وغیرہ۔

عقوبات مالیہ جیسے شراب کے برتنوں کو ضائع کرنا۔

عقوبات مرکبہ جیسے چور کو کوڑے لگا کر اس کے جرمانے کو دگنا کر دینا۔ کفار کو قتل کرنا اور ان کے اموال کو چھین لینا۔

جسمانی سزا کبھی تو ان افعال پر دی جاتی ہے جن کا ارتکاب ہو چکا ہوتا ہے۔ جیسے چور کا ہاتھ کاٹنا۔ اور کبھی مستقبل میں کسی متوقع فساد کی روک تھام کے لئے جسمانی عقوبت سے کام لیا جاتا ہے اور کبھی اس سے دونوں مقاصد مطلوب ہوتے ہیں یعنی کسی گزشتہ جرم کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پاداشت میں یہ سزا دی جاتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ مستقبل میں جرائم کی روک تھام بھی مقصود ہوتی ہے۔ جیسے قاتل سے قصاص لینا وغیرہ۔

اسی طرح عقوباتِ مالیہ میں کچھ سزائیں ایسی ہیں جن کو منکرات کے ازالہ کے لئے نافذ کیا جاتا ہے اور عقوباتِ بدنیہ کی طرح یہ بھی تین انواع میں منقسم ہیں۔

۱۔ اتلاف

۲۔ تغییر

۳۔ اور تملیکِ غیر

وہ منکرات جو عینی اور صوری حالت میں ہوں تو ان کے مقام و محل کو ختم کرنا جائز ہے مثلاً وہ بت جن کی عبادات کی جاتی ہو ان کو تلف کرنا جائز ہے۔ اسی طرح اکثر فقہاء کے نزدیک آلاتِ لہو و لعب مثلاً طنبورہ وغیرہ کو توڑنا اور تلف کرنا جائز ہے۔ یہ امام مالک کا مذہب ہے اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے مشہور ترین روایت بھی یہی ہے۔

علامہ اثرم رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں۔ "امام احمد رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ ایک شخص نے ایک سارنگی توڑ دی جو کسی دوسرے شخص کی لونڈی کے پاس تھی۔ کیا توڑنے والے کو تاوان ڈالا جائے گا یا وہ اس کی مرمت کروا کے دے گا؟

امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا۔ "میرے خیال میں سارنگی توڑنے میں کوئی حرج نہیں۔ توڑنے والے پر نہ جرمانہ عائد کیا جائے گا اور نہ وہ سارنگی کی مرمت کروائے گا۔

امام احمد رحمہ اللہ سے پوچھا گیا: "اس بارے میں اس لونڈی کی بات ماننی کیسی ہے؟"

امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا: "اس بارے میں اسکی کوئی اطاعت نہیں۔"

ابوداؤد روایت کرتے ہیں: "میں نے امام احمد رحمہ اللہ سے سنا ہے ان سے پوچھا گیا، کچھ لوگ شطرنج کھیلتے تھے اور کسی کے منع کرنے کے باوجود وہ باز نہ آتے تھے۔ ایک شخص نے شطرنج لے کر پھینک دی۔"

امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا: "اس نے اچھا کیا۔"

امام صاحب سے پوچھا گیا۔ "اس شخص پر کوئی جرمانہ وغیرہ ہے؟"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اُنہوں نے فرمایا : "اس شخص پر کوئی جرمانہ نہیں "
ان سے پوچھا گیا : "اگر اسی طرح وہ شخص طنبورہ یا سارنگی وغیرہ توڑ دے تب اس پر جرمانہ عائد کیا جا سکتا ہے ؟
امام صاحب نے جواب دیا : "طنبورہ اور سارنگی توڑنے میں کوئی حرج نہیں "
عبداللہ بن احمد بن حنبلؒ روایت کرتے ہیں ۔ میں نے اپنے والد محترم سے سُنا ہے ان سے کسی ایسے شخص کے متعلق پوچھا گیا جو سارنگی طنبورہ اور ڈھولک وغیرہ دیکھتا ہے اسے کیا کرنا چاہیئے ___ ؟
انہوں نے جواب دیا : "اگر یہ اشیاء بر سر عام کھلی رکھی ہوں تو وہ ان کو توڑ دے "
یوسف بن موسیٰؒ اور احمد بن حسنؒ کہتے ہیں کہ امام احمدؒ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص طنبورہ وغیرہ دیکھتا ہے کیا وہ اسے توڑ دے ؟"
امام احمدؒ نے جواب دیا ____ "کوئی حرج نہیں "
ابو الصقرؒ کہتے ہیں کہ میں نے امام احمدؒ سے عرض کی ۔ "ایک شخص سارنگی اور طنبورہ وغیرہ دیکھتا ہے اور وہ ان کو توڑ دیتا ہے تو اسے کیا سزا ملنی چاہیئے ۔
امام صاحب نے جواب میں فرمایا : "اس نے اچھا کیا اس کے توڑ دینے پر اس کو کوئی سزا نہیں دی جا سکتی ۔"
جعفر بن محمدؒ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے امام احمد بن حنبلؒ سے طنبورہ اور سارنگی وغیرہ توڑنے والے کے متعلق استفسار کیا تو ان کی رائے یہ تھی کہ اس پر کوئی سزا نہیں "
اسحاق بن ابراہیمؒ روایت کرتے ہیں کہ امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا گیا ۔ "اگر ایک شخص ایک طنبورہ یا طبلہ وغیرہ کسی کپڑے وغیرہ میں چھپا ہوا دیکھے تو کیا وہ اسے توڑ دے ؟"
امام احمد نے جواب میں فرمایا : "اگر یہ واضح ہو کہ یہ واقعی طبلہ یا طنبورہ ہے تو وہ اسے توڑ سکتا ہے "____
اسحاق بن ابراہیم روایت کرتے ہیں کہ میں نے امام احمدؒ سے عرض کی کہ اگر ایک شخص طبلہ یا طنبورہ وغیرہ توڑ دے تو اس پر کیا جرمانہ ہونا چاہیئے ؟"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام صاحب نے فرمایا : " وہ یہ چیزیں توڑ سکتا ہے (ایسی چیزوں کے توڑنے پر) اس پر کوئی جرمانہ نہیں "
مروذی رح کہتے ہیں ۔" میں نے امام احمد سے ایک چھوٹے سے طنبورے کو توڑ دینے کے متعلق پوچھا جو ایک بچے کے پاس ہے "
انہوں نے جواب دیا : " اسے بھی توڑ دیا جائے ۔
میں نے عرض کی :" میں بازار سے گزرتا ہوں اور وہاں طنبورہ وغیرہ فروخت ہوتا دیکھتا ہوں ، کیا میں اسے توڑ دوں ؟"
امام احمد رح نے فرمایا : " میں نہیں سمجھتا تم اتنی طاقت رکھتے ہو ۔ اگر اتنی طاقت رکھتے ہو تو توڑ دو ۔"
میں نے عرض کی : " مجھے ایک میت کے غسل کے لئے بلایا جاتا ہے میں وہاں جاتا ہوں تو وہاں ڈھول کی آواز سنتا ہوں "
امام احمد رح نے فرمایا : اگر تم اس ڈھول کو توڑ سکتے ہو تو توڑ دو ورنہ وہاں سے نکل جاؤ ۔"
اسحاق بن منصور روایت کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص طنبورہ طبلہ اور بوتل وغیرہ دیکھے تو اس کے متعلق امام احمد بن حنبل نے فرمایا : "طنبورے اور طبلے کے علاوہ اگر بوتل میں کوئی نشہ آور چیز ہو تو اسے بھی توڑ دے "
صالح بن احمد بن حنبل رح اپنی کتاب "مسائل" میں لکھتے ہیں :" میرے والد محترم فرماتے ہیں ۔" خنزیر کو قتل کر دیا جائے ، شراب کو ضائع کر دیا جائے اور صلیب کو توڑ دیا جائے ۔"
قاضی ابو یوسف رح ، محمد بن حسن شیبانی رح ، اسحاق بن راہویہ رح اہلِ ظاہر اور اہل حدیث کا یہی مذہب ہے ۔ سلف میں سے ایک گروہ سے یہی رائے منقول ہے اور عادل قاضیوں کا بھی یہی مسلک ہے ۔ چنانچہ ابوحُصین روایت کرتے ہیں ۔
" ایک شخص نے طنبورہ توڑ دیا طنبورے کا مالک قاضی شریح رح کے پاس اپنا مقدمہ لے گیا مگر قاضی شریح رح نے طنبورہ توڑنے والے سے کوئی تاوان لے کر نہ دیا ۔
امام شافعی رح کے اصحاب کہتے ہیں کہ اگر توڑنے والا طنبورے کو اسطرح توڑے کہ اسی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صورت ہی بدل کر رکھ دے تب تو اس پر ضمان لازم آئے گا اور نقصان کمتر ہو تو ضمان لازم نہیں ہو گا کیونکہ یہ زائل کئے جانے ہی کا مستحق ہے۔ لہٰذا اگر اس کو ناکارہ کر دیا جائے تو بہر حال اس سے فائدہ اُٹھائے جانے کے قابل ہونے کے، باعث اس کی مالیت ضائع نہیں ہوئی۔ اس میں جو چیز بُری ہے وہ اس کی مخصوص ہیئت ہے اگر یہ ہیئت باقی نہ رہے تو اس میں بُرائی بھی باقی نہ رہے گی بنا بریں ہم نے اس شخص پر جو ضرورت سے زائد توڑ پھوڑ کرتا ہے ضمان واجب کیا ہے، اور پسپائی اختیار کرنے والے زخمی باغیوں کے متعلق بھی یہی حکم ہے۔ مُردار کے متعلق حکم ہے کہ بھوک اور اضطراری حالت میں حاجت اور ضرورت سے زیادہ استعمال نہ کیا جائے۔"

پہلے قول کے قائلین کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق قرآن مجید میں نقل کیا ہے کہ اُنہوں نے بچھڑے کے اس بت کو جلا کر اس کی راکھ کو سمندر میں اُڑا دیا تھا جس کو پوجا جاتا تھا۔ یہ اس کو کلی طور پر ختم کرنا اور ضائع کرنا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق قرآن مجید فرماتا ہے:

فَجَعَلَهُمْ جُذَاذًا — (حضرت ابراہیم نے ان بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا) یہ منکر اشیاء کے استیصال کے بارے میں ہے۔

امام احمدؒ نے مسند میں اور طبرانیؒ نے معجم میں ابو اُمامہؓ کے واسطے سے حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام جہانوں کے لئے رحمت اور ہدایت بنا کر بھیجا ہے۔ نیز میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں مزامیر و معازف، صلیب اور بُتوں کو توڑ دوں اور جاہلیت کے تمام کاموں کا خاتمہ کر دوں۔" [1]

قیاس بھی اسی کا تقاضا کرتا ہے کیونکہ ضمان ہمیشہ اس چیز میں ہوتا ہے جو معاوضہ کی کفیل ہو مگر یہاں یہ صفت مفقود ہے لہٰذا اس کا ضمان نہیں اور معاوضہ کی کفالت ہم

---

[1] نیز ملاحظہ ہو مصنف موصوف کی کتاب " اغاثۃ اللھفان " جلد ۱ ص ۲۸۱

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس لئے کہتے ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اللہ تعالیٰ نے شراب، مُردار اور بتوں کی بیع حرام کر دی ہے، اور یہ نص ہے

ایک جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ جس چیز کو حرام ٹھہرا دیتا ہے اسکی قیمت بھی حرام ٹھہرا دیتا ہے۔"[۱]

رہا اس چیز کی شکل بگاڑنے کے بعد اس کے برتن وغیرہ بنا لینا تو اسکی تحریم کے باعث اس ضمان کا وجوب ثابت نہیں ہوتا کیونکہ یہ ایک حرام چیز کا جُز دیا ظرف بن گیا تھا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کے مٹکوں اور شراب پینے کے برتنوں کو توڑنے کا حکم دیا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ رسوائی اور تکریم میں مجاورت تاثیر رکھتی ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

قَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ إِنَّكُمْ إِذًا مِثْلُهُمْ۔	اللہ تعالیٰ نے تم پر کتاب میں یہ بات نازل کر دی ہے کہ جب تم اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر یا استہزا ہوتے ہوئے سُنو تو ان کے ساتھ نہ بیٹھو جب تک وہ کوئی دوسری بات نہ چھیڑ دیں۔ اگر اس حالت میں بھی بیٹھے رہے تو تم بھی ان جیسے ہو گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ ایسے لوگوں کے متعلق پوچھا گیا جو مشرکین میں رہتے ہیں اور ان کے ساتھ کھانے پینے میں شرکت کرتے ہیں۔ آپؐ نے کچھ اس طرح کے مفہوم میں جواب عنایت فرمایا: "وہ ان میں سے ہیں۔"

جب مجاورتِ منفصلہ میں تاثیر کا یہ حال ہے تو اس مجاورت کا کیا حال ہو گا جہاں حرام اجزاء کا ایک جزء شمار ہوتا ہو یا ان سے پیوستہ ہو مجاورت کی تاثیر عقل، شرع اور عرف کے اعتبار ثابت ہے۔

---

[۱] صحیح مسلم جلد ۱۱ ص۸

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مقصد یہ ہے کہ تعزیر اور سزا کی خاطر مال کا اتلاف منسوخ نہیں ابوالہیاج اسدی راوی ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے مجھ سے فرمایا :

"کیا میں تجھے اس کام پر نہ بھیجوں جس کام پر اللہ کے رسول نے مجھے بھیجا تھا۔؟ وہ یہ تھا کہ میں کوئی ایسی تصویر نہ چھوڑوں جسے مٹا نہ دوں ، اور کوئی ایسی بلند قبر نہ چھوڑوں جسے برابر نہ کر دوں"۔[1]

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ تصویر کہیں بھی ہو اس کو مٹا دینا چاہیئے اسیطرح بلند وبالا قبروں کو پیوند زمین کر دینا ، چاہے خواہ یہ قبریں اینٹ اور پتھر سے بنی ہوئی ہوں ۔

علامہ مروذی رحمہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل رحمہ سے پوچھا کہ ایک آدمی ایک مکان کرائے پر لیتا ہے اور اس مکان میں تصویریں بنی ہوئی دیکھتا ہے ۔آپ کی کیا رائے ہے کیا ان تصویروں کو کھرچ دیا جائے ؟"

امام احمد رحمہ نے فرمایا : "ہاں !" ——— اور انکی دلیل یہی حدیث ہے ۔

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباس رض کے واسطے سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی گھر میں تصویر دیکھ لیتے تو اس گھر میں داخل نہ ہوتے جب تک کہ آپ کے حکم سے اس تصویر کو مٹا نہ دیا جاتا۔[2]

صحیحین کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"جس گھر میں کتا یا تصویر ہو اس گھر میں رحمت کا فرشتہ داخل نہیں ہوتا ۔"[3]

امام بخاری حضرت عائشہ رض کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ اگر آپ کے گھر میں کوئی ایسی چیز ہوتی جس میں صلیب کا نشان ہوتا تو اس کو مٹائے بغیر نہ چھوڑتے"۔[4]

صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رض سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"اس ذات کی قسم ! جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے ،تم میں عنقریب ابن

---

[1] سنن ابی داؤد جلد ۳ ص۲۰۷ [2] صحیح بخاری جلد ۸ ص۱۶ (قدرے مختلف الفاظ میں)

[3] صحیح بخاری جلد ۱۰ ص۳۸۰ [4] صحیح بخاری جلد ۱۰ ص۳۸۵

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

[illegible] ایک اور جز ختم کر دیں [illegible]

جو میں اللہ تعالیٰ کے رسول ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ اور خاتم المرسلین حضرت محمد [illegible] اللہ اجمعین، تمام ان محرمات کی مکمل بیخ کنی کرتے رہے ہیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم [illegible] کا مذہب تھا جو ان نفوسِ قدسیہ کی مخالفت کرتا ہے۔ وہ قابلِ التفات نہیں۔

علامہ مروذیؒ کہتے ہیں کہ اُنھوں نے امام احمدؒ سے پوچھا۔

"مجھے چاندی کا ایک لوٹا بیچنے کے لئے دیا گیا ہے۔ آپ کی کیا رائے ہے کہ [illegible] اسے اسی حالت میں فروخت کر دوں یا توڑ کر؟"

اُنھوں نے فرمایا: "اسے توڑ دو۔"

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو یہ بات سنائی گئی ایک شخص نے چند لوگوں کو بلایا [illegible] کا ایک طشت اور لوٹا لایا گیا اس نے وہ طشت اور لوٹا توڑ دیا۔ امام صاحب کو یہ بات اچھی لگی —— علامہ مروذیؒ روایت کرتے ہیں:

امام احمد نے مجھے کوئی چیز دے کر ایک شخص کے پاس بھیجا۔ چنانچہ میں اس کے پاس گیا تو وہ ایک سُرمہ دانی لے آیا جس کا سَر چاندی کا تھا۔ میں نے اسے کاٹ دیا: "جناب امام کو یہ بات بہت اچھی لگی اور وہ مسکرا دیئے"

ان اتلاف کی وجہ یہ ہے کہ صنعت حرام ہے لہذا اسکی کوئی حرمت و قیمت [illegible] اس ہیئت کی تعطیل مطلوب ہے جو حرام کے زمرے میں آتی ہے۔ اس تعطیل کا [illegible] ایک نیک کام ہے اور نیک کام کرنیوالوں پر کوئی گرفت نہیں۔

وَمَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِنْ سَبِيلٍ والحمد للّٰہ رب الـ[illegible]

والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین و امام[illegible]

وآلہ وصحبہ والتابعین لھم باحسان الی یوم الدین

[illegible] شاہین [illegible]

[illegible]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کتابیات

کتاب کے حواشی تحریر کرتے وقت درج ذیل کتب سے استفادہ کیا گیا

الاتقان ، للسیوطی
الاحکام السلطانیہ - لابی یعلیٰ
اخبار القضاۃ
ارشاد الفحول للشوکانی
الاصابۃ - لابن حجر
الاصول من الکافی للکلینی
اصول البزدوی للبزدوی
اعلام الموقعین لابن القیم
اغاثۃ اللھفان لابن القیم
البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر
تاریخ بغداد للخطیب بغدادی
تاریخ الخلفاء - للسیوطی
تذکرۃ الحفاظ - للذہبی
التعریفات للجرجانی
تہذیب السنن لابن القیم
جمع الفوائد
روح المعانی للآلوسی

سنن ابی داؤد
السنن الکبریٰ للبیہقی
سنن ابن ماجہ لابن ماجہ
سنن الترمذی مع تحفۃ الاحوذی
سنن الدارقطنی ، للدارقطنی
سنن الدارمی للدارمی
سنن النسائی (طبع ہند)
شرح معانی الآثار للطحاوی
صحیح البخاری مع فتح الباری
صحیح مسلم مع شرح النووی
طبقات ابن سعد
عون المعبود شرح ابی داؤد
فرق الشیعۃ
قواعد التحدیث للقاسمی
مؤطا الامام مالک مع تنویر الحوالک للسیوطی
مجموع فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ
المحلی لابن حزم

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسیل ابی داؤد

دالامام احمد بتحقیق احمد محمد شاکر

دالامام احمد طبع قدیم

نّف عبدالرزاق

صنف ابن ابی شیبہ

لمغنی لابن قدامۃ

مقدمۃ ابن الصلاح

الملل والنحل للشہرستانی

الملل والنحل لابن حزم

نخبۃ الفکر لابن حجر

نیل الاوطار للشوکانی

04927

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مُترجم کی آئندہ کتاب

حافظ ابنِ قیم رحمۃ اللہ علیہ کی معروف کتاب

مدارج السالکین

کا اردو ترجمہ

جو آپ کو صحیح معنوں میں اسلامی تصوّف سے آشنا کرے گی ۔ یہ معرکۃ الآراء کتاب

فاروقی کتب خانہ

نے ۱۹۹۵ء میں آپ کی خدمت میں پیش کرنے کا پروگرام بنایا ہے ۔

فون نمبر 41809

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

۱۵۰۵ احادیث پر مشتمل گھریلو ضروری مسائل کا انسائیکلوپیڈیا

بلوغ المرام

مترجم اردو

جو ہر گھر کی ضرورت ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی انتخاب کردہ احادیث کا

یہ مجموعہ

نویں صدی ہجری سے لے کر اب تک ہر مکتب فکر کے لوگوں میں یکساں طور پر مقبول چلا آ رہا ہے۔ حدیث کے ہر طالب علم کو یہ مجموعہ زبانی یاد کرایا جاتا ہے۔ ہم نے اس کی مقبولیت کے پیش نظر اسے

مولینا عبد التواب محدث ملتانی رحمۃ اللہ علیہ

کے انتہائی آسان اردو ترجمہ اور تشریح کے ساتھ نہایت ہی خوبصورت کتابت کرا کے عمدہ کاغذ پر طبع کرایا ہے۔ اگر آپ اپنے بچوں کو وضو اور غسل سے لے کر خرید و فروخت تک کے تمام مسائل سے قلیل وقت میں واقف بنانا چاہتے ہیں تو آج ہی اس کتاب کا ایک نسخہ خرید کر گھر میں رکھنا نہ بھولیے۔

فاروقی کتب خانہ ۰ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان